ایم۔اے راحت

پبلیکیشنز
ٹبہ بابا فرید ضلع کچہری لاہور
Ph:7311965
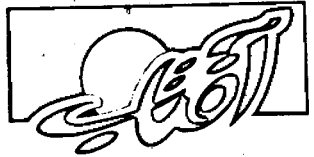
طیارہ ایک پرسکون پرواز کر رہا تھا۔ ائیر ہوسٹسیں اپنے فرائض سرانجام دے رہی تھیں، کئی ملکوں اور کئی نسلوں کے مسافر طیارے میں موجود تھے اور میرا ذہن کسی ایسی کہانی کی تلاش میں بھٹک رہا تھا جو اپنی طرز کی بے مثال ہو۔ کوئی ایسی کہانی جو منفرد ہو، لیکن کہانی کا موضوع ابھی تک میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ کیا کہانی ہے۔ کیا کہانی ہونی چاہیے۔

میری نگاہ طیارے کے مسافروں کا جائزہ لینے لگی۔ طویل ترین بوئنگ کے آخری سرے تک تو میں مسافروں کا جائزہ نہیں لے سکتا تھا لیکن جہاں تک نظر کام کر جائے...... اور جہاں تک نظر نے کام کیا مجھے بہت سے ایسے کردار نظر آئے جن کے چہرے بے شمار انوکھی کہانیوں کے اوراق تھے۔ ان چہروں پر کہانیاں تحریر تھیں۔ آہ...... کاش میں یہ کہانیاں سن سکوں، انہیں تحریر کرسکوں۔

لیکن یہ سب آسان نہیں تھا۔ یہ ایک ایسی خواہش تھی جو پوری نہیں ہوسکتی تھی۔ اول تو سفر مختصر، پھر بھلا یہ لوگ میری یہ فرمائش کبھی پوری کریں گے۔ ہاں...... اگر کوئی ایسا عمل ہو جائے جس سے ہم لوگوں کو ساتھ وقت گزارنے کا موقع مل جائے تو کم از کم میں اپنے منتخب افراد سے ان کی داستانیں ضرور سنو۔ اے کاش۔ کچھ ہو جائے۔ مثلاً یہ جہاز کسی خوفناک طوفان میں گھر جائے اور پائلٹوں کو اسے کسی ویرانے میں اتارنا پڑے۔ آہ کیا پرلطف بات ہو۔ کہانی تو آسانی سے شروع ہوسکتی ہے۔

اور کہانی شروع ہوگئی۔ اتنے بڑے بوئنگ کو ایسے شدید جھٹکے لگنا کسی بہت بڑے خطرے کی نشانی تھی۔ افراتفری مچ گئی۔ جہاز کے شیشوں سے ایک خوفناک طوفان کے

آ ثار نظر آنے لگے۔ چاروں طرف بجلیاں کوند رہی تھیں اور ماحول بے حد بھیانک ہو گیا تھا۔ پائلٹ کیبن میں پائلٹ قسمت کی آزمائش میں مبتلا تھے۔ وہ طوفان کی شدت سے خوفزدہ تھے اور ماہرانہ تدبیریں کر رہے تھے لیکن جہاز پر ہواؤں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ بجلیاں جہاز سے آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں۔

"جہاز کو بلندی پر لے جانا خطرناک ہو گا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں سر، ہمیں بلندی کم کر دینی چاہئے۔"

"چلو۔!"

اور جہاز کو نیچے لے جایا جانے لگا۔ اس خوفناک طوفان میں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کب جہاز کسی بلند چوٹی سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔ یہ خطرہ موجود تھا۔ بجلیوں کی تیز روشنیوں سے کبھی کبھی ماحول روشن ہو جاتا تھا' اور بلند پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ نظر آنے لگتا تھا۔ لیکن اوپر بھی موت تھی اور نیچے بھی۔ فیصلہ نہ کیا جا سکتا تھا کہ کون سی موت ان کا مقدر بنے گی۔

اور پھر جہاز کو ایک خوفناک جھٹکا لگا اور پائلٹ ایک دوسرے پر لڑھک گئے۔ انہوں نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا لیکن پائلٹ کیبن کو کافی نقصان پہنچ گیا تھا۔ بے شمار ڈائل ٹوٹ گئے تھے۔ شیشے کے ٹکڑے پورے کیبن میں بکھر گئے تھے۔ سمت نما بالکل ناکارہ ہو گیا تھا اور یہ تباہی بجلی کی زبان نے مچائی تھی جو کسی طرح برق شکن کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

مسافروں میں چیخ و پکار مچ گئی اور ہوسٹس حتی المقدور انہیں پرسکون رکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن اب موت سامنے تھی۔ لوگ سب کچھ بھول گئے تھے اور وحشت زدہ ہو کر شیشوں سے باہر دیکھ رہے تھے۔

پائلٹوں نے سنبھل کر ڈگمگاتے جہاز کو سنبھالا۔ اس کے دو انجن ناکارہ ہو گئے تھے اور یہ صرف ایک حملے میں ہوا تھا۔ طوفان نجانے کب تک رہے گا۔ ابھی تو ابتداء تھی۔ پائلٹ اس بات کو محسوس کر رہے تھے۔

"شہر یار!" خرم شاہ نے لرزتی آواز میں پکارا اور نوجوان شہر یار اسے دیکھنے لگا۔

"حالات ضرورت سے زیادہ خراب ہو گئے ہیں۔ جہاز کے مسافروں کو اب زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ کیوں نہ ان لوگوں کو اس بات سے آگاہ کر دیا جائے۔"

"نہیں مسٹر خرم شاہ' میں اس کے خلاف ہوں اگر موت مقدر ہے تو ان لوگوں کو موت سے قبل اس کا خوف کیوں دلایا جائے۔ کیا آپ لوگ حالات سے بالکل مایوس ہو گئے ہیں؟" تھرڈ پائلٹ فیروز نے کہا۔

"ہاں! حالات اب ہمارے کنٹرول سے باہر ہو چکے ہیں۔ اب تو ہم کسی سمت کا بھی اندازہ نہیں کر سکتے۔ نہ جانے ہم کہاں ہیں۔ جہاز کا رخ کس طرف ہے۔"

"گویا موت بالکل قریب ہے؟" فیروز نے دیوانگی بھرے لہجے میں پوچھا اور دوسرے لوگ اس قوی ہیکل نوجوان کو دیکھنے لگے جو خاموش طبع اور متین تھا لیکن اس وقت اس کی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔

"ہاں۔ موت قریب ہے فیروز۔ لیکن اس کا یہ مقصد تو نہیں کہ حواس کھو دیئے جائیں۔ آخر ایک دن سب کو مرنا ہے۔" خرم شاہ نے کہا۔

"آپ کا خیال غلط ہے جناب۔" فیروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "دراصل میری خواہش ہے کہ جہاز کو ایک ناکارہ چیز سمجھ کر میرے حوالے کر دیا جائے۔ موت نے ہم پر حملہ کیا ہے۔ ہم اس سے بھرپور مقابلہ کر کے خود کو اس کے حوالے کریں گے۔"

"اوہ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ اگر تمہارے ذہن میں کوئی آئیڈیا ہے تو ہم تم سے تعاون کریں گے۔"

"آپ میرے خیال کو دیوانگی کہیں گے۔ میں جو کچھ کروں گا' تجربے اور ہوابازی کے اصولوں کے خلاف ہو گا' اور مجھے یقین ہے کہ اس مشکل میں بھی آپ مجھے اس کی اجازت نہیں دیں گے۔"

"تم بتاؤ تو ہمیں۔" خرم شاہ نے کہا اور ایک بار پھر انہیں خود کو سنبھالنا پڑا۔ جہاز کے کسی حصے پر دوبارہ بجلی گری تھی۔ لیکن فیروز نے انہیں کچھ بتانے کی زحمت نہ کی۔ وہ تھرائٹل کی طرف بڑھا' اور اس نے اسے انتہائی اوپر تک کر دیا۔ جہاز کا اگلا حصہ آسمان کی طرف بلند ہو گیا اور اب وہ اوپر اٹھ رہا تھا۔ بالکل کسی راکٹ کی طرح۔ مسافر کرسیوں

سے چپک گئے تھے۔ ہوسٹسیں جہاز کے آخری حصے میں گر پڑی تھیں اور انہیں کافی چوٹیں آئیں تھیں۔ خود پائلٹ کیبن کے دروازے پر جا گرے تھے۔ اب جہاز ایک کنویں کی طرح تھا جس کی دیواروں میں نصب شدہ کرسیوں میں انسان لٹک رہے تھے۔ اگر مضبوط چمڑے کی پیٹیاں انہیں سنبھالے نہ ہوتیں تو وہ سب جہاز کی دم میں بھرے ہوتے۔

''فیروز۔ تم پاگل ہوگئے ہو' یہ کیا کر رہے ہو' جہاز سیدھا کرو۔'' خرم شاہ اپنے اوپر سے دوسرے پائلٹوں کو دھکیلتا ہوا بولا۔

''اگر تم لوگوں میں سے کسی نے مجھے روکنے کی کوشش کی تو اسے قتل کر دوں گا۔'' فیروز نے دیوانگی سے کہا۔ وہ جہاز کے تھراٹل سے لٹکا ہوا تھا اور ایک ہاتھ سے جہاز کی رفتار مسلسل تیز کرتا جا رہا تھا۔ پائلٹوں نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ خود وہ اٹھنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے دماغ سنسنا رہے تھے۔ آنکھوں میں تاریکی پھیلتی جا رہی تھی اور جہاز کسی راکٹ کی طرح آسمان پر سیدھا اٹھ رہا تھا۔ اس وقت اگر بجلی کی کوئی لہر اس کے اوپری حصے کو چوم لیتی تو وہ اس کا آخری بوسہ ہوتا۔ اس کے بعد جہاز کا وجود باقی نہ رہتا۔ لیکن برقی جھکڑوں کے تمام نشانے خالی جا رہے تھے۔ البتہ اگر جہاز سیدھی حالت میں ہوتا تو اب تک ان کے کئی حملے کامیاب ہو چکے ہوتے۔

نہ جانے کتنی بلندی تک وہ اسی طرح اٹھتا رہا۔ مسافروں کے دم گھٹے جا رہے تھے اور پھر فیروز نے دوسری کوشش کی۔ اس نے تمام تھراٹل جھکا دیئے اور ایک بار پھر خوفناک افراتفری مچ گئی۔ بہت سے مسافر زخمی ہوگئے تھے۔ ایک ہوسٹس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی تھیں۔ پائلٹ بھی جہاز کے انجن سے ٹکرائے تھے۔ شہریار کا سر پھٹ گیا تھا۔ چنانچہ خرم شاہ اور پیٹر دیوانہ وار فیروز پر جھپٹے۔ انہوں نے اس دیوانے کو قابو میں کرنے کی کوشش کی۔ لیکن فیروز ان چاروں میں سب سے کم عمر اور سب سے قوی ہیکل تھا۔ اس وقت اس کی ذہنی حالت بالکل درست نہ تھی۔ اس کے طاقتور گھونسے نے پیٹر کو کئی فٹ اچھال دیا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے خرم شاہ کی گردن پکڑ لی تھی۔

''میں آپ کی بے حد عزت کرتا ہوں مسٹر خرم شاہ۔ براہ کرم اس وقت صرف وہ ہونے دیجئے جو میں چاہ رہا ہوں۔'' اس نے خونخوار لہجے میں کہا اور خرم شاہ نے دونوں

ہاتھ اٹھا دیئے۔ ''شکریہ!'' فیروز نے اس کی گردن چھوڑ دی اور پھر اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ جہاز تیز رفتاری کی آخری حدوں کو چھونے لگا۔ اس کے انجنوں سے شعلے نکلنے لگے لیکن فیروز کو کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ اب وہ جہاز کو نیچے.......... اور نیچے اتار رہا تھا۔ اور چند منٹ کے بعد ان سب نے محسوس کیا کہ طوفان پیچھے رہ گیا ہے۔ وہ جہاز کا تعاقب کرنے میں ناکام رہا ہے اور یہ احساس جہاں حیران کن تھا وہیں دلوں میں مسرت کی لہریں پیدا کرنے والا تھا کہ انہوں نے طوفان کو شکست دے دی ہے۔ وہ طوفان کے چنگل سے نکل آئے ہیں اور اب طوفان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ زخمی ہونے کے باوجود ان کے دلوں میں نئی امنگیں پیدا ہوگئیں۔ ان کے جسموں میں پھرتی آ گئی۔ انہوں نے ہوش میں آ کے اپنا کام سنبھال لیا لیکن جہاز کی حالت دیکھ کر ان کے ہوش ایک دفعہ پھر گم ہوگئے۔ صرف دو انجن کام کر رہے تھے۔ ایندھن کی مقدار بتانے والی سوئی اب بے جان ہو چکی تھی۔ گویا ایندھن ختم ہو چکا ہے اور جہاز صرف ریزرو میں چل رہا ہے۔ دو انجن تباہ ہو چکے ہیں اور باقی دو انجن بالکل بیکار ہیں۔ وہ کتنی دیر تک ساتھ دیں گے۔

اس خوفناک صورت حال کے بعد سب سے پہلے جس چیز کا جائزہ لینا تھا وہ جہاز کی بلندی تھی۔ خرم شاہ نے بلندی کے آلے کا جائزہ لیا اور اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ جہاز زمین سے صرف پچاس فٹ اوپر تھا۔ معجزہ ہی تھا۔ ہاں، یہ معجزہ تھا کہ ابھی تک جہاز کے پرخچے نہیں اڑے تھے۔ انہوں نے آنکھیں صاف کر کے ونڈ شیلڈ کے دوسری طرف دیکھا۔ تاحد نگاہ سفید میدان نظر آ رہے تھے۔

''برف''۔ ان کے ذہن میں تصور ابھرا' وہ کسی برفانی علاقے میں ہیں۔ مگر کیا ان برف کے میدانوں میں طیارہ بحفاظت اتر سکے گا۔ اگر اتر نہ سکا تو گر پڑے گا۔ خرم شاہ کو خود ہی اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ دیر کرنا موت کو قریب تر لانا تھا۔ چنانچہ اس نے بڑی نرمی سے فیروز پر اپنا مافی الضمیر واضح کر دیا اور فیروز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آپ کا مشورہ درست ہے مسٹر خرم شاہ۔ یہ لیجئے۔'' اس نے طیارے کو پھر خوفناک انداز میں نیچے جھکا لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی انجن بند کر دیئے۔ طیارے نے برف سے ایک خوفناک رگڑ کھائی اور برف کے سفید ذرات کا بادل بلند ہوگیا۔ ونڈ شیلڈ

ڈھک گئی اور پھر طیارہ حیرت انگیز طور پر رک گیا۔ نہ جانے کیسے۔؟ بہر حال رک گیا تھا۔

خرم شاہ نے ایک گہری سانس لی۔ وہ فیروز کی بے مثال جرأت پر دنگ تھا۔ درحقیقت اس وقت فیروز جیسا آدمی ہی اس بے دردی سے طیارے کو زمین پر دے مار سکتا تھا۔ اگر وہ احتیاط سے اسے نیچے اتارنے کی کوشش کرتے تو اتنی آسانی سے کامیابی حاصل نہیں ہوتی اور ممکن تھا طیارہ ضائع ہو جاتا۔ اس وقت اندھے اقدامات کی ہی ضرورت تھی۔

وہ سب دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر گہری گہری سانسیں لینے لگے۔ ونڈ شیلڈ برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔ لیکن اب اس کی طرف توجہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس سے پہلے مسافروں کی خبر لینی تھی۔ چنانچہ وہ چاروں ہمت کر کے اٹھے اور پائلٹ کیبن کا دروازہ کھول کر دوسری طرف نکل آئے۔ مسافروں پر سکرات کا عالم طاری تھا۔ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ زخمی ہوسٹسیں بے ہوش پڑی تھیں۔ بہت سے مسافروں کے جسموں سے خون بہہ رہا تھا۔ ان میں سے اکثر کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ شاید بے ہوش ہو گئے تھے۔ بہت سوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ حواس کھو بیٹھے تھے اور ان پر سکتہ طاری تھا۔

''ہماری طرف سے زندہ بچ جانے پر مبارک باد قبول کریں۔ طیارے کو نیچے اتار لیا گیا ہے۔'' خرم شاہ نے ان لوگوں کی ناگفتہ بہ حالت کو تشویش سے دیکھتے ہوئے کہا اور بہت سے بے جان جسموں میں زندگی دوڑ گئی۔

''ہاں۔ بچ گئے۔ بچ گئے ہم۔ بچ گئے۔'' کئی آوازیں ابھریں اور دوسرے لوگ بھی چونک پڑے اور پھر انہوں نے دیوانہ وار سیٹ بیلٹس کھول دیں۔ قہقہے لگانے لگے، ناچنے لگے۔ ان سب کے اعصاب کشیدہ تھے لیکن اب بھی بہت سے لوگ اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔

''تم ائر ہوسٹسوں کو دیکھو۔ وہ بے چاریاں اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے سب سے زیادہ مصیبت کا شکار رہی ہیں۔'' خرم شاہ نے تینوں پائلٹوں سے کہا اور ان تینوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ انہوں نے ائر ہوسٹسوں کو باری باری اٹھا کر ایک جگہ لٹا دیا۔ دو

ائر ہوسٹسیں زندگی کھو بیٹھی تھیں۔ ان میں سے ایک کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی تھیں۔ دوسری کا سر پاش پاش ہو گیا تھا۔ ان دونوں کی لاشوں کو ڈھک دیا گیا اور وہ دوسرے مسافروں کا جائزہ لینے لگے۔

پھر خرم شاہ نے مسافروں سے اپیل کی۔ ''ہمارے پاس فرسٹ ایڈ کا کافی سامان موجود ہے۔ براہ کرم آپ میں سے جو حضرات ڈاکٹر ہوں یا ابتدائی طبی امداد سے واقفیت رکھتے ہوں، وہ رضا کارانہ طور پر دوسروں کی مدد کریں۔'' اور اس کی اپیل پر بہت سے لوگ تیار ہو گئے۔ انہوں نے خرم شاہ کی بتائی ہوئی جگہ سے فرسٹ ایڈ کا سامان حاصل کیا اور زخمی مسافروں کی مرہم پٹی کرنے لگے۔ خرم شاہ اور اس کے ساتھی بھی تیزی سے مصروف عمل تھے۔ ابھی تک انہوں نے اس جگہ کی طرف توجہ نہیں دی تھی جہاں طیارہ اترا تھا۔ بہر حال وہ بعد کی بات تھی۔ پہلے مسافروں کی مکمل خبر گیری ضروری تھی۔ یہ بہت ضروری کام تھا۔ جہاز کے مسافر پوری تندہی سے تعاون کر رہے تھے۔ معمولی زخم والوں نے اپنے زخموں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دوسروں کی مرہم پٹی پر زیادہ توجہ دی تھی اور سب کے تعاون سے وہ بہت جلد حالات پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے۔

لیکن پورے مسافروں کے سروے سے چند المناک انکشافات بھی ہوئے تھے۔ مسافروں میں سے تینتالیس افراد حرکتِ قلب بند ہونے سے ہلاک ہو گئے تھے۔ ان میں زیادہ تر عورتیں تھیں اور چند کمزور دل کے مرد بھی تھے۔ دو ائر ہوسٹسیں ہلاک ہوئی تھیں۔ اس طرح مرنے والوں کی تعداد پینتالیس تھی اور بہر حال یہ ایک بڑی تعداد تھی لیکن کیا کیا جا سکتا تھا۔ باقی لوگوں کا بچ جانا ہی معجزہ تھا۔

لاشوں کو جہاز کے آخری حصے میں پہنچا دیا گیا۔ سیٹیں کھول دی گئیں۔ چند ائر ہوسٹسیں ہوش میں آ گئی تھیں۔ ہوش میں آتے ہی انہوں نے اپنے فرائض سنبھال لئے۔ کچن میں گرم کافی تیار ہونے لگی اور پھر وہ مسافروں میں تقسیم کر دی گئی۔ اس کے بعد خرم شاہ، فیروز اور دوسرے دونوں پائلٹ طیارے کے دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی لیکن دروازہ جام ہو گیا تھا۔ کافی دیر تک کوشش کرنے کے بعد بھی وہ ناکام رہے تو انہوں نے مسافروں کو مدد کے لئے طلب کیا اور سب

مل کر کوشش کرنے لگے۔ لیکن دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ پھر خرم شاہ کو ہی کچھ خیال آیا۔ اس نے سیٹوں کے برابر والے شیشوں سے دوسری طرف جھانکا اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ شیشوں کے دوسری طرف برف اٹی ہوئی تھی اور جس انداز میں برف نظر آ رہی تھی، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ طیارہ کافی حد تک برف میں دھنسا ہوا ہے۔

''پیٹر!'' اس نے ایک پائلٹ کو آواز دی اور پیٹر جلدی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ ''ونڈ شیلڈ کے وائپر چلا کر اسے صاف کرو۔ میں ایک اور خطرے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''

''بہت بہتر!'' پیٹر نے خطرے کی وضاحت طلب نہیں کی اور اس کی ہدایت پر عمل کرنے پائلٹ روم میں داخل ہو گیا۔ اس نے وائپر چلانے کی کوشش کی لیکن وائپر کامیاب نہ ہو سکے۔ ونڈ شیلڈ پر بھی برف کی موٹی تہہ تھی جسے طاقتور وائپر صاف نہ کر سکے۔ تب اس نے واپس آ کر خرم شاہ کو اس کے بارے میں بتایا۔

''ہوں!'' خرم شاہ نے ایک گہری سانس لی اور پھر وہ فیروز سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''فیروز، میرا اندازہ ہے کہ طیارہ برف کی کسی پہاڑی میں گھس گیا ہے۔ میں اس کے اس طرح رک جانے کی وجہ سوچ رہا تھا جواب معلوم ہوئی۔ گویا یوں سمجھو کہ ہم برف کی قبر میں دفن ہیں اور اس خطرناک صورتحال کے بھیانک نتائج کا اندازہ تم بخوبی لگا سکتے ہو۔ آکسیجن زیادہ دیر تک ساتھ نہ دے سکے گی اور اس کے بعد پھر وہی بے بسی کی موت!''

فیروز کے چہرے پر گہرے غور و تفکر کے آثار پیدا ہو گئے۔ پھر اس نے کہا۔ ''ہم نے انتہائی حد تک اپنے فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن صرف ہم لوگ سب کچھ نہیں کر سکتے۔ اس لیے زندگی بچانے کے لئے جہاز کے مسافروں کو ہماری مدد کرنا ہوگی۔ میرا خیال ہے اب صورت حال مختلف ہے۔ ہم ان سے صاف کہہ دیتے ہیں کہ انہیں ہمارے ساتھ انتھک محنت کرنا ہوگی۔''

''میرا خیال ہے یہ لوگ انکار نہیں کریں گے۔ لیکن کیا کیا جائے؟''

''یہ سب کچھ آپ میرے اوپر چھوڑ دیں۔ ہاں ایک بات اور عرض کروں گا۔ وہ یہ

کہ ان حالات میں طیارے کے یہاں سے نکلنے اور اس کی درستگی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ انجن جل چکے ہیں اور ایندھن ختم ہو گیا ہے۔ البتہ ہمارے وائرلیس کام کر سکتے ہیں۔ ان کے ذریعے ہم امدادی پارٹیوں کو طلب کریں گے لیکن اس وقت جب ہمیں کھلی ہوا میں پہنچنے میں کامیابی حاصل ہو جائے۔''

''لیکن پروگرام کیا ہے فیروز؟''

''ہم برف میں سرنگ بنائیں گے۔ جو ہمیں باہر تک پہنچا دے اور اس کے لئے ہمیں یہ سیٹیں توڑ کر ان کے پائے وغیرہ نکالنے پڑیں گے جن سے برف کھودی جا سکے۔''

فیروز نے کہا اور خرم شاہ گردن ہلانے لگا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''بلاشبہ، قدرت نے تمہیں بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ میں تمہارے اس کارنامے کی تعریف تفصیل سے اور فرصت کے وقت کروں گا جو تم نے طیارے کو طوفان سے نکال کر انجام دیا ہے۔ فی الحال ہم زندگی تو بچا لیں۔'' اور پھر وہ مسافروں کے درمیان کھڑے ہو کر بولا۔ ''دوستو! پیشہ وارانہ فرائض کی انجام دہی میں ہم نے زندگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جو کچھ کیا ہے' وہ آپ کے سامنے ہے۔ میں اس طیارے کا فرسٹ پائلٹ ہوں لیکن مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے شرمندگی ہے کہ میں آپ لوگوں کی اور اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا تھا۔ خوفناک طوفان نے ہمیں چاروں طرف جکڑ لیا تھا۔ عقل ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ اعضاء مفلوج ہو گئے تھے۔ آپ اس خوفناک صورتحال کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو ہمیں درپیش تھی۔ کیونکہ آپ کو اصل بات بتانے سے گریز کیا گیا تھا۔ ایسی صورت میں جبکہ ہم ہمت ہار بیٹھے تھے اور موت لحظہ بہ لحظہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ میرے نوجوان دوست نے اپنے خون کی گرمی کو استعمال کیا۔ اس نے ایک بہادر نوجوان ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے موت کے چیلنج کو قبول کیا' اور درحقیقت ہوابازی کی دنیا کو اگر کبھی اس کارنامے کو جاننے کا موقع ملا تو میرا دوست فیروز دنیا بھر کے ہوابازوں کا ہیرو ہوگا! اس نے ایک ایسا ناقابل یقین کارنامہ انجام دیا جسے عقل کبھی تسلیم نہیں کرتی۔ خدا کی مدد شامل رہی اور طیارہ نیچے اترنے میں کامیاب ہو گیا۔ ساتھیو، طیارے کے دو انجن تباہ ہو چکے ہیں۔ ایندھن قطعی ختم ہو گیا ہے اور اس وقت یہ طیارہ ہمارے لئے صرف ایک سر

چھپانے کی جگہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارے فرائض صرف اسی وقت تک لاگو ہیں جب تک ہم قدرت کے آگے ہاتھوں بے بس نہ ہو جائیں اور ہم اس دور سے کہیں آگے نکل آئے ہیں۔ چنانچہ میری درخواست ہے کہ آپ ہمیں اپنی مصیبتوں کا ذمہ دار نہ سمجھیں۔ ہم میں سے کسی کی غلطی سے یہ حادثہ پیش نہیں آیا۔ اب ایسی صورت میں جبکہ ہم ایک قدرتی آفت کا شکار ہوکر کسی نامعلوم جگہ آ پڑے ہیں۔ تو ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنی اور دوسروں کی زندگی بچانے کے لئے اپنی رضاکارانہ خدمات پیش کر دے۔ اجتماعی جدوجہد ہماری زندگیاں بچا سکتی ہے۔ میں آپ سے حقیقت حال نہیں چھپاؤں گا! طیارے کے ناکارہ انجن کسی نہ کسی طرح اسے نیچے تو لے آئے! لیکن وہ اسے روکنے میں ناکام رہے اور زمین پر اترنے کے بعد طیارے کے خود بخود رک جانے کی وجہ ہماری سمجھ میں بھی نہیں آئی تھی۔ لیکن دروازہ کھولنے کی کوشش اور دوسرے حالات کا جائزہ لینے کے بعد انکشاف ہوا ہے کہ طیارہ برف کے کسی تودے میں گھس گیا ہے۔ یہی اس کے رک جانے کی وجہ تھی۔ نہیں کہا جا سکتا کہ برف کا یہ تودہ کتنا طویل و عریض ہو۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو، ہمیں نکلنے کی جدوجہد تو کرنا ہی ہے۔ کیونکہ بہت تھوڑے وقت کے بعد ہم آکسیجن کی کمی کا شکار ہو جائیں گے اور یہ طیارہ ہماری قبر بن جائے گا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہم ہر معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں' میں آپ میں سے ہر ایک کی رائے قبول کروں گا۔ کیونکہ مسئلہ اب ہم سب کے لئے یکساں ہے۔ میری رائے ہے کہ ہم سب جو کچھ بھی ہاتھ لگے اسے لے کر برف میں سوراخ کریں اور بالآخر اس کے اختتام پہنچ جائیں' کیا آپ لوگ ہماری مدد کریں گے؟''

عورتوں کے علاوہ تقریباً تمام ہی مسافر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی۔ ان سب نے خرم شاہ کے ساتھ تعاون کا وعدہ کیا اور خرم شاہ خوش ہو گیا۔

''زندگی میں بہت سے مرحلے آتے ہیں دوستو' کچھ لوگ ایڈونچر کی زندگی پسند کرتے ہیں لیکن ان کی مصروفیات انہیں اجازت نہیں دیتیں۔ اب غیر متوقع طور پر اس کا موقع مل گیا ہے۔ کل جب آپ اپنے مکانوں کے ڈرائنگ روموں میں، یا خواب گاہ میں

بیٹھ کر اپنے بچوں اور دوستوں کو اس خوفناک سفر کی کہانی سنائیں گے تو آپ کو ایک عظیم مسرت کا احساس ہوگا! آیئے۔ زندگی کی جدوجہد کی ابتداء کریں۔'' خرم شاہ نے کہا اور پھر وہ سب سیٹیں اکھاڑنے لگے۔ سب ہی کے چہروں سے خوف دور ہو گیا تھا۔

جو لوگ زخمی تھے اور ان کا ساتھ نہ دے سکتے تھے۔ انہوں نے معذرت کی تو خرم شاہ نے کہا۔ ''ہم آپ کو بھی اپنے شانہ بشانہ محسوس کر رہے ہیں۔ آج آپ زخمی ہیں تو ہم آپ کے لیے کام کر رہے ہیں۔ کل ہم بھی زخمی ہو سکتے ہیں، اس وقت آپ ہماری مدد کریں۔''

خرم شاہ کا خیال تھا کہ سب پہلے دروازے کو اندر سے اکھاڑ لیا جائے اور اس کے بعد برف میں سرنگ کی کھدائی شروع کی جائے' لیکن فیروز نے ایک بار پھر ذہانت کا مظاہرہ کیا۔ اس نے کہا۔ ''طیارے کی دائیں بائیں سمت غیر یقینی ہے۔ نہ جانے اس تودے کی چوڑائی کتنی ہو۔ اس کے برعکس اس کے سامنے کی سمت زیادہ موزوں ہے کیونکہ بہر حال اس طرف برف اتنی نرم تھی کہ طیارے کو داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ اس لیے ونڈ شیلڈ توڑ کر سامنے کے رخ پر کھدائی موزوں رہے گی۔''

''مناسب خیال ہے۔'' خرم شاہ نے اس سے اتفاق کیا اور نوجوانوں کی ٹیم ان لوگوں کی قیادت میں پائلٹ روم میں داخل ہوگئی۔ ان سب کے ہاتھوں طیارے کی کرسیوں کا لوہا اور دوسری چیزیں تھیں۔ ونڈ شیلڈ پر ضربیں لگائی جانے لگیں اور چند منٹ کے بعد مضبوط ونڈ شیلڈ چکنا چور ہوگئی۔ انہوں نے شیشے کے ٹکڑے صاف کئے اور پھر فیروز، خرم شاہ، پیٹر اور شہریار اوزاروں سے برف میں سوراخ کرنے لگے۔ اگر برف کے بجائے مٹی ہوتی تو انہیں ایک مشکل یہ پیش آ سکتی تھی کہ وہ کھودی ہوئی مٹی کو کہاں لے جاتے۔ ظاہر ہے اسے طیارے میں بھرنا تو ممکن نہیں تھا۔ لیکن برف میں دب جانے کی خاصیت ہوتی ہے۔ اس چیز کو انہوں نے مدنظر رکھا تھا۔ گویا اتنا بڑا سوراخ کیا جا رہا تھا جس کی برف سوراخ کی دیواروں میں دب کر ٹھوس ہو جائے۔ یہ ترکیب انتہائی کارآمد رہی۔ برف کی کھدائی میں بھی زیادہ مشکلات نہیں پیش آ رہی تھیں کیونکہ وہ زیادہ سخت نہیں تھی۔ دوسرے لوگ اپنی باری کا انتظار کرانے لگے۔ پھر تقریباً پانچ فٹ کی کھدائی کے بعد

ایک دوسری ٹیم مصروف ہوگئی اور یہ لوگ بیٹھ کر آرام کرنے لگے۔ اس طرح چار چار آدمیوں کی ٹولیاں کھدائی میں مصروف رہیں۔ کام تیزی سے جاری تھا۔ وہ لوگ پوری دلچسپی سے اس میں حصہ لے رہے تھے اور اجتماعی جدوجہد کے کامیاب نہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہر پارٹی ناپ ناپ کر پانچ فٹ کھدائی کر رہی تھی۔ اس طرح جب آٹھویں پارٹی کی باری آئی تو اسے زیادہ محنت نہ کرنی پڑی۔

انہوں نے ابھی پانچ فٹ کھدائی پوری بھی نہیں کی تھی کہ ان کی کدال برف کی دیوار کے پار نکل گئی۔ ہوا کا ایک سرد جھونکا ان کے چہروں سے ٹکرایا اور ان کے منہ سے خوشی کی چیخیں نکل گئیں۔ انہوں نے جلدی جلدی اس سوراخ کو چوڑا کیا اور پھر برف کے دوسری طرف نکل گئے۔ اس طرح انہوں نے برف میں تقریباً چالیس فٹ لمبی سرنگ بنا کر باہر نکلنے کا راستہ تیار کر لیا۔ ذرا سی دیر میں دوسرے لوگوں کو اس کی خبر کر دی گئی اور تھوڑی دیر میں جہاز کے بہت سے مسافر باہر آ گئے۔ ان میں خرم شاہ اور اس کے ساتھی بھی تھے۔

لیکن باہر کا منظر عجیب تھا۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، برف کے میدان نظر آ رہے تھے۔ ان میدانوں میں درخت بھی تھے لیکن برف سے ڈھکے ہوئے۔ اونچے نیچے برف کے تودے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے اور سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ ان کے بائیں سمت تقریباً چار پانچ فرلانگ کے بعد خوفناک ڈھلان پھیلے ہوئے تھے۔ گویا یہ ڈھلان بھی برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔ لیکن ان کی گہرائی سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ زمین سے ہزاروں فٹ بلند کسی مقام پر ہیں۔ گویا اس طویل وعریض میدان کے اختتام پر بھی ڈھلان ہوں گے اور جغرافیائی اعتبار سے ان ڈھلانوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ نہ جانے کہاں وہ خوفناک کھڈوں سے پر ہوں جن میں گرنے کے بعد زندگی کا تصور بھی حماقت ہوگا۔!

دوسرے لوگ اس خوبصورت منظر کو دلچسپی کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے لیکن خرم شاہ اور اس کے ساتھیوں کے چہروں پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔

''بہر حال، ایک مرحلہ طے ہوگیا۔ ہمیں احساس ہے کہ یہ پلان بھی ہمارے لئے

سود مند نہیں ہے۔ اگر ہم امدادی پارٹیوں کو اس طرف متوجہ نہ کر سکے تو یہاں سے نکلنا آسان کام نہ ہوگا، لیکن زندگی کی آخری سانس تک جدوجہد ضروری ہے۔ کیا تمہیں صورت حال کی خوفناکی کا احساس ہے شہریار؟''

''کیوں نہیں۔ میرا خیال ہے تمام جہاندیدہ لوگ اسے محسوس کر رہے ہوں گے۔''

''ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں یہاں کب تک رکنا پڑے بہر حال اس کے لئے ضروری انتظامات کرنے ہوں گے مثلاً خوراک اور دوسری چیزوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ کوئی چیز ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کی جائے۔ ظاہر ہے ہمارے پاس خوراک کا بندوبست تو ہے نہیں۔ اب صرف امدادی پارٹیوں کی آس ہے۔ اگر وہ یہاں تک پہنچ گئیں تب تو ٹھیک ہے۔ ورنہ زندگی بڑے مشکل مرحلے میں داخل ہو جائے گی؟''

''اب کیا حکم ہے جناب؟'' پیٹر نے پوچھا۔

''ابتدائی انتظامات۔ میرا خیال ہے طیارے کی گمشدگی کی اطلاع سب کو مل گئی ہو گی، اور امدادی پارٹیاں بہت جلد روانہ ہو جائیں گی۔ اس لیے سب سے پہلے جہاز کے تمام مسافروں سے رنگین کپڑے لے لو اور ان کے فلیگ بنا کر پوری چوٹی پر پھیلا دو۔ پہلے یہ کام کر لو۔ اس کے بعد ہم باہر جا کر وائرلیس کے ذریعے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کریں گے! بلکہ پیٹر اور فیروز دوسرے نوجوانوں کے ساتھ مل کر یہ کام سنبھال لیں۔ ہم کسی بلند جگہ پر وائرلیس اسٹیشن قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہاں سے قریبی ممالک سے رابطہ قائم کیا جائے۔'' خرم شاہ نے کہا۔

''مناسب۔ ویسے کیا اس علاقے کے بارے میں کوئی اندازہ قائم کر سکتے ہیں مسٹر خرم شاہ؟''

''بہت مشکل ہے۔ اور اگر کر بھی لیں وہ فی الحال ہمارے لیے سود مند نہیں ہے۔ اس سے فائدہ بھی کیا ہوگا!''

''ہاں۔ یہ تو درست ہے بہر حال، ہم اپنے مشن پر چلتے ہیں۔ آپ اپنے کام کو تکمیل تک پہنچائیں۔'' فیروز نے کہا اور وہ واپس سرنگ میں داخل ہو گئے۔

✿ ››› ✿ ››› ✿

دنیا کے نہ جانے کون سے غیر آباد اور ویران خطے میں یہ آبادی ہوگئی تھی۔ انسانی زندگی جدوجہد میں مصروف تھی۔ ذہانتیں ابھر آئی تھیں۔ نوجوانوں نے اپنے اپنے کام بانٹ لئے تھے۔ یہ سب عیش وعشرت کے رسیا تھے۔ ان کی صلاحیتیں اطلس وکمخواب میں لپٹی ہوئی گہری نیند سو رہی تھیں لیکن زندگی کے اس نازک موڑ پر وہ جاگ اٹھے تھے اور وہ سب کچھ کر رہے تھے جو زندگی کی بقا کے لئے ضروری ہے۔

برف کی تقریباً تمام بلند چوٹیوں پر رنگین کپڑے لہرا رہے تھے۔ انہیں اونچی اونچی راڈوں میں باندھ دیا گیا تھا۔ جہاز سے ہر وہ چیز نکال لی گئی تھی جو اس سلسلے میں کام آ سکتی تھی۔ فیروز درحقیقت بہترین انتظامی صلاحیتوں کا مالک ثابت ہوا تھا۔ اس سے قبل بھی اس کے ساتھیوں نے اس کے ساتھ وقت گزارا تھا لیکن اس وقت اس کی جو صلاحیتیں سامنے آئی تھیں، وہ حیرت انگیز تھیں۔ اس نے جہاز کے فرنیچر سے لکڑیاں نکالی تھیں اور ان لکڑیوں کے اس نے اسکیٹنگ شوز بنائے تھے اور پھر دو راڈوں کی مدد سے سب سے پہلے اس نے ان اسکیٹنگ شوز کا تجربہ کیا تھا اور اس تجربے کی شاندار کامیابی سے نوجوانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔

وہ جو برف پر اسکیٹنگ کے ایکسپرٹ تھے' برف کے میدان پر پھسلتے پھر رہے تھے۔ برف کا طویل اور دشوار گزار سفر اب ان کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ انہوں نے میدان کے قرب وجوار کے تمام علاقے کی سیر کر لی تھی۔ ہاں دور دراز کے علاقے ابھی باقی تھے اور اس طرف کوئی بھی جانے کی ہمت نہیں کر سکا تھا! دوسری طرف خرم شاہ اور شہریار چند نوجوانوں کے ساتھ وائرلیس کا تمام سامان لے کر ایک بلند تودے کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد اس پر وائرلیس اسٹیشن بنا چکے تھے۔ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کس وقت برف کا طوفان آ جائے اور برف باری ہونے لگے۔ اس لیے انہوں نے اسٹیشن پر چھت کا بندوبست بھی کیا تھا۔ کافی بلند اینٹینا باندھا تھا۔ بہرحال جس انداز میں کام ہو رہا تھا' اس سے ان لوگوں میں زندگی کا پتہ چل رہا تھا اور اگر ایک خوف ناک تصور ان کے ساتھ نہ ہوتا تو شاید وہ اسے اپنی زندگی کا خوبصورت دور کہہ سکتے تھے۔ ان کے دلوں میں لگن تھی اور وہ کسی کام میں تھکن محسوس نہیں کر رہے تھے، یہ دوسری بات ہے کہ اگر ان سب کے ذہنوں

پر وہ خوفناک تصور نہ ہوتا تب شاید ان میں سے ایک بھی اس جذبے اور اس لگن سے کام نہ کرتا۔ بہرحال ہمدردی اور نیکیوں کے بے شمار مناظر دیکھنے میں آ رہے تھے اور وقتی طور پر وہ سب مایوسی کے گڑھوں سے نکل آئے تھے۔ انہیں امید تھی کہ بہت جلد وہ یہاں سے واپس جا سکیں گے۔

پھر خرم شاہ نے وائرلیس سے پہلا پیغام نشر کیا۔ اس نے اپنا کوڈ نمبر پوری دنیا کے لیے دہرایا اور اپنی پوزیشن بتانے لگا۔ یہ سلسلہ سورج چھپنے تک جاری رہا لیکن ٹرانسمیٹر پر جوابی پیغام نہیں موصول ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ قریب میں کم از کم اس وائرلیس کے حیطہ عمل میں کوئی ایسی آبادی نہیں تھی جو ان پیغامات کو وصول کر سکتی یا اگر تھی تو شاید موسم کی خرابی یا کسی اور وجہ سے وہ پیغامات وصول نہیں کر سکتی تھی۔ بہرحال خرم شاہ مایوس نہیں ہوا۔ سورج چھپنے پر اس نے وائرلیس اسٹیشن پر دو آدمیوں کی ڈیوٹی لگا دی۔ یہ شہریار اور پیٹر تھے۔ باقی تمام لوگ سرنگ کے راستے دفن شدہ جہاز میں آ گئے۔

زخمیوں کی حالت بہتر تھی۔ ائر ہوسٹسیں بے چاری یہاں بھی اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھیں۔ وہ ہلکا کھانا تیار کر رہی تھیں جو تیار ہونے کے بعد مسافروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ شہریار اور پیٹر کو کھانا وائرلیس اسٹیشن پر ہی پہنچا دیا گیا تھا۔ ویسے رات کے جھکتے ہی باہر کی فضا کافی سرد ہوگئی تھی۔ اس لئے پیٹر اور شہریار کے لئے موٹے لباس کا خاص بندوبست کر دیا گیا۔ اس کے بعد خرم شاہ نے نوجوانوں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔ ''میرے دوستو! کیا ہم اس بات پر فخر نہ کریں کہ اس قدرتی حادثے سے نمٹنے کے لئے ہم نے جس اتحاد کا ثبوت دیا ہے، وہ لافانی ہے۔ ہم نے چند گھنٹوں میں اپنی بقاء کے لئے جو کچھ کیا ہے وہ ناقابل شکست ہے۔ ہم میں سے ہر فرد نے اپنی ذہانت کا بھرپور استعمال کیا ہے اور اب ہم سب اس وقت تک ایک ہی خاندان کے افراد ہیں، جب تک امدادی پارٹیاں یہاں نہیں پہنچ جاتیں۔ اس کے بعد ہم اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے لیکن میرا خیال ہے کہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی اس سفر کو نہ بھول سکیں گے۔ میں کوئی فلاسفر نہیں ہوں، ایک سیدھا سادہ انسان ہوں اور دانشوروں کے چند اقوال سے واقف ہوں جنہیں آپ کے سامنے دہرانا چاہتا ہوں۔ میرے خیال میں سانس کی آمدورفت

جدوجہد کی دوسری شکل ہے۔ ہماری زندگی ہمیں درس عمل دیتی ہے اور یہی عمل ہمیں زندہ رکھتا ہے۔ جس طرح ایک جوہری سونے کا زیور تیار کر کے اس میں رنگین نگینوں کی گلکاری کرتا ہے، اسی طرح زندگی کا حسن حادثات سے نکھرتا ہے۔ یہ حادثے زندگی میں جڑے ہوئے نگینے ہوتے ہیں جن کی چمک انسان کو تروتازہ رکھتی ہے۔ بعض اوقات یہ حادثے ہمیں پستیوں میں بھی پہنچا دیتے ہیں اور بعض اوقات یہی ہماری زندگی کا عروج ہوتے ہیں۔ میں اپنی گفتگو طویل نہیں کرنا چاہتا، صرف چند باتیں عرض کروں گا۔ میں نے وائرلیس پر دن بھر کوشش کی ہے لیکن کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر ہمارا کسی کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم نہیں ہو سکا۔ ممکن ہے امدادی پارٹیاں، ایک ہفتہ، ایک ماہ، ایک سال تک یہاں نہ پہنچ سکیں۔ ممکن ہے ہمارا کسی جگہ سے رابطہ قائم نہ ہو سکے۔ ایسی صورت میں کیا ہم خودکشی کر لیں گے؟ میرا خیال ہے یہ انسان کی توہین ہوگی اور اس طرح جان دینے والے سکون سے مر بھی نہ سکیں گے۔ ہمیں اس وقت تک جدوجہد کرنا ہوگی جب تک ہم اپنی منزل پر نہ پہنچ جائیں یا جان نہ دے دیں۔ ہم مرنے کی کوشش کرنے کے بجائے زندہ رہنے کی کوشش کریں گے اور اگر اس کوشش میں موت آ جائے تو میرے خیال میں وہ زندگی کی صحیح منزل ہوگی۔ میں آپ کو مایوسی کا سبق نہیں دے رہا، آپ لوگ خود ذہین ہیں، خودمختار ہیں۔ ہمیں ہر قسم کے حالات سے دوچار ہونے کے لیے خود کو تیار کرنا ہوگا' میں تو صرف جہاز چلانا جانتا ہوں۔ ان حالات سے نپٹنے کے لیے مجھے آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہوگی' میں چاہتا ہوں کہ ہم ایک طویل جدوجہد کا بندوبست کریں۔ اس برف پر زندگی گزارنے کے بارے میں سوچیں۔ یہ ہماری قسمت ہے کہ ہم کل ہی یہاں سے خوش وخرم روانہ ہو جائیں اور اگر نہ ہو سکیں تو مایوسی کا شکار نہ ہوں' بلکہ یہاں وقت گزارنے کے لیے ہمارے پاس تمام ذرائع ہوں۔ آپ میرا مقصد سمجھ رہے ہیں؟''

''ہاں مسٹر خرم شاہ! آپ کی گفتگو حقیقت سے قریب ہے!'' ایک معمر شخص نے کہا۔

''یہاں کوئی کسی کو گائیڈ نہیں کرے گا! کوئی کسی پر مسلط نہیں ہوگا! ہر فرد کو آزادی ہے کہ اپنی اور دوسروں کی بھلائی کی لیے سوچے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی تلقین کرے۔''

''مناسب مشورہ ہے۔!''

''جہاز میں جو کچھ موجود ہے اب وہ صرف ہم سب کی بھلائی کے لیے ہے۔ میں اس پر اپنا یا اپنی کمپنی کا حق نہیں سمجھتا، اب سب کچھ آپ کا ہے۔ اس کی تفصیل آپ مجھ سے پوچھ سکتے ہیں یا خود دیکھ سکتے ہیں۔ آپ اس کے حقدار ہیں۔ ہاں میں اتنا عرض کر دوں کہ ہمارے پاس مختصر ترین سامان ہے۔ جو شاید چند روز کے لیے بھی کافی نہ ہوگا۔ اس برف پر پانی کی کمی نہیں ہے۔ ہم جتنا پانی چاہیں حاصل کر سکتے ہیں۔ البتہ خوراک کا مسئلہ ہے۔ میری ناچیز رائے یہ ہے کہ یہ مسئلہ نوجوانوں کی کسی ٹولی کے سپرد کر دیا جائے۔ انہیں خاص طور سے اسکیٹنگ شوز مہیا کیے جائیں تاکہ وہ دور دور تک نکل کر شکار تلاش کریں اور دوسروں اور اپنے لیے خوراک مہیا کریں۔''

''لیکن کیا آپ کے خیال میں اس برف پر شکار ملنے کی امید ہو سکتی ہے مسٹر خرم شاہ؟'' کسی نے سوال کیا۔

''ہاں! برفانی پرندوں کے بارے میں، میں نے سنا ہے۔ انہیں شکار کرنے یا دیکھنے کا اتفاق کبھی نہیں ہوا۔'' خرم شاہ نے جواب دیا۔

''میرا خیال ہے میں اس سلسلے میں کچھ مدد کر سکتا ہوں۔'' ایک درمیانی عمر کے جسیم آدمی نے کہا جس کی خوبصورت داڑھی، تندرست و توانا جسم اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے ذہانت کا اظہار ہوتا تھا۔

''ضرور فرمائیے مسٹر۔'' خرم شاہ سوالیہ انداز میں خاموش ہو گیا۔

''آپ مجھے ڈاکٹر حیات کے نام سے مخاطب کر سکتے ہیں۔ میں آپ لوگوں کی کارکردگی کو دل سے سراہتا ہوں' گو بوڑھا ہوں لیکن اس جدوجہد میں جوانوں کی طرح حصہ لینے کو تیار ہوں اور اپنی تمام تر خدمات پیش کرتا ہوں۔ ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ برفانی پرندوں کا شکار سخت مشکل کام ہے، اور خاص طور سے ایسی شکل میں جب آپ کے پاس آتشیں ہتھیار نہ ہوں۔ خوش قسمتی سے میں شکاری بھی رہا ہوں۔ اس لیے اس بارے میں جانتا ہوں، البتہ یہاں آپ کو بہترین غذا مل سکتی ہے' جو برف پر زندگی گزارنے کے لیے ضروری بھی ہے۔ یہ ایک خاص قسم کی مچھلی ہوتی ہے جسے ''براڈوے'' کہتے ہیں۔ ان

جگہوں پر جہاں مستقلاً برف جمی رہتی ہے، یہ برف کے نیچے رہتی ہے۔ اس کے پاؤں بھی ہوتے ہیں اور برف میں سوراخ کرنے کے سلسلے میں وہ اپنے پاؤں استعمال کرتی ہے۔ جگہ جگہ سوراخ کر کے مچھلیوں کے غول خوراک کی تلاش میں باہر نکل آتے ہیں بہرصورت، اگر ہم وہ غول تلاش نہ بھی کر سکے تب بھی ایسی جگہوں پر جہاں برف کی سطح نرم ہو، تقریباً چار فٹ گہرا گڑھا کر کے ان مچھلیوں کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ یہ نہایت گرم ہوتی ہیں اور ان کا گوشت لذیذ اور ہاضم ہوتا ہے، اور اس علاقے میں یہ مچھلیاں بکثرت مل سکتی ہیں۔ میں ان کی تلاش کے لیے اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔"

"بلاشبہ آپ کی قیمتی معلومات ہم سب کے لیے زندگی بخش ہیں۔" خرم شاہ نے تعریفی لہجے میں کہا اور دوسرے لوگ بھی ڈاکٹر حیات کو مبارکباد پیش کرنے لگے۔

خاصی رات گئے تک وہ ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرتے رہے۔ بیشتر لوگ اس مہم کے لیے کارآمد تھے۔ ان سب کے سپرد ان کی ذمہ داریاں کر دی گئیں۔ اس طرح برف کے نیچے اس عجیب وغریب کمین گاہ میں وہ لوگ ایک خاندان کی حیثیت اختیار کر گئے! باہر شاید سردی شدید ہو لیکن اندر اس کا قطعی احساس نہیں تھا، البتہ آدھی رات کے قریب شہریار اور پیٹر واپس آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ سردی ناقابل برداشت ہے۔ اگر وہ پوری رات وہاں رہے تو ٹھٹھر کر مر جائیں گے۔!

"ٹھیک ہے ہم دن کے وقت اپنا کام جاری رکھیں گے اور رات میں آرام کریں گے۔" خرم شاہ نے کہا اور ان لوگوں کو آرام کا مشورہ دے کر خود بھی ایک گوشے میں لیٹ گیا۔

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

دس دن امیدوں اور مایوسیوں کی کہانیاں لئے گذر گئے۔ ہر نیا سورج امیدوں کی روشنی لے کر طلوع ہوتا اور مایوسیوں کی تاریکی میں غرق ہو جاتا۔ رات آہوں اور سسکیوں کی رات ہوتی۔ بے چینی سے کروٹیں بدلی جاتیں مستقبل پر غور کیا جاتا۔ لوگ لاکھ عزم رکھتے تھے لیکن گزرنے والا وقت انہیں مایوسی کی طرف کھسکا دیتا تھا اور بالآخر بے بسی کی موت کے خیالات ان کے اذہان میں ابھرنے لگتے۔ انہیں یقین ہوتا جا رہا تھا کہ ایک

دن ایک قطار میں بنی ہوئی ان سفید قبروں میں ان کی قبریں بھی شامل ہوں گی۔ یہ ان لوگوں کی قبریں تھیں جو طوفان کے خوف سے ہلاک ہو گئے تھے۔ ابھی تک اس قبر میں کسی نئی قبر کا اضافہ نہیں ہوا تھا لیکن چند بوڑھوں کی حالت کافی خراب تھی۔ وہ سردی کا شکار ہو گئے تھے اور قریب المرگ تھے۔ یہ لوگ ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ جہاز کے مسافروں کے لیے ڈاکٹر حیات کا دم بے حد غنیمت تھا۔ یہ دلیر بوڑھا گوناگوں صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اس نے نوجوانوں کی ٹیم کے ساتھ "براڈوے" تلاش کر لی تھی اور اب ہر صبح نوجوانوں کی ایک ٹیم مچھلیوں کی تلاش میں نکل جاتی اور بہرحال اتنی مچھلیاں حاصل کر لاتی کہ وہ زندہ رہ سکتے۔ انہی مچھلیوں کے خون کو ڈاکٹر حیات نے ان بیماروں کو استعمال کرایا تھا، لیکن جن لوگوں کے قویٰ ہی زندگی کی آخری کہانی سنا رہے ہوں، انہیں اس خون سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا تھا۔

وائرلیس پر بیٹھنے والے اب صرف لکیر پیٹ رہے تھے، ورنہ ان کی کوشش ناکام ہو چکی تھی۔ ایسا لگتا تھا، جیسے ہزاروں میل تک کوئی آبادی نہ ہو۔ وہ دنیا کے ایسے سرے پر ہوں۔ جہاں اب تک انسان کے قدم نہ پہنچ سکے ہوں۔ ان دس دنوں میں انہوں نے آسمان کی انتہائی حدوں سے بھی کسی طیارے کو گذرتے نہ دیکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے دنیا ابھی تک اس علاقے سے ہی ناواقف ہو۔ اسے اس کے وجود کا ہی علم نہ ہو۔

اور یہ صورتِ حال سب محسوس کر رہے تھے، لیکن ابھی ان کے حوصلے پست نہ ہوئے تھے، چند لوگ اب بھی پرعزم تھے اور دوسروں کو بھی زندگی کے راستے دکھانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے اور انہی کی کوششوں نے ابھی تک سب کو کنٹرول کیا ہوا تھا۔

گیارہویں صبح دو بوڑھے آدمی جان بحق ہو گئے اور یہ صبح تمام مسافروں کے لیے سخت منحوس تھی۔ سب کے دل کانپ گئے تھے اور ان سب کو اپنا مستقبل نظر آ گیا تھا۔ دونوں بوڑھوں کو بغیر کفن کے دفن کر دیا گیا۔ ان کے جسموں سے لباس بھی اتار لیا گیا تھا تاکہ وہ دوسروں کی زندگی بچانے کے کام آ سکے۔ ظاہر ہے اب ان مردہ جسموں کو لباس کی ضرورت نہیں تھی۔ عورتیں خاص طور سے متاثر تھیں۔ ان کے چہرے خوف سے سفید ہو گئے تھے۔ ان میں بہت کم تھیں جو طیارے سے باہر نکلتی تھیں، ورنہ وہ زیادہ تر اندر ہی رہتی

تھیں۔

اس دن نوجوان شکار کو بھی نہ گئے' چنانچہ جہاز کے کچن ہی سے ضروریات پوری کی گئیں جو بہرحال خطرناک بات تھی۔

❁ ››› ❁ ››› ❁

پورا ڈیڑھ ماہ گزر چکا تھا اور اس ڈیڑھ ماہ میں حالات کافی بدل گئے تھے۔ ہر شخص خودمختاری کی زندگی گزار رہا تھا۔ اخلاقیات کے سارے لیکچر بے اثر ہو گئے تھے۔ انسان فطری درندگی پر اتر آیا تھا۔ اب کوئی کسی کے لیے کچھ نہ کرتا' جہاز کی ایک ایک چیز ختم ہو گئی تھی۔ اب خود شکار کرو، خود کھاؤ پر عمل ہو رہا تھا۔ ڈیڑھ ماہ کے عرصے میں مزید تیس آدمی ہلاک ہو گئے تھے۔ ان میں سے بہت سے بھوک کے شکار ہوئے تھے اور بہت سے سردی کے۔ خاص طور سے عورتوں کی مٹی پلید ہو گئی تھی۔ وہ بے چاریاں محفوظ تھیں جن کے ساتھ مرد تھے' ورنہ باقی صرف رحم دلوں کے رحم و کرم پر تھیں۔ جہاز کے چاروں پائلٹ لاوارث عورتوں کے ہمدرد تھے' وہ خود بھوکے رہ کر انہیں کھلاتے تھے۔ لیکن کب تک! مسلسل فاقوں نے انہیں بھی لاغر کر دیا تھا اور وہ صحیح طور سے کام نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت کوئی نہ تھا جو دوسروں کے لیے سوچے۔ جو سوچنا بھی چاہتے تھے وہ دوسروں کے رویے سے بددل ہو گئے تھے۔ اگر کوئی اس سلسلے میں نوجوانوں کو سمجھانے کی کوشش کرتا تو دوسرے اس کا مذاق اڑاتے یا اس جگہ سے اٹھ کر چلے جاتے۔ سب کے سب انسانیت سے دور ہوتے جا رہے تھے اور اب چھوٹے چھوٹے حادثے بھی ہونے لگے تھے۔

وہ سرمئی شام تھی۔ سفید برف پر سرمئی آسمان کے سائے پڑ رہے تھے اور فضا بے حد حسین ہو گئی تھی۔ لیکن ان لوگوں کے لیے اب موسم سے لطف اندوز ہونے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ وہ سب تو زندگی کے لیے ترس رہے تھے۔ موسم کا حسن تو فرصت کی باتیں تھیں بہت سے لوگ مچھلیوں کی تلاش میں نکلے تھے۔ گو یہاں مچھلیوں کی بہتات تھی' لیکن جگہ جگہ انہیں نقصان پہنچا تھا اس لیے مچھلیاں بھی اب محتاط ہو گئی تھیں' وہ کھلے ہوئے علاقوں میں پھرنے سے گریز کرتیں۔ اس لئے بہت سے ناتجربے کار لوگوں کو بھوکے ہی رہنا پڑتا تھا۔

ڈاکٹر حیات اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ اس وقت طیارے سے کافی دور ایک برفانی ٹیلے کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک نوکدار آلہ تھا جس سے وہ برف کھود رہا تھا۔ گرم لباس میں دونوں لڑکیاں اداس بیٹھی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر چونکہ اس سلسلے میں کافی تجربے کار تھا اس لئے کسی بھی دن اسے اور اس کی بچیوں کو بھوکا نہیں مرنا پڑا تھا۔ بلکہ دوسری کچھ لاوارث عورتیں بھی اس کی کاوشوں پر انحصار کرتی تھیں۔

اس وقت بھی اس نے ایک ایسی ہی جگہ کا انتخاب کیا تھا جو دوسروں کی نگاہوں میں بیکار تھی' لیکن ڈاکٹر کو یقین تھا کہ مچھلیوں نے یہ جگہ محفوظ خیال کی ہو گی اور یہاں ضرور موجود ہوں گی۔ گڑھے کے کنارے برف کا کافی ڈھیر جمع ہو گیا تھا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد پانی نکل آیا۔ ڈاکٹر نے پیشانی سے پسینہ خشک کیا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس کی تیز نگاہیں پانی کا جائزہ لے رہی تھیں' دفعتاً وہ جھپٹا' اور دوسرے لمحے اس نے ایک مچھلی کو پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا۔ انیلا کے پاس شکاری چاقو تھا' اس نے جلدی سے مچھلی کی گردن علیحدہ کر دی' حالانکہ یہاں آنے سے قبل وہ بے حد نفاست پسند اور الٹرا ماڈرن لڑکی تھی' اس نے اپنی زندگی میں شاید مچھر بھی نہ مارا ہو' لیکن اب مچھلیوں کو وہی صاف کرتی تھی اور ان کے گوشت کے قتلے بناتی تھی۔

ڈاکٹر مچھلی اس کے حوالے کر کے دوسری مچھلی تلاش کرنے لگا اور پھر اس نے دوسری مچھلی بھی پکڑ لی۔ اس کے بعد وہ تیسری مچھلی تلاش کر رہا تھا کہ ٹیلے کی دوسری سمت سے قدموں کی آواز سنائی دی اور ڈاکٹر گردن موڑ کر دیکھنے لگا۔ آنے والا جوہن آٹرے تھا۔ چھوٹی چھوٹی کینہ توز آنکھوں اور موٹی گردن والا جوہن آٹرے جو ہالینڈ کے ایک کلب میں ورزش کراتا تھا۔ اس کا جسم بے حد تنومند تھا۔ دائیں گال پر چاقو کے زخم کا گہرا نشان تھا جو اس کی شخصیت کی صحیح عکاسی کرتا تھا۔

''ہیلو ڈاکٹر۔'' اس نے طنزیہ سے انداز میں کہا اور پھر دونوں لڑکیوں کو دیکھنے لگا۔

''ہیلو!'' ڈاکٹر نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''خوب خوب۔ تم نے خوراک کا بندوبست کر لیا ہے' نہ جانے ان مچھلیوں کو ہم سے کیا بیر ہو گیا ہے۔ صبح سے مصروف ہوں ایک بھی ہاتھ نہیں لگی!''

''مجھے ایک مچھلی اور چاہیے۔ اس کے بعد یہ گڑھا تمہارے حوالے کر سکتا ہوں۔''

''حالات کچھ ایسے ہوگئے ہیں ڈاکٹر کہ اب خود کچھ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ میں نے بھی سوچا کہ کیوں نہ دوسروں کی محنت پر ہاتھ صاف کیا جائے۔ اس تصور کو ذہن میں جگہ دی ہی تھی کہ آپ سے ملاقات ہوگئی' اب اگر آپ کا احترام کرتا ہوں تو پہلے ہی مرحلے پر ناکامی کا سامنا کرنا ہوگا۔ کیا یہ درست ہوگا ڈاکٹر؟'' اس نے دوسری بار لڑکیوں کو دیکھا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو؟'' ڈاکٹر بدستور گڑھے کی طرف متوجہ تھا۔

''میں ان میں سے ایک مچھلی لے جا رہا ہوں۔ تم ایک کے بجائے دو پکڑ لینا۔''

''ممکن ہے دو مچھلیاں نہ مل سکیں۔'' ڈاکٹر نے سکون سے کہا۔

''تب بھی...... یہ تمہارے لیے کافی ہوں گی۔''

''نہیں ڈیئر آٹرے۔ کچھ اور لوگ بھی ہیں جن کی خوراک کا بندوبست مجھے کرنا ہے۔ میرا خیال ہے وہ تم سے زیادہ اہم ہیں کیونکہ وہ خود یہ سب کچھ نہیں کر سکتیں!''

''اوہ۔ تم شاید عورتوں کی باتیں کر رہے ہو۔ اپنی فکر کرو ڈاکٹر' اپنے بارے میں سوچو۔ حالات ایسے ہوگئے ہیں کہ ہمیں صرف اپنے بارے میں سوچنا چاہئے۔ ویسے میں ایک اور بات سوچ رہا ہوں۔''

''وہ بھی بتا دو۔'' ڈاکٹر نے گردن اٹھاتے ہوئے کہا۔

''میں سوچ رہا ہوں ڈاکٹر کہ یہاں اس چھوٹے سے خطے میں' جہاں خوراک کے لیے ان مچھلیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے' افراد کی تعداد زیادہ ہے۔ ظاہر ہے یہ مچھلیاں بھی ایک دن ختم ہو جائیں گی۔ کیوں نہ افرادی کمی کر دی جائے تاکہ دوسرے لوگ زیادہ عرصے تک زندہ رہ سکیں۔''

''وہ کس طرح؟'' ڈاکٹر اب سیدھا ہو گیا تھا۔

''تم بوڑھے لوگ' زندگی کے بہت سے دور دیکھ چکے ہو۔ تم نے کافی عیش کر لیے ہیں۔ اب ایسی صورت میں تم نوجوانوں کو زندہ رہنے کا موقع دو۔ یہاں تم لوگوں کی وجہ سے ایک تکلیف کا ماحول پیدا ہو گیا ہے۔ نوجوان لڑکیاں تم سے چمٹی ہوئی ہیں۔ کون

جانے یہاں سے زندہ واپس جانے کا بندوبست ہو یا نہ ہو۔ کیوں نہ اس تھوڑی سی زندگی کو رنگینیاں بخش دی جائیں لیکن بوڑھوں کی وجہ سے یہ ناممکن سا ہو گیا۔ اس لیے میرا خیال ہے تمہیں ہمارے لیے میدان خالی کر دینا چاہیے۔ تم لوگ رضا کارانہ طور پر خودکشی کر لو تاکہ تمہارے بعد ہم عیش کر سکیں۔''

''خوب............ خوب!'' ڈاکٹر حیات نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم نے دوسرے بوڑھوں سے مشورہ کر لیا ہے؟''

''ابتداء تم سے کی ہے۔'' وہ بدستور بدتمیزی سے بولا۔

''اور اگر بوڑھے تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیں تو؟''

''تب پھر ان تمام بوڑھوں کو ڈھلان سے نیچے لڑھکا دیا جائے یہی ان کے حق میں بہتر ہوگا۔ ویسے مجھے تمہاری یہ لڑکی بہت پسند ہے۔'' اس نے نائلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں' فی الحال لڑکیوں کے بجائے بوڑھوں کی بات کرو میرے بچے۔ کیونکہ ظاہر ہے اپنی زندگی میں وہ تمہیں اپنی لڑکیوں کے قریب نہ ہونے دیں گے۔''

''یہ گفتگو پھر کبھی تفصیل سے ہوگی۔ فی الحال مجھے بھوک لگی ہے اس لئے میں اپنا حصہ لے جا رہا ہوں۔'' وہ انیلا کی طرف بڑھا۔ دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کے قریب ہوگئی تھیں اور سہمی سہمی نگاہوں سے اس بدہیئت آدمی کو دیکھ رہی تھیں۔

''ہاں ہاں۔ ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ میرا خیال ہے میں نے ابھی تمہارا حصہ تسلیم نہیں کیا ہے۔ میرے خیال میں یہ پہلے ہمارا حصہ ہے اور پھر ان عورتوں کا جنہیں مچھلیاں پکڑ کر دینے والا اور کوئی نہیں ہے۔'' بوڑھے حیات نے اس کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔

''تمہارے تسلیم کرنے نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' آٹرے نے جھکتے ہوئے کہا۔

''فرق تو پڑے گا!'' حیات نے کہا۔

''کیا فرق پڑے گا۔ وہ بھی بتا دو۔'' آٹرے نے ایک مچھلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

''یہ!'' بوڑھے نے جواب دیا اور اس کی لات آٹرے کے منہ پر پڑی۔ آٹرے

مچھلی سمیت دوسری طرف الٹ گیا اور لڑکیوں کے منہ سے سہمی ہوئی چیخ نکل گئی۔ آٹرے نے اٹھنے میں پھرتی دکھائی تھی کیونکہ بہر حال وہ ایک کلب کا پیشہ ور لڑاکا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے وہ نوکدار آلہ سیدھا کرلیا جسے مچھلیاں حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اور بوڑھے پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہوگیا۔ بوڑھا دلچسپ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آٹرے کے چہرے پر خوفناک آثار تھے۔ پھر اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔''اب میں نہ صرف ان مچھلیوں بلکہ ان لڑکیوں کے لیے بھی تم سے جنگ کروں گا۔ تمہارے بعد یہ میری ملکیت ہوں گی' اور مجھے یقین ہے کہ میرے اس اقدام کو میرے نوجوان دوست سراہیں گے۔''

''بیشک۔بیشک' یہ تمہارا کارنامہ ہوگا! اور وقتی طور پر تم ان کے ہیرو بن جاؤ گے۔ آؤ آؤ میں بوڑھا آدمی ہوں۔تمہاری طرح پھرتیلا نہ ثابت ہوسکوں گا!'' ڈاکٹر حیات نے مسکراتے ہوئے کہا اور آٹرے نے پوری قوت سے اس پر حملہ کردیا۔لیکن اسے خود بھی احساس نہ ہوا کہ کس طرح وہ آلے سمیت ڈاکٹر کے سر سے اچھل کر دور جا گرا۔لیکن نیچے گرتے ہوئے اس نے پھر اپنے ورزشی داؤ کا استعمال کیا تھا۔ چنانچہ دوسرے لمحے وہ پھر پیروں کے بل کھڑا تھا۔اب اس کی آنکھیں کبوتر کے خون کی طرح سرخ تھیں۔

''ذرا احتیاط سے حملے کرو آٹرے۔کیا لڑکیوں کی طرح اچھل کود کر رہے ہو۔ تمہاری کامیابی پر نوجوانوں کی خوشیوں کا انحصار ہے میں چاہتا ہوں تم کامیاب ہو جاؤ۔ آؤ یار۔ ذرا پھرتی سے وار کرو۔ کافی وقت ضائع ہو رہا ہے۔'' اور درحقیقت اس بار آٹرے نے پوری صلاحیتیں استعمال کی تھیں۔ اس نے ڈاکٹر کو ایک طرف جھکائی دی اور دوسری طرف سے حملہ کردیا۔نوکدار آلہ ڈاکٹر کے سینے کی طرف لپکا اور بغل سے نکل گیا۔ البتہ اب وہ ڈاکٹر کے موٹے بازوؤں میں پھنسا ہوا تھا۔ بالکل اس انداز میں جیسے معانقہ کر رہا ہو' آلہ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔لیکن اس انداز مین کہ اس کے ہاتھ جنبش بھی نہیں کر سکتے تھے اور خود اس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ اس نے جسم کی بھرپور قوت صرف کر کے خود کو ڈاکٹر کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کی۔

لیکن خدا کی پناہ۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ لوہے کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہو۔

اس کی سانس اکھڑنے لگی۔

''تمہیں کلیجے سے لگا کر بڑی فرحت مل رہی ہے میرے بچے۔ درحقیقت بہادر آدمیوں سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے! کیا میں تمہاری پسلیاں اپنے جسم میں نصب کر لوں' دوہرے جسم کا مالک کہلاؤں گا۔'' ڈاکٹر نے بڑے پرخلوص لہجے میں کہا لیکن آٹرے کی حالت خراب تھی۔ اس کی زبان بند ہوچکی تھی۔ ہاتھ میں دبا ہوا نوکدار آلہ برف پر گر پڑا تھا اور آنکھوں کے نیچے تاریکی چھاتی جا رہی تھی۔'' کچھ بولو تو سہی میرے لعل۔ تمہاری خوش فعلیاں کہاں گئیں؟'' ڈاکٹر نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

''ہم۔ہم۔مم۔مجھے۔چھ۔چھوڑ دو۔!' بمشکل تمام آٹرے کے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔

''آہ عزیز من' اتنی جلدی۔ابھی تو حسرتیں دل کی دل میں ہیں۔ بہرحال اگر تم تکلیف میں ہو تو ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر نے ایک دم اسے چھوڑ دیا اور وہ پٹ سے برف پر گر پڑا۔خوف کے باوجود دونوں لڑکیوں کی ہنسی نکل گئی تھی لیکن آٹرے کے دل پر جو بیت رہی تھی' وہی جانتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اٹھ کر بھاگ جائے' لیکن بوڑھے شیطان نے نہ جانے کیا کیا تھا کہ اس کے اعصاب اس کے قابو میں نہ تھے' وہ اٹھ کر بیٹھنے کی ہمت بھی نہ پا رہا تھا۔ بوڑھا چند ساعت اسے دیکھتا رہا۔ پھر مچھلیوں کے گڑھے کے پاس جا بیٹھا۔

آٹرے چند ساعت اس طرح پڑا رہا۔ پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحات دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے بیٹھا رہا اور پھر پاؤں اس قابل ہو گئے کہ اٹھ کر بھاگ سکے تو تیزی سے اٹھ کر ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

''مچھلی تو نہیں لے گیا۔'' بوڑھے حیات نے چیخ کر کہا اور دونوں لڑکیاں بے تحاشہ ہنس پڑیں۔ بوڑھے کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

☆☆☆

برفانی قید خانے کی صعوبتوں سے بہت سے لوگ دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ سب ایک دوسرے سے بیزار تھے لیکن ایک ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ رات کو خاص طور

پر وہ یکجا ہو جاتے تھے کیونکہ برف کی سخت سردی جہاز کے دفن شدہ مکان تک نہیں پہنچ سکتی تھی اور وہ ان کے لیے محفوظ پناہ گاہ تھا۔ اگر یہ پناہ گاہ نہ ہوتی تو شاید ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا ہوتا۔ رات کو سردی ایسی ہی شدید ہوتی تھی۔ دن بھر وہ لوگ جانوروں کی طرح خوراک کی تلاش میں نکل جاتے اور رات کو تھکے ماندے جہاز کے ڈھانچے میں آ پڑتے تھے۔ بعض اوقات سب کے موجود ہونے کے باوجود بے پناہ خاموشی چھائی ہوتی تھی۔ کوئی ایک دوسرے سے بات کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس خاموشی کو کسی کے رونے کی آواز توڑ دیتی لیکن عالم یہ تھا کہ لوگ رونے والے کو سر اٹھا کر دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ سب ایک ہی مصیبت کا شکار تھے۔ کون کسے تسلی دیتا!

یہ رات بھی دوسری بھیانک راتوں کی طرح تھی۔ جہاز میں لوگ الٹے سیدھے پڑے تھے۔ کچھ جاگ رہے تھے' کچھ سو رہے تھے۔ خاصی رات گزر چکی تھی۔ دفعتاً جہاز میں ایک تیز نسوانی چیخ گونج اٹھی۔ لوگوں نے کسلمندی سے پہلو بدلے اور پھر گھٹنوں میں سر چھپا لیے۔

''نہیں' نہیں۔ خدا کے لئے نہیں!'' درد آمیز نسوانی آواز پھر سنائی دی۔ یہ آواز ان عام آوازوں سے ذرا مختلف تھی جو روزانہ سنائی دیتی تھیں۔ کسی کو مخاطب کر کے کچھ کہا گیا تھا۔ اس لیے سونے والے کچھ چونکے۔

''نہیں' نہیں۔ آہ۔ نہیں!'' عورت کی آواز پھر گونجی اور پھر وہ زور سے چیخی۔ ''بچاؤ!''

اور اس بار بہت سی گردنیں اٹھ گئیں۔ جہاز کی دم کے قریب ایک ٹوٹی سیٹ پر کوئی ڈرامہ ہو رہا تھا۔ وہ ایک اسپینش نوجوان تھا جس نے اپنے قریب سوئی ہوئی ایک لاوارث لڑکی پر وحشیانہ حملہ کر دیا تھا۔ چونکے ہوئے لوگ گردنیں کچھ اور بلند کر کے ان دونوں کی دھینگا مشتی دیکھنے لگے!

''میں۔ میں تجھے قتل کر دوں گا' سمجھی۔ ورنہ خاموش رہ!'' اسپینش نوجوان کی غرائی ہوئی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی کپڑے پھٹنے کی آواز سنائی دی۔

''بچاؤ۔ آہ۔ بچاؤ'' لڑکی پھر چیخی اور پھر وہ اٹھ کر بھاگی۔ اسپینش نوجوان نے

لپک کر اس کی ٹانگیں پکڑ لیں اور لڑکی بری طرح گری۔ دوسرے لمحے اسپینش نوجوان اس پر سوار تھا۔ لڑکی کی گھٹی گھٹی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

لیکن اسی وقت ایک اور نوجوان اٹھ کر اسپینش نوجوان کے سر پر پہنچ گیا۔

دوسرے نوجوان نے پوری قوت سے اس کے لمبے بالوں کو پکڑ کر اسے لڑکی پر سے اٹھا لیا۔

''میرا خیال ہے اس سخت سردی کے باوجود ابھی یہاں موجود لوگوں کے خون اس قدر سرد نہیں ہوئے ہیں۔'' اس دوسرے نوجوان نے کہا اور اسپینش نوجوان نے اسے ایک موٹی سی گالی دی۔ دوسرے لمحے وہ دوسرے نوجوان سے لپٹ پڑا لیکن اسپینش نوجوان کے مقابلے میں یہ دوسرا نوجوان کافی طاقتور تھا۔ اس نے اسپینش نوجوان کے دبلے پتلے جسم کو کمر سے پکڑ کر اٹھایا اور پوری قوت سے جہاز کی دیوار سے دے مارا۔ اسپینش نوجوان کی دلخراش چیخ سنائی دی اور بہت سے لوگ گھبرا کر اٹھ گئے۔

روشنی میں جہاز کی دیوار کے قریب اسپینش نوجوان بری طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کا سر دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا پائلٹ۔'' ایک اور نوجوان نے کہا۔

''تم میں سے جتنے اس کے حمایتی ہوں اٹھ کھڑے ہوں۔'' دوسرے نوجوان نے جو جہاز کا پائلٹ فیروز تھا' غرائی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے تینوں ساتھی اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گئے۔ اسپینش کی حمایت میں بولنے والے نوجوان نے خاموشی میں ہی عافیت سمجھی تھی۔ دوسرے لوگوں میں سے بھی کوئی کچھ نہ بولا۔ اسپینش نوجوان نے تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا تھا۔

''اس کی لاش اٹھا کر باہر پھینک دو۔'' فیروز نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور پیٹر اور شہریار نے آگے بڑھ کر اسپینش نوجوان کی ٹانگیں پکڑ لیں' پھر وہ اسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے جانے لگے' درمیان میں سونے والے جلدی جلدی اٹھ گئے تھے۔ انہوں نے لاش لے جانے والوں کو راستہ دے دیا تھا اور پھر شہریار اور پیٹر لاش پھینک کر واپس آ گئے۔ تمام مسافروں پر سکتہ طاری تھا۔ لڑکی ایک کونے میں بیٹھی رو رہی تھی۔ بوڑھے حیات نے

اپنی بیٹی کو آواز دے کر کہا کہ لڑکی کو اپنا لباس دے دو، اور انیلا اور نائلہ جلدی سے اٹھ کر لڑکی کے قریب پہنچ گئیں۔ انہوں نے لڑکی کو لباس پہنایا اور اسے اپنا پاس لٹا لیا۔ جہاز کے مایوس مسافر پھر اپنی جگہوں پر لیٹ گئے سب خاموش تھے اور سب کے ذہنوں میں بے شمار خیالات کلبلا رہے تھے ان کے ذہن نہ جانے کہاں کہاں دوڑ رہے تھے۔ اور رات بھر لوگ کبھی سوتے اور کبھی جاگتے رہے، خاص طور سے عورتوں کی بری حالت تھی۔ سب ہی خوفزدہ تھیں۔ اگر یہ رجحان بڑھ گیا تو؟

دوسری صبح حسب معمول اداس تھی۔ لوگ جہاز کے ڈھانچے سے باہر نکل آئے اور اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ وہی بیزاری' وہی مایوسی' خوراک کی تلاش! وہی روز مرہ کے معمولات' رات کے واقعے کو سب فراموش کر چکے تھے۔ شاید وہ لڑکی بھی جس کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا تھا۔

''کیا تم کچھ دیر مجھ سے گفتگو کرنا پسند کرو گے؟'' جون آٹرے نے نوجوان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور نوجوان چونک کر رک گیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے جون آٹرے کو دیکھا۔ یہ وہی نوجوان تھا جس نے اسپینش نوجوان کی موت پر آواز بلند کی تھی۔ لیکن پھر فیروز اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر خاموش ہو گیا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے آٹرے کے تنومند جسم سے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

''ایک انتہائی اہم مسئلہ!'' آٹرے نے کہا۔ ''آؤ۔ ہم اس ٹیلے پر چل کر بیٹھیں۔''

اس نے دوستانہ انداز میں نوجوان کا ہاتھ پکڑ لیا اور نوجوان اس کے ساتھ چل پڑا۔

''میں اس کے لئے رنجیدہ ہوں' جسے رات کو بیدردی سے مار ڈالا گیا۔'' آٹرے نے برف کے سخت تودے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''کیا وہ تمہارا دوست تھا؟''

''نہیں۔ اسی سفر میں شناسائی ہوئی تھی۔'' نوجوان نے کہا۔

''تمہارا نام شاید بارٹر ہے؟''

''ہاں۔''

''تو مسٹر بارٹر۔ اگر غور کیا جائے تو اب تو ہم سب ایک دوسرے کے دوست، ایک دوسرے کے مونس ہیں تقدیر نے اس ویرانے میں ہمیں لا پھینکا ہے اور یہاں ہم موت کا

انتظار کر رہے ہیں۔ کیا یہ بے بسی کی موت سب کو قبول ہے؟''

''میں سمجھ نہیں سکا!'' بارٹر نے کہا

''معمولی سی بات ہے مسٹر بارٹر۔ ہم جانتے ہیں کہ موت ہم سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس برفستانی قبرستان سے نکلنا ناممکن ہے لیکن یہ خشک لمحات، موت کا انتظار۔ ہم موت کا انتظار اس طرح کیوں کریں؟ کیوں نہ ہم برف کی سفیدی میں کچھ رنگینیاں شامل کر لیں تاکہ ہنستے کھیلتے موت کو قبول کریں؟''

''رنگینیوں سے کیا مراد ہے؟''

''یہ لڑکیاں۔ جن کی تعداد نوجوانوں کے برابر ہو گی۔ کیونکہ ہم مردوں میں بوڑھوں کا شمار نہیں کریں گے۔ یہ لڑکیاں ہماری اس مختصر زندگی کو دلچسپ بنا سکتی ہیں۔ لیکن بوڑھوں نے اس بھیانک مقام پر بھی ہمارے اوپر پابندی عائد کر رکھی ہے۔ نوجوانوں کے مقابلے میں بوڑھوں کی تعداد بہت کم ہے۔ اگر ہم نوجوان اتحاد کر لیں تو ان بوڑھوں کی ہمارے سامنے کیا چلے گی۔ اور اگر انہوں نے ہمارے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کی تو ہم انہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے' بلکہ میرا تو یہی خیال ہے کہ بوڑھوں کی زندگی ضروری نہیں ہے' یہاں ہمارے گزارے کے لیے صرف یہ مچھلیاں ہیں جن کی تعداد کے بارے میں کوئی اندازہ لگانا مشکل ہے لیکن بہرحال یہ کچھ وقت تک ہمارا ساتھ ضرور دے سکتی ہیں۔ ان بوڑھوں کی وجہ سے یہ خوراک بھی ضائع ہو رہی ہے جو ہمارا حق ہے۔ چنانچہ انہیں قتل کرنے سے کافی خوراک بچ سکتی ہے۔ ہم میں سے ہر نوجوان اپنی پسند کی لڑکی منتخب کر لے گا اور اس لڑکی کا کفیل ہو گا، اس کے لیے خوراک تلاش کرے گا! میں ایک بات کہوں گا' اگر ہماری زندگی میں یہ لڑکیاں شامل ہو جائیں تو ہمارے دلوں میں امنگ پیدا ہو جائے گی، اور اس طرح ممکن ہے کہ ہماری پوشیدہ صلاحیتیں ابھر آئیں اور ہم یہاں سے نکلنے کا بندوبست کر لیں۔''

بارٹر متحیرانہ نگاہوں سے آٹرے کی شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ہونٹ تر کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں تم سے متفق ہوں مسٹر آٹرے! لیکن کیا دوسرے نوجوان اس کے لئے تیار ہو جائیں گے؟''

''انہیں تیار کرنا ہوگا۔ اگر تم میری بات سے متفق ہو تو دوسرے بھی متفق ہوں گے ۔ پھر کیوں نہ اس کی ابتداء ہم کریں۔ اگر ہم انہیں متفق کر سکے تو پھر کس کی مجال ہوگی کہ ہمارے سامنے آئے! میں جانتا ہوں کہ نوجوانوں میں سے کچھ سر پھرے ہمارے مخالف بھی ہوں گے لیکن اگر ہماری تعداد بڑھ گئی تو پھر وہ کچھ نہ کرسکیں گے۔''

''بالکل ٹھیک ہے مسٹر آٹرے۔ پھر براہ کرم مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے؟''

''خفیہ طور پر آج ہی سے یہ مہم شروع کر دی جائے۔ تم اپنے طور پر، اور میں اپنے طور پر نوجوانوں سے بات کرتا ہوں۔ اور پھر وہ بھی یہی کام کریں۔ تمام تحریکیں اسی طرح جڑ پکڑتی ہیں۔''

''میں یہ کام آج ہی شروع کر دوں گا!''

''وعدہ۔!'' آٹرے نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''وعدہ۔!'' بارٹر نے جواب دیا اور وہ ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے۔!

✿ ‹‹‹ ✿ ‹‹‹ ✿

بوڑھا ڈاکٹر حیات آج سب سے آخر میں نکلا تھا۔ دوسرے تمام شکار کی تلاش میں جا چکے تھے لیکن بوڑھا کچھ تیاریوں میں مصروف تھا۔ نہ جانے وہ جہاز میں کیا کیا تلاش کرتا پھرا تھا۔ آج اس نے اسکیٹنگ شوز بھی ساتھ لئے تھے۔ جسے دیکھ کر اس کی بیٹی نائلہ نے پوچھا۔

''یہ اسکیٹنگ شوز کیوں ڈیڈی۔؟''

''آج میں ذرا لمبے راستے پر جاؤں گا۔'' حیات نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لیکن ہم لوگ؟''

''تم لوگ آج یہیں رہو۔ دوسری لڑکیوں کو ساتھ لے کر قرب و جوار کی سیر کرو۔ میرا خیال ہے تم لوگ اپنی حفاظت کرسکتی ہو۔''

''لیکن کیوں ڈیڈی۔ آج یہ تبدیلی کیوں۔؟''

''میں تم سے کہہ چکا ہوں نائلہ۔ آج میں ذرا لمبا سفر کروں گا! کیا میں تمہاری

طرف سے مطمئن ہو جاؤں؟''

''جیسی آپ کی مرضی ڈیڈی۔'' نائلہ نے کہا اور بوڑھے نے مسکرا کر ان دونوں کے شانے تھپتھپائے اور پھر وہ برف کی سرنگ سے باہر آ گیا۔ باہر آ کر اس نے اسکیٹنگ شوز پیروں میں باندھے اور ہاتھوں میں پکڑے ہوئے گزوں سے اپنے جسم کو دھکیلنے لگا، اور پھر وہ برف کے میدان میں پھسلنے لگا۔ بہت سے نوجوان اسے راستے میں ملے لیکن وہ ان سب کو نظر انداز کر آگے بڑھتا رہا۔ آج اس کا رخ ان ڈھلانوں کی طرف تھا جو ناقابل عبور تھے۔

برف پر رزق کی تلاش میں سرگرداں لوگوں کو وہ بہت پیچھے چھوڑ آیا۔ بلاشبہ یہ طاقت ور بوڑھا بے شمار صلاحیتوں کا مالک تھا۔ وہ شاندار اسکیٹنگ کر رہا تھا اور تیزی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ جس لائن پر وہ آگے بڑھ رہا تھا اسے اس نے پوری طرح ذہن نشین کر لیا تھا اور پھر وہ اتنا آگے نکل آیا تھا جتنا دوسرے لوگ کبھی نہیں آئے تھے۔ لیکن وہ وہاں بھی نہ رکا۔ کافی دیر کے بعد وہ بالآخر ڈھلانوں کے قریب پہنچ گیا۔ گہرے ڈھلان تاحد نگاہ پھیلے ہوئے تھے اور ان کا کہیں اختتام نظر نہیں آ رہا تھا۔ یقیناً ان ڈھلانوں کے اختتام پر دوسرے ڈھلان بھی تھے۔ وہ نہ جانے کہاں تک گئے ہوں۔ بوڑھا ڈھلانوں کے کنارے پر کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس کی نگاہ برف کے ایک سرے پر کسی سیاہی پر پڑی اور وہ اسے گھورنے لگا۔ پھر اس نے گز سنبھالے اور اس سیاہی کی طرف بڑھا! تھوڑی دیر کے بعد وہ سیاہی کے نزدیک پہنچ گیا۔ یہاں رک کر اس نے پھر ڈھلانوں کو دیکھا۔ اس طرف کے ڈھلان دور تک ہموار تھے اور راستے میں برف کے ابھرے ہوئے تودے نظر نہیں آتے تھے۔ کئی منٹ تک ان ڈھلانوں کو دیکھنے کے بعد اس نے ان سیاہ چٹانوں کو دیکھا جو برف سے جھانک رہی تھیں۔ یہاں برف کی تہہ زیادہ موٹی نہیں تھی اور وہ چٹانیں ابھر آئی تھیں۔ وہ چٹانوں کے قریب پہنچ گیا اور انہیں ہاتھوں سے ٹٹولنے لگا! چٹانوں کا جائزہ لینے کے بعد اس نے کندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے سے برف کھودنے کا آلہ نکالا اور پھر ایک چٹان کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اسکیٹنگ شوز کھول کر ایک طرف رکھے اور پھر چٹان کی جڑ سے برف صاف کرنے لگا۔ کافی کھودنے کے بعد

اس نے گہری سانس لی۔ وہ چٹان کی جڑ صاف کر چکا تھا۔ اس کے بعد اس نے چٹان کے ایک ٹکڑے کو کاٹنے کی کوشش شروع کر دی۔ نہ جانے کیا بات تھی۔ چٹان زیادہ سخت نہ نکلی اور تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ اس کا ایک بڑا ٹکڑا علیحدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ تقریباً دو من وزنی پتھر کو ایک طرف سرکانے کے بعد وہ پھر ویسا ہی ایک ٹکڑا علیحدہ کرنے لگا اور دو گھنٹے کی سخت محنت کے بعد اس نے چار وزنی پتھر چٹان سے جدا کر دیئے۔ پھر وہ ان وزنی پتھروں میں سے ایک کو برف پر کھسکاتا ہوا ڈھلان کے کنارے پر لے آیا۔ دوسرے پتھر کو اس نے اس جگہ سے تقریباً پچاس گز دور رکھا اور اس طرح باقی دونوں ٹکڑوں کو بھی اس نے پچاس پچاس گز کے فاصلے پر رکھ دیا۔ وہ اس تمام کام سے تھک گیا تھا۔ چنانچہ ایک جگہ بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا، تھوڑی دیر ستانے کے بعد وہ پھر اٹھا اور ایک ٹکڑے کے قریب پہنچ گیا۔ پتھر ڈھلان کے کنارے پر تھا۔ تھوڑی سی طاقت نے اسے ڈھلان پر دھکیل دیا اور وزنی پتھر ڈھلان پر پھسلنے لگا۔ وہ تیزی سے ڈھلان پر جا رہا تھا اور بوڑھا گہری آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ وہ پتھر کی رفتار بھی نوٹ کر رہا تھا اور اس کے پھسلنے کا انداز بھی دیکھ رہا تھا۔

لیکن اچانک پتھر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ نرم برف کے کسی حصے میں غروب ہو گیا تھا۔ بوڑھے کا دل دھک سے رہ گیا۔ چند منٹ وہاں رہنے کے بعد وہ دوسرے پتھر کے نزدیک آیا اور اس نے اسے بھی ڈھلان پر دھکیل دیا۔ دوسرا پتھر بھی اسی رفتار سے چل پڑا۔ اس نے پہلے پتھر سے کافی زیادہ سفر طے کیا لیکن ایک مخصوص فاصلے پر پہنچ کر وہ زور سے اچھلا اور فضا میں کئی گز بلند ہو گیا۔ اس کے بعد نیچے گرا اور پھر بلند ہو گیا۔ اس دوران وہ الٹ پلٹ ہوتا رہا تھا۔ بہرحال کافی دور تک نظر آنے کے بعد وہ بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور بوڑھے نے ایک گہری سانس لی۔ پھر تیسرے پتھر کی طرف چل پڑا۔ تیسرا پتھر بھی ڈھلان طے کرنے لگا اور بوڑھا اس کا گہری نظروں سے جائزہ لیتا رہا۔ یہ تیسرا پتھر بغیر کسی رکاوٹ کے ان ڈھلانوں تک پہنچ گیا جو آگے جا کر نگاہوں سے معدوم ہو جاتے تھے۔ بوڑھے نے ایک دفعہ پھر ایک گہری سانس کھینچی۔ اس نے برف پر ایک گہرا نشان بنا دیا اور آخری پتھر کی طرف چل پڑا۔

اور اس پتھر نے بھی اپنا سفر بخیر و خوبی طے کیا تھا اور وہ بھی نگاہوں سے معدوم ہو گیا۔ بوڑھے نے یہاں بھی ایک نشان بنا لیا اور پھر وہ قرب و جوار میں ابھری ہوئی چٹانوں کو دیکھنے لگا۔

سورج ڈھلنے لگا تھا۔ بوڑھے نے چند چھوٹے چھوٹے پتھر کاٹ کر برف کا ایک تودہ بنایا اور پتھروں کو اس پر رکھ دیا۔ یہ گویا اس نے نشان بنایا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے اسکیٹنگ شوز دوبارہ باندھے اور پھر سست روی سے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ اب اس نے اپنا اصل کام شروع کر دیا۔ وہ گزوں سے برف ٹٹول رہا تھا۔ ایک جگہ وہ رک گیا اور اس نے اسکیٹنگ شوز دوبارہ کھول دیئے۔ اس کے بعد وہ برف میں گڑھا کھودنے لگا یہاں تک کہ پانی نکل آیا اور شام کو چار بجے کے قریب جب وہ واپس پلٹا تو اس کے تنومند جسم سے چار مچھلیاں لٹکی ہوئی تھیں۔

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

وہ ایک ابر آلود صبح تھی۔ رات پھر برفباری ہوتی رہی تھی اور برف کی تہہ جا بجا موٹی ہو گئی تھی۔ حسب معمول بوڑھے اور جوان بچے کھچے گوشت کا ناشتہ کر کے شکار کی تلاش میں جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ پھر وہ ایک ایک کر کے باہر نکلنے لگے! نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد آج معمول سے پہلے باہر نکل گئی تھی۔ صرف چند نوجوان تھے جو بوڑھوں کے ساتھ ہی باہر نکلے تھے۔ سرنگ کے دہانے سے وہ چند ہی گز گئے ہوں گے کہ اچانک نوجوانوں کا ایک گروہ سامنے سے نکل آیا۔ ان کی تعداد ستر کے قریب تھی۔ سب کے سب برف کھودنے کے آلات سے مسلح تھے اور سب کے چہروں پر ایک خوفناک تاثر تھا۔ بوڑھے اور ان کے ساتھی نوجوان چونک کر رک گئے۔

تب آٹرے آگے بڑھا۔ اس کا چہرہ شرارت سے چمک رہا تھا۔ اس نے ایک زہر خند مسکراہٹ سے حیات کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''بوڑھے ڈاکٹر حیات۔ میں نے جس وقت کی پیشن گوئی کی تھی، بالآخر وہ آ گیا۔ آج نوجوانوں کا یہ گروہ میرا ہم خیال ہے اور میرے ایک اشارے پر تم سب کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو تیار ہے؟''

"لیکن بات کیا ہے مسٹر آٹرے؟" خرم شاہ نے جو بوڑھوں کی صف میں شامل تھا' حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم نوجوانوں نے ایک فیصلہ کیا ہے مسٹر خرم شاہ کافی غور وخوض کے بعد ہم نے ان نوجوانوں کو چھانٹا ہے جو ہمارے ہم خیال ہیں۔ امید ہے تم بھی ہم سے اتفاق کرو گے۔"

"وہ فیصلہ کیا ہے مسٹر آٹرے؟" خرم شاہ نے پریشانی سے کہا۔

"مسٹر خرم شاہ۔ آپ کو علم ہے کہ یہاں اس برف پر' ہماری زندگی لمحاتی ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کون کس وقت موت کے شکنجے میں جا پھنسے۔ یہاں ہمارے لئے موت کے علاوہ کچھ نہیں۔ برف' سردی' بھوک یہ تمام چیزیں موت کو آہستہ آہستہ ہماری طرف بڑھا رہی ہیں اور بہرحال ہم اسے قبول کرنے کے لئے مجبور ہیں' یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں' جب ہم اپنی انتہا کو پہنچ چکے ہیں تو کیوں نہ زندگی کے یہ لمحات آزادی سے اور اپنی مرضی سے گزاریں۔ ہم نے محسوس کیا ہے کہ ہم نوجوان، تم بوڑھوں کے قیدی بن کر رہ گئے ہیں۔ تم نے اپنی زندگی کا زیادہ وقت عیش وعشرت میں گزارا ہے لیکن ہمیں اس نوجوانی میں موت قبول کرنا پڑ رہی ہے' کیا یہ ناانصافی درست ہے؟"

"لیکن یہ ناانصافی ہم میں سے کسی کی نہیں ہے آٹرے۔ کیا تم ہمیں اس کا ذمہ دار سمجھتے ہو؟" خرم شاہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم اس کے ذمہ دار نہیں ہو لیکن تم نے جو قیود ہمارے اوپر لگا رکھی ہیں، کیا تم ان سے انکار کرو گے؟"

"براہ کرم ان کی تفصیل بتاؤ؟"

"لڑکیاں۔ یہ تمام لڑکیاں بوڑھوں کی قیدی ہیں۔ ہم سب مایوسی کے شکار ہیں۔ ہم سب موت کے راہی ہیں۔ ہماری زندگی اندھیرے کے بھنور میں پھنسی ہوئی ہے۔ ہمیں روشنی کی ضرورت ہے۔ ہمیں تازگی کی ضرورت ہے۔ ہمیں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ تم جانتے ہو خرم شاہ، عورت مرد کی زندگی میں کیا اہمیت رکھتی ہے۔ اگر اس کا قرب مل جائے تو صلاحیتیں جاگ اٹھتی ہیں۔ مایوسیاں دور ہو جاتی ہیں۔ لیکن تم نے لڑکیوں کو ہم سے دور

کر رکھا ہے۔ تم نے اس ناقابلِ یقین زندگی میں رنگینی کے لمحات ہم سے چھین لئے ہیں۔ ہم ان لمحات کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سب ان لڑکیوں کو آپس میں بانٹ لینا چاہتے ہیں۔ ہم اس چند روزہ زندگی کو حسین بنانا چاہتے ہیں لیکن ہماری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ تم لوگ ہو۔" آٹرے خاموش ہو گیا۔ تمام بوڑھوں کے چہرے خوف سے سفید ہو گئے تھے، یہ بڑا خطرناک رجحان تھا۔

"لیکن تم مہذب دنیا کے مہذب لوگ ہو۔ کیا تمہارے ضمیر یہ برداشت کر لیں گے کہ یہ بے سہارا باعزت لڑکیاں تمہاری ہوس کی بھینٹ چڑھ جائیں؟" خرم شاہ نے اپیل کی اور آٹرے نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"مہذب دنیا۔ کون سی مہذب دنیا۔ کس دنیا کی بات کر رہے ہو خرم شاہ؟ وہ تو ایک خواب تھا۔ کیا تم وہ خواب ہمیں دوبارہ دکھا سکتے ہو؟"

"پھر تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" خرم شاہ نے کسی کو نہ بولتے دیکھ کر پوچھا۔

"ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اب ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری وجہ سے یہ مچھلیاں ضائع ہو رہی ہیں جنہیں ہم زیادہ عرصے تک اپنی خوراک بنا سکتے ہیں۔ تم نہ ہو گے تو ہم زیادہ عرصہ تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ اس لئے ہماری پیشکش ہے کہ تمام بوڑھے نوجوانوں کی زندگی کے لئے رضاکارانہ طور پر خودکشی کر لیں' ورنہ دوسری شکل میں ہم انہیں قتل کر دیں گے۔" آٹرے نے کہا۔

خرم شاہ کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے نفرت سے ان سب کو گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا تم سب لوگ اس سے متفق ہو؟"

"ہاں۔ ہم نے آٹرے کو اپنا لیڈر بنا لیا ہے۔ یہی ہماری ترجمانی کرے گا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ تم بھی کسی کی اولاد ہو۔ تمہارے بھی بزرگ دنیا میں ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے' لیکن اب اس دنیا سے ہمارا کیا واسطہ؟" آٹرے نے جواب دیا۔

"گویا تمہارا فیصلہ اٹل ہے؟"

"بالکل!"

''تم ہمیں کوئی مثبت راستہ تلاش کرنے کی اجازت بھی نہ دو گے؟''

''اس سے کیا فائدہ ہوگا؟'' آٹرے نے جواب دیا۔

''ان دوسرے نوجوانوں کا کیا ہوگا جو ہمارے ساتھ ہیں؟''

''ان کا مقدر بھی تمہارے ساتھ وابستہ ہے۔ ہاں اگر ان میں سے کچھ خلوص دل سے ہمارے ساتھ شامل ہونے کو تیار ہوں تو ہم انہیں خوش آمدید کہیں گے!''

''لیکن میرے دوست۔ ہم بوڑھے اتنی آسانی سے جان نہ دیں گے۔ ہم تم سے جنگ کریں گے۔ ٹھیک ہے تم جوان ہو۔ ہم پر حاوی ہو جاؤ گے، لیکن ہم تم میں سے چند کو ہلاک کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کو اس جدوجہد سے کیا فائدہ ہوگا جو اس جنگ میں ہلاک ہو جائیں گے؟''

''وہ باقی نوجوانوں کے لیے جان دیں گے۔ کسی بھی تحریک کے لئے قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔'' آٹرے نے کہا۔

''تب پھر غور سے سن لو جون آٹرے۔'' دفعتاً ڈاکٹر حیات نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''میں سب سے پہلے تمہیں ہلاک کروں گا۔ اور تم جانتے ہو میں اس میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اس کے علاوہ میں عہد کرتا ہوں کہ تم میں سے کم از کم پندرہ جوانوں کو ہلاک کروں گا۔ ہمیں تمہارا چیلنج قبول ہے۔ تیار ہو جاؤ۔'' بوڑھے حیات کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

آٹرے بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرے بہت سے لوگوں کے چہروں پر بھی خوف کے آثار ابھر آئے۔

''یہ بوڑھا واقعی شیطان ہے۔ ہمیں پوری قوت صرف کر کے پہلے اسے ہلاک کرنا ہوگا۔'' آٹرے نے کہا۔

''سنو آٹرے۔ ٹھنڈے دل سے سنو۔ جوش میں مت آؤ۔ بوڑھے ڈاکٹر نے مچھلیاں حاصل کرنے میں تمہاری رہنمائی کی ہے۔ ہم جہاندیدہ ہیں۔ قتل و غارت گری سے پرہیز کرو۔ ممکن ہے ہم سب ایسی کوئی صورت نکال ہی لیں جو سب کے لئے سلامتی کا باعث ہو۔ ہمیں موقع دو کہ ہم غور و خوض کر کے کوئی ایسا حل تلاش کر لیں جس کے تحت

تمہیں یہ ضرورت پیش نہ آئے۔''

''کیا تم لڑکیاں ہمارے حوالے کرنے کو تیار ہو؟''

''اس کا جواب ہم ابھی تھوڑی دیر کے بعد تمہیں دے دیں گے۔'' خرم شاہ نے کہا۔

''تب تمہیں تھوڑی دیر کی رعایت ہے۔ اس طرف جاؤ اور کوئی ایسا فیصلہ کر کے واپس آؤ جو ہمارے لئے قابلِ قبول ہو۔''

''آؤ دوستو ہمیں ان جذباتی نوجوانوں کے بارے میں ہمدردی سے غور کرنا چاہئے۔ آؤ۔'' خرم شاہ نے کہا اور تمام لوگ واپس پلٹ کر ان سے دور چلے گئے۔ نوجوانوں کا گروہ ان کے سامنے پوری طرح تیار کھڑا تھا۔

''انسان۔ دنیا کا سب سے خوفناک درندہ ہے۔ تہذیب و اخلاق کے ضابطے اس پر لبادے ڈال دیتے ہیں لیکن جب وہ ننگا ہوتا ہے تو اپنی اصل شکل میں آ جاتا ہے۔ بیشک یہ صورتِ حال تکلیف دہ ہے لیکن کیا اس سے نپٹنے کا راستہ اس کے علاوہ کوئی اور ہے کہ ہم ان کی بات مان لیں؟ میں اپنے تمام دوستوں سے مشورہ چاہتا ہوں۔'' خرم شاہ نے کہا۔

''یہ کیسے ممکن ہے مسٹر خرم شاہ۔ ہم میں سے کون اپنی زندگی میں اپنی عزت کا نیلام دیکھ سکے گا! ٹھیک ہے ہم سب لڑیں گے۔ اپنی آبرو کے لئے لڑیں گے اور ہم اپنی بیٹیوں کو بھی جنگ میں شریک کریں گے۔ اس برف پر ایک خونریز معرکہ ہو جانے دو خرم شاہ۔ وہ ہماری اولادیں ہیں۔ ہم ان کی زندگی کے محافظ ہیں۔ ہم نے انہیں پیدا کیا ہے۔ ہم انہیں بھیڑیوں کے حوالے کیسے کر سکتے ہیں؟'' ایک بوڑھے نے روتے ہوئے کہا۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں دوست۔ میں بھی ان لڑکیوں پر آنچ آنے سے پہلے جان دے دینا پسند کرتا ہوں۔ میں صرف تمہاری رائے چاہتا تھا۔ درندوں کو ان کے ارادوں سے روکنے کے لئے عقل کی ضرورت ہے۔ بیشک ہماری زندگیاں موت کے مقابل ہیں۔ خواہ وہ بھوک سے آئے، یہاں سے نکلنے کی کوشش میں آئے یا ان لوگوں سے جنگ کی شکل میں آئے۔ موت اتفاقیہ طور پر زیادہ قریب آ گئی ہے۔ پھر جب مرنا ہی ہے تو انتظار کیوں کیا جائے۔ آپ میں سے ہر ایک کو بولنے کی آزادی ہے۔ جو بہتر سوچ

سکے فوراً بولے۔'' خرم شاہ نے کہا۔

''آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے مسٹر خرم شاہ؟'' ایک بوڑھے نے پوچھا۔

''ابھی نہیں۔ ابھی ایک بات باقی ہے۔ اب میں ان نوجوانوں سے سوال کرتا ہوں جو ہمارے ساتھ ہیں۔ دوستو! تم جوان ہو۔ شاید تمہاری رگوں میں ضرورت سے زیادہ شریف خون ہے، ورنہ نوجوانوں کے گروہ میں تم بھی شریک ہوتے۔ کیا انسانیت کی اس جنگ میں تم ہم بوڑھوں کا ساتھ دو گے؟''

''ہم سب زندگی کی بازی لگانے کے لیے بے چین ہیں۔'' نوجوانوں نے پر جوش انداز میں کہا۔

''شکریہ شریف نوجوانو۔ اگر شر کے ساتھ خیر کا وجود نہ ہوتا تو دنیا انسانیت سے کبھی کی خالی ہو چکی ہوتی۔ اب تم اس ناچیز کی رائے سنو۔ ہمیں ان درندوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ تیاریوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنی بیٹیوں کو بھی آبرو کی اس جنگ میں شریک ہونے کے لیے تیار کرنا ہے۔ انہیں غیرت پر مر مٹنے کا سبق دینا ہے۔ تاکہ جب ہم ان کے مقابلے پر آئیں تو تیار ہوں۔ لیکن اندازے سے پتہ چلتا ہے کہ نوجوان ہمیں اس کا موقع دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ سنو میرے دوستو! بڑے فتنے کو رفع کرنے کے لیے کچھ قربانیاں بھی دی جاتی ہیں۔ ہمیں کچھ ایسے بھی کام کرنے ہوں گے جن سے ہمارے ضمیر پر بوجھ آ پڑے گا۔ نوجوانوں کو دھوکہ دینے کے لئے ہمیں ان سے تعاون کرنا پڑے گا ایسی باتیں کہنا پڑیں گی جو ان کے لیے دلکش ہوں۔ قابل قبول ہوں۔ سنو۔ میں خدا کے وجود کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ تمہاری بیٹیاں میری اپنی بیٹیاں ہیں۔ تمہاری بہنیں میری اپنی بہنیں ہیں۔ میں جو کچھ ان لوگوں سے کہوں گا وہ میرے اور تمہارے ضمیر کے خلاف ضرور ہوگا، وہ تمہارے دل کے ٹکڑے ضرور کر دے گا لیکن یہ ضروری ہے میرے دوستو یہ ضروری ہے۔ ہم دشمن پر فتح حاصل کر لیں گے۔ اگر ہم مرے تو آبرو سے مریں گے۔ اپنی بیٹیوں کی عزت کے ساتھ دفن ہوں گے۔ تم اگر پسند کرو تو نوجوانوں سے گفتگو کرنے کے لیے میرا انتخاب کر لو۔ میں جو کچھ کہوں، جو کچھ کروں اسے مصلحت جانو اور اس پر صاد کرو۔''

''ہم تمہارے اوپر بھروسہ کرتے ہیں خرم شاہ۔'' بہت سے لوگوں نے کہا۔

''تب ٹھیک ہے۔ اب میں نوجوانوں سے مخاطب ہوں۔ میرے نیک بچو۔ تم نے جس عزم اور نیک نیتی کا اظہار کیا ہے۔ میں تمہیں اس پر خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ اب ہم جو کچھ کریں گے وہ مصلحت ہوگی۔ تمہیں اپنے ضمیر کے خلاف ان لوگوں سے دوستی کرنا ہوگی۔ ان کے ارادوں میں شریک ہونا پڑے گا۔ اس کا اظہار کرنا پڑے گا!''

''آپ جو کچھ کہیں گے ہم وہی کریں گے مسٹر خرم شاہ۔''

''تب سنو۔ میں نوجوانوں کے لیے تجاویز پیش کرتا ہوں جو ان کے حق میں ہوں گی۔ مجھے یقین ہے وہ انہیں پسند کریں گے۔ تم کہو گے کہ تم بھی اس حق سے کیوں محروم رہو۔ اور تم نوجوانوں کے اس گروہ میں شامل ہو جاؤ گے۔''

''ہم آپ کی ہدایات پر عمل کریں گے۔'' نوجوانوں نے کہا۔

''تب آؤ۔ ہم انہیں فیصلہ سنا دیں۔'' خرم شاہ نے کہا اور وہ سب نوجوانوں کے گروہ کی طرف بڑھ گئے جو انہیں شبہ کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ خرم شاہ نے چہرے پر مایوسی پیدا کر لی۔ چند ساعت کے بعد وہ سب نوجوانوں کے سامنے پہنچ گئے۔ تب آٹرے آگے آیا اور کینہ توز نظروں سے خرم شاہ کو گھورتے ہوئے بولا۔

''تم نے کیا فیصلہ کیا بوڑھے چالباز؟ ہم تمہارا فیصلہ سننے کے لیے بے چین ہیں۔''

''فیصلہ تمہارے حق میں ہے میرے بگڑے ہوئے بچو۔ لیکن کچھ شرائط کے ساتھ۔''

''کیا شرائط ہیں؟'' آٹرے نے پوچھا۔

''ہم سے اس انداز میں گفتگو مت کرو آٹرے۔ بہرحال جتنی بھی ہے، ہم قوت ضرور رکھتے ہیں۔ ہم تمہیں بتا چکے ہیں کہ اگر تم نے ہم سے جنگ کی تو تم میں آدھے باقی رہیں گے۔ اس کے بعد ہی تم جو کچھ کر سکو گے کرو گے۔ لیکن عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنی قوت بحال رکھیں۔ نادان لڑکو۔ ہماری ذہانت، تجربہ اور تمہارا عمل، دونوں مل کر ایک ایسا دن لا سکتے ہیں جب ہم یہاں سے آزاد ہوں۔ ہم مہذب دنیا میں پہنچ سکیں۔ اگر ہم کبھی مہذب دنیا میں پہنچ گئے تو ہمارے ضمیر اس فعل پر ہمیشہ ملامت کرتے

رہیں گے جس کے خواہش مند تم ہو۔ چنانچہ ہم نے سوچا کہ کیوں نہ ایسا حل تلاش کیا جائے جو تمہیں اور ہمیں دونوں کو قبول ہو۔ جس سے تمہارا مقصد بھی پورا ہو جائے اور ہمارا ضمیر بھی داغدار نہ ہو۔''

''کیا تم ایسا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے بوڑھے خرم شاہ۔'' آٹرے نے کہا۔

''ہاں۔ میرے خیال میں ہم ایسا حل تلاش کر چکے ہیں۔''

''تو بتاؤ۔ ممکن ہے ہم اس پر ہمدردی سے غور کریں۔''

''ہم لڑکیاں تمہارے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن ایک شرط پر۔ تم سب ان میں سے اپنی اپنی پسند کی لڑکی تلاش کر لو۔ اس کے بزرگ سے اس ضمن میں بات کر لو۔ ہم میں سے کوئی بھی بوڑھا تمہارے ساتھ اس کی شادی کرا دے گا۔ تم اسے بحیثیت بیوی رکھ سکو گے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اگر ہم تم مل کر کبھی مہذب دنیا میں پہنچ سکے تو وہ عورت تمہارے سر پر مسلط نہ ہوگی۔ تم چاہو تو اسے طلاق دے سکتے ہو۔ اس طرح ہم گنہگار بھی نہ ہوں گے اور تمہارا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ تم اپنی بیویوں کے ساتھ زندگی گزار سکو گے۔ بتاؤ کیا اس سے تمہارا مقصد باعزت طور پر حل نہ ہو جائے گا اور کیا اس عمل سے ان لوگوں کو بھی سکون نہ ملے گا جن کی بیٹیوں کو تم اس طرح پامال کرنا چاہتے ہو۔ رہ گئے ہم بوڑھے، تو ہم پیش کش کرتے ہیں کہ ہم تمہاری خدمت کریں گے۔ تمہارے لیے شکار کریں گے۔ آج سے ایک ضابطہ بنا لو۔ ہم شکار کریں گے۔ ایک جگہ جمع کریں گے اور پھر اسے آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ خواہ کتنا ہی حصہ میں کیوں نہ آئے۔ اس کے علاوہ بھی ہم تمہاری ہر ممکن خدمت کریں گے۔ ہمیں بھی زندہ رہنے دو!''

آٹرے کے چہرے پر غور و خوض کے آثار ابھر آئے اور پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا۔ ''کیا دوسرے لوگ بھی اس کے لیے تیار ہیں؟''

''ہاں۔ ان غیر یقینی حالات میں، میں نے انہیں اس پر آمادہ کر لیا ہے۔''

''لیکن۔ ایسی شکل میں ہم کیوں گھاٹے میں رہیں مسٹر خرم شاہ؟'' فیروز نے مداخلت کی۔

''کوئی گھاٹے میں نہیں رہے گا۔ ہم سب کے لیے ایک ہی انداز میں سوچیں گے۔''

''ہم بھی مسٹر آٹرے کے ساتھ شامل ہیں۔'' فیروز نے کہا اور نوجوانوں کا ٹولہ پروگرام کے مطابق آٹرے کے ساتھیوں میں جا ملا۔

''کیا مشورہ ہے دوستو؟'' آٹرے نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' نوجوانوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

''تب ٹھیک ہے۔ ہمیں تمہاری شرط منظور ہے۔'' آٹرے نے جواب دیا اور نوجوان خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔ بوڑھوں کی گردنیں لٹک گئی تھیں۔

✿ ››› ✿ ››› ✿

''میں نوجوانوں کے لیڈر کی حیثیت سے تم لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ اپنی لڑکیوں کو باہر بھیج دو' اور تم لوگ اسی وقت سے ہمارے لیے کام کرنا شروع کر دو۔'' آٹرے نے کہا۔

''ہماری تمہاری دوسری ہدایت پر فوری عمل کرنے کے لیے تیار ہیں مسٹر آٹرے۔ تم نہ صرف نوجوانوں کے' بلکہ ہمارے بھی لیڈر ہو۔ ہم کوئی کام تمہاری مرضی کے بغیر نہ کریں گے۔ لیکن جو باعزت سمجھوتہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہوا ہے' تمہیں بھی اس کی پابندی کرنا ہوگی۔'' خرم شاہ نے کہا۔

''کیا مطلب' میں سمجھا نہیں۔'' آٹرے نے خرم شاہ کے انداز گفتگو سے قدرے نرم ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ فیصلہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہوا ہے۔ بے چاری لڑکیوں کو ابھی اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ اگر ہم نے اسی طرح انہیں تمہارے سپرد کر دیا تو ان کے ذہن تم میں سے کسی کو قبول نہ کر سکیں گے اور یوں بھی مصیبت کے وقت میں رومان ان کے ذہنوں میں نہ ہوں گے۔ خاص طور پر اس لئے کہ وہ لڑکیاں ہیں۔ ممکن ہے ان میں سے کچھ تم میں سے کسی کو پسند کرتی ہوں۔ میرے کہنے کا مقصد ہے کہ تمہیں اس سلسلے میں تھوڑا سا وقت دینا ہوگا تا کہ ہم ان کے ذہنوں کو تمہاری طرف رجوع ہونے کے لیے تیار

کر سکیں۔''

آٹرے کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے، ہم تمہیں وقت دینے کے لیے تیار ہیں' لیکن ایک بات کی نشاندہی کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں۔تم لوگوں نے اگر ہمارے خلاف سازش کی تو پھر ہم ہر معاہدے سے آزاد ہوں گے اور اس کے بعد ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی گفتگو نہ ہوگی۔''

''برف کے اس ویرانے میں ہماری زندگیاں یوں بھی بہت مختصر ہیں۔ یہاں سازشوں کی گنجائش نہیں ہے۔اس کے علاوہ ہم تمہاری صلاحیتوں کو بھی استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اگر لڑکیوں کے حصول کے بعد تمہارے ذہن یکسو ہوسکیں تو ہمیں خوشی ہو گی۔ کیونکہ اس طرح یہاں سے نکلنے کے لیے کوئی ترکیب سوچی جا سکتی ہے۔لیکن لڑکیوں کو بھی بہرحال صورتِ حال سمجھانا ہوگی۔ ہاں وہ شرط برقرار ہے۔ ہم مناسب اوقات میں تم لوگوں کو عارضی ازدواجی رشتوں میں منسلک کئے بغیر لڑکیاں تمہارے حوالے کرنے کو تیار نہ ہوں گے۔''

''ہم وہ شرط منظور کر چکے ہیں۔'' آٹرے نے کہا اور نوجوان خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے چلے گئے۔ان کے ساتھ شامل ہونے والے شریف نوجوان بھی انہی کے ساتھ چلے گئے تاکہ ان کے عزائم سے باخبر رہیں۔نوجوانوں کے گروہ کے جانے کے بعد بوڑھے سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے پر گہرے غور و فکر کے آثار تھے۔ وقتی طور پر انہوں نے اس طوفان کو ٹال دیا تھا لیکن وہ جانتے تھے کہ طوفان ٹلا نہیں ہے۔اس سے نبٹنے کے لیے سخت کاوشیں کرنا ہوں گی۔

کافی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر بوڑھے حیات نے کہا۔''میرا خیال ہے کہ ہمیں لڑکیوں سے گفتگو کر لینا چاہیے۔انہیں ان کی عزت بچانے کی مہم میں برابر کا شریک رکھا جائے تو بہتر ہے۔''

''میرے خیال میں ہمارا ان سے گفتگو کرنا درست نہ ہوگا ڈاکٹر حیات، اور پھر بہرحال نوجوان ذہین ہیں۔مایوسی نے انہیں درندہ بنا دیا ہے۔ وہ بہک گئے ہیں لیکن ذہانتیں برقرار ہیں۔ان سے نبٹنے کے لیے زبردست صلاحیتوں سے کام لینا پڑے گا۔''

خرم شاہ نے کہا۔

''آپ کی کیا رائے ہے مسٹر خرم شاہ؟''

''اس سلسلے میں آپ کو اپنی لڑکیوں کی صلاحیتوں سے بھی کام لینا ہوگا۔ میں نے محسوس کیا ہے ڈاکٹر کہ آپ کی بچیاں کافی خود اعتماد ہیں۔ وہ اس پورے ہنگامے کے دوران خوفزدہ یا مایوس نظر نہیں آئیں۔ آپ یہ کام اپنی دونوں بچیوں کے سپرد کر دیں۔ وہ دوسری لڑکیوں کو صحیح انداز میں صورتِ حال سے باخبر کر کے انہیں حالات سے نبٹنے کے لیے تیار کریں اور ان کا عندیہ لیں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔'' حیات نے کہا۔''بہرحال دوسرا کام ہمیں آج سے کرنا ہوگا۔''

''یعنی شکار کی تلاش؟''

''ہاں۔'' ڈاکٹر حیات نے جواب دیا۔

''اس کے لیے ہمیں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہوگی، ڈاکٹر حیات۔''

''میرے اندازے کے مطابق یہاں ابھی اتنی خوراک موجود ہے جو ہمارے لیے ایک ماہ تک کافی ہوگی۔ میں ان جگہوں کی نشاندہی ضرور کروں گا۔ پہلے میں لڑکیوں کو صورتِ حال سے باخبر کر دوں۔ آپ لوگ میرا انتظار کریں۔'' ڈاکٹر حیات نے کہا اور پھر وہ برف کی سرنگ کے اندر داخل ہو گیا۔ چند منٹوں بعد وہ لڑکیوں کے قریب تھا۔اس نے نائلہ اور انیلا کو دوسری لڑکیوں سے الگ بلایا اور ان کے قریب بیٹھ گیا۔لڑکیاں بغور باپ کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

''کیا بات ہے ڈیڈی؟'' انیلا نے پوچھا۔

''تم دونوں میری عادت سے واقف ہو۔ میرے نظریات بھی جانتی ہو۔ میں سانس کی آمد و رفت تک انسان کو بے بس نہیں سمجھتا۔ انسان صرف خدا کے سامنے بے بس ہے۔خدا نے اسے زندگی دی ہے اور جب وہ موت دیتا ہے تو اسے بھی قبول کرنا پڑتا ہے۔دوسرے لوگ مایوسی کے شکار ہیں۔لیکن میں مایوس نہیں ہوں' میں اس برف پر اس وقت تک کی زندگی پر یقین رکھتا ہوں جب تک موت کا وقت نہ آ جائے۔ تمہیں یہ سن کر

شاید حیرت ہو کہ میں اس ویرانے سے فرار کا منصوبہ تیار کر چکا تھا' میرا خیال تھا کہ تم دونوں کو یہاں سے لے کر نکل جاؤں اور بلاشبہ میں نے اس کے انتظامات بھی کر لئے ہیں۔لیکن یہ انتظامات دوسروں کی نگاہوں میں دیوانگی ہی کہلاتے۔کوئی میرا ساتھ نہ دیتا سوائے تم دونوں کے۔ اس لئے میں نے کسی سے ذکر ہی نہ کیا۔میں اگر ایک احمقانہ کوشش کر رہا ہوں تو یہ میرا ذاتی فعل ہے۔دوسروں کو کیوں میں اپنے تجربے کی بھینٹ چڑھاؤں۔ممکن تھا آج ہم ایک عجیب سفر شروع کر دیتے جس کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ زندگی کی پرخار وادیوں کی سیر کراتا یا موت کی پرسکون منزلوں تک پہنچاتا۔ لیکن بہرحال میں نے اسے مناسب سمجھا تھا۔اس وقت تک مجھے دوسروں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔میں اپنا مسئلہ خود حل کرتا کیونکہ وہ میرا ساتھ نہیں دے سکتے تھے لیکن اب صورتحال اچانک بدل گئی ہے اور میں مجبور ہو گیا ہوں کہ اس وقت انہیں تنہا نہ چھوڑوں۔'' حیات نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا اور لڑکیاں پریشانی سے اس کی شکل دیکھنے لگیں۔حیات کی الجھی ہوئی گفتگو ان کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

''دراصل نوجوانوں کا ایک گروہ، اس بدبخت آٹرے کی سرکردگی میں بغاوت پر آمادہ ہو گیا ہے جسے میں نے مارا تھا۔''

''بغاوت! وہ کیا چاہتے ہیں ڈیڈی۔'' نائلہ نے پوچھا۔

''لڑکیاں۔ان کا خیال ہے کہ اس ویرانے میں ان کی موت بے رنگ نہ ہو اور مرنے سے قبل وہ اپنی سفلی آرزوؤں کی تکمیل کر لیں۔چنانچہ انہوں نے بوڑھوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا تا کہ لڑکیوں کو اپنے تصرف میں لاسکیں۔''

''اوہ۔'' نائلہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

''تھوڑی سی غلطی میری بھی تھی۔میں نے اس خطرناک پاگل کے رجحان کو پڑھ لیا تھا۔مجھے چاہیے تھا کہ اسے اسی دن برف میں دفن کر دیتا لیکن میں نے انسانی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا مناسب نہ سمجھا۔اسے بھاگ جانے دیا اور وہ بہت خطرناک ثابت ہوا۔''

''پھر کیا طے پایا ڈیڈی؟'' نائلہ نے کہا۔

''ہم نے وقتی طور پر اس وعدے کے ساتھ ان وحشیوں کو سنبھال لیا ہے کہ لڑکیاں ان کے حوالے کر دی جائیں گی لیکن زیادہ عرصہ تک ہم انہیں نہ روک سکیں گے۔چنانچہ اب اپنی عزتوں کی حفاظت کے لیے لڑکیوں کو خود میدان عمل میں آنا پڑے گا۔''

''انہیں کیا کرنا ہو گا؟''

''نوجوانوں کی دلدہی۔انہیں اپنی ذہانت سے اپنی عزت بچانا ہو گی اور ہمیں اتنا وقت فراہم کرنا ہو گا کہ ہم ان سے نبٹنے کی تیاریاں مکمل کر سکیں۔لیکن یہ بات صرف لڑکیوں کی ذہانت پر منحصر ہے۔ہمیں انہیں نوجوانوں سے ملنے کی آزادی دینا ہو گی۔ورنہ نوجوان شبہات میں مبتلا ہو جائیں گے اور ممکن ہے وقت سے پہلے یہاں کوئی خون ریز معرکہ ہو جائے۔اب یہ کام صرف لڑکیوں کا ہے کہ وہ کس طرح انہیں بے وقوف بنا کر ٹال سکتی ہیں۔ہم نے ان سے کہا ہے کہ ہم ان کی عارضی شادی کریں گے تا کہ وہ عزت سے ایک ایک لڑکی کے مالک بن سکیں۔''

''ہمارے لیے کیا حکم ہے، ڈیڈی؟'' نائلہ نے پوچھا۔

''بوڑھوں کے گروہ نے تم پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ تم دوسری لڑکیوں کو اس کام پر آمادہ کرو۔اور سنو، میں تمہیں اس بات کی اجازت دیتا ہوں کہ تم بھی دوسروں کی طرح اپنا کام کرو۔یہ انسانیت کی جنگ ہے۔اس میں ہر حربہ جائز ہے۔میں چشم پوشی کروں گا۔کیا میں جاؤں؟'' بوڑھے ڈاکٹر حیات نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''او کے ڈیڈی۔آپ جائیں۔رات کو ہم آپ کو رپورٹ دیں گے۔'' نائلہ نے کہا۔

''لیکن نہایت ہوشیاری سے' نوجوان ہماری طرف سے خوفزدہ ہیں۔وہ ہم پر کڑی نگاہ رکھیں گے۔'' حیات نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

''آپ بے فکر رہیں۔'' انیلا نے جواب دیا اور حیات گردن ہلاتا ہوا باہر نکل آیا۔

باہر آکر اس نے خرم شاہ وغیرہ کو بتایا کہ اس نے انتظام کر لیا ہے۔اور پھر وہ مچھلیوں کی تلاش میں چل پڑے۔

شام کو بوڑھوں کی ٹیم واپس آئی۔ نوجوانوں کا گروہ انہیں سرنگ کے باہر ہی ملا لیکن ایک چھوٹے سے کیبن کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ یہ کیبن جہاز کی ٹوٹی ہوئی سیٹوں' پائلٹ کیبن کے پارٹیشن اور کینوس کے ٹکڑوں سے بنایا گیا تھا۔ قریب پہنچنے پر انہیں معلوم ہوا کہ یہ نوجوانوں کا ہیڈ کوارٹر ہے' جہاں سے وہ بوڑھوں پر نگاہ رکھیں گے۔ نوجوان بہت خوش تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔ بوڑھوں کے کندھوں سے لٹکی ہوئی مچھلیاں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے تھے۔

''مجھے یقین ہے کہ آپ سب لوگوں نے ڈاکٹر حیات کی صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ لیکن لطف کی بات تو جب ہے جب ڈاکٹر حیات روزانہ ہمیں اتنی مچھلیاں فراہم کر سکیں۔'' آ ٹرے نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اگر تم نے ہم سے تعاون کیا مسٹر آ ٹرے' تو ہوسکتا ہے کہ ہمیں یکساں غذا سے نجات مل جائے۔ ہوسکتا ہے ہم اس ویرانے سے نہ نکل سکیں' لیکن ہم برف کی ان ڈھلانوں سے پرے ایک ایسی دنیا تلاش کر سکیں جہاں زندگی بسر کرنے کی آسانیاں ہوں۔'' بوڑھے حیات نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں سمجھا ڈاکٹر۔'' آ ٹرے نے حیرانی سے کہا۔

''میں تم سے پھر گفتگو کروں گا آ ٹرے۔'' حیات نے سنجیدگی سے کہا۔

''ضرور۔ اور میں تمہیں خاص طور سے اہمیت دوں گا۔ کیونکہ مستقبل میں تمہارے عقیدت مندوں میں شامل ہوں گا۔ میں تمہاری لڑکی سے اپنی پسندیدگی کا اظہار پہلے ہی کر چکا ہوں۔'' آ ٹرے نے ہنستے ہوئے کہا اور حیات خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

''اے محنت کش بوڑھو۔ مچھلیاں تلاش کرنے کے ہتھیار یہاں جمع کرا دو۔ تم روزانہ صبح یہ ہتھیار یہاں سے حاصل کر سکتے ہو۔ جہاز سے ایسی ہر چیز ہٹا کر اس کیبن میں جمع کر دی گئی ہے جو بطور ہتھیار استعمال ہو سکے۔ کیونکہ انسان کے مزاج کو بگڑتے دیر نہیں لگتی۔ یہ رائے ہمارے نوجوان دوست فیروز کی تھی۔ کیونکہ بہر حال مسٹر فیروز دوسروں سے بہتر صلاحیتوں کے مالک ہیں۔'' ایک اور نوجوان نے کہا۔

''ہاں۔ دوسرے نوجوانوں کی ہم میں شمولیت نے ہمارے عزم کو بلند کر دیا ہے۔

خاص طور پر مسٹر فیروز ہمارے لیے ایک ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔'' آ ٹرے نے کہا۔

ہتھیار اس طرح جمع کروانے کے تصور سے بوڑھوں کے ذہنوں میں مایوسی کی لہریں دوڑ گئی تھیں لیکن خرم کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ رائے فیروز کی ہے تو اسے اعتماد ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس میں کوئی مصلحت ہو گی۔ فیروز کی نیک نیتی پر وہ آنکھ بند کر کے اعتماد کر سکتے تھے۔ پھر آ ٹرے کے زیرِ ہدایت مچھلیاں آپس میں تقسیم کر لی گئیں اور لوگ اپنے اپنے لیے ڈنر بنانے میں مصروف ہو گئے۔

ایک درجن نوجوان ہیڈ کوارٹر میں رہنے کا پروگرام بنا چکے تھے۔ ویسے اس کیبن کو ہواؤں سے محفوظ بنا لیا گیا تھا اور بارہ نوجوان بآسانی اس میں رہ سکتے تھے۔ باقی حسب معمول رات کو سونے کے لیے جہاز میں چلے گئے۔ آج ان کے چہروں پر مسرت کی چمک تھی اور آج انہیں لڑکیاں بھی التفات کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

خاصی رات گزر چکی تھی۔ نائلہ اور انیلا ڈاکٹر کے قریب سو رہی تھیں لیکن درحقیقت وہ جاگ رہی تھیں۔ جب انہیں جہاز کے اندر تمام افراد کے سو جانے کا یقین ہو گیا تو نائلہ نے اپنے ہونٹ ڈاکٹر کے کانوں کے نزدیک کر لیے۔

''کیا آپ جاگ رہے ہیں ڈیڈی؟'' وہ سرگوشی میں بولی۔

''ہاں' میں تمہاری رپورٹ کا منتظر ہوں۔'' ڈاکٹر نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

''میں نے کام آپ کی مرضی کے مطابق کیا ہے۔ ایک ایک لڑکی کو اس کا کام سمجھا دیا گیا ہے۔ لڑکیاں پہلے تو خوفزدہ ہو گئی تھیں۔ لیکن میں نے کہا کہ ان کی حفاظت کا عزم کر لیا گیا ہے۔ ان پر آنچ اسی وقت آئے گی جب سارے مرد ختم ہو جائیں گے۔ ہاں اگر انہوں نے کمزوری سے کام لیا تو پھر صورتِ حال دوسری ہو گی اور اس کے بعد ان کی عزت اور ان کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکے گی۔ تو وہ سب خوش اسلوبی سے اپنا کام کرنے پر تیار ہو گئیں۔ اور اس کے بعد ڈیڈی، شام تک ہم نے ان لوگوں کو اپنا کام انجام دینے کی تربیت دی ہے۔ کل سے ہی وہ اپنا کام کرنا شروع کر دیں گی۔''

''ویری گڈ۔ مجھے تمہاری صلاحیتوں پر پورا بھروسہ ہے۔ گویا میں اس طرف سے

مطمئن ہو جاؤں۔''

''میں آپ کو اطمینان دلاتی ہوں ڈیڈی۔ آپ مطمئن رہیں۔''

''میں مطمئن ہوں نائلہ بیٹی۔'' ڈاکٹر حیات نے جواب دیا اور نائلہ خاموش ہو گئی۔

دوسرے دن حسب معمول بوڑھوں کا گروہ شکار کی تلاش میں نکل گیا۔ نوجوان البتہ ابھی تک بستروں میں اینڈ رہے تھے۔ ان کی چور نگاہیں لڑکیوں کو تک رہی تھیں۔ پھر آٹرے نے لڑکیوں کو مخاطب کر کے کہا۔

''میں نوجوان لڑکیوں سے مخاطب ہوں۔ برف کے اس ویرانے میں ہماری زندگی حباب کی طرح ہے۔ نہ جانے کون کس وقت موت کا شکار ہو جائے۔ جب موت ہی مقدر ہے تو ہم اس سے خوفزدہ کیوں ہوں۔ زندگی کے جو لمحات باقی ہیں انہیں فطرت کے تقاضوں کے مطابق رنگین کیوں نہ بنایا جائے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مرد کو اگر عورت کی محبت اور سہارا مل جائے تو وہ ایسے ایسے کارنامے انجام دیتا ہے کہ دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔ ممکن ہے آپ لوگوں کا سہارا ہمارے ذہنوں کو ایسی تحریک بخش دے کہ ہم یہاں سے نکلنے کی کوئی ترکیب سوچ سکیں۔ ہم نے آپ کے بزرگوں سے بات کر لی ہے۔ انہیں آپ کے اور ہمارے میل جول پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ممکن ہے انہوں نے یہ بات آپ کو بتا بھی دی ہو۔ چنانچہ میں اپیل کرتا ہوں کہ خوف و دہشت کی اس فضا کو قہقہوں میں بدل دیں۔ آپ کو اپنے ساتھی کے انتخاب کی آزادی ہے۔ ہم اس سلسلے میں آپ پر جبر نہ کریں گے۔ ہاں دوسری صورت ممکن ہے ہمیں آپ پر جبر کرنے پر مجبور کر دے۔''

آٹرے خاموش ہو گیا۔

لڑکیوں کے دلوں کی جو کیفیت ہوئی تھی' اس سے وہی بخوبی واقف تھیں' لیکن یہ الفاظ ان کے لیے غیر متوقع نہیں تھے۔ وہ خود کو اس کے لیے تیار کر چکی تھیں۔ اس لیے کسی قسم کے جذبات کا اظہار ان کے چہرے سے نہ ہوا۔

''کیا آپ نے ہماری اپیل قبول کر لی ہے؟'' آٹرے نے پوچھا۔

''لیکن ہمارے بزرگوں نے تو ہم سے کچھ اور کہا ہے۔'' ایک لڑکی نے کہا۔

''وہ کیا؟''

''انہوں نے .... انہوں نے کہا ہے کہ ہم .... رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد............''

''ٹھیک کہا ہے۔ دقیانوسی بوڑھوں کی بات ہم نے مان لی ہے۔ اور اس میں حرج بھی کیا ہے۔ ناک خواہ یوں پکڑی جائے یا یوں۔'' آٹرے نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو بہرحال اس بات کی اجازت ہے کہ ان بوڑھوں کے فیصلے کا انتظار کر لیں۔ لیکن اس دوران ہمیں ایک دوسرے سے گھلنے ملنے اور فیصلہ کرنے کا حق تو ہے۔''

''ہاں اس پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' نائلہ نے جواب دیا اور آٹرے شرارت آمیز نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''تب مس نائلہ۔ میں آپ سے درخواست کروں گا' کیا آپ میرے ساتھ گھومنے چلیں گی؟'' اس نے کہا' اور نائلہ شرماتی ہوئی سی آگے بڑھ آئی۔ آٹرے نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل آیا۔ ''عیش کرو ساتھیو۔ اپنا کام تو بن گیا۔'' اس نے سرنگ کے دہانے میں داخل ہوتے ہوئے کہا اور دوسرے نوجوان بھی نعرہ لگا کر کھڑے ہو گئے۔ اور پھر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا گروہ باہر نکل آیا۔ وہ ایک دوسرے کی کمروں میں ہاتھ ڈالے برف پر پھیل گئے۔ طویل مایوسی کے بعد آج پھر دلوں میں امنگیں جاگی تھیں۔ موت کے اندھیروں سے وہ چند ساعت کے لیے نکل آئے تھے۔ نوجوان جوڑے برف پر کلیلیں کرتے رہے۔ لڑکیاں جانتی تھیں کہ اسی میں ان کی آبرو کی بقا ہے کہ ان نوجوانوں کو زیادہ سے زیادہ بیوقوف بنایا جائے۔ نائلہ نے انہیں اچھی طرح سمجھا دیا تھا اور وہ اپنا رول نہایت خوبی سے ادا کر رہی تھیں۔

آٹرے نائلہ کو لے کر برف کے ایک تودے کے پیچھے پہنچ گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے نائلہ کے دونوں ہاتھ پکڑے اور اسے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ ''بالآخر میں نے آپ کو حاصل کر لیا' مس نائلہ۔'' اس نے کہا۔

''کیا آپ مجھے پہلے سے پسند کرتے تھے یا اس دن............؟''

''اوہ' اس منحوس دن کی یاد نہ دلاؤ۔ نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا۔ ورنہ میں پیشہ ور

جوڈو ماسٹر ہوں۔ بس قسمت ہی خراب تھی۔ ورنہ تمہارے ڈیڈی کی زندگی نہ بچتی۔ اور جب تم نے مجھے قبول کرلیا ہے تو تمہارے ڈیڈی کو قتل کر کے مجھے افسوس بھی ہوتا۔''

''مجھے تو اس دن بھی افسوس ہوا تھا جب ڈیڈی نے آپ کی درگت بنائی تھی اور آپ برف پڑے بے بسی سے ہاتھ پاؤں پٹخ رہے تھے۔ آپ کے چلے جانے کے بعد میں نے ڈیڈی سے احتجاج کیا تھا کہ انہیں آپ کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا چاہئے تھا۔''

آٹرے چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ وہ اندازہ لگا رہا تھا کہ نائلہ اس پر طنز کر رہی ہے یا حقیقت کہہ رہی ہے۔ لیکن چالاک نائلہ کے چہرے سے وہ کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔

''تمہیں کیوں افسوس ہوا تھا؟'' اس نے پوچھا اور نائلہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔

''اوہ۔'' آٹرے نے انگلی سے اس کی ٹھوڑی اٹھائی اور اپنے پیاسے ہونٹ نائلہ کے چہرے کی طرف جھکا دیئے۔ تب نائلہ ایک ادا کے ساتھ پیچھے ہٹ گئی۔

''نہیں مسٹر آٹرے۔ اپنے وعدے پر قائم رہیے۔ میں.......... میں بھی آپ کو پسند کرتی ہوں۔ لیکن.......... لیکن رشتہ قائم ہوئے بغیر میں آپ سے قریب نہیں ہوسکتی۔ میں مشرقی لڑکی ہوں اور اپنا آئیڈیل بھی باوقار چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ اور آپ کے ساتھی اپنا قول نبھائیں تاکہ ہم آپ کی بیوی بن کر فخر محسوس کریں۔''

''میں اپنا قول نبھاؤں گا نائلہ۔ آپ جیسی محبوب مل جائے تو انسان نہ جانے کیا سے کیا بن سکتا ہے۔ بے فکر رہیں۔ میرا کوئی ساتھی کسی لڑکی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کر سکتا۔''

''شکریہ۔ نائلہ نے ایک ادا سے کہا اور آٹرے اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اٹھ گیا۔

اسی وقت ایک اور برف کے تودے کے عقب سے ایک چیخ ابھری اور وہ دونوں چونک پڑے۔ آٹرے تیزی سے تودے کے پیچھے دوڑا اور نائلہ بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑی۔ تب انہوں نے ایک شرمناک منظر دیکھا۔ جہاز کی ایک ائر ہوسٹس ایک قوی ہیکل نوجوان کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی۔

''گریگ!'' آٹرے دھاڑا اور نوجوان چونک پڑا۔ اس نے لڑکی کو بدستور نیچے

دبائے ہوئے آٹرے کی طرف دیکھا۔

''بھاگ جاؤ آٹرے۔ جاؤ، یہاں سے ہٹ جاؤ۔''

''کھڑے ہو جاؤ گریگ۔ ورنہ تمہارا حشر بھی جہاز کے نوجوانوں سے مختلف نہ ہو گا۔'' آٹرے نے خونخوار لہجے میں کہا اور گریگ کے سر پر پہنچ گیا۔ گریگ نے اسے ایک گندی سی گالی دی تھی اور آٹرے نے اسے سر کے بالوں سے پکڑ کر اٹھا لیا اور دوسرے لمحے اس کا گھونسہ گریگ کے منہ پر پڑا۔ گریگ اچھل کر کئی فٹ دور جا گرا تھا' لیکن وہ بھی کافی قوی ہیکل تھا۔ اس نے وحشیانہ انداز میں آٹرے پر حملہ کر دیا۔

آٹرے ڈاکٹر حیات کے مقابلے میں واقعی حقیر ثابت ہوا تھا لیکن قوی ہیکل گریگ کے لیے وہ بہت خطرناک ثابت ہوا' اس نے گریگ کے ہر حملے کو ناکام بنا دیا اور کئی بار اسے سر سے بلند کر کے برف پر دے مارا۔ اور پھر اس وقت تک مارتا رہا جب تک گریگ بے ہوش نہ ہو گیا۔ نائلہ نے سہمی ہوئی لڑکی کے لباس سے اس کا برہنہ جسم چھپایا اور پھر وہ اور آٹرے لڑکی کو ساتھ لے کر برف کی سرنگ کی طرف بڑھ گئے۔

آٹرے خود بھی گریگ سے مختلف نہیں تھا لیکن نائلہ کا جادو سر چڑھ کر بولا تھا۔ وہ نائلہ کی محبت سے سرشار ہو گیا تھا اور گریگ کی شامت اسی لیے آئی تھی۔ اگر نائلہ چالاکی سے کام نہ لیتی تو شاید خود آٹرے بھی اس کے ساتھ یہی سلوک کر سکتا تھا۔ بہر حال وہ اس وقت خود کو ایک شریف النفس انسان ثابت کرنے کے لیے کوشاں تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک بھونپو کے ذریعے نوجوانوں کو ایک جگہ اکٹھا ہونے کا حکم دے رہا تھا۔ نوجوان جوڑے ایک جگہ جمع ہو گئے تو اس نے کہا۔

''دوستو۔ یہ طے ہے کہ بوڑھوں نے ہمارے ساتھ ایک باعزت معاہدہ کر کے ہمارے مطالبے کو تسلیم کر لیا ہے۔ ہمیں لڑکیوں پر تصرف کا حق مل گیا ہے۔ چنانچہ جب ہم نے ان کی بات کو تسلیم کر لیا ہے تو ضروری ہے کہ ان سے کئے ہوئے وعدے کا پاس بھی کریں۔ ابھی کچھ دیر قبل ہمارے ایک ساتھی گریگ نے اپنی ساتھی لڑکی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اس لڑکی کو بچا لیا۔ اور اب میرا حکم ہر نوجوان کے لیے یہی ہے کہ یہ لڑکیاں اگر ہم پر اعتماد کر کے باہر نکل آئی ہیں تو ہمیں ان کا اعتماد برقرار

رکھنا ہوگا۔ اگر کسی نے کسی لڑکی کے ساتھ زیادتی کی تو اس کا حشر گریگ سے مختلف نہ ہو گا۔ جو برف کی اس چٹان کے عقب میں زخمی' بے ہوش' یا مردہ پڑا ہے۔"

"ٹھیک ہے ہم سب معاہدے کی پابندی کریں گے۔" فیروز کی آواز بھری۔ انیلا اس کے ساتھ تھی اور پھر فیروز کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی اس بات کا اقرار کر لیا اور آٹرے ان کا شکریہ ادا کر کے واپس جہاز کی سرنگ کی طرف چل پڑا۔

"مجھے یقین ہے کہ مس نائلہ نے اس وحشی کو رام کر لیا ہے۔" فیروز نے آہستہ سے انیلا سے سرگوشی کی۔

"شاید۔"

"آپ کافی بجھی بجھی سی ہیں مس انیلا۔ یقین کیجئے آپ میرے ساتھ اس حیثیت سے نہیں ہیں جیسے دوسری لڑکیاں ان بگڑے ہوئے نوجوانوں کے ساتھ ہیں۔ میں آپ کی دل سے عزت کرتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"اوہ نہیں مسٹر فیروز میں آپ کی شرافت پر بھروسہ کرتی ہوں۔" انیلا نے کہا اور فیروز گردن ہلانے لگا۔

شام کو بوڑھے واپس آ گئے۔ اس شام فیروز نے بوڑھوں سے ہتھیار بھی واپس نہیں مانگے تھے لیکن بوڑھوں نے مچھلیاں ایک جگہ ڈھیر کرنے کے بعد ہتھیار خود اس ہیڈ کوارٹر میں جمع کر دیئے اور پھر وہ ایک جگہ جمع ہو کر میٹنگ کرنے لگے۔

آٹرے نے انہیں دیکھا اور مسکراتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔ "کیا میٹنگ ہو رہی ہے بزرگو؟" اس نے ایک بوڑھے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اس نے محسوس کیا کہ بوڑھوں کے چہروں سے کوئی خاص بات عیاں ہے۔ چنانچہ وہ سنجیدہ ہو گیا۔

ممکن ہے تم ہماری تجویز قبول نہ کرو آٹرے' لیکن اگر تم نے اس کی مخالفت کی تو بلاشبہ یہ ایک افسوس ناک اقدام ہوگا۔" خرم شاہ نے کہا۔

"کون سی تجویز؟ مجھے بتاؤ۔ میں اس پر غور کروں گا۔" آٹرے نے کہا۔

"تمہیں یاد ہے ڈاکٹر حیات نے ایک بات کہی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر تم ہم سے تعاون کرو تو ہو سکتا ہے ہمیں یکساں غذا سے نجات مل جائے۔ ہو سکتا ہے ہم اس

ویرانے سے نہ نکل سکیں لیکن ہم برف کی ان ڈھلانوں سے پرے ایک ایسی دنیا تلاش کر سکیں جہاں زندگی بسر کرنے کی آزادی ہو۔"

"اوہ ہاں۔ ڈاکٹر نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس سلسلے میں پھر مجھ سے بات کریں گے۔" آٹرے نے کہا۔

"درحقیقت مسٹر آٹرے۔ مسٹر حیات اس برف کے جہنم میں ہمارے لیے فرشتہ رحمت ہیں۔ اگر وہ ان مچھلیوں کی نشاندہی کر کے ہمارے لیے غذا کا مسئلہ حل نہ کرتے تو' ہم میں سے کتنے افراد زندہ ہوتے؟ شاید ایک بھی نہیں۔ ڈاکٹر سے گفتگو کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر لامحدود علوم کے ماہر ہیں۔ وہ زمین دیکھ کر اس کے جغرافیائی حالات کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ان ڈھلانوں سے پرے برف کا دبیز علاقہ ختم ہو جاتا ہے اور وہاں درخت اور پھل پھول موجود ہیں۔ وہاں خشکی کے جانور بھی مل سکتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ وہ علاقہ بھی آبادی کی نشاندہی نہ کر سکے لیکن کم از کم وہاں رہ کر زندگی اتنی ناپائیدار نہ رہے گی جتنی کہ اس برف پر۔ فرض کرو یہاں کوئی شدید طوفان آ جاتا ہے۔ اس وقت ہم کہاں ہوں گے۔ برف کے نیچے مچھلیوں کی تعداد بھی ختم ہوتی جا رہی ہے اور وہ چند روز ہی چل سکیں گی۔ اس کے بعد موت یقینی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق کیوں نہ زندگی کے لیے' زندگی سے بھرپور ایک کوشش کر لی جائے۔"

"لیکن وہ نئی دنیا ہمیں برف کے ڈھلانوں کو عبور کرنے کے بعد ہی تو حاصل ہو سکتی ہے؟" آٹرے نے بے چینی سے کہا۔

"ہاں ہمیں برف کے ڈھلان عبور کرنے ہوں گے۔"

"یہی تو مسئلہ ہے کہ کیسے؟"

"اس کے لیے بھی ڈاکٹر کی بے پناہ صلاحیتیں کام کر رہی ہیں۔ ہمیں اس عظیم انسان کا شکر گزار ہونا چاہیے مسٹر آٹرے۔ اگر وہ چاہتا تو آج ہم میں نہ ہوتا۔ اپنی لڑکیوں سمیت فرار ہو چکا ہوتا۔ ایسی صورت میں تو ہمارے لیے یہاں سے نکلنے کا تصور بھی ناممکن تھا۔"

"میں اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ براہ کرم آپ میں

سے چند افراد میرے کیبن میں آ جائیں۔'' آٹرے نے کہا۔

''تم ان نوجوانوں کے لیڈر ہو آٹرے' کیا یہ سب تمہاری بات مانیں گے؟''

''ہاں اس کا تجربہ آج ہو چکا ہے۔ آپ مس نائلہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔'' آٹرے نے مختصر الفاظ میں آج کی کارروائی دہرائی اور حیات اور خرم حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

''بہر حال تم نے شرافت کا ثبوت دیا ہے آٹرے' بے شک ہم تم سے جو وعدہ کر چکے ہیں اسے ضرور پورا کریں گے۔ لیکن اس سے پہلے بہتر زندگی گزارنے کے لیے جدوجہد کر لی جائے تو کیا حرج ہے۔'' خرم شاہ نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''میں تیار ہوں۔'' آٹرے نے جواب دیا اور خرم شاہ' حیات اور دوسرے چند لوگ آٹرے کے ساتھ کیبن میں داخل ہو گئے جہاں جہاز کی سیٹیں موجود تھیں' وہ سب ان کرسیوں پر بیٹھ گئے تب حیات نے کہا۔

''میں نے پوری زندگی مہمات میں گزاری ہے۔ ان مہمات نے مجھے زمین پہچاننے کا تجربہ بھی دیا ہے اور اس تجربے کے تحت میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ڈھلانوں سے پرے سنگلاخ زمین موجود ہے' جہاں درخت' پھل' پھول' اور پانی کے چشمے موجود ہیں۔ ہم وہاں رہ کر بہترین زندگی گزار سکتے ہیں اور ممکن ہے وہاں پہنچ کر ہمیں مہذب دنیا تک سفر کرنے کی سہولت بھی فراہم ہو جائے۔''

''ٹھیک ہے ڈاکٹر۔ لیکن یہ ناقابلِ عبور ڈھلان؟''

''برف کی اس ناپائیدار اور تکلیف دہ زندگی سے نجات حاصل کر کے بہتر زندگی گزارنے کے لیے خودکشی کے انداز میں اگر ایک کوشش کر لی جائے تو کیا حرج ہے؟''

''آپ کے ذہن میں کوئی ترکیب ہے؟'' آٹرے نے پوچھا۔

''ہاں۔ میں چند روز قبل چند تجربات بھی کر چکا ہوں اور اگر یہ نئی صورتِ حال نہ پیدا ہوتی تو شاید میں اپنے پروگرام پر عمل بھی کر چکا ہوتا۔'' ڈاکٹر حیات نے کہا۔

''خوب' تب آپ مجھے اس تجربے کے بارے میں بتائیں گے ڈاکٹر؟''

''ہاں' لیکن کل صبح۔ میں عملی طور پر اپنے اس تجربے کی نمائش کروں گا۔''

''اگر وہ کامیاب تجربہ ہے ڈاکٹر' تو تم نوجوانوں کو اس کے لئے تیار پاؤ گے۔'' آٹرے نے کہا۔

''ٹھیک ہے چنانچہ باقی گفتگو کل صبح تک کے لیے ملتوی!'' ڈاکٹر نے کہا۔ اور وہ لوگ اٹھ گئے۔ آٹرے انہیں باہر تک چھوڑنے کے لیے آیا تھا اور پھر وہ مچھلیاں تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔

اس رات' ڈاکٹر اور نائلہ حسب معمول ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ ''آٹرے کے رویے نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ اس نے کسی لڑکی کی آبرو بچائی تھی؟''

''ہاں یہ حقیقت ہے ڈیڈی۔ لیکن سانپ نے وقتی طور پر کینچلی چڑھا لی ہے۔ وہ کسی بھی وقت کینچلی سے باہر آ سکتا ہے۔''

''اوہ۔ میں تفصیل چاہتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے سرگوشی کی۔

''صبح کو ان کے تیور خطرناک تھے۔ انہوں نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ اداسی کی فضا ختم کر دیں اور اب جبکہ ان کے بزرگ فیصلہ کر چکے ہیں کہ انہیں نوجوانوں کے سپرد کر دیں گے تو لڑکیوں کو بھی ان کا فیصلہ قبول کر لینا چاہیے۔ میں نے چونکہ تمام لڑکیوں کو سمجھا دیا تھا کہ اگر ہم ان نوجوانوں کو چالاکی سے بیوقوف نہ بنا سکیں تو پھر خودکشی ہی کرنی ہو گی۔ اس لئے لڑکیوں نے انہیں خوش آمدید کہا اور ان کے ساتھ باہر نکل آئیں۔ خود ذلیل آٹرے نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ میں اس کے ساتھ باہر آ گئی اور پھر میں نے اسے بیوقوف بنا کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اس وقت تک لڑکیوں کے اور اپنے ضمیر کو داغدار نہ کیا جائے جب تک پروگرام کے مطابق وہ ان کی نہ ہو جائیں۔ وہ گدھا بن گیا اور اسی چکر میں اس نے گریگ کو قتل کر دیا۔''

''اوہ۔'' ڈاکٹر نے گہری سانس لی پھر سرگوشی میں بولا۔ ''بہر حال میرے ذہن کا بوجھ دور ہو گیا۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ ایک زوردار قہقہہ لگاؤں۔ بھیڑیا بھیڑ کی کھال اوڑھ کر بھیڑوں میں شامل ہونا چاہتا تھا۔ بس اب سو جاؤ نائلہ۔ ممکن ہے کل کا دن ہمارے لیے بے حد اہمیت رکھتا ہو۔''

دوسرے دن صبح حسبِ معمول سب لوگ جاگ گئے۔ وافر مقدار میں مچھلیاں حاصل کی جارہی تھیں، اس لیے آج کل صبح کا ناشتہ بھی ہونے لگا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ سب باہر نکل آئے۔ نوجوان بھی ساتھ تھے۔ تب آٹرے نے نوجوانوں کو اکٹھا کیا اور بولا۔

''دوستو! بوڑھوں نے ہم سے تعاون کا وعدہ کیا تھا اور اب تک انہوں نے اس پر خلوصِ نیت سے عمل کیا ہے اس بات سے ہم سب واقف ہیں کہ اس ویرانے میں ہم صرف موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ کون اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ کسی بھی وقت برف کے نیچے مچھلیوں کا ذخیرہ ختم ہو جائے، برف پر کوئی خوفناک طوفان آ جائے اور ہم سب برف کے نیچے دفن ہو جائیں۔ ایسی صورت میں یہ بوڑھے بھی ہمارے لیے کچھ نہیں کر سکیں گے۔ ڈاکٹر حیات کے بارے میں، میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ مچھلیوں کی نشاندہی نہ کرتے تو ہم سب اب تک ہلاک ہو چکے ہوتے۔ انہی ڈاکٹر حیات نے اپنی لامحدود معلومات اور تجربے سے پتہ چلایا ہے کہ برف کی ان ڈھلانوں کے دوسری طرف سنگلاخ زمین موجود ہے۔ جہاں درخت پھل، پھول اور شکار موجود ہے۔ اگر ہم وہاں تک پہنچ جائیں تو برف کے اس ویرانے سے نجات پا سکتے ہیں اور ممکن ہے اس کے بعد بیرونی دنیا سے رابطہ قائم کرنے کا کوئی ذریعہ بھی نکل آئے۔ ڈاکٹر نے وہاں تک پہنچنے کے لیے کوئی تجربہ بھی کیا ہے، جسے وہ ہمارے سامنے دہرانا چاہتے ہیں۔ دوستو! اگر بوڑھے وعدہ کریں کہ وہاں جا کر بھی وہ اپنے وعدے پر قائم رہیں گے اور بغیر کسی تاخیر کے لڑکیوں کو ہمارے حوالے کر دیں گے تو ہمیں ان کے اس تجربے سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟''

اگر برف کے اس جہنم سے نجات مل سکے تو اس سے بڑی بات اور کونسی ہو سکتی ہے۔'' فیروز نے کہا اور ان تمام نوجوانوں سے ہاتھ اٹھا دیئے جو دراصل بوڑھوں کے ساتھی تھے، اور ان کی دیکھا دیکھی دوسرے نوجوان بھی تیار ہو گئے۔

تب آٹرے نے ڈاکٹر سے درخواست کی۔ ''ڈاکٹر۔ ہم آپ کا تجربہ دیکھنا چاہتے ہیں، لیکن اس سے قبل یہ وعدہ ضروری ہے کہ وہاں جا کر بھی آپ اپنے معاہدے کے پابند

رہیں گے۔''

''مسٹر آٹرے! ہم بوڑھے یہاں سے نکلنے کی ایک کوشش کر رہے ہیں۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو اس جگہ پہنچ کر بھی ہم آپ کے محکوم ہی رہیں گے۔ وہاں جا کر ہماری قوت تو نہ بڑھ جائے گی۔ میں ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ اگر لڑکیوں کے حصول سے نوجوانوں کی صلاحیتیں نکھر آتی ہیں تو ہم خوشی سے انہیں ان کے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ ہاں۔ یہ وعدہ ہے۔ یہ ہم سب بوڑھوں کا وعدہ ہے کہ نئی دنیا میں قدم رکھتے ہی نوجوانوں کو تمام لڑکیوں سے منسلک کر دیا جائے اور اجازت دی جائے گی کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزاریں۔'' خرم شاہ نے کہا۔

''ہم سب تیار ہیں۔ ہم سب تیار ہیں۔'' نوجوان خوشی سے چیخنے لگے۔ تب بوڑھے حیات نے انہیں اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور وہ سب اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ ان کا رخ خوفناک ڈھلانوں کی طرف تھا۔ ڈھلانوں تک کا طویل اور دشوار گزار راستہ طے کر کے وہ اس نشان تک پہنچ گئے جو ڈاکٹر حیات نے کچھ روز قبل ایک تجربہ کرنے کے بعد لگایا تھا۔ ڈاکٹر حیات اس نشان کے پاس پہنچ کر رک گیا۔

''یہ میرے تجربے کا نشان ہے۔ یہاں برف بہت ہلکی ہے اور اس کے نیچے ویسے ہی سیاہ پتھر موجود ہیں جو میں نے بطور نشان لگایا ہے۔ کیا نوجوان چند وزنی پتھر کاٹنے میں میری مدد کریں گے؟''

''ضرور۔'' چند نوجوانوں نے کہا، اور پھر وہ برف توڑنے والی کدالوں سے برف ہٹا کر پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹنے لگے۔ تھوڑی دیر میں چار پانچ وزنی پتھر اکھاڑ لئے گئے اور پھر ڈاکٹر کے اشارے پر ایک پتھر نشان سے دور لے جایا گیا، اور ڈھلان کے کنارے پر پہنچ کر اسے نیچے لڑھکا دیا گیا۔ پتھر کسی برق رفتار گھوڑے کی طرح برف کی ڈھلانوں پر پھسلنے لگا اور نوجوان وہ خوفناک منظر دیکھنے لگے۔ پھر ایک جگہ پہنچ کر پتھر زور سے اچھلا اور نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ نوجوانوں کے دل دہل اٹھے تھے۔

''اس لیے میں نے یہ جگہ ناموزوں قرار دے دی۔'' بوڑھے حیات نے کہا اور پھر اس نے ایک پتھر اسی انداز میں نشان کے دوسرے طرف لڑھکایا۔ اس پتھر کا حشر بھی ویسا

ہی ہوا تھا۔ پھر یکے بعد دیگرے تین پتھر اس نشان کے سامنے آگے پیچھے رکھے گئے' اور پہلے پتھر کو نشان کے سامنے والے ڈھلان میں دھکیل دیا گیا۔ پتھر کا طوفانی سفر شروع ہو گیا اور وہ تیزی سے نگاہوں سے دور ہوتا گیا لیکن اس پتھر نے برف کے طویل و عریض میدان کو بخوبی پار کر لیا اور اس کی سیاہی اس وقت تک نظر آتی رہی جب تک نگاہوں کی حد ختم نہ ہو گئی۔ ڈاکٹر کے اشارے پر دوسرے اور پھر تیسرے پتھر کو بھی اسی طرح لڑھکا دیا گیا اور ان دونوں پتھروں نے اپنا سفر بخیر و خوبی طے کر لیا۔

نوجوان خوفزدہ نظروں سے اس تجربے کو دیکھ رہے تھے۔ ڈاکٹر حیات نے دلچسپ نگاہوں سے انہیں دیکھا اور پھر بولا۔ ''میں نے طے کیا تھا کہ ایک چوڑی سل کانٹوں گا جس میں چاروں طرف برف کھودنے والے آلات کیلوں کی طرح گاڑ دیئے جائیں گے۔ میں اس پر نرم چیزیں بچھا کر انہیں اس قابل بنا لوں گا کہ انسانی جسم کو ان پر تکلیف نہ ہو۔ پھر رسیوں کی مدد سے میں اپنی دونوں بچیوں اور خود کو ان کیلوں سے جکڑ لوں گا اور اس کے بعد ہم ان ڈھلانوں کا سفر شروع کر دیں گے اور اس وادی تک پہنچ جائیں گے جو اس برف کے قید خانے سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور جہاں رہ کر زندگی زیادہ کٹھن نہیں رہے گی۔ ہم وہاں سے آگے بڑھنے کے انتظامات بھی کر سکتے تھے لیکن پھر مجھے احساس ہوا کہ میں خود غرضی سے کام لے رہا ہوں۔ میں نے سوچا اپنی تجویز دوسروں کے سامنے پیش کر دوں تاکہ دوسرے بھی ہمت کریں۔ میں پورے خلوص سے اپنا پروگرام آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ ہم نے اس برف سے گزر کر اس وادی میں جانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اب آپ سب کو اس سفر کی دعوت دیتے ہیں۔ سفر کا طریقہ کار البتہ تھوڑا سا بدل گیا ہے۔'' حیات نے خاموش ہو کر نوجوانوں کے خشک ہونٹ اور خوفزدہ آنکھیں دیکھیں اور اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''مجھے آپ کے چہرے دیکھ کر دکھ ہوا ہے۔ آپ جو ہم بوڑھوں کو قتل کرنے کے لیے بڑے پرجوش نظر آ رہے تھے، میری تجویز سن کر دہشت زدہ ہو گئے ہیں۔ عجیب رنگ ہے آپ کے خون کا۔ کیا آپ کی دلیری یہیں تک محدود ہے؟''

''طنز نہ کریں ڈاکٹر۔'' آٹرے نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''بلاشبہ آپ کا تجربہ خطرات

سے بھرپور ہے' لیکن برف کے اس ویرانے میں سسک کر موت کا انتظار کرنے سے یہ بدرجہا بہتر ہے کہ ایک بار زندگی کی بھرپور جدوجہد کر لی جائے۔ اس جدوجہد میں موت آ جائے تو وہ زیادہ بہتر ہو گی۔ میں تمام نوجوانوں کے بارے میں تو نہیں کہتا' لیکن مجھے یقین ہے کہ ہم میں سے چند ایسے ضرور ہوں گے جو اس جدوجہد میں حصہ لینا پسند کریں گے۔ لیکن اس سے قبل چند سوالات ضروری ہیں۔''

''کیا؟''

''نمبر ایک۔ کیا ہمیں پتھروں پر اس انداز میں سفر کرنا ہو گا' جس طرح آپ نے بتایا ہے؟ نمبر دو۔ کہیں آپ بوڑھے ہمارے ساتھ دھوکا تو نہیں کر رہے؟ نمبر تین۔ اگر ہم اس وادی میں بخیر و خوبی پہنچ گئے تو کہیں آپ لوگ اپنے وعدوں سے انحراف تو نہ کریں گے؟''

''بس یہی سوال ہیں؟'' ڈاکٹر حیات نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں!''

''سوال نمبر ایک کا جواب ہے کہ اس سلسلے میں' میں ایک بات کہہ چکا ہوں کہ سفر کا طریقہ کار اجتماعی طور پر تھوڑا سا بدل دیا گیا ہے جس کے بارے میں' میں ابھی بتاؤں گا۔ سوال نمبر دو کا جواب ہے کہ کسی قسم کے دھوکے کا امکان یوں نہیں ہے کہ یہ سفر اجتماعی طور پر کیا جائے گا۔ یعنی ہم سب ساتھ ہوں گے۔ زندگی یا موت جو کچھ بھی ہو گا ساتھ ہو گا اور سوال نمبر تین کے بارے میں صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے یہاں بھی خود کو بے بس نہیں سمجھا ہے۔ یہاں بھی ہم تم سے اس وقت تک جنگ کر سکتے ہیں جب تک ہم سب ختم نہ ہو جائیں اور ظاہر ہے ہم بزدل ثابت نہیں ہوں گے۔ لیکن ہم نے نوجوانوں کے مطالبات کو عقل کی روشنی میں پرکھ کر صرف اس لیے منظور کر لیا کہ ممکن ہے اس سے ان کی صلاحیتیں جاگ اٹھیں اور وہ یہاں سے نکلنے کا کوئی طریقہ سوچ لیں۔ یہی کوشش اس وادی میں پہنچنے کے بعد ہو گی۔ چنانچہ کسی قسم کے انحراف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔''

آٹرے گردن ہلانے لگا پھر اس نے کہا۔ ''میں مطمئن ہوں ڈاکٹر' اب براہِ کرم وہ طریقہ بتایئے جس کے تحت ہم سفر کریں گے۔''

ڈاکٹر حیات نے مسکراتے ہوئے نوجوانوں کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔ ''ہم تباہ شدہ طیارے کے ڈھانچے کو برف کے پہاڑ سے کھود کر نکال لیں گے۔ اس کا سامنے کا ٹوٹا ہوا حصہ درست کر لیں گے اور پھر اسے ڈھلان تک لے آئیں گے۔ پھر ہم سب اس طیارے میں بیٹھ جائیں گے اور طیارہ ڈھلان پر چھوڑ دیا جائے گا۔ چنانچہ ہمارا سفر بذریعہ طیارہ ہوگا۔ لیکن بدقسمتی سے طیارہ فضا میں پرواز نہیں کرے گا بلکہ برف پر دوڑے گا۔''

''اوہ!'' آنٹرے کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ وہ حیران نگاہوں سے ڈاکٹر حیات کو دیکھ رہا تھا۔ دوسرے بہت سے نوجوانوں کے چہرے بھی سرخ ہو گئے تھے۔ پتھر پر سفر کرنے کی بہ نسبت طیارے کے ڈھانچے میں سفر کرنے کا تصور زیادہ دلچسپ تھا اور اس کے لیے تقریباً سبھی تیار تھے جس کا اندازہ ان کے چہروں سے ہو رہا تھا۔

''کیا خیال ہے دوستو! کیا زندگی کی اس جدوجہد میں تم حصہ لینے کے لیے تیار ہو؟''

''ہم سب تیار ہیں۔'' تقریباً سبھی نے بیک وقت جواب دیا۔

''ڈاکٹر حیات درحقیقت عظیم دماغ رکھتے ہیں۔ اس ناگہانی آفت میں اگر ڈاکٹر حیات ہمارے ساتھ نہ ہوتے تو ہم سب اب تک مر کھپ گئے ہوتے۔ ان کی لازوال ذہانت نے غذا کا مسئلہ حل کیا اور اب ڈاکٹر کی ذہانت نے ایک اور گل کھلایا ہے۔ درحقیقت برف پر یہ تیز رفتار سفر زندگی کا ایک انوکھا تجربہ ہوگا۔ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں ڈاکٹر۔ ہم سب آپ کے زیرِ ہدایت کام کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

آنٹرے نے اعلان کیا اور نوجوان تالیاں بجانے لگے۔ ان میں بوڑھوں کی تالیاں بھی شامل تھیں۔ لیکن چند چہرے ایسے بھی تھے جو صرف مسکرا رہے تھے۔ اور ان کی مسکراہٹ میں موت چھپی ہوئی تھی۔ جیسے خرم شاہ۔ ڈاکٹر حیات۔ فیروز.......... اور پھر رہ جاتا تھا میں۔

کیا آپ مجھے بھول گئے۔ میں جس نے اپنی زندگی کا ایک طویل ترین حصہ آپ کو

دیا ہے۔ آپ نے میری کہانیوں کی پذیرائی کی ہے۔ میں نے آپ کے لیے حسین ترین کہانیاں لکھی ہیں اور آپ جانتے ہیں کہانیاں کیسے لکھی جاتی ہیں۔ انسانوں کا تجزیہ کر کے، حالات کا تجزیہ کر کے۔ کہانیاں حقیقتوں سے دور نہیں ہوتیں۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ حقیقتوں کو ہی کہانی کا نام دے دیا جاتا ہے۔ ان حقیقتوں کو جو بڑی انوکھی بنیادیں رکھتی ہیں۔ میری بے شمار کہانیاں ایسی ہیں جو میں نے انسانوں سے اخذ کی ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ کہانیاں سنائی ہیں اور میں نے انہیں تراش خراش کر آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ؟ یہ کہانیاں خود بخود نہیں بن جاتیں۔ بڑی کانٹ چھانٹ کرنی پڑتی ہے ان میں تب کہیں جا کر ان کی تشکیل ہوتی ہے اور یہ کہانیوں کی شکل اختیار کرتی ہیں۔ ایسی کہانیاں جن میں آپ کا جو دل چاہے کہہ سکتے ہیں۔ کوئی انہیں حقیقت سے دور کہتا ہے۔ اور کوئی پڑھ کر کہتا ہے کہ مزا نہیں آیا۔ لیکن ایک کہانی کی تخلیق میں، ایک واقعے کی کانٹ چھانٹ میں بہت سی نگاہوں سے پسندیدگی کی سند حاصل کرنے کے لیے نجانے کیا کیا جتن کرنے پڑتے ہیں۔

تو بات ہو رہی تھی اس پراسرار ہولناک اور سنسنی خیز ماحول کی۔ دماغ کی رو جس طرف بھی بھٹک جائے۔ ڈاکٹر حیات، خرم شاہ اور دوسرے وہ سارے دانشور جو اب اس برف کے ویرانے کے قیدی بن گئے تھے، اپنی اپنی تکے بازی کر رہے تھے اور میں نے مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ میں ایک تماشائی کی حیثیت سے، یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ! میں تو بس یوں سمجھ لیجیے کہ ایک بے جان وجود کی مانند ان سب کے درمیان تھا۔ ویسے بھی کچھ لوگوں نے یہ ذمہ داری سنبھال لی تھی کہ وہ دوسروں کو بچا کر لے جائیں گے اور وہ سوچ رہے تھے کہ جن لوگوں نے ان کی پذیرائی کی ہے یا جو لوگ ان کی بات سن کر خاموش ہو گئے ہیں، وہ سارے کے سارے ان سے اتفاق رکھتے ہیں۔ یہ تو میری نگاہ تھی جو یہ دیکھ رہی تھی کہ بے شمار افراد ان احمقانہ منصوبوں کو مذاق اڑانے والی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ چونکہ ڈاکٹر حیات نے کسی ایک شخص سے بھی مشورہ نہیں کیا تھا بلکہ صرف عمل کیا تھا چنانچہ کون ایسا تھا جو اپنے آپ کو کسی سے کم سمجھتا۔ لیکن اس سلسلے میں جو کارروائی ہو رہی تھی اس کے لیے میری رائے محفوظ ہے۔ بہرحال ایک اور سلسلہ ہوتا

ہے۔ انسان اپنے طور پر جو بھی منصوبہ بندی کر لے، فیصلے کر لے، اصل فیصلہ تقدیر کا ہوتا ہے۔ اتنے دن ہو گئے تھے ان برف کے ویرانوں میں۔ سوائے اس کے کہ چھوٹی چھوٹی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا، اور کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی سو لوگوں نے سمجھا کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہی ایک حقیقت ہے اور کوئی ایسا نہیں ہے جو یہاں تبدیلی پیدا کر سکے۔ بے شک کوئی ایسا نہیں تھا لیکن قدرت تو تھی۔ اب یہ قدرت کی مرضی کہ وہ کیا کرتی ہے اور کیا نہیں کرتی۔ باقی جو منصوبہ بندی کی جا رہی تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ بڑی سنسنی خیز تھی۔ جہاز میں سفر کرنے والے لاتعداد افراد میں ہر طبقہ فکر کے لوگ موجود تھے۔ ان میں مہم جوؤں کی تعداد بہت زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ میری گہری نگاہیں بے شمار گروپوں کا جائزہ لے چکی تھیں۔ کچھ تنہا تھے۔ کچھ ایسے جن کے ساتھ پوری پوری ٹولیاں تھیں۔ سارے کے سارے ایک ہی مشکل میں مبتلا ہو چکے تھے۔ بہرحال میری نگاہوں نے بہت سے لوگوں کے چہروں پر بہت کچھ دیکھا تھا جو غالباً دوسرے لوگ اتنی آسانی سے نہیں دیکھ سکے تھے۔ یہ سب غور کرنے کی باتیں تھیں اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ جس انداز میں یہاں سے نکلنے کا فیصلہ کر رہے ہیں وہ تو بڑا ہی سنسنی خیز ہے۔ یہاں آ کر ایک بڑا دلچسپ احساس دل کو ہوتا تھا وہ یہ کہ خوبصورت اور خوفناک مہماتی کہانیاں لکھ لینا ایک آسان سا کام ہے لیکن خود کسی مہم جوئی کا حصہ بننا اس سے بالکل مختلف۔ کوئی بھی ہو زندگی ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے اور میں کسی بھی طرح اپنے آپ کو اس سے الگ نہیں کہوں گا۔ بے شک میرا مشغلہ دوسرے لوگوں سے بالکل مختلف تھا یعنی یہ کہ میں صرف چہرہ شناسی کر رہا تھا اور میرے ذہن میں لاتعداد کہانیاں بنتی جا رہی تھیں بلکہ سب سے بڑی کہانی تو یہی تھی کہ میں جس جہاز سے سفر کر رہا تھا وہ حادثے کا شکار ہو گیا تھا اور ہم ایک ایسی نامعلوم دنیا میں لمحے گزار رہے تھے جس کی صحیح سمت کا بھی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اب میری اپنی معلومات تو خیر ایک طرح سے نہ ہونے کے برابر تھیں لیکن جہاز کے ان مسافروں میں لاتعداد لوگ مجھے ایسے نظر آ رہے تھے جو واقعی سنجیدہ اور سنسنی خیز احساسات کے مالک تھے۔ میں نے کچھ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

''اصل میں بعض اوقات کچھ لوگ حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ جیسے یہ ڈاکٹر

حیات۔ آخر انہوں نے کیوں یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ ہمارے لیڈر ہیں اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس سے ہم سب کو اتفاق ہے۔ حماقت کا ایک عجیب سا نمونہ!''

''تو کیا تم ڈاکٹر حیات کی اس مہم میں شریک نہیں ہو گے؟''

''یار کوئی عقل کی بات ہے۔ قدرت نے اس ورق پر زندگی کے کچھ دن لکھ دیئے ہیں تو انہیں ان بڑے میاں کے منصوبوں پر عمل کر کے موت کے حوالے کر دیا جائے۔ آخر کیوں؟''

''ویسے زیادہ تر لوگوں کو ڈاکٹر حیات کے ساتھ دیکھا ہے میں نے۔''

''ذرا سفر کا آغاز ہو پھر دیکھنا۔''

یہ تو انسانی سوچ تھی، قدرت کی سوچ کا اظہار اس شام پانچ بجے سے شروع ہو گیا۔ اچانک ہی آسمان بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔ لیکن ایک بڑی عجیب بات تھی ان بادلوں کا رنگ بالکل مختلف تھا۔ بس یوں لگتا تھا جیسے کسی نئی اور انوکھی قسم کے بادل آئے ہوں۔ ان میں نارنجی رنگ کا عنصر بہت زیادہ تھا اور یہ نارنجیاں جھلکتی چلی آ رہی تھیں یہاں تک کہ سفید برف پر نارنجی سایوں کے نشانات ابھرنا شروع ہو گئے اور اس کے بعد اچانک ہی تیز ہوا چلنے لگی۔ برف پر اگر ہوا چلے تو مزا ہی دے جاتی ہے۔ برف سے ٹکرا کر آنے والی ہوائیں جسموں کے مسامات میں شامل ہو کر اندر تک سے گلا دیتی ہیں جبکہ ہم تو یہاں بے یارومددگار تھے، کھلی ہوا کے باسی، ان کپڑوں پر بھروسہ کرنے والے جو کسی نہ کسی شکل میں ہمیں حاصل ہو گئے تھے۔ ان میں سے کچھ ہمارے تھے اور کچھ ادھر ادھر کے، میں نے بھی اپنے جسم کو کپڑوں سے خوب اچھی طرح لپیٹ لیا اور ایک جگہ اکڑوں بیٹھ گیا۔ پھر تو ہوا کا وہ طوفان آیا کہ دیکھنے والی آنکھیں دہشت سے بینائی کھو بیٹھیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے لوگوں کو فضا میں اڑتے دیکھا۔ ہوا کے تیز جھونکے انہیں بلند سے بلند کر دیتے۔ لاتعداد افراد میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور مجھے یقین ہو گیا کہ قدرت نے یہ چند روزہ زندگی عارضی طور پر بخشی تھی اور اب صحیح معنوں میں اختتام ہے۔ بہرحال یہ ساری ہنگامہ آرائیاں ہواؤں کے ساتھ جاری رہیں۔ ہم میں سے بہت سے لوگ گم ہو گئے۔ سب کچھ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ برف بالکل ڈھک گئی تھی۔ میں یہ سوچ رہا

تھا کہ دیکھو کب ہوا کا کوئی تیز جھونکا مجھے فضاؤں کی سیر کراتا ہے۔کوئی تین گھنٹے تک یہ تیز ہوا چلتی رہی اور اس کے بعد آہستہ آہستہ ہوا کا یہ طوفان ڈھلنے لگا لیکن اس کے بعد بارش شروع ہوگئی۔ بارش بھی کمال کی تھی۔ بوندیں جسم پر پڑتی تو یوں لگتا جیسے کوئی ڈنڈے مار رہا ہو۔لیکن سب کچھ برداشت کرنا تھا۔کم ازکم ہوا نے معاف کر دیا تھا، بارش کو دیکھو یہ کیا کہتی ہے۔ بہرحال ساری صعوبتیں اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیں' لیکن اس کے بعد جب دوسری صبح سورج نکلا تو منظر ہی نہیں ماحول بھی بدل چکا تھا۔ برف کے وہ عظیم الشان ٹیلے زمین بوس ہو چکے تھے جو جگہ جگہ کھڑے نظر آتے تھے۔ بے شمار افراد کا نام ونشان مٹ گیا تھا۔ ڈاکٹر حیات اور اس کی دونوں بیٹیاں بھی غائب تھیں۔اس کے علاوہ بے شمار نوجوان ان گہرائیوں میں جھانک رہے تھے۔ جہاں کہیں کہیں رنگین دھبے نظر آجاتے تھے۔ یہ دھبے ان لوگوں کے رنگین لباس تھے' جو صرف ایک رات پہلے ان سب کے ساتھی تھے۔ برف کی گہرائیوں میں کہیں کہیں انسانی جسم اس طرح بھی نظر آرہے تھے کہ دونوں ٹانگیں برف سے باہر تھیں اور باقی جسم اندر لیکن ان ٹانگوں میں کوئی جنبش نہیں تھی۔ سب سے زیادہ ہولناک منظر وہ تھا جب ہماری نگاہیں اس جہاز پر پڑیں جس کے ذریعے خوفناک سفر کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔لیکن اس وقت اس جہاز کا نام ونشان تک موجود نہیں تھا بلکہ برف کے پہاڑ کا وہ حصہ ہی غائب ہوگیا تھا جس پر جہاز ٹکا ہوا تھا۔اس منظر پر سب ہی شدید خوفزدہ تھے اور ہر شخص داستان عبرت بنا ہوا تھا۔

اس شخص پر میری نگاہ تیسری بار پڑی تھی جس کے چہرے پر ہلکی ہلکی ڈاڑھی تھی۔ بلند و بالا قد و قامت، بڑی بڑی روشن آنکھیں، خوبصورت نقوش' لیکن چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت۔ بس یوں لگتا تھا جیسے ایک جلال سا اس کے چہرے پر ہو۔ میں نے پہلی ہی نگاہ میں اس کے بارے میں یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ مسلمان ہے اور میرے ہی وطن کا باشندہ ہے۔لیکن یہاں کچھ ایسی افراتفری پھیلی ہوئی تھی کہ بس جو قریب آگیا اس سے سلام دعا ہوگئی اور جو ذرا فاصلے پر نظر آیا اس کے متعلق یہی سوچ کر رہ گئے کہ کبھی ملاقات کی جائے۔ اس وقت وہ شخص مجھ سے کچھ فاصلے پر ہی بیٹھا ہوا خلا میں گھور رہا تھا۔ اتفاقیہ طور پر مجھ سے نگاہیں ملیں تو بے اختیار بول اٹھا۔

''اور اس سے بڑی حماقت اور کوئی نہیں ہوتی کہ انسان اپنے آئندہ کے منصوبوں کے لیے خود ہی فیصلے کر لے۔ میں آج اپنے والد کے یہ الفاظ یاد کرتا ہوں تو ایک عجیب سا عالم دل پر گزر جاتا ہے۔ میرے مرحوم والد کہا کرتے تھے کہ دنیا کا کوئی بھی عمل کرنے کے بارے میں سوچو یا زبان سے نکالو تو انشاء اللہ کا لفظ کہہ لو اگر اپنی اور اپنے اس عمل کی بقاء چاہتے ہو۔ انشاء اللہ کے بغیر اگر کوئی فیصلہ کن بات تم نے کہی تو ایک طرح سے یہ سمجھ لو کہ وہ شرک میں داخل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ کی مرضی کے بغیر آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اگلا سانس تک نہیں لے سکتے۔ پھر آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ سب کچھ ہیں اور آپ یہ کر لیں گے آپ وہ کر لیں گے۔''

میں نے اس کی طرف مسکراتی نگاہوں سے دیکھا اور کہا۔''ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔کیا ڈاکٹر حیات کا کچھ پتا چلا؟''

''کچھ لوگوں نے اسے اور اس کی بیٹیوں کو ہوا میں دو سو فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے دیکھا ہے۔اب وہ جہاں ہوگا اس کا اندازہ لگا لیا جائے۔خیر جدید لوگوں کی اپنی جدید دنیا ہے لیکن میں پورے یقین کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ اگر ڈاکٹر حیات انشاء اللہ کے ساتھ اپنے کسی عمل کی بات کرتے تو ہوتا تو وہی جو اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی مرضی تھی۔لیکن یہ ہوسکتا تھا کہ وہ اس وقت ہمارے درمیان موجود ہوتے۔ یہ جدید لوگ جو نماز پڑھتے ہوئے یہ سوچتے ہیں کہ چلو سر پر ٹوپی رکھنا ضروری تو نہیں ہے اور اپنی منطق تراش لیتے ہیں۔ اول تو ان کا نماز پڑھنا ہی بڑا عجیب ہوگا کیونکہ اس میں بھی جدیدیت کی جھلکیاں ملتی ہیں لیکن ان کا یہ نظریہ بھی غلط ہے۔ہم اپنے بزرگوں کا احترام کرتے ہیں' اپنے سے بڑوں سے تمیز و ادب سے پیش آتے ہیں۔ اللہ کا احترام تو ہمارے وجود اور ہماری فطرت کا ایک حصہ ہونا چاہیے۔اس احترام میں اگر ہم سر ڈھک کر اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں تو یہ ہمارا فرض ہے۔لیکن لوگ نہیں سوچتے۔''

''آپ بہت مذہبی آدمی معلوم ہوتے ہیں؟''میں نے سوال کیا۔

''آہ' نہیں ایسی بات نہیں ہے میں تو برائیوں کی ایک پوٹ ہوں۔اگر آپ میری برائیوں کی تفصیل سنیں گے تو دانتوں تلے انگلی دبا لیں گے۔''

"آپ کا چہرہ، آپ کی شخصیت معاف کیجئے گا محترم بڑی ہی کشش انگیز اور پر اثر ہے۔ کاش میں آپ کے بارے میں جان سکتا۔"

اس نے اپنی روشن و مسکراتی آنکھوں سے مجھے دیکھا پھر بولا۔ "تو جان لیجئے۔ یہاں ہمیں اور کیا کرنا ہے۔ ماضی کو یاد کرنے سے طبیعت میں ایک فرحت پیدا ہو جاتی ہے۔ بڑی بڑی عجیب اور دلچسپ کہانیاں ہوتی ہیں ماضی کی بھی۔ میرے بارے میں سنیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔ وہ حسین بستی جہاں کا میں باشندہ ہوں آپ یقین کریں میں اسے کائنات کا سب سے حسین علاقہ تصور کرتا ہوں کیونکہ میں نے اپنی آنکھ وہی کھولی تھی۔"

"مجھے اپنے بارے میں بتانا پسند کریں گے؟"

"میں یہی کہہ رہا تھا کہ کیوں نہ وقت گذاری کے لیے یہی مشغلہ اختیار کیا جائے۔ یہاں ہر شخص کی اپنی ایک کہانی ہو گی اور میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کے جتنے سانس ہمیں یہاں ملے ہیں، ان میں ان کہانیوں ہی سے دل بہلایا جائے۔"

"آپ مجھے اپنے بارے میں بتانا پسند کریں گے؟"

"ہاں!" اس نے کہا اور یہیں سے صوفی عظمت اللہ کی کہانی کا آغاز ہو گیا۔

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

صوفی عظمت اللہ بستی کے ہر دلعزیز لوگوں میں تھے۔ ہر شخص ان کی عزت کرتا تھا۔ نیک اور دیندار آدمی تھے۔ بستی کے ہر شخص کے کام آنے والے، کریانے کی ایک چھوٹی سی دکان کرتے تھے۔ سچ بولتے تھے اور پورا تولتے تھے۔ کسی کو کبھی ان کی ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی۔ دکان پر اور دکان بند کرنے کے بعد جو وقت ملتا تھا، وہ مذہب کی تبلیغ میں صرف کرتے تھے۔ عالم نہیں تھے لیکن سچی باتوں پر باعمل ضرور تھے اور یہی سب کچھ دوسروں کو بتاتے تھے۔ اہلیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ایک بیٹا منور تھا جس کی عمر اب سات سال کے قریب تھی۔ چنانچہ اس چھوٹی سی دکان کی آمدنی دونوں باپ بیٹوں کو بہتر کفالت کے لئے کافی تھی۔ ایک بھائی تھے جو بستی کے موذن تھے اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مسجد سے ملحق مکان میں رہتے تھے۔ قدرت اللہ بھائی کی بہ نسبت دینی تعلیم سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے لیکن عظمت اللہ کی ہر دلعزیزی سے کبیدہ خاطر رہتے تھے اور بھائی کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں کی ملاقاتیں رسمی سی تھیں۔ بھائیوں والی یگانگت موجود نہیں تھی۔ صوفی عظمت اللہ کی نیک فطرت کی وجہ سے بستی والوں کو ان کے اختلاف کی خبر نہیں تھی۔

صوفی عظمت اللہ صبح ہی صبح نئی گڑھی سے دکان کے لئے سودا خریدنے گئے تھے۔ بارش کا موسم تھا اور اس موسم میں بستی والے بستی سے باہر جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ راستے میں ایک برساتی ندی پڑتی تھی جسے پار کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ ذرا سی بارش میں ایسی چڑھتی کہ ہاتھی ڈباؤ پانی ہو جاتا اور اسے عبور کرنا ناممکن۔ کریم علی نے منع کیا کہ اس موسم میں نہ جائیں لیکن وہ مسکرا کر بولا۔

دکان میں بہت سی چیزیں ختم ہو گئی ہیں کریم بھائی! بارش کا کیا! ٹھیک ہے اگر جھڑی لگ گئی تو ہفتوں پر بات جائے گی اور دکان بند کرنی پڑے گی۔ بس صبح جاؤں گا اور دوپہر تک واپس آ جاؤں گا۔"

لیکن اس کے جاتے ہی بارش شروع ہو گئی اور پھر تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ گھر میں منور کے سوا کوئی نہیں تھا۔ معصوم بچہ کسی خطرے سے بے نیاز اپنے مشاغل میں مصروف رہا۔ صوفی صاحب دوپہر تک واپس نہیں آئے، شام کو بھی نہیں آئے، رات کو بھی نہیں آئے اور سہما ہوا منور پڑوس کے ایک گھر میں پہنچ گیا۔

"ابو جی ابھی تک نہیں آئے کریم چچا!" اس نے پریشانی سے کہا۔

"ارے کیا وہ صبح کو چلے گئے تھے؟"

"ہاں کہہ گئے تھے دوپہر تک آ جاؤں گا۔"

"فکر مت کرو بیٹے! بارش کی وجہ سے ندی چڑھ گئی ہو گی۔ اس لیے وہ دوسری طرف رک گئے ہوں گے۔ بارش رکی تو ندی اتر جائے گی اور ممکن ہے وہ کل ہی آ جائیں۔ تم کھانا وغیرہ کھاؤ اور آرام سے یہاں سو جاؤ۔ بیوی منور بیٹے کو کھانا کھلا دو۔"

کریم علی نے اپنی بیوی سے کہا اور منور بہل گیا۔

بارش رات میں کسی وقت رک گئی تھی۔ دوسری صبح آسمان صاف تھا۔ منور باپ کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے روزمرہ کے معمول کے مطابق گھر اور دکان کی صفائی کر لی تھی لیکن دوپہر کو ایک روح فرسا خبر بستی میں پہنچی اور بستی کے لوگ غم و اندوہ میں ڈوب گئے۔

کنہیا اپنی بیل گاڑی میں بستی پہنچا تھا اس نے بستی والوں کو بتایا کہ کل دوپہر کو وہ بستی واپس آ رہا تھا۔ لیکن ندی چڑھی دیکھ کر اسے ندی عبور کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اسی وقت صوفی عظمت اللہ بھی ندی کے کنارے پہنچے تھے۔ وہ ندی عبور کرنے کے لیے بے چین تھے۔ کنہیا نے انہیں روکا تو انہوں نے کہا کہ ابھی ندی زیادہ نہیں چڑھی ہے۔ بستی میں منور ان کا انتظار کر رہا ہوگا۔ اگر وہ نہ پہنچے تو منور پریشان ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ پانی میں اتر گئے۔ تھوڑی دیر تک وہ تیرتے رہے لیکن پھر پانی کا پرشور ریلا آیا۔ اس وقت وہ عین درمیان میں تھے پھر دو تین بار وہ پانی ابھرے اور اس کے بعد غائب ہو گئے۔ کنہیا دوبارہ

انہیں نہیں دیکھ سکا تھا۔

یہ خبر پوری بستی میں پھیل گئی۔ چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے۔ اب تو صوفی صاحب کی لاش کی تلاش بھی فضول تھی۔ تاہم بستی کے گھڑسوار ندی کے کنارے کنارے میلوں دور تک گئے۔ ندی کے کیچڑ میں بھی عظمت اللہ کی لاش کی تلاش کی گئی لیکن بے سود۔ ان کا کوئی نشان نہیں مل سکا۔

بستی اندوہ میں ڈوب گئی۔ جس نے سنا افسوس کیا۔ قدرت اللہ بھی تڑپ کر پہنچ گئے اور دہاڑیں مارنے لگے۔ اختلافات اپنی جگہ تھے لیکن وہ بھائی کی موت کے خواہاں نہیں تھے۔ تنہا منور کو انہوں نے سینے سے لگا لیا۔ بستی کے بے شمار لوگ منور کو سینے سے لگانے کے لیے تیار تھے لیکن چچا کی موجودگی میں کسی کے کچھ کہنے کا موقع ہی نہ تھا۔ چنانچہ منور ان کی تحویل میں پہنچ گیا۔ بیگم قدرت اللہ نے البتہ ان کے اس اقدام پر سخت اختلاف کیا تھا۔

"ہنہ برس رہا ہے نا جیسے گھر میں۔ بچوں کی پرورش جیسے کر رہی ہوں، میں ہی جانتی ہوں۔ اب ایک اور فرد کا اضافہ کر لیا تم نے۔ کھانا، کپڑے، بیماری آزاری، میں کہتی ہوں کہ یہ سب کہاں سے ہوگا۔"

"کہیں نہ کہیں سے ہو ہی جائے گا۔ میں اس کا چچا ہوں۔ آخر بستی والوں کی شرم و حیا بھی کوئی چیز ہے۔ لوگ کیا کہتے اگر ہمارے ہوتے ہوئے یہ دوسروں کے ہاں پلتا۔" قدرت اللہ نے جواب دیا۔

"بڑے چہیتے بھائی تھے نا۔ ہمیشہ تمہاری کاٹ میں رہے۔ کبھی پنپنے نہ دیا۔ صوفی بن گئے تھے اور ہمارا حق مارتے تھے۔ میں کہتی ہوں بچیاں جوان ہو رہی ہیں۔ پیسے پیسے کی بچت ضروری ہے۔ ہم اس کا خرچ کہاں سے برداشت کریں گے کیا لڑکیوں کو گھر میں بٹھا کر بوڑھا کرو گے؟"

"خدا کی بندی بھائی صاحب اس قدر قلاش بھی نہیں تھے۔ تھوڑی سی عقل سے بھی کام لو۔ منور اگر ہمارے ساتھ رہے گا تو بھائی صاحب کی چھوڑی ہوئی ہر چیز ہماری ملکیت بن جائے گی۔ اس غریب کا ہمارے علاوہ کون ہے۔ دکان میں اگر کچھ بھی نہیں تو ہزار

پانچ سو کا سامان ضرور ہوگا۔ اس کے علاوہ ان کا مکان بھی ہے۔ اور بھی کچھ رکھا ہی ہوگا انہوں نے۔''

''ایں!'' بیگم قدرت اللہ سنبھل گئیں پھر بولیں۔ ''ہاں۔ یہ تو ٹھیک ہے لیکن اب دکان کون چلائے گا۔ جو سامان اس میں ہے اسے گھر لے آؤ۔ وہاں پڑے پڑے خراب ہوگا۔''

''افوہ۔ چند روز تو رکو۔ فوراً ہی یہ سب کچھ کرلوں گا تو بستی والے کیا کہیں گے۔'' قدرت اللہ نے جواب دیا اور ان کی بیگم خاموش ہوگئیں۔ صوفی عظمت اللہ کی طرح ان کے بھائی صاف دل نہ تھے۔ اس کے علاوہ وہ زن مرید قسم کے لوگوں میں سے تھے خود ان کی اپنی کوئی رائے نہیں تھی۔ جس طرف بیوی کا اشارہ ہوتا اسی طرف چلتے۔ چنانچہ اس گفتگو کے بعد وہ بھی اس انداز میں سوچنے لگے۔ بھائی کی موت کے بعد دل میں ان کی محبت ابھری تھی۔ لیکن رو دھو کر ٹھیک ہو گئے تھے۔ بھتیجے کو لائے تو خلوص سے تھے لیکن بیگم کی مخالفت اور دلائل سے گھبرا گئے۔ جان چھڑانے کے لیے دکان اور مکان کا ذکر بادل نخواستہ کر دیا تھا لیکن اب سوچ رہے تھے کہ ٹھیک ہی تو ہے۔ منور کہاں پرورش پائے گا۔ خرچ بھی تو ہوگا۔ دکان چلانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سات سالہ منور کیا کرے گا۔ چنانچہ سامان لے آنا ہی بہتر ہوگا۔ رہ گیا مکان تو اس کی فروخت کے سلسلے میں جلد بازی سے کام لینا مناسب نہیں ہوگا۔ جب بچیوں کی شادی ہوگی تب اسے بیچ کر کام چلایا جائے گا۔ بیگم کو بھی یہی سمجھانا مناسب ہے۔

قدرت اللہ صاحب مطمئن ہو گئے لیکن انہوں نے بیگم کو سمجھا دیا تھا کہ منور کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جائے تا کہ بستی والے انگشت نمائی نہ کر سکیں۔ ورنہ لوگ بھائی صاحب سے اس قدر متاثر ہیں کہ یہ خود منور کو سینے سے لگانے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔

بیگم قدرت اللہ زمانہ ساز خاتون تھیں۔ صوفی صاحب سے ہمیشہ سے کینہ رکھتی تھیں۔ منور کو سینے سے لگانے کا کیا سوال تھا لیکن دکان اور مکان کا معاملہ ایسا تھا جو انہوں نے اب سے چند لمحات قبل نہیں سوچا تھا۔ اب بات ان کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ انہوں نے

شوہر سے وعدہ کیا کہ وہ مطمئن رہیں منور کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

معصوم بچہ ان زمانہ ساز لوگوں کے ساتھ رہنے لگا اور چند ہی دنوں میں اس کے دل سے باپ کی جدائی کا اضطراب ختم ہوگیا۔ چچی امی کی محبت اور چچا کی شفقت نے اس کے معصوم دل کو مطمئن کر دیا۔ بستی کے لوگوں کو کافی عرصے تک صوفی عظمت اللہ یاد رہے۔ منور پر بھی نگاہ رکھی گئی۔ لیکن چچی اور چچا کے سلوک سے مطمئن ہو گئے۔ ظاہر ہے خون خون کے درمیان تھا، اس میں کسی کھوٹ کی کیا گنجائش تھی۔

لیکن بیگم قدرت اللہ مطمئن نہیں تھیں۔ منور انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا انہیں زہر لگتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ منور سے گھر کے کام لئے جانے لگے اور اس نے خوش دلی سے یہ فرائض سنبھال لیے۔ لیکن پھر ان کے کاموں کی تعداد بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ بچہ بچہ منور کا محتاج ہوگیا۔ اب بکریوں کے لئے چارہ لانے سے رات کو قدرت اللہ صاحب کے پاؤں دبانے تک کی ذمہ داری منور کے کاندھوں پر آ پڑی۔ کمزور شانے اس بوجھ سے چور چور ہو جاتے تھے۔ زبان کھولی تو مار پڑنے لگی۔ قدرت اللہ صاحب بھی دوسروں سے پیچھے نہیں تھے۔ جب بیگم منور کی مخالف تھیں۔ تو پھر وہ اس کے ہمدرد کس طرح رہ سکتے تھے! چنانچہ منور کی بدبختی کا دور شروع ہوگیا۔ اسے اس ماحول سے نفرت ہونے لگی، لیکن اس کی سوچ محدود تھی اور اپنے طور پر وہ بالکل بے بس تھا.............!

باپ کے بتائے ہوئے چند اصول اسے اب بھی یاد تھے۔ چنانچہ سچ بولتا تھا اور جہاں تک ممکن ہوسکتا تھا سیدھے راستے اپناتا تھا لیکن ان دنوں وہ شدید کشمکش کا شکار تھا۔ کئی واقعات ہوئے تھے جن میں اس نے سچ بولا تھا اور مار کھائی تھی۔ اگر وہ سچ نہ بولتا تو شاید مار نہ کھاتا۔ اس نے اس بارے میں بارہا سوچا لیکن جھوٹ کے لیے زبان ہل ہی نہیں سکتی تھی۔ سچ بات ہمیشہ منہ سے نکل جاتی تھی۔

جمعہ کے دن قدرت اللہ لوگوں کو مسائل سمجھاتے تھے۔ عبادت کرنے، سچ بولنے اور یتیموں، بیواؤں کے ساتھ اخوت و عدل کا درس دیتے تھے، سچ بولنے کی ہدایت کرتے تھے لیکن ان میں سے بہت سی باتیں منور کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔

''چچا میاں''۔ایک رات پاؤں دباتے ہوئے اس نے قدرت اللہ کو آواز دی۔

''ہوں، پیشاب لگ رہا ہوگا۔ دو منٹ پاؤں دباتے نہیں کہ لگا پیشاب۔ چل پاؤں دبا ذرا زور سے۔لگ رہا ہے تو لگنے دے!''قدرت اللہ نے ڈانٹ پلائی اور وہ زور زور سے پاؤں دبانے لگا۔

''پیشاب نہیں لگ رہا چچا میاں۔''تھوڑی دیر کے بعد وہ بولا۔

''تو پھر؟''

''ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں''۔

''پوچھ مگر پاؤں دبائے جا!''قدرت اللہ نے کہا۔

''اخوت وعدل کسے کہتے ہیں؟'' اس نے پوچھا اور قدرت اللہ چونک پڑے۔ انہوں نے گردن اٹھا کر منور کو دیکھا۔

''کیا مطلب ہے تیرا؟''

''یتیموں کے ساتھ عدل کرنا چاہیے یا اخوت............؟''اس نے معصومیت سے سوال کیا لیکن قدرت اللہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''ظلم ہو رہا ہے تجھ پر یہاں! گوشت کاٹا جا رہا ہے تیرا، کیوں! ذرا سے گھر کے کام کر لیتا ہے تو طنز کر رہا ہے کمینے حرام خور۔'' قدرت اللہ نے ایک لات رسید کی اور منور اچھل کر چار پائی سے نیچے جا پڑا۔کافی چوٹ لگی تھی اس کے لیکن اس مار کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔اگر یہ الفاظ اتنے برے تھے تو قدرت اللہ صاحب مسجد میں دوسرے لوگوں سے کیوں کہتے تھے۔وہ رونے لگا اور قدرت اللہ نے اٹھ کر مزید دو لاتیں اس کے رسید کر دیں پھر کمرے سے باہر نکال دیا۔

اس دن کے بعد سے ان لوگوں کا رویہ اس کے ساتھ اور سخت ہو گیا۔قدرت اللہ اب اس سے پاؤں نہیں دبواتے تھے۔لیکن انتہائی نفرت کا سلوک کرتے تھے اس کے ساتھ۔سارے گھر سے الگ ڈیوڑھی میں وہ زمین پر سوتا تھا۔سردیوں کے دنوں میں لحاف وغیرہ کا بھی بندوبست نہیں تھا اس کے لیے لیکن تنہا سوتے ہوئے اسے بڑا خوف محسوس ہوتا تھا۔اپنے باپ صوفی عظمت اللہ کے الفاظ اسے یاد تھے۔''انسان کو صابر و

شاکر ہونا چاہیے۔برا وقت گزر ہی جاتا ہے۔''چنانچہ خوف سے بچنے کیلیے وہ آنکھیں بھینچ لیتا تھا اور اس طرح اسے نیند آ جاتی تھی۔

اس دن وہ بکریوں کے لیے چارہ لینے گیا تھا۔قبرستان کے اس طرف کھیتوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ایک پگڈنڈی کسی دوسری بستی کو گئی تھی۔چارے کا گٹھڑ باندھ کر اس نے سر پر رکھا اور واپس پلٹ پڑا۔پگڈنڈی سے ایک گھڑ سوار گزر رہا تھا۔یہ چوہدری گوپال شرما تھے۔بستی کے سب سے بڑے زمیندار! کئی بار منور نے انہیں گھوڑے پر سوار جاتے ہوئے دیکھا اور سوچا تھا کہ نجانے لوگوں کے پاس گھوڑے کہاں سے آ جاتے ہیں۔کتنے اچھے لگتے ہیں چوہدری صاحب گھوڑے پر بیٹھے ہوئے اور کیا مزہ آتا ہوگا انہیں۔

دور تک وہ چوہدری صاحب کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو وہ بھی چارے کا گٹھڑ سنبھال کر پگڈنڈی پر ہولیا لیکن ابھی چند قدم آگے بڑھا تھا کہ ایک چیز پر نگاہ پڑی۔کپڑے کی تھیلی سی تھی۔وہ آگے بڑھا اور تھیلی کے قریب پہنچ گیا۔گٹھڑ اتار کر ایک طرف رکھا اور جھک کر تھیلی اٹھالی۔اس کا منہ کھولا تو اس میں نوٹ بھرے ہوئے تھے۔''یہ تھیلی ضرور چوہدری کی ہے۔وہی ابھی ادھر سے گزرے ہیں۔'' اس نے سوچا۔وہ اتنا تیز نہیں دوڑ سکتا تھا کہ بھاگ کر چوہدری صاحب کو پکڑے اور تھیلی انہیں دے دے۔پھر.........اور اسے یاد آیا کہ ایک دن مسجد میں ایک شخص کچھ رقم لایا تھا اور اس نے مولوی قدرت اللہ سے اعلان کرایا تھا کہ جس کی رقم ہو وہ نشانی بتا کر لے جائے۔یہی ترکیب اچھی ہے۔چچا میاں یہ تھیلی چوہدری صاحب کو پہنچا دیں گے۔ اس نے تھیلی اپنے لباس میں رکھ لی اور پھر گٹھڑ اٹھا کر آگے بڑھ گیا۔گھر پہنچ کر اس نے چارہ ایک طرف رکھا۔بہت سے برتن دھونے کے لیے رکھے تھے۔قدرت اللہ صاحب موجود نہیں تھے۔وہ برتن دھونے میں لگ گیا۔

پھر جب اس نے قدرت اللہ صاحب کی آواز سنی تو جلدی جلدی باقی برتن رکھ کر ان کے پاس پہنچ گیا۔

''چچا میاں!...... یہ...... یہ......'' اس نے تھیلی لباس سے نکال کر ان کی طرف

بڑھادی۔

''کیا ہے؟'' قدرت اللہ صاحب اب اس سے سیدھے منہ بات نہ کرتے تھے۔

''پیسے ہیں چچا میاں''۔

''کیسے پیسے!'' قدرت اللہ نے تھیلی اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی اور پھر اسے کھول کر دیکھنے لگا لیکن اس کے اندر نوٹوں کی گڈیاں دیکھ کر اس کی سانس رکنے لگی تھی۔ اس نے سراسیمہ نگاہوں سے منور کو دیکھا۔

''یہ...... یہ کہاں سے آئے ہیں۔''

''چوہدری گوپال شرما جی قبرستان والی سڑک سے اپنی گھوڑی پر گزر رہے تھے، ان کی گر گئی۔ مگر ان کی گھوڑی اتنی تیز دوڑتی ہے کہ میں بھاگ کر ان کے پاس نہیں پہنچ سکتا تھا۔ تو میں اسے لے آیا تا کہ آپ اسے چوہدری جی کو دے دیں۔ اگر آپ کہیں تو میں ان کے گھر دے آؤں۔'' منور نے پوچھا۔

لیکن قدرت اللہ صاحب کے ذہن میں تو سائیں سائیں ہو رہی تھی یہ رقم...... یہ رقم...... تو ان کی تقدیر بدل سکتی ہے۔ اس رقم سے تو ان کے سارے دلدر دور ہو سکتے ہیں۔ بچیوں کی شادی ہو سکتی ہے، نیا مکان بن سکتا ہے، وہ کسی دوسری بستی میں جا کر کوئی کاروبار شروع کر سکتے ہیں۔ مسجد کی روٹیاں کھاتے کھاتے دل بھر گیا تھا۔ کچھ اور کر بھی نہیں سکتے لیکن آج...... آج موقعہ مل گیا تھا۔

''دے آؤں چچا جان؟'' منور کے سوال نے انہیں چونکا دیا۔ انہوں نے زور سے ہتھیلی بھینچ لی اور پھر آہستہ سے بولے۔

''نہیں...... میں خود پہنچا دوں گا۔ میں خود دے آؤں گا۔''

''ٹھیک ہے چچا میاں!'' منور نے کہا اور وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ مولوی صاحب عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ منور......... کہیں وہ ان کے اور ان کی اولاد کے مستقبل کا قاتل نہ بن جائے۔ اگر اس نے کسی سے اس رقم کا تذکرہ کر دیا تو...... تو رقم ان سے چھن جائے گی۔ اتنی بڑی دولت تو وہ پوری زندگی میں نہیں حاصل کر سکتے تھے۔ ساری زندگی کولہو کے بیل کی طرح محنت کرتے رہیں پھر بھی اتنی بڑی دولت۔

لیکن منور کا کیا کریں! انہوں نے تھیلی جلدی سے اپنے بستر میں چھپا دی اور بستر پر لیٹ گئے۔ بہت سے کام کرنے تھے انہیں لیکن اب تو ہاتھ پاؤں ہل بھی نہیں رہے تھے۔ پورا بدن اینٹھ رہا تھا۔

''اس وقت کیوں لیٹے ہو؟'' ان کی بیگم نے اندر داخل ہو کر پوچھا۔

''بس ایسے ہی۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے رقیہ۔''

''کیا بات ہے؟''

''بخار محسوس ہو رہا ہے۔'' انہوں نے رقیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اس عورت کو اپنا راز بتایا جائے یا نہیں۔ کہیں یہ بھی کسی سے کہہ نہ دے...... لیکن رقیہ ان کی بیوی تھی۔ ان کے دکھ سکھ کی ساتھی...... وہ بھلا کسی سے کیوں کہے گی۔

''دوا منگوا لوں تمہارے لیے؟''

''ارے نہیں ٹھیک ہو جاؤں گا بس' کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' قدرت اللہ بولے پھر رقیہ جانے لگی تو انہوں نے آواز دے کر اسے روک لیا۔

''سنو رقیہ۔'' اور رقیہ رک گئی۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے قدرت اللہ کو دیکھ رہی تھی۔

''ایک الجھن آن پڑی ہے۔''

''کیا بات ہے؟''

''رقیہ! اسے دیکھو۔'' انہوں نے بستر کے نیچے سے تھیلی نکال کر رقیہ کے ہاتھ میں دے دی۔ رقیہ نے تھیلی لے کر اسے کھولا اور اس کی بھی بری حالت ہو گئی۔

''ارے...... ارے...... یہ تو بہت ہیں...... یہ تو بہت ہیں یہ...... یہ......''

''میں اسی وجہ سے پریشان ہوں رقیہ! یہ تھیلی منور کو ملی ہے کہہ رہا تھا کہ چوہدری شرما گھوڑی پر جا رہے تھے۔ ان کی گری ہے۔ میں اسے واپس کر آؤں۔ رقیہ! اتنی بڑی رقم ہے یہ کہ ہماری تقدیر بدل جائے گی۔ اس بستی کو چھوڑ کر کسی دوسری بستی میں جا رہیں گے اور......... اور......'' قدرت اللہ ہانپنے لگے۔

رقیہ بیگم کا چہرہ بھی دہکنے لگا۔ دولت کی آگ ان کے پورے وجود میں سرایت کر گئی تھی۔ تب وہ آہستہ سے بولیں۔

"مگر تم اس رقم کو دبا جاؤ۔ واپس کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"منور کا کیا کروگی رقیہ! کسی سے کہہ دیا کم بخت نے تو......تو کتے کی موت مارے جائیں گے۔ جو کچھ ہے وہ بھی چھن جائے گا۔"

"تو پھر چپکے سے گردن دبا دو ناس پیٹے کی......کسی ندی میں پھینک آؤ۔......اس کے دم سے مصیبتیں ہی مصیبتیں ملی ہیں۔ ہمیں پھل کیا ملا......" رقیہ نے کہا۔

"کوسنے سے کام نہیں چلے گا رقیہ بیگم! کچھ کرنا ہوگا۔ اگر تھیلی شرما جی کو پہنچا دی تو واہ واہ تو ہو جائے گی لیکن اس سے کیا ملے گا۔ جبکہ ابھی یہ رقم ہماری ہے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ یہ رقم ہم تک پہنچ گئی ہے۔"

"نفیسہ کے ابا! جو میں کہہ رہی ہوں وہی کرو۔ ایمان سے ہمت کر جاؤ پوری زندگی سکون سے گزرے گی۔ اس وقت ہمت کر جاؤ اپنے بچوں کے لیے۔ دنیا تو اولاد کو پالنے کے لیے نجانے کیا کیا کرتی ہے۔" رقیہ نے کہا اور قدرت اللہ سوچ میں ڈوب گئے۔

"دوسرا کوئی طریقہ نہیں ہے اسے باز رکھنے کا؟" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولے۔

"ممکن ہی نہیں ہے۔ سانپ کے بچے سنپولے ہوتے ہیں۔ زہر پھیلانے سے باز نہیں آئیں گے۔ نہیں نفیسہ کے ابا! منور بچ گیا تو ہمیں پھنسا دے گا۔ یا تو رقم واپس کر آؤ یا پھر دوسرا کام کرو۔"

"خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا رقیہ! اور پھر قتل......اگر پتہ چل گیا تو......تو پولیس لے جائے گی۔"

"پتہ چلے گا ہی کیسے......گردن دبا کر رات کو نکل جانا اور ندی میں ڈال آنا۔ صبح کہیں سے کہیں جا پہنچے گا۔ ہم جھوٹ موٹ اس کو تلاش کریں گے اور رو پیٹ کر خاموش ہو جائیں گے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اتنی محبت کرنے والے چچا چچی بھلا کوئی غلط حرکت کر سکتے ہیں۔"

"ہوں!" قدرت اللہ گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے پھر انہوں نے رقیہ سے کہا۔

"تم اسے ذرا میرے پاس بھیج دو۔ کہلوا دینا مجھے بخار آ گیا ہے۔ آج اذان

وغیرہ وہی دے اور نماز پڑھا دے۔"

"ٹھیک ہے۔" رقیہ نے کہا اور باہر نکل گئی۔ قدرت اللہ نے تھیلی پھر چھپا دی تھی اور پھر وہ منور کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ہاتھ پونچھتا ہوا پہنچ گیا۔ قدرت اللہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

"منور! رقم کی یہ تھیلی تم نے کہیں سے چرائی تو نہیں ہے۔"

"نہیں چچا میاں! اگر چراتا تو آپ کو کیوں دیتا......یہ میں نے پگڈنڈی سے اٹھائی ہے اور آپ اسے چوہدری شرما کو دے دیں۔"

"تم نے کس کس کو یہ بات بتا دی؟"

"کسی کو نہیں چچا میاں! کیوں؟"

"کیا یہ ممکن ہے منور کہ تم اس کے بارے میں کسی کو نہ بتاؤ۔ اس میں کافی دولت ہے۔ ہم لوگ بلکہ تم بھی اسے مزے سے خرچ کریں گے۔ عمدہ عمدہ کپڑے بنائیں گے۔ کسی دوسری بستی میں چل کر رہیں گے۔"

"ایں" منور حیران رہ گیا۔ "لیکن یہ پیسے تو شرما جی کے ہیں۔"

"انہیں پتہ ہی نہیں چلے گا۔ کون کہے گا ان سے۔ دیکھا ہی کس نے ہے۔"

"یہ گناہ ہے چچا میاں! میں ایسا نہیں کر سکتا۔ ابا نے کہا تھا کہ دوسرے کی دولت پر کبھی نگاہ نہ رکھو۔"

"تم بس زبان بند رکھنا۔ بھول کر بھی کسی کو مت بتانا کہ تمہیں ایسی کوئی تھیلی ملی ہے۔" قدرت اللہ کی آنکھوں میں ہوس ناچ رہی تھی۔

"میں ایسا نہیں کر سکتا۔ تھیلی مجھے ملی تھی چچا میاں! میں شرما جی کو ضرور بتا دوں گا۔ یہ تو بڑا گناہ ہے۔"

"ہاں!" قدرت اللہ صاحب ہنس پڑے۔ "شاباش! تم بہت اچھے لڑکے ہو۔ میں تو صرف تمہارا امتحان لے رہا تھا۔ تم امتحان میں پاس ہو گئے۔ کیا کر رہے تھے؟"

"جی۔ جھاڑو دے رہا تھا۔"

"تم یہاں بیٹھو۔ آج جھاڑو کوئی اور دے دے گا۔ میری طبیعت خراب ہے ہاں

ذرا سر دبا دو۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

شام کا کھانا بھی انہوں نے منور کو اپنے کمرے میں ہی کھلایا تھا۔ رقیہ کئی بار ان کے پاس آ چکی تھی۔ ایک مرتبہ قدرت اللہ صاحب نے سرگوشیوں میں اسے کچھ کہا تھا۔

شام ہوئی تو بستی تاریک ہوگئی۔ سرِشام ہی لوگ گھروں میں جا گھسے تھے۔ یوں بھی سردیوں کے دن تھے۔ بستی کا ہر گھر بند ہوگیا تو قدرت اللہ نے منور کو دیکھا۔ تھوڑے فاصلے پر زمین پر پڑا سو رہا تھا۔ گھٹنے سر میں دیئے ہوئے تھے۔ بدن پر پتلی سی چادر پڑی ہوئی تھی۔ قدرت اللہ نے سارا دن اسے گھر سے باہر نہیں جانے دیا تھا اور رات کا کھانا کھاتے ہی وہ اونگھنے لگا تھا پھر وہیں زمین پر لیٹ کر سو گیا تھا۔ قدرت اللہ اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ باہر نکل کر انہوں نے رقیہ کو آواز دی اور وہ جلدی سے پہنچ گئی۔

''ذرا باہر کا چکر لگا کر آؤ۔ اور ہاں۔ ذرا مسجد میں بھی دیکھ لینا کوئی ہے تو نہیں۔''

''ابھی آئی''۔ رقیہ نے جواب دیا اور باہر نکل گئی۔

''کسی چڑیا کے بچے کا بھی پتہ نہیں ہے۔ مسجد خالی پڑی ہے۔ اتنی سردی میں کون ہے جو مسجد میں نظر آئے۔'' اس نے واپس آ کر جواب دیا۔

''بوری کہاں ہے؟''

''باہر موجود ہے۔''

''اٹھا لاؤ۔'' قدرت اللہ نے بولے اور کانپتے بدن کے ساتھ سوتے ہوئے منور کی طرف بڑھے۔ انہوں نے آنکھیں بند کرلیں اور دوسرے لمحے منور کی پتلی سی گردن ان کے آہنی ہاتھوں میں تھی۔ انہوں نے دانت کچکچا کر پوری قوت اس کی گردن پر صرف کر دی اور منور کا کمزور بدن پھڑکنے لگا۔ اور پھر بدن ساکت ہونے کے بعد ہی انہوں نے گردن چھوڑ دی۔ اب ان کے دل کی دھڑکنیں معتدل ہوگئی تھیں۔ کپکپاہٹ بھی ختم ہوگئی تھی۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک نگاہ انہوں نے مردہ منور پر ڈالی اور پھر باہر نکل آئے۔ رقیہ بوری لیے کھڑی تھی۔

''اندر آ جاؤ!'' انہوں نے اسے آواز دی اور شقی القلب عورت اندر داخل ہوگئی۔ دونوں نے مل کر منور کو بوری میں ٹھونسا اور اس کا منہ باندھ دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر

قدرت اللہ بوری لئے دروازے پر آ گئے۔ جھانک کر باہر دیکھا اور پھر بوری کندھے پر ڈال کر باہر نکل آئے۔ ان کا رخ بستی سے باہر ندی کی جانب تھا جو تقریباً ایک میل دور تھی۔ اس وقت ان کے بدن میں بلا کی چستی تھی۔ وہ بہت تیز رفتاری سے سفر کر رہے تھے۔ بستی کے کتوں سے خطرہ تھا لیکن سردی کی وجہ سے کتے بھی دبکے ہوئے تھے البتہ قدرت اللہ کو سردی کا کوئی احساس نہیں تھا۔ ان کے بدن میں دولت کی گرمی بھری ہوئی تھی۔

انتہائی برق رفتاری سے انہوں نے ندی تک کا فاصلہ طے کیا اور ندی کے کنارے پہنچ گئے۔ پانی پرشور آواز کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ انہوں نے بوری ندی میں اچھال دی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے تیزی سے بہتے ہوئے دیکھنے لگے۔ لاش آن کی آن میں بہتی ہوئی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تھی۔ تب قدرت اللہ واپس چل پڑے۔ ان کا ذہن متضاد خیالات کا شکار تھا۔ ایک اچھا مستقبل ان کی نگاہوں میں تھا اور وہ اس بڑی رقم کی حفاظت کے لیے کوئی عمدہ ترکیب سوچ رہے تھے۔ اسی سوچ میں وہ گھر پہنچ گئے۔ رقیہ ان کا انتظار کر رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر خوش ہوگئی۔

''کام ہوگیا؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں۔ کوئی بچہ تو نہیں جاگا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''نہیں سب سو رہے ہیں۔'' رقیہ نے جواب دیا اور قدرت اللہ صاحب گہری گہری سانسیں لینے لگے پھر انہوں نے بستر کے نیچے سے تھیلی نکالی اور اسے کھول کر دیکھنے لگے۔

رقیہ اسے کہیں زمین میں دفن کر دو۔ انتہائی احتیاط سے۔ میرا خیال ہے یہیں میرے پلنگ کے نیچے......ہم اسے کچھ دنوں کے لیے بھول جائیں گے اور بات جب دب جائے گی تو پھر یہ بستی چھوڑ دیں گے۔''

دونوں میاں بیوی نے تھیلی ایک صندوقچے میں رکھ کر زمین میں دفن کر دی۔ اس کے بعد قدرت اللہ لیٹ گئے۔ لیکن نیند......آنکھوں میں نیند کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ ایک عجیب سی بےکلی، ایک انوکھی بےچینی تھی۔ رقیہ بھی جاگ رہی تھی۔ دونوں خاموش تھے۔

یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ تب قدرت اللہ صاحب اٹھ گئے۔ اذان کا وقت ہو گیا تھا۔ معمول
کے مطابق انہیں اذان دینی تھی۔ انہوں نے وضو کیا اور مسجد کی طرف بڑھ گئے۔ لیکن مسجد
میں قدم رکھتے ہی ان پر ایک عجیب سی دہشت طاری ہوگئی۔ وہ اذان دینے جا رہے تھے۔
اذان...... اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ ان کا بدن کانپنے لگا لرزتے قدموں سے
وہ منبر کی طرف بڑھے اور پھر کانوں میں انگلیاں دے کر آواز بلند کی۔

''اللــہ اکبر...... اللــہ......'' لیکن اس کے ساتھ ہی ان کے بدن پر شدید کپکپی
طاری ہوگئی۔ ان کی آواز کانپنے لگی۔ ان کے پورے وجود میں درد کی لہریں اٹھنے لگیں۔ وہ
بے چین ہو گئے۔ ''میرے...... میرے...... معبود...... میرے معبود...... میں بہک گیا
تھا...... مجھے...... مجھے شیطان نے۔'' لیکن پھر آہستہ آہستہ انہوں نے اپنے ہوش وحواس
سنبھالے اور اذان دے کر نیچے اتر آئے۔ ایک سنہرا مستقبل ان کے سامنے پھیلا ہوا تھا۔

صبح ہو چکی تھی اور تیز رفتار ندی میں ایک بوری ڈوبتی اچھلتی چلی جا رہی تھی۔ لیکن
جوں جوں اس کا سفر طے ہو رہا تھا۔ بوری کی رفتار سست ہوتی جا رہی تھی کیونکہ ندی
کناروں کو پھیلا رہی تھی اور جوں جوں کنارے پھیلتے جا رہے تھے پانی کو سکون مل رہا تھا۔
یہاں تک کہ اس کی گہرائی ختم ہونے لگی اور رفتار نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ تب ہی ایک
جاندار کی آواز ابھری جو کسی کو مخاطب کر رہا تھا۔ وہ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک
درخت سے ٹیک لگائے اونگھ رہا تھا۔

بوسیدہ لباس، بازو خون سے تر، چہرے پر نقاہت، بال بکھرے ہوئے، داڑھی بکھری
ہوئی۔ لیکن گھوڑے کی آواز پر وہ اس طرح تڑپ کر اٹھا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔
وحشیانہ انداز میں اس نے قریب ہی درخت سے ٹکی کھڑی بندوق گرفت میں لی اور تیزی
سے دوڑنے لگا۔ رخ اس کا گھوڑے کی جانب ہی تھا جو ندی کے کنارے کھڑا تھوڑی دیر
قبل پانی میں منہ ڈالے پانی پی رہا تھا اور پھر اچانک منہ اٹھا کر ہنہنانے لگا تھا۔ گویا اس
نے کوئی خاص چیز دیکھ لی تھی۔ اونگھنے والا کسی اور ہی جذبے کا شکار تھا۔ اس کی نگاہ اس
جانب تو نہ اٹھی جس طرف دیکھ کر گھوڑا ہنہنایا تھا بلکہ وہ تیزی سے اچھل کر گھوڑے کی
پشت پر چڑھ گیا اور پشت پر ہی کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہیں دور

دور تک بکھری چٹانوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ ایک جانب درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے
لیکن تا حد نگاہ پہاڑیاں سنسان تھیں اور کوئی ان کے درمیان حرکت نہیں کر رہا تھا۔ تب اس
نے حیرانی سے گھوڑے کو دیکھا اور اس کی نگاہ بوری پر پڑی جو گھوڑے سے تقریباً تیس قدم
کے فاصلے پر ایک ابھرے ہوئے پتھر کے نزدیک رکی ہوئی تھی۔

''اوہ۔ یہ کیا ہے؟'' اس کے منہ سے بڑبڑاہٹ نکلی اور وہ گھوڑے کی پشت سے
نیچے کود آیا۔ چند ساعت وہیں کھڑا بوری کو دیکھتا رہا اور پھر بندوق اس نے ایک طرف
پھینک دی اور پانی میں داخل ہو گیا۔ پانی اس کی پنڈلیوں سے اونچا نہیں تھا۔ چنانچہ وہ
اطمینان سے بوری کے نزدیک پہنچ گیا۔ بوری کے بندھے ہوئے منہ کو کھولتے ہوئے کئی
بار اس کے منہ سے کراہ کی آواز نکل گئی اور بازو کے زخم سے خون دوبارہ رسنے لگا۔ لیکن
اس نے بوری کھول لی اور اس کے اندر دیکھ کر چونک پڑا۔

''ارے''۔ اس کے منہ سے دوسری آواز نکلی۔

منور کی معصوم صورت مظلومیت کی تصویر بنی اس کے سامنے تھی اور یہ بے بسی کا
کچھ ایسا انداز تھا کہ درد نا آشنا دل بھی پگھل گیا اور اس نے بوری سے اس نیم مردہ جسم کو
نکال لیا۔ پھر اسے بازوؤں میں اٹھائے کنارے پر آ گیا۔ کنارے کی نرم ریت پر منور کو
آہستگی سے لٹا کر اس نے اس کے سینے پر کان رکھ دیا اور ننھے سے دل کی مظلوم آواز سن
کر اس کے موٹے ہونٹوں پر خوشی سے مسکراہٹ پھیل گئی۔ چند لمحات کے لیے وہ اپنے
بازو کی تکلیف بھول گیا تھا۔ اس نے بچے کا سینہ کھول کر اس کے دل پر مالش شروع کر دی
اور پھر اس کے اعضا کو جنبش دینے لگا۔ بدن پر جگہ جگہ پتھروں سے ٹکرانے کی خراشیں پڑ گئی
تھیں۔ خون کی روانی بحال ہونے لگی اور چہرے کی سفیدی سرخی میں تبدیل ہونے لگی۔
جوں جوں بچے کے بدن میں زندگی کے آثار ابھرتے آ رہے تھے وحشی صفت آدمی کی
آنکھوں میں خوشی ابھر رہی تھی۔

پھر اس نے اعضاء کی حرکت روک دی کیونکہ سب اعضاء خود جنبش کرنے لگے
تھے۔ ننھے ننھے ہونٹ وا ہو رہے تھے۔ خشک زبان بار بار ہونٹوں پر آ رہی تھی۔ وہ جلدی
سے اٹھ گیا۔ کنارے سے چلو میں پانی بھر کر لایا۔ ایک ہاتھ کے انگوٹھے اور انگلی سے ننھا

سامنہ چیرا اور پانی اس میں آہستہ آہستہ ٹپکانے لگا۔ آبِ حیات کے چند قطروں نے حیات کو جلا دی اور آنکھوں کے دریچے کھل گئے۔ زندگی نے اپنے وجود کا اعلان کیا تھا لیکن کوئی احساس ان میں موجود نہ تھا۔

اس دوران وحشی انسان کے بازو کا زخم پھر خون اگلنے لگا تھا چنانچہ اس نے اس کی طرف بھی توجہ دی اور زخم پر بندھی ہوئی پٹی درست کرنے لگا۔ اس طرح خون کی روانی تو رک گئی لیکن چھوٹے چھوٹے قطرے زمین پر ٹپکتے رہے۔ وہ دوبارہ اس ننھے وجود کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اس شکل کو دیکھنے سے بازو کے زخم کی تکلیف کا احساس کم ہو جاتا تھا۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

''پانی کی اولاد اب تو ٹھیک ہے۔ اٹھ کر بیٹھ کلیجے! ذرا تجھ سے باتیں کروں اور پوچھوں کہ سیر کا اور وہ بھی ندی کی سیر کا یہ کون سا طریقہ ہے۔ ایں۔ ابے بولے گا نہیں۔'' اس نے پیار سے بچے کا گال نوچ لیا۔ لیکن زمین پر پڑا بچہ ٹکر ٹکر اسے دیکھتا رہا۔ تب وحشی انسان کی بھنویں سکڑ گئیں۔ اس کی نگاہ بچے کی گردن پر پڑے نشانات پر اٹھ گئی تھی اور پھر وہ ان نشانات پر جھک گیا۔

''اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ تو کسی کے انتقام کا شکار ہوا ہے۔...... چچ چچ...... لوگ انتقام لیتے ہوئے سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ ہوگا کوئی عورت' دولت یا زمین کا کھیل زمین کے چپے چپے پر یہی کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ ایک ہی قسم کے کھلاڑی ہیں یہ دنیا والے......''

اس نے ایک جماہی لے کر آسمان کی طرف دیکھا۔ اور پھر چونک پڑا۔ ''اب تیری وجہ سے بستی جانا ضروری ہو گیا ہے کلیجے۔ میں ان سسروں کو ساری زندگی ان پہاڑوں میں نچا سکتا ہوں۔ مجال ہیں چھولیں مجھے...... جنگل کی جڑی بوٹیوں سے علاج بھی کر لوں گا اپنا۔ مگر تیری حالت دیکھ کر اب یہاں نہیں رہ سکتا۔ کوئی ترکیب کرنی ہوگی۔ مگر کیا ترکیب کی جائے' کیا ترکیب ہو سکتی ہے' تو ہی بتا دے چھچھوندر'' وہ زمین پر پڑے بچے کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا اور دیر تک ہنستا رہا۔

''دھت تیرے کی...... ہنسنا رونا تو اپنا سب کچھ بھول گیا۔ پر کوئی پرواہ نہیں ہم

سب کچھ سکھا دیں گے۔ سب بتا دیں گے تجھے...... کیا سمجھا پانی کی اولاد۔'' وہ ہنسنے لگا۔ اس کی ایک ایک ادا سے وحشت ٹپکتی تھی۔

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

پھر وہ کافی دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ سورج پہاڑیوں سے ابھر رہا تھا۔ پھر جب سورج بلند ہوا تو وہ وحشی صفت انسان کوئی ترکیب سوچ چکا تھا۔ اور اس ترکیب پر اسے خود ہنسی آ رہی تھی۔ پھر اس نے بچے کی طرف دیکھا۔ سورج کی حرارت نے اس کے بدن کو بھی تقویت بخشی تھی لیکن خوف کی وجہ سے اس کی سمجھ بوجھ' اس کی قوت گویائی سلب ہو گئی تھی۔ وحشی صفت انسان کے سہارے سے وہ اٹھ کر بیٹھ گیا لیکن اس کے حواس بے جان تھے۔ تب وہ اٹھ کر اس درخت کی طرف بڑھ گیا جہاں وہ تھوڑی دیر قبل بیٹھا تھا۔ درخت کے نیچے کچھ سامان پڑا ہوا تھا۔ اس نے اس سامان میں سے لمبا سا ایک چاقو نکالا اور پھر اپنے بازو کا زخم دیکھنے لگا۔ گولی کا سوراخ صاف نمایاں تھا لیکن گولی گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی اور ہڈی بچ گئی تھی۔ وہ چند ساعت ہمت کرتا رہا اور پھر اس نے چاقو سے اپنے بازو کو ادھیڑ کر رکھ دیا۔ اس کے دانت بھینچے ہوئے تھے اور خون اس کے لباس پر پھیل رہا تھا۔ حلق سے کسی درندے کی سی غراہٹ نکل رہی تھی۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے چاقو ایک طرف ڈال دیا۔ اور پھر لڑکے کی طرف دیکھنے لگا۔

''دیکھ کیا رہا ہے خرگوش! خون کے ایک ایک قطرے کی قیمت وصول کریں گے تجھ سے...... بھول مت جانا ہماری بات کو۔'' وہ ہذیانی انداز میں ہنسنے لگا۔ زخم کی تکلیف سے اس کا چہرہ بہت خوفناک ہو رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے کرتے سے کپڑے کا ایک اور ٹکڑا پھاڑا اور اسے زخم پر کس لیا۔ نجانے کس دل گردے کا انسان تھا۔ یہ سب کچھ عام لوگوں کا کام نہیں تھا۔ اس کے بعد اس نے ندی کے قریب آ کر اپنا چہرہ پانی میں بھگو دیا اور تیز دھار چاقو کو اپنے چہرے پر آزمانے لگا۔ وہ اپنی داڑھی صاف کر رہا تھا۔ بڑی مشکل سے اس کا چہرہ صاف ہو سکا۔ بڑے جاندار چہرے کا مالک تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے پانی میں شکل دیکھی اور پھر ہنس پڑا۔

''اب ٹھیک ہو گیا سب کچھ...... بالکل ٹھیک ہو گیا۔ میں نے طوفان...... ادھر

آ بھیئے......ادھر آ......'' اس نے گھوڑے کو چمکارا اور گھوڑا اس کے نزدیک آ گیا۔

''ہم تو جا رہے ہیں پوت! اب یہ تیرا کام ہے کہ کس طرح ڈیرے پہنچے گا۔ پیچھا مت کرنا سسرے ورنہ پکڑے جائیں گے۔ سمجھ گیا نا...... جا بھاگ جا......'' اس نے گھوڑے کی پشت پر ہاتھ مارا اور گھوڑا آہستہ آہستہ آگے بڑھ گیا۔ تب اس شخص نے اپنی بندوق، چاقو اور دوسری چیزیں پانی میں پھینک دیں پھر بچے کو اٹھا کر کندھے پر اس طرح بٹھایا کہ اس کے پاؤں وحشی صفت انسان کے سینے پر لٹکے ہوئے تھے اور اس کے بعد وہ جنگلوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی چال میں کوئی لغزش نہیں تھی اور وہ بڑے اعتماد سے چل رہا تھا۔

درختوں تک کا فاصلہ اس نے کافی تیزی سے طے کیا اور ان کے قریب پہنچ کر لڑکے کو کندھے سے اتار دیا۔

''بس تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جا چندا! ابھی چلتے ہیں......صرف تھوڑی سی دیر......بس ایک کام اور کر لیں تا کہ ان سالوں کو شبہ نہ ہو۔'' وہ درختوں میں گھس کر درختوں کی سوکھی ٹہنیاں توڑنے لگا اور تھوڑی دیر میں اس نے ٹہنیوں کا خاصا ڈھیر اکٹھا کر لیا۔ ایک گیلی ٹہنی سے اس نے اس ڈھیر کو درمیان سے باندھا اور لڑکے کے قریب پہنچ کر دوبارہ اسے کاندھے پر بٹھا لیا۔ ٹہنیوں کے ڈھیر کو گھسیٹتا ہوا وہ آگے بڑھنے لگا۔ سفر گوست رفتاری سے ہو رہا تھا لیکن وہ کسی جانی بوجھی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا اور اس کے انداز میں اطمینان تھا۔ درختوں کا سلسلہ عبور کر کے وہ ایک میدان میں پہنچ گیا۔ دھوپ پوری طرح پھیل چکی تھی اور دور دور تک کے مناظر نمایاں تھے۔ ناہموار زمین کے اختتام پر بلندی تھی اور جب وہ ان بلندیوں کو عبور کر رہا تھا تو اس نے پولیس کے بہت سے جوان دیکھے جو گھوڑوں پر سوار اس طرف آ رہے تھے۔ گویا امتحان کا وقت آ گیا تھا۔ پولیس کے جوان بھی اسے دیکھ کر ٹھٹک گئے اور دوسرے لمحے انہوں نے منتشر ہو کر اس کے گرد گھیرا ڈالنا شروع کر دیا۔ بہت سوں نے بندوقیں بھی تان لیں تھیں۔ وہ ٹھٹک گیا اور اپنی جگہ رک کر انہیں دیکھنے لگا۔ پولیس کے جوان بندوقیں تانے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ان میں سے کئی گھوڑوں سے اتر گئے تھے اور انہوں نے اس کا نشانہ لے لیا تھا۔ اس کے

چہرے پر زمانے بھر کی معصومیت ابھر آئی اور وہ معصوم نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''تمہارا خیال تھا تم ہمارے ہاتھوں سے بچ جاؤ گے منگل سنگھ!'' ایک پولیس افسر اس کے نزدیک پہنچ کر گھوڑے سے اترتے ہوئے بولا۔

''جے رام جی کی مہاراج!'' اس نے معصومیت سے کہا۔

''یہ لڑکا کہاں سے اٹھا لائے؟ کون ہے یہ؟'' پولیس افسر نے ڈپٹ کر پوچھا۔

''ہمارا بالک ہے مہاراج! گیتی ہے اس کا نام اور ہم اندھیرا ہیں۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو۔'' پولیس افسر نے غرا کر کہا۔

''بپتا پڑی ہے ہم پر مہاراج! باگھی بستی میں رہویں ہیں۔ روز لکڑیاں لینے آتے ہیں یہاں پر، کبھی ایسا نہیں ہوا۔ باگھ نے حملہ کر دیا ہمارے اوپر اور ہمارے بالک کو اٹھا کر لے جانے لگا۔ پر مہاراج سنتان کے لیے تو جیون ہووے ہے۔ ہم بھی ڈٹ گئے۔ ہاتھ چبا گیا جالم ہمارا پر ہم نے اسے اپنے بالک کو نہ لے جانے دیا۔ یہ دیکھو۔'' اس نے لکڑیوں کا گٹھڑ زمین پر ڈال کر اپنا بازو سامنے کر دیا۔ پولیس افسر کی آنکھوں میں کسی قدر پریشانی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

''تم ہمیں بے وقوف بنا رہے ہو ڈاکو منگل سنگھ۔''

''ہم اندھیرا ہیں مہاراج! بھگوان کی سوگند ہم پر بپتا پڑی ہے۔'' وہ رونے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

''دیکھ لو۔ باگھ نے ہمارے بالک کو بھی زخمی کر دیا ہے۔ اس کی حالت بہت خراب ہے مہاراج! ہمیں بستی پہنچا دو۔ بھگوان تمہیں سکھی رکھے!'' اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ پولیس افسر نے پریشانی سے اپنے ساتھیوں کی شکل دیکھی۔ سارا معاملہ الٹا ہو گیا تھا۔ لکڑیوں کا ڈھیر، زخمی بازو اور پھر لڑکا...... یہ ساری باتیں اس شخص کو سچا ثابت کر رہی تھیں۔ اس نے پلٹ کر پوچھا۔

''تم میں سے کوئی اسے نہیں پہچانتا۔''

''وہ تو داڑھی والا ہے سر!......اور پھر لڑکا......نہ اس کے پاس ہتھیار ہیں نا گھوڑا......یہ کسی طور منگل سنگھ نہیں ہو سکتا۔''

"پھر یہ گدھا یہاں کیا کر رہا ہے۔" افسر نے غصے سے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

"باگھی بستی یہاں سے صرف دو کوس دور ہے۔ ممکن ہے یہ سچ کہہ رہا ہو۔"

"منگل سنگھ بھی تو پولیس کی گولیوں سے زخمی ہو گیا تھا۔" افسر نے کہا اور پھر بولا۔

"اس کا زخم کھول کر دیکھو۔" چنانچہ دو جوان آگے بڑھ آئے۔ اس نے لڑکے کو نیچے اتار دیا اور لڑکا زمین پر بیٹھ گیا۔ جوانوں نے اس کا زخم کھول کر دیکھا۔ افسر نے بھی دیکھا۔ یہ کسی طرح گولی کا زخم نہیں تھا۔ پولیس افسر نے گہری سانس لی۔ "تو تم منگل سنگھ نہیں ہو۔"

"اندھیرا ہے ہمارا نام مہاراج! گھر والی مر چکی ہے ہماری! اس لیے ہم اپنے بالک کو ساتھ لئے ہی آویں ہیں۔ پر آج...... ہے بھگوان!" اندھیرا نے جھک کر لڑکے کو گود میں اٹھا لیا اور اس کے بازو سے خون رسنے لگا۔

"تم نے یہاں کسی آدمی کو تو نہیں دیکھا، گھوڑے پر سوار تھا۔" افسر نے کہا۔

"نہیں مہاراج۔"

"ہوں۔ جگی رام۔ تم اس آدمی کو ساتھ لے جاؤ۔ باگھی کی چوکی جا کر اس کی شناخت کراؤ اور پھر اسے جانے کی اجازت دے دینا۔ اگر شناخت نہ ہو سکے تو اسے چوکی پر ہی رکھا جائے۔ کنول سنگھ! تم اپنا گھوڑا اسے دے دو!" آفیسر نے دوسرے آدمی سے کہا اور اس نے اپنا گھوڑا چھوڑ دیا۔

"چلو گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔" جگی نے کہا اور اندھیرا پولیس افسر کو دعائیں دینے لگا پھر بولا۔

"مہاراج! ہم نے گھوڑے کی سواری کبھی نا ہیں کی۔ ہمیں سوار کرا دو۔ بھگوان تمہارا بھلا کرے۔"

"اوہ آؤ یہ مصیبت کہاں گلے پڑ گئی۔ چلو کنول سنگھ اسے گھوڑے پر بٹھا دو اور جگی تم لگام پکڑ لینا۔ ذرا دیر تو لگے گی مگر شناخت کیے بغیر اسے چھوڑنا مناسب نہیں ہو گا۔"

پولیس والوں نے لڑکے اور اندھیرا کو گھوڑے پر سوار کرا دیا۔ اس نے لکڑی کا گٹھڑ بھی مانگا۔ "ارے بیوقوف اسے کہاں لے جائے گا؟" پولیس افسر دانت پیس کر بولا۔

"روزی ہے ہماری سرکار! شام کو کھانے کو بھی نا ہیں ملے گا۔ رحم کرو سرکار ہمارے

اوپر۔" اندھیرا ہاتھ جوڑ کر بولا۔

لکڑی کا گٹھڑ اس نے اپنے سر پر ہی رکھ لیا تھا۔ جگی نے اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ اور وہ دوسری طرف اترائی میں چلنے لگے۔ پولیس افسر اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔ جو شخص اس دیہاتی کو لے کر چلا تھا، اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار تھے۔ خواہ مخواہ یہ کم بخت درمیان میں آ گیا۔ ڈاکو منگل سنگھ کی تلاش میں کافی لطف آ رہا تھا۔ پچھلی رات اسے بستی میں گھیرا گیا تھا۔ اس وقت وہ گروہ کے ساتھ نہیں تھا لیکن کم بخت نے زبردست مقابلہ کیا اور بستی سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر پولیس افسر جوگندر سنگھ نے بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ کالی ٹیکری میں ایک بار پھر اسے گھیرا گیا اور اس بار اسے زخمی کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ دوسری بار نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور ان اطراف میں داخل ہو گیا۔ رات ہو جانے کی وجہ سے پولیس اس کا تعاقب جاری نہ رکھ سکی تھی۔ لیکن تگ و دو ساری رات جاری رہی تھی۔ منگل سنگھ کی گرفتاری پر بہت بڑا انعام تھا۔ اس لیے سب جان توڑ کر کوشش کر رہے تھے۔

چلو ٹھیک ہے جگی نے سوچا یہ شخص تو بے ضرر ہے چوکی سے شناخت کرانے کے بعد واپس آنے کی ہدایت تو کی نہیں گئی تھی۔ چنانچہ وہیں کہیں سو جائے گا۔ رات کی کسل بھی دور ہو جائے گی۔ وہ اطمینان سے چلتا رہا۔ تقریباً ایک کوس کا فاصلہ طے ہو چکا تھا۔ تب اچانک زبردست ضرب اس کے بدن پر پڑی اور وہ گھوڑے کی پشت سے اچھل کر نیچے آ گرا۔ اندھیرا کے سر پر لدا ہوا لکڑیوں کا گٹھڑ بھی اس کے اوپر ہی آ گرا تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا لیکن دوسرے ہی لمحے اندھیرا نے اپنے گھوڑے سے اس پر چھلانگ لگا دی اور نہایت مہارت سے اس کی بندوق پر ٹھوکر لگائی اور بندوق دور جا گری۔

"شناخت کرانے لے جا رہا تھا ہماری سسرے! موت کو بھول گیا تھا اپنی...... ابے کیا منگل سنگھ اتنا ہی چوہا ہے کہ تم جیسے گیدڑوں کے پھیر میں آ جائے گا۔ کیا کریں تیرا، بول؟"

جگی کی آنکھوں میں خوف کے آثار لرزنے لگے۔ وہ لرزتی آواز میں بولا۔

"تم......تم......منگل سنگھ ہی ہو؟"

"ہاں۔ہم ہی ہیں تیرے باپ!" وہ بولا اور پھر خوفناک آواز میں ہنسنے لگا۔

"میں......میں تو ایک معمولی سپاہی ہوں منگل سنگھ......حکم کا غلام......میرا کوئی قصور نہیں ہے۔میرا کوئی قصور نہیں ہے۔مجھے معاف کر دو۔"

"بزدلی سکھا رہا ہے سسرے!منگل سنگھ معاف کرنے کا گر ہی نہیں جانتا۔گولیاں خوب چلائی ہوں گی ساری رات!یہ بھی تو ہوسکتا ہے تیری ہی گولی لگی ہو ہمیں اور ہم تجھے معاف کر دیں۔سن رہا ہے پوت!کیا کہہ رہا ہے یہ گیدی!" منگل سنگھ نے گھوڑے کے اوپر بیٹھے لڑکے کی طرف دیکھا اور پھر ایک ٹھوکر جگی کے سر پر رسید کر دی۔بڑی طاقتور ٹھوکر تھی۔جگی کا سر پھٹ گیا اور وہ زمین پر تڑپنے لگا۔منگل سنگھ ہنستا ہوا آگے بڑھا۔اس نے سپاہی کی بندوق اٹھائی اور پھر وہیں سے اس کے سر کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔گولی جگی کے سر میں گھس گئی تھی۔دوسرا فائر اس نے جگی کے دل کا نشانہ لے کر کیا تھا۔پھر وہ تڑپتے ہوئے سپاہی کے قریب پہنچا اور بے دردی سے اس کے بدن سے کارتوس کی پیٹی اتاری۔پیٹی اپنے بدن پر سجانے کے بعد اس نے بندوق سنبھالی۔اسے اپنے شانے سے بہتے ہوئے خون کی کوئی پرواہ نہیں کی تھی۔چند لمحات کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور پھر اس نے سمت بدل کر گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا۔

ویران پہاڑیوں میں شام جھک آئی تھی۔غیر معمولی قوتِ برداشت کا مالک منگل سنگھ مسلسل سفر کرتا رہا تھا۔گھوڑے پر سوار لڑکا نڈھال ہو گیا تھا۔بھوک اور زخموں سے اس کے حواس مختل ہو گئے تھے چنانچہ منگل سنگھ نے اسے خود سے چمٹا لیا تھا۔پھر سورج بالکل غروب ہو گیا۔لیکن منگل سنگھ کی منزل آ گئی تھی۔اس وقت وہ ایک پہاڑی کے دامن میں تھا کہ ایک طرف سے گھوڑے کے ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔پھر ایک انسانی آواز ابھری اور منگل سنگھ نے بھی ویسی ہی آواز نکالی۔گھڑ سوار برق رفتاری کے ساتھ اس کے قریب پہنچ گئے تھے۔

"سردار کیا آپ زخمی ہیں؟" ایک گھڑ سوار نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"ہاں!مگر پرواہ نہیں ہے۔تم جلدی جاؤ اور وید جی کو بلا لاؤ۔ان سے کہنا کہ سارا سامان لے کر آئیں۔" منگل سنگھ نے کہا اور گھڑ سوار تیز رفتاری کے ساتھ ایک پہاڑی دراڑ کی طرف دوڑنے لگے۔دوسرے چند سوار اس کے ساتھ ہی رہے تھے۔غاروں کی عظیم الشان دنیا آباد تھی۔بے شمار لوگ تھے اور انہوں نے اپنی آسائش کے تمام انتظام کر رکھے تھے۔منگل سنگھ ایک لمبی سرنگ سے گزر کر اپنی رہائش گاہ پر پہنچا اور پھر خود ہی گھوڑے سے اترا۔لڑکے کو دوسرے لوگوں نے اتار لیا تھا۔کوئی نہیں جانتا تھا کہ منگل سنگھ کون سا معرکہ سر کر کے اور کیا لوٹ کر لایا ہے۔بس اس لڑکے کو تعجب سے دیکھ رہے تھے جواب بے ہوش ہو چکا تھا۔

وید جی آ گئے اور تیزی سے منگل سنگھ کی طرف بڑھے لیکن اس نے ہاتھ اٹھایا اور اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"پہلے اسے دیکھو وید جی۔میری چنتا مت کرو۔اسے ٹھیک کرو جلدی!" وہ بولا اور وید جی کا رخ بدل گیا۔وہ اپنی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے۔لڑکے کی بیماری بھوک اور خوف تھا۔چنانچہ وید جی نے پہلے اسے ہوش میں لانے کی ترکیبیں کیں اور جب وہ ہوش میں آ گیا تو اسے گرم دودھ پلوایا اور اس کے بعد وہ منگل سنگھ کے زخموں کو دیکھنے لگے۔اتنا خون بہہ جانے کے باوجود یہ دیوہیکل انسان پوری طرح توانا تھا!

"مار مار کر بھرکس نکال دیں گے اس سسر کا۔تو خود اسے اپنے ہاتھ سے گولی مار دینا منو!بول مارے گا گولی اسے!" منگل نے پیار بھری نگاہوں سے منور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر گولی مارنے سے تو انسان مر جاتا ہے۔" منور نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"جیتا رکھے گا تو اسے جس نے تیرا جیون لینے کی کوشش کی تھی۔بوری میں بند کر کے ندی میں پھینک دیا تھا' کیوں، جیتا رکھے گا تو اسے؟"

"کسی کی زندگی لینا گناہ ہے منگل بابا!یہ کام تو خدا کا ہے۔اس نے انسان کو انسان کی زندگی لینے کا حق نہیں دیا۔اگر چچا میاں نے مجھے مارنے کی کوشش کی تو اللہ میاں انہیں مارے گا۔"

"بڑے کام ہیں اسے ارے پگلے!بہت مصروف رہتا ہے وہ کون کون سے کام

کرے۔ اس سنسار میں تو سب ایک دوسرے کی جان کے لاگو ہیں۔ اس لیے اپنے کام خود کرنے چاہئیں۔ خدا کو نجانے کب وقت ملے۔ اس وقت تک کون انتظار کرے گا۔ نرا پاگل ہے تو بھی۔"

"مگر میرے ابا تو کہتے تھے منگل بابا کہ خدا کے کاموں میں انسان کو دخل نہیں دینا چاہیے۔"

"وہ بھی تو انسان کے کاموں میں دخل نہیں دیتا۔ سب کو چھوٹ دے رکھی ہے اس نے۔ جس کا جو من چاہتا ہے کرتا ہے۔ ابھی تو چھوٹا ہے۔ باہر نکل کر دیکھے گا کہ سنسار کیا ہے۔ ابھی جانے دے ان باتوں کو۔ میں آہستہ آہستہ تجھے سکھاؤں گا کہ اس سنسار میں کیسے جیا جاتا ہے۔"

"تم مجھے سکھا دو گے تو جان لوں گا منگل بابا!" منور نے کہا اور منگل ہنس پڑا۔

"ہاں میں تجھے سب کچھ سکھا دوں گا لیکن جو کچھ میں سکھاؤں گا اچھی طرح سیکھ لینا۔ کچھ بھولا تو پھر تیرے لیے اچھا نہیں ہوگا۔" منگل سنگھ کی غراہٹ بے حد خوفناک تھی۔

"سب کچھ سیکھ لوں گا۔ سب کچھ!" منور نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

منگل سنگھ نے دیہات کے اس معصوم لڑکے کا حلیہ ہی بدل دیا۔ پہاڑوں کی کھلی فضا' ایک سے ایک عمدہ لباس اور اعلیٰ ترین غذاؤں نے منور کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ منگل سنگھ نے اس کی تربیت بھی شروع کر دی تھی۔ گروہ کے ایک ایک فرد کو بتا دیا تھا کہ آنے والے وقت میں ان کا سردار منور ہوگا۔ اس کی اطاعت کی جائے' اس کا مقام بنایا جائے۔ منور کی ابتدائی تربیت اسے بے رحم بنانے کے لئے کی گئی۔ اس کو پستول اور بندوق چلانا سکھائی گئی۔ خنجر زنی کی مشق کرائی گئی۔ جنگل سے معصوم جانور پکڑ کر لائے جاتے تھے۔ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں بے بس کر دیا جاتا تھا اور پھر منور ان پر نشانہ بازی کی مشق کیا کرتا تھا۔

جب اس نے پہلے جانور کو ہلاک کیا تو اسے رات بھر نیند نہیں آئی تھی۔ وہ بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا تھا لیکن منگل سنگھ کی خوفناک آنکھیں ان کی نگران تھیں۔ اسے منگل سنگھ سے بہت ڈر لگتا تھا۔ وہ منگل سنگھ جو اپنے لمبے چاقو سے ہر اس شخص کی گردن کاٹ دیتا

تھا جو اس کے احکامات کی سرتابی کرتا تھا۔ منور نے کئی آدمیوں کا حشر اس کے ہاتھوں دیکھا تھا اور یہ منگل سنگھ کے اپنے آدمی تھے۔ چنانچہ منور کی مجال نہ ہوتی کہ وہ اس کی کسی بات سے انکار کرے لیکن معصوم جانوروں کی کربناک چیخیں ساری رات اس کے کانوں میں گونجتی رہی تھیں۔ دوسرے دن پھر اسے یہی کام سونپا گیا اور پھر روزانہ......... رفتہ رفتہ وہ ان جانوروں کی بے بسی سے لطف اندوز ہونے لگا۔ منگل اسے دھمکی بھی دیتا تھا۔

"اگر میں ان جانوروں کو کھول دوں تو یہ آن کی آن میں تیرا تیاپانچہ کر دیں گے۔ اس لیے کلیجے ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے انہیں ہلاک کر دو۔ یہی حال انسانوں کا ہے۔ ذرا باہر نکل کر دیکھو دشمن ہر جگہ موجود ہے۔ کہیں سے تاک کر نشانہ لگائے گا اور تمہارے بدن میں سوراخ ہی سوراخ ہو جائیں گے۔ اس سے پہلے اس کا بدن داغدار کر دو۔"

منور اب بے تکان گولیاں چلاتا تھا۔ وہ نشانہ بازی میں کمال حاصل کر چکا تھا اور اس وقت اس کی عمر پندرہ سال تھی۔ پھر ایک شام غاروں میں ایک دلچسپ ڈرامہ ہوا۔ منگل سنگھ کہیں ڈاکہ مار کر آیا تھا۔ بے انتہا مال و اسباب کے ساتھ اس کا ایک آدمی لڑکی بھی لے آیا تھا۔ خود منگل سنگھ دو آدمیوں کو پکڑ کر لایا تھا جنہیں اس نے ایک جگہ قید کر دیا۔

رات کا وقت تھا۔ غاروں کی دیواروں میں مشعلیں جل رہی تھیں۔ شراب لنڈھائی جا رہی تھی۔ ڈاکو جشن منا رہے تھے۔ منور بھی اس جشن میں شریک تھا۔ دفعتاً ایک طرف ہنگامہ ہو گیا۔ دو ڈاکو آپس میں لڑ پڑے تھے۔ منگل کے کانوں میں آواز پہنچی تو اس نے ہاتھ بلند کر دیا اور شور و غوغا رک گیا۔

"کیا بات ہے۔ تم دونوں آگے آؤ۔" اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور دونوں لڑنے والے آگے آ گئے۔

"کیوں لڑ رہے ہو سسرو! زیادہ چڑھ گئی کیا! میں نے کتنی بار کہا ہے کہ اتنی پیا کرو جتنی ہضم کر لو۔"

"یہ بات نہیں ہے سردار!" ان میں سے ایک بولا۔

"پھر کیا بات ہے؟" منگل انہیں گھورنے لگا۔

"سردار! میں بستی سے ایک لڑکی اٹھا لایا تھا۔" ان میں سے ایک بولا۔

''ہاں پھر؟''

''میں نے اس کے گھر والوں کو مار کر اسے اٹھایا تھا سردار! مگر یہ چھدو اس پر اپنا حق جما رہا ہے۔''

''اس کی وجہ ہے سردار۔'' چھدو نے آگے بڑھ کر کہا۔

''وجہ بھی بتا دے پوت! کیا وجہ ہے؟'' منگل ہنس پڑا۔

''لڑکی چھپ گئی تھی سردار! میں نے اسے دیکھا۔ اسی وقت چھپائی پلہ بھاری ہو گیا اور میں نے گدی سے کہا کہ وہ لڑکی کو سنبھال لے، میں پیچھے جا رہا ہوں۔ گدی لڑکی کو نکال لایا مگر وہ تو میری امانت تھی سردار! اس کا حق کیسے بن گیا؟''

''آ گئی سالوں کے بیچ عورت! بن گئے ایک دوسرے کے دشمن اور اب کیا ہو گا جانے ہے چندو!'' وہ منور کی طرف رخ کر کے بولا۔ ''دونوں لڑتے رہیں گے اور ایک دوسرے کی دشمنی میں پولیس کے ہاتھ جالگیں گے اور پورے گروہ کی مصیبت آ جائے گی۔ تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ ماں کے خصمو عورت نہ لایا کرو۔ بولو۔ جواب دو۔'' منگل سنگھ کا رنگ بدل گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ان دونوں کے چہروں پر خوف آ گیا۔

''بھول ہو گئی سردار۔'' ان دونوں نے کہا۔

''کیا سزا ہو اس بھول کی خود ہی تجویز کر لو۔''

''معاف کر دو سردار اس جیت کی خوشی میں معاف کر دو۔'' دونوں گڑگڑانے لگے اور سردار ان کی شکلیں دیکھنے لگا۔ پھر ایک دم ہنس پڑا۔

''بڑے عورت باز ہیں سسرے! لاؤ کہاں ہے وہ بس کی گانٹھ! جاؤ لے کر آؤ۔'' اس نے حکم دیا اور دونوں دوڑ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک خوبصورت لڑکی کو پکڑ لائے جو بری طرح خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔

''ہوں۔ تو یہ ہے زہر کی پڑیا۔ ہٹو اسے جگہ دو ذرا سی۔ جھگڑا ختم ہونے دو چل بھئی گدی نکال چاقو تو بھی چھیدو...... جلدی کرو سسرو یا میں نکالوں۔'' منگل نے لاپرواہی سے کہا۔ دونوں ایک لمحے کے لیے ٹھٹکے لیکن پھر آگے بڑھے اور دوسرے لمحے لڑکی کی دلخراش چیخ گونج اٹھی۔ دونوں کے خنجر اس کے بدن میں اتر گئے تھے۔ اور پھر کے بعد

دیگرے انہوں نے کئی وار کر کے اسے زندگی کے بوجھ سے نجات دلا دی۔

''اب اسے لے جاؤ حرامیو! آدھی آدھی بانٹ لو تم دونوں۔ اٹھاؤ......'' وہ پھر دہاڑا اور دونوں نے لڑکی کی خون آلود لاش اٹھائی اور غار سے باہر نکل گئے۔ ہنگامے جو چند ساعت کے لیے رک گئے تھے۔ دوبارہ جاری ہو گئے۔ لیکن یہ صورت منور پر بھاری گزری۔ حالانکہ وہ ظلم اور بربریت کے ان مناظر کا عادی ہو گیا تھا لیکن نجانے کیوں لڑکی کی موت اس کے ذہن پر اثر انداز ہوئی تھی۔ دوسرا دن اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔ اس بار منگل سنگھ نے ایک ایسے شخص کے ہاں ڈاکہ ڈالا تھا جو اس کا دشمن تھا۔ اس نے اس کی بستی تاراج کر دی تھی اور اپنے دشمن اور اس کے نوجوان بیٹے کو پکڑ لایا تھا چنانچہ دوسری صبح ان دونوں کے لیے قتل گاہ تیار کرائی گئی اور سورج چڑھے ان کی زندگی کے خاتمے کا فیصلہ کیا گیا۔ دونوں باپ بیٹوں کو قتل گاہ میں لے جایا گیا۔ ایسے موقعوں پر منور کو ضرور ساتھ رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ منور بھی موجود تھا۔

''رگھولال چوہان! تم نے دیکھ لیا منگل کی دشمنی کو۔ میں نے تم سے کہا تھا رگھولال کہ مجھے چھیڑ کر تم نے پوری بستی کی تباہی خریدی ہے۔ جھوٹ تو نہیں کہا تھا؟''

''برا کیا تو نے منگل! دشمنی ہماری تمہاری تھی۔ دوسروں کا کیا دوش تھا؟'' رگھولال نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

''دوش ان کا بھی تھا کہ وہ تیری بستی والے کیوں تھے۔ دو چار سے منگل سنگھ کا دل نہیں بھرتا۔ پھر اب کیا خیال ہے تیرا؟''

''کیا تو رحم کرنا جانتا ہے منگل''۔ رگھولال نے پوچھا

''ارے......رے......رے ایک یہی کام نہیں آتا منگل کو۔ باقی سارے کام جانے ہے مگر تم نے کیوں پوچھا ہے؟''

''میرے بیٹے کو چھوڑ دے۔ میں تجھ سے اپنے لیے رحم نہیں مانگوں گا...... پر اسے ضرور معاف کر دے۔ اس کی شادی ہونے والی ہے۔ بڑے ارمان سے یہ اپنا بیاہ رچا رہا ہے۔''

''اوہو...... تو یہ سہرا باندھے گا کھوپڑی پر...... کیوں رے شادی کرنے جا رہا

ہے؟''

''ہرگز نہیں منگل سنگھ! میں تیری' بھیک دی ہوئی زندگی قبول کبھی نہیں کروں گا اور جب میرے پتا ہی اس سنسار میں نہیں رہیں گے تو میں شادی کر کے کیا کروں گا۔''

''ارے تو بھیک دے ہی کون رہا ہے' کلیجے! پرتم دونوں نے سوچی خوب ہے تم اس کے جیون کی بھیک مانگو وہ تمہارے جیون کی۔ اور منگل سنگھ تو ایسے ہی دھرماتما ہیں کہ دونوں کو بھیک دے دیں واہ!'' منگل سنگھ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

''ایک کام تو تم کر ہی سکتے ہو منگل سنگھ۔'' رگھولال پھر بولا۔

''وہ کیا چندا۔'' منگل سنگھ نے پوچھا۔

''پہلے مجھے قتل کر دو تا کہ میں اس کی موت نہ دیکھ سکوں۔'' رگھولال کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور منگل سنگھ ہنس پڑا۔

''رو رہا ہے بزدل کہیں کا۔ بڑی بات کہی تھی تو نے۔ یاد کر۔ اور بڑی بات کی سزا بھی بڑی ہی ہووے ہے سسرے! اور آج تو میرا شیر پہلا بڑا شکار کرے گا۔ اس طرح اس کی مہورت بھی ہو جائے گی۔ آج ہمارے ہاں رحم نہیں ہوگا۔ رگھولال! آج کسی کی کوئی بات نہیں مانی جائے گی۔ رگھولال! آ جاوے میدان میں!'' اس نے منور کو اشارہ کیا اور منور اس کے سامنے پہنچ گیا۔

''کیا بات ہے منگل بابا!'' اس نے پوچھا۔

''لے مار دے ان دونوں کو گولی ہمارے پستول سے۔ بس ان کا جیون ختم ہو گیا۔'' منگل سنگھ نے اپنا پستول نکال کر منور کو دے دیا۔ اور منور کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے منگل سنگھ کو دیکھا اور پھر ایک گہری سانس لے کر ان دونوں باپ بیٹوں کی طرف۔ دوسرے لمحے اس کے پستول سے دو گولیاں نکلیں اور رگھولال کے دل میں پیوست ہوگئیں۔ رگھولال نے دونوں ہاتھوں سے دل پکڑ لیا تھا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے احسانمند نگاہوں سے منور کو دیکھا اور زمین پر گر پڑا۔ منور نے دوبارہ فائر کئے اور اس بار نوجوان لڑکا ڈھیر ہو گیا۔ لیکن منگل سنگھ غور سے منور کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوشگوار تاثرات نہیں تھے۔ پھر آہستہ آہستہ اس

کے تاثرات بدلے اور وہ ہنسنے لگا۔

''چلو بھئی جشن کی تیاریاں کرو۔ شیر کے منہ خون لگ گیا ہے آج۔ آج مہندی لگ گئی ہے اپنے منور کے ہاتھوں میں۔ اب مزہ آئے گا ڈاکے مارنے کا۔ چلو جشن مناؤ۔'' اور ڈاکو شور مچانے لگے۔ وہ خوشی سے ناچ رہے تھے۔

''پر تو نے گھائل کر دیا ہے ہمیں چندا! کیا تیرے من میں رحم آ گیا تھا ان سالوں کے لئے؟'' سب کے چلے جانے کے بعد منگل نے منور سے کہا۔

''کیوں منگل بابا؟''

''تو نے پہلے بوڑھے کو کیوں مارا...... کیا تو نے اس کی آخری خواہش مان لی تھی؟''

''نہیں منگل بابا۔ تم نے اس بارے میں تو کچھ نہیں کہا تھا۔ میں نے اسے پہلے اس لیے مارا کہ اس نے تم سے بڑی بات کہی تھی۔ اور تمہارا اصل دشمن وہ تھا۔'' منور نے جواب دیا۔

''ابے سچ کہہ رہا ہے کیا...... ابے کلیجے...... یہ بات تھی تو ٹھیک ہے۔ میں تو غلط ہی سمجھ بیٹھا تھا۔'' منگل سنگھ خوش ہو کر قہقہے لگانے لگا۔

❁ ››› ❁ ❁ ››› ❁

بستیوں کا سکون غارت ہو گیا تھا۔ کون کون سے جتن نہ کیے تھے ان ڈاکوؤں کو گرفتار کرنے کے لیے۔ پولیس کے بڑے بڑے افسران نے زندگیاں قربان کر دی تھیں۔ متعدد سپاہی موت کی آغوش میں جا سوئے اور آج بھی منگل سنگھ کے خلاف پولیس کی مہمات جاری تھیں۔ لیکن وہ اور اس کے ساتھی اس قدر چالاک تھے کہ ہاتھ ہی نہ آئے تھے۔ اس چالاکی سے کام کرتے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ قتل و غارت گری کے رسیا۔ جدھر سے گزرتے خون ہی خون پھیل جاتا اور اس کے بعد جو المیے ہوتے وہ تاریخ بن جاتے۔

اور بدبختی کی یہ رات احمد پور پر بھی چھا گئی۔ سرِ شام ہی بادل گھر آئے تھے۔ کئی بار ہلکی بوندا باندی ہوئی تھی اور بند ہو گئی تھی۔ فضا میں عجیب سا حبس تھا اور دلوں میں انجان سی

بے چینی۔لیکن رات کے دوسرے پہر یہ بے چینی بے سبب نہ رہی۔چاروں طرف سے گولیوں کا شور ابل پڑا۔سوتے ہوئے لوگ پہلے تو اسے تیز اور طوفانی بارش کا شور سمجھے لیکن پھر چاروں طرف سے منگل سنگھ کی جے جے کار ابھری اور دل دھڑکنا بند ہو گئے۔منگل سنگھ کا نام ان علاقوں کے لیے اجنبی نہیں تھا۔جو سنا تھا وہ سامنے آ گیا۔مکان لوٹے جانے لگے۔زندگی ختم کی جانے لگی۔آہ و بکا کی آوازیں ہر گھر سے بلند ہونے لگیں۔

ایک چھوٹے سے خوبصورت مکان کے برآمدے میں جاء نماز پر بیٹھے ہوئے باریش شخص نے جلدی سے سلام پھیرا۔گھر کے خوفزدہ لوگ برآمدے میں نکل آئے تھے۔

''جلدی اندر چلیں ماموں جان! ڈاکو منگل سنگھ نے حملہ کیا ہے۔'' ان میں سے ایک شخص نے چیخ کر کہا۔

''میری نماز پوری نہیں ہوئی ہے تم جاؤ۔'' پروقار آواز ابھری۔

''ماموں جان خدا کے لیے......اندر چلیں۔'' اس بار ایک نسوانی آواز نے کہا لیکن اس کے ساتھ ہی کئی چیخیں بلند ہوئیں۔کیونکہ برآمدے کے سامنے کی دیوار سے کوئی اندر کود رہا تھا۔بلند و بالا قد، سیاہ لباس کے درمیان سفید چہرہ، بڑی بڑی حسین آنکھیں لیکن خون کی وحشت لیے ہوئے۔ہاتھوں میں موت برسانے والا ہتھیار......وہ برق رفتاری سے برآمدے میں آ گیا اور ساری آوازیں بند ہو گئیں۔سہمی ہوئی آنکھیں خوف سے پھیلی رہ گئی تھیں۔

وہ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ آیا اور باریش شخص نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔پھر بدحواس ہو جانے والوں کی طرف اور پھر اس کی متین آواز ابھری۔

''فرشتہ اجل......لوٹ مار کی خواہش ہے تو اندر چلے جاؤ اور اپنا مقصد پورا کرو۔روحیں قبض کرنے آئے ہو تو یہ جاندار تمہارے سامنے کھڑے ہیں۔جب تک انہیں ہلاک کر دو اور مجھے دو نفل ادا کر لینے دو۔اگر فریضہ خداوندی کی ادائیگی میں مجھے دیر ہو جائے اور تم اپنے کام سے جلد فارغ ہو جاؤ تو مجھے سجدے کے عالم میں گولی مار دینا کہ میری روح خدا کے حضور جائے گی اور اس سے بڑی سعادت کسی اور کو نہ ملی ہو گی۔میں اس وقت در معبود پر ہوں اور خدائے قدوس کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ موت کا خوف میرے

وجود کو چھو کر بھی نہیں گزرا۔اللہ اکبر۔'' بزرگ نے نیت باندھی اور نوافل کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے۔

وہ برآمدے میں میں کھڑا رہ گیا تھا۔اس کی خونی آنکھوں میں ایک عالم لرزاں تھا۔اس کے ذہن میں اپنے مرحوم باپ صوفی عظمت اللہ کی تصویر روشن ہو گئی تھی۔وہ بھی تہجد گذار تھے اور دوران نماز کسی سے رغبت نہ رکھتے تھے۔وہ بھی موت کی جانب سے اسی قدر بے پرواہ تھے۔عالم نماز میں ان کے چہرے پر بھی یہی تقدس ہوتا تھا۔وہ بھی ہر خطرے سے اسی طرح بے نیاز ہوتے تھے۔بستی کا مکان' اپنی دکان اور نجانے کیا کیا اس کی آنکھوں میں گھومنے لگا۔

اسی وقت مکان کی دیوار پر اس کے تین ساتھی نظر آئے اور پھر وہ بھی بھد بھد کر کے اندر کود آئے تب نوجوان نے ہاتھ اٹھا دیا۔''گولی مت چلانا۔'' اور بندوقوں کی نالیں جھک گئیں۔

''کیا اندر کام ہو رہا ہے سردار؟'' آنے والوں میں سے ایک نے پوچھا۔

''جاؤ اپنا کام کرو۔'' اس کی گرجدار آواز ابھری اور تینوں جس طرح آئے تھے اسی طرح واپس چلے گئے برآمدے میں ساکت و جامد کھڑے لوگوں کے چہروں سے اب بھی خوف عیاں تھا۔وہ ہر لحہ موت کو اپنے قریب محسوس کر رہے تھے۔آنے والوں کے منہ سے وہ سردار کا لفظ سن چکے تھے اور سوچ رہے تھے تو یہ ہے منگل سنگھ۔لیکن وہ خاموش کیوں ہے۔کیا نماز ختم ہو جانے کا انتظار کر رہا ہے۔لیکن وہ ہندو ہے نماز کا احترام کیوں؟

بزرگ نہایت خشوع و خضوع سے نماز پڑھتے رہے اور کافی دیر گزر گئی۔باہر کے ہنگامے بدستور جاری تھے۔پھر ایک تیز سیٹی کی آواز ابھری۔یہ واپسی کا اشارہ تھا۔نوجوان نے اسے سنا لیکن اپنی جگہ سے نہ ہلا۔آج وہ جس تقدس کو دیکھ رہا تھا اس تقدس سے اس کی روح کی گہری وابستگی تھی اور وہ یہ منظر نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دینا چاہتا تھا۔سیٹی کی آواز کے بعد ہر شخص کی واپسی لازمی ہوتی تھی اور اس ہنگامے میں کسی کو کسی کا ہوش نہیں ہوتا تھا لیکن نوجوان ڈاکو نے اس کی پرواہ نہیں کی تھی۔وہ اطمینان سے کھڑا رہا یہاں تک کہ باہر شور تھم گیا۔اب آوازیں صرف رونے پیٹنے کی تھیں۔

بزرگ نے دوبارہ سلام پھیرا اور پھر ڈاکو کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان کی آنکھوں میں بھی تعجب تھا۔

"تم نے اپنا کام شروع نہیں کیا۔" انہوں نے پوچھا اور وہ آگے بڑھ آیا۔ اس نے اپنی بندوق ایک ستون سے ٹکائی اور بزرگ کے سامنے پہنچ گیا۔ پھر اس نے اپنا سینہ کھول دیا۔

"کیا آپ میرے سینے پر پھونک نہیں ماریں گے؟" اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"کیا مطلب؟" بزرگ حیرت سے بولے

"آپ.....آپ تو ہمیشہ ایسا کرتے ہیں۔" اس کی سانسیں تیز ہونے لگیں۔

"میں....." بزرگ نے تعجب سے اسے دیکھا اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگے۔ سب کے سب متعجب کھڑے ہوئے تھے۔

"میرا سینہ کھلا ہوا ہے۔ میں آپ کے گھر سے' آپ کی عبادت کا ایک حصہ لے جانا چاہتا ہوں۔ میں وہ دعائیں لے جانا چاہتا ہوں۔ مجھے میرا ماضی دے دو۔ ان بابرکت کلمات کی ہوا میرے سینے کو پہنچا دو۔ اس میں بڑی جلن ہے۔ خدا کی قسم بڑی سوزش ہے۔ اس میں طویل عرصے سے جل رہا ہوں۔ میں اس نعمت کو تمہارے گھر سے لے جاؤں گا۔ جلدی کرو' وہ سب جا چکے ہیں جلدی کرو۔" نوجوان پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔

بارش بزرگ خود بھی حیرت زدہ تھے اور نوجوان کے الفاظ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ اس کا چوڑا سینہ کھلا ہوا تھا اور اس کے سیاہ بال جھانک رہے تھے۔ آنکھوں کے موتی ان بادلوں میں اٹک کر جھلملا رہے تھے۔ تب بزرگ نے آسمان کی جانب دیکھا اور ان کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"بارالہا! میں عاصی اس قابل کہاں کہ ایک بھٹکے ہوئے کو راہ راست پر لا سکوں۔ مگر تیرے کلام میں اتنی طاقت ہے کہ پہاڑوں کو سنگریزہ بنا دے۔ سو اس بابرکت کلام کے سہارے یہ کوشش کرنا چاہتا ہوں۔ بسم اللہ!" انہوں نے کہا اور نوجوان کے سینے پر پھونک دیا۔

نوجوان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ وہ بے حد جذباتی ہو گیا تھا دیر تک وہ آنکھیں بند کیے کھڑا رہا۔ پھر اس نے سینہ بند کر لیا اور آنسو خشک کر کے واپسی کے لئے مڑ گیا۔ تبھی بزرگ کی آواز ابھری۔

"گناہ کی جس آگ کی سوزش سے تڑپ کر تم نے کلام الٰہی کی ٹھنڈک طلب کی تھی، کیا پھر اسی آگ کی جانب جا رہے ہو نوجوان؟" اور نوجوان کے قدم رک گئے۔

"جہنم میں رہنے والے کو اگر جنت کے پاس سے گزرنے کا موقع مل جائے تو جنت اس کا حق تو نہیں بن سکتی۔ میرے لیے اس جہنم کے سوا کوئی پناہ نہیں ہے۔" اس کی آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔

"رحمتِ خداوندی سے مایوسی کفر کی منزل سے جا ملتی ہے۔ گناہ کے بعد توبہ کی رعایت دی گئی ہے۔ کیا تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاؤ گے..............؟"

"میں ڈاکو ہوں محترم! ایک بے رحم قاتل ہوں۔ اتنے گناہ کیے ہیں میں نے کہ رحمت کی طلب کا تصور میری گردن شرم سے جھکا دیتا ہے۔"

"اور اسے شرم سے جھکی گردنیں پسند آتی ہیں۔ وہ رحیم الرحمٰن ہے اور اس کی رحمت کے خزانے لامحدود ہیں۔ تمہاری طلب پر اگر وہ دینے پر آ جائے تو اس کی رحمت کے خزانے کا ایک ذرہ کائنات کے گناہوں کو ڈھانپ لے، تم کیا حیثیت رکھتے ہو۔ آؤ میں تمہیں توبہ کے راستوں پر آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ ممکن ہے میری یہ کوشش میرے اپنے گناہوں کی طویل فہرست میں کمی کا باعث اور عاقبت میں میری بہتری کا سامان بن جائے۔" بزرگ کی آواز پر اثر تھی۔ نوجوان آنسو بھری نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا اور پھر اس نے گردن جھکا دی۔ تب بزرگ نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولے۔

"رحمت ایزدی لامحدود ہے اس نے تمہارے دل میں یہ کیفیت بیدار کر کے تمہیں نیکیوں کی طرف بلایا ہے اور جب تم نے نیکیاں اپنا لی ہیں تو آؤ بدی کے اس لبادے کو اتار دو۔ عرفان میاں! کیا تم اس نوجوان کو ایک سادہ لبادہ مہیا کر دو گے؟" اس بار انہوں نے دوسرے لوگوں میں سے کسی کو مخاطب کر کے کہا۔

"کیوں نہیں ماموں جان!" آواز میں جھجک تھی۔ یہ ڈرامائی صورت حال کسی کا ذہن قبول نہیں کر رہا تھا۔ بھلا ایک ڈاکو اور ڈاکو بھی منگل سنگھ نیکیوں کے راستے پر کس طرح آ سکتا ہے۔ لیکن بزرگ کی حیثیت ایسی نہیں تھی کہ کوئی ان کے حکم سے سرتابی کر سکتا۔ چنانچہ کسی نے کچھ نہیں کہا۔ تب نوجوان ہی بولا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں گناہوں کی اس یادگار کو یہاں سے دور دھکیل آؤں۔" اس نے بندوق کی جانب اشارہ کیا۔ "باہر میرا گھوڑا ابھی موجود ہے۔"

"میں تمہیں باہر جانے کی اجازت نہیں دوں گا اس وقت تک جب تک کہ تم اس لباس سے چھٹکارا حاصل نہ کرو۔ عرفان میاں! تم گئے نہیں۔" انہوں نے پھر دوسرے آدمی کو مخاطب کیا۔

"جی ابھی ماموں جان!" وہ اندر دوڑ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنا ایک جوڑا لے کر باہر آ گیا۔ بوڑھے نے نوجوان کو وہ لباس دیا اور اپنے ساتھ لیے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔

"یہ ماموں جان نے کیا کیا؟"

"وہ تو مذہباً بھی ہندو ہے۔"

"اور ڈاکوؤں کا سردار ہے!"

"یہ بھی اس کی کوئی چال تو نہیں ہے۔"

"دادا جان بھی بس جذباتی ہیں۔ بھلا ایک ڈاکو پر اعتبار کیا جا سکتا ہے!"

"دیکھ لینا نانا میاں کسی خطرناک حادثے سے دوچار کریں گے سب کو۔"

"افوہ۔ آہستہ بولو اگر دونوں میں کسی نے سن لیا تو شامت آ جائے گی۔"

"لیکن پھوپا میاں! اب کیا ہوگا۔ وہ تو ہمارے ساتھ قیام کے لیے بھی تیار ہو گیا ہے۔"

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اللہ مالک ہے۔" عرفان کی آواز ابھری اور اسی وقت وہ دونوں باہر آ گئے۔ نوجوان نے اپنے ڈاکوؤں کے لباس کی ایک گٹھڑی بنائی ہوئی تھی۔ اس میں اس کا پستول اور خنجر بھی اڑسا ہوا تھا۔ پھر اس نے بندوق اٹھائی اور اسے بھی ساتھ

لے لیا اور پھر دونوں دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ عرفان بھی بے اختیار ساتھ ہو لیا تھا۔ دیوار سے ملحق گھوڑا کھڑا ہوا تھا نوجوان نے اپنا سامان گھوڑے پر رکھا، بندوق زین میں ٹھونس دی اور پھر اس نے گھوڑے کو ایک مخصوص انداز میں ہاتھ مارا اور گھوڑا اچھل کر سرپٹ ہو گیا۔ آن کی آن میں وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

بزرگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ شور و غوغا کی آوازیں اب بھی چاروں طرف سے بلند ہو رہی تھیں۔ وہ گھر میں واپس آ گئے۔ تب بزرگ اسے لیے ہوئے ایک کمرے میں پہنچ گئے۔

"لوٹ مار شاید ابھی جاری ہے۔" انہوں نے کہا۔

"نہیں۔ وہ واپس جا چکے ہیں۔" نوجوان نے متانت سے کہا۔

"تم شاید ڈاکو منگل سنگھ ہو۔" اس بار عرفان زبان کھولے بغیر نہ رہ سکا۔

"نہیں!" اس نے جواب دیا۔

"لیکن اندر آنے والوں نے تمہیں سردار کہہ کر مخاطب کیا تھا۔" عرفان بولا۔

"میں اس کا نائب تھا۔ اس کے بعد ہونے والا سردار۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"ٹھہرو عرفان! پہلے مہمان سے ہم اپنا تعارف کرائیں گے۔ پھر ان سے ان کے بارے میں پوچھیں گے۔ تو میاں خاکسار کا نام عبداللہ ہے۔ میں شہر میں رہتا ہوں اور یہ جو تم سے سوالات کر رہے ہیں، میرے بھانجے عرفان ہیں۔ عرفان اسی بستی میں رہتے ہیں اور میں شہر سے ان کے ہاں آیا تھا۔ یہ میرا نواسا اسد ہے اور یہ پوتی شمائل، یہ عرفان کی اہلیہ ہیں اور یہ ان کے دونوں بچے محمود اور عاقل۔ حج کر کے آیا تھا چنانچہ ان لوگوں سے ملنے چلا آیا کیونکہ عرفان بہت مصروف رہتے ہیں۔ تو یہ ہے ہماری تفصیل اور اب تم بھی اپنا نام بتا دو!"

"میرے والدین نے میرا نام منور رکھا تھا لیکن تقدیر نے میرے وجود کو سیاہ کر دیا۔" منور آہستہ سے بولا اور بزرگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"الحمد اللہ تم مسلمان ہو۔ مجھے یقین تھا۔ رہی تاریکی کی بات تو نور ہمیشہ نور رہتا

ہے تاریکی کی بدنما چادر کتنی ناپائدار ہے۔ تم اس سے اندازہ لگاؤ کہ وہ آناً فاناً آتی ہے اور ماحول کو اپنے مہیب بازوؤں میں سمیٹ لیتی ہے لیکن پھر تارے اس کا طلسم توڑ دیتے ہیں ۔تب ان کی مدد کے لیے چاند نکل آتا ہے اور تاریکی کی چادر تار تار ہو جاتی ہے۔ وہ کونوں کھدروں میں منہ چھپاتی پھرتی ہے۔ ساری رات چاند اس پر حاوی رہتا ہے اور پھر اپنے فرائض سورج کے حوالے کر کے خود آرام کرنے چلا جاتا ہے کہ دوسری رات تاریکی سے نبرد آزما ہو جائے۔ یہ نظام قدرت ہے اور تاریکی شکست خوردہ رہتی ہے۔ چنانچہ تمہاری تقدیر کی تاریکی چھٹ گئی ہے اور تم پھر سے منور بن گئے ہو۔ روشنی کے راستے اپناؤ ہم سب تمہارے مددگار ہیں۔ ایک آدھ دن میں ہم یہاں سے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں تمہیں شہر لے جاؤں گا اپنے ساتھ۔ میرا بیٹا بہت بڑا وکیل ہے میں اس کے ساتھ ہی رہتا ہوں مجھے یقین ہے کہ تم ہم لوگوں کے درمیان خوش رہو گے۔ یوں محسوس کرو کہ تم اپنے بچھڑے ہوئے خاندان میں آ گئے ہو۔'' منور نے سر جھکا لیا تھا۔

''اب تم آرام کرو۔ کل ملاقات ہو گی اور بچو! تم سے یہ کہنا فضول ہے کہ اپنے مہمان کی حقیقت کسی سے نہیں بتاؤ گے۔''

''جی'' سب نے جواب دیا۔

منور کے لیے ایک آرام گاہ تجویز کر دی گئی اور سب اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ لیکن منور کے ذہن میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس کا دل ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ جو کچھ ہو چکا تھا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ یہ جذبہ تو کبھی کا اس کے سینے میں دم توڑ چکا تھا۔ ان راستوں سے تو وہ بہت دور نکل چکا تھا۔ منگل سنگھ نے اسے اپنے خوابوں کی انتہا بنا لیا تھا۔ وہ اس پر بے پناہ فخر کرتا تھا اس کے ہر کارنامے کو خود سے منسوب کر لیتا تھا۔ کہتا تھا۔

''سالو! منگل سنگھ کے دو روپ ہیں۔ اس کی جوانی منور ہے اور بڑھاپا وہ خود ہے۔ چنانچہ منگل سنگھ کی عمر چالیس سال اور بڑھ گئی ہے۔ ان سالوں کا مقدر ہی خراب ہے جو منگل سنگھ کو ختم کرنے کے لئے دن رات ایک کر چکے ہیں۔ پیدا ہوئے تو منگل کا نام سنا بوڑھے ہوں گے تو یہی حسرت لے کر کہ اسے گرفتار کر لیں۔''

خود منور نے اس زندگی سے علیحدہ ہونے کا تصور نہیں کیا تھا صوفی عظمت اللہ کی

موت کے بعد اس نے چند لمحات کے لئے چچا کا گھرانہ دیکھا تھا جہاں اس کے لیے محبت کا کوئی نقش نہیں تھا۔ اس کے بعد منگل سنگھ کے ڈیرے پر اسے چاہت ملی تو اس نے وہی زندگی سمجھ لی۔ اس سے الگ زندگی کا تصور ہی ختم ہو گیا تھا۔ لیکن آج کوئی آ گیا تھا۔ وہ جس نے کان سے پکڑ کر اسے آگے جانے سے روک دیا تھا بالکل اس طرح جیسے وہ گولیاں کھیل رہا ہوں اور صوفی عظمت اللہ اسے کان سے پکڑ کر گھر لے آئے ہوں۔

''نہیں بیٹے! اچھے بچے شیشے کی گولیوں سے نہیں کھیلتے۔ اس کھیل کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔''......وہ بھی تو صوفی عظمت اللہ ہی کی طرح تھے ورنہ وہ ان کے سامنے موم کیوں بن جاتا......وہ تو ڈاکو منگل سنگھ کی ناک تھا۔ لیکن اب......اب کیا ہو گا۔ منگل سنگھ اس کے گم ہو جانے کے بعد کیا کرے گا اور آئندہ زندگی......آئندہ زندگی!

درحقیقت وہ معصوم تھا اس کا ایک بھی قدم اس کی اپنی مرضی سے نہیں اٹھا تھا۔ وہ جو کچھ بن گیا تھا اس میں اس کا اپنا ہاتھ نہیں تھا۔ دوسری طرف ایک بڑے کمرے میں سب عبداللہ صاحب کے گرد جمع تھے۔ عرفان کہہ رہا تھا۔

''میں آپ کے کسی اقدام پر نکتہ چینی تو نہیں کر سکتا ماموں جان! لیکن یہ کسی طور مناسب نہیں تھا۔''

''کیوں بیٹے!'' بزرگ نے شفقت سے پوچھا۔

''وہ ڈاکو ہے؟''

''ہے نہیں 'تھا۔'' بزرگ نے کہا۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔ ماموں جان! کیا وہ ایک دن میں ڈاکو بن گیا ہو گا؟''

''ہرگز نہیں۔''

''پھر وہ ایک دن میں نیکیوں کے راستے پر کس طرح آ سکتا ہے؟''

''وہ ننگی تلوار لے کر گھر میں داخل ہوئے تھے اور قتل کرنے آئے تھے۔ انہیں جو ایمان لا چکے تھے۔ تب کلام الٰہی ان کے کانوں میں پڑا اور اسے سن کر وہ ٹھٹھک گئے۔ پھر ان کا سینہ نورِ ایمان سے منور ہو گیا اور انہوں نے کلمہ حق پڑھ لیا۔ مثال موجود ہے۔'' بزرگ نے حلیمی سے جواب دیا۔

"مگر ماموں جان بڑا فرق ہے ان دونوں میں۔" عرفان پریشانی سے بولا۔

"انسانوں میں ضرور فرق ہے لیکن جذبہ ایمان ایک ہی ہے۔ اس سے انکار کرو گے؟"

"وہ سیاہ دل اور سفاک انسان ہے نجانے اس کے ذہن میں کیا اسکیم ہے۔" عرفان بولا۔

"کیا ڈاکو منگل سنگھ اس طرح اسکیمیں بناتا ہے۔ وہ لوٹنے آیا تھا۔ بندوق اس کے ہاتھ میں تھی۔ جس طرح پوری بستی میں گولیاں چل رہی تھیں یہاں بھی چلتیں۔ ہم میں سے کچھ خون میں نہا جاتے۔ وہ لوٹ مار کرتے اور یہاں سے چلے جاتے۔ بچو! جو کچھ ہوا ہے میں اس سے مشکوک نہیں ہوں۔ ذات باری پر میرا ایمان ہے۔ تم بھروسہ کرو اس کی ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"لیکن ماموں جان ہم اس کے خلوص کو اپنا بھی تو سکتے ہیں۔" عرفان نے پرخیال انداز میں کہا۔

"وہ کس طرح؟" عبداللہ صاحب نے کہا۔

"پولیس ڈاکو منگل سنگھ کی تلاش میں ہے اور وہ یقیناً اس کے ٹھکانوں سے واقف ہوگا۔ وہ منگل سنگھ کو گرفتار کروا دے گا۔"

"لغو اور بے ہودہ خیال ہے۔ تمہیں علم ہے کہ وہ منگل سنگھ کی ناک کا بال ہے اور اس کے آدمیوں نے اسے سردار کہہ کر پکارا تھا۔ اس سے اس کی حیثیت کا اندازہ کر لو اور یہ حیثیت بلاوجہ بھی نہیں ہوگی۔ اگر اس کے سینے میں جذبہ ایمان جاگ اٹھا ہے تو ہم اس کے اس جذبے کی اتنی بڑی قیمت طلب کریں جو اس کے لیے ناقابل برداشت ہو اور وہ کشمکش کا شکار ہو جائے۔ اس طرح وہ واپس بھی لوٹ سکتا ہے۔ عرفان میاں! میری دعا ہے کہ لوگوں کے جان و مال کا دشمن ختم ہو جائے لیکن منور کو بھول جاؤ۔ اب اس کا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"جیسا آپ پسند کریں ماموں جان!" عرفان نے کہا

"ویسے عرفان میاں! محسوس نہ کرنا میں کل یہاں سے چلا جاؤں گا اور اس کی وجہ

یہ ہے کہ میں ہر قیمت پر منور کی حفاظت چاہتا ہوں۔ ممکن ہے تمہارے ذہن میں کوئی اور جذبہ جاگ اٹھے۔"

"نہیں ماموں جان! آپ کے احکامات سے انحراف کی جرأت نہ کبھی کی ہے اور نہ کر سکوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ ہم میں سے کوئی اب دوبارہ زبان نہیں کھولے گا۔"

"میں نے یقین کر لیا۔ لیکن مجھے کل جانے کی اجازت دے دو۔ بس میں جانا چاہتا ہوں۔ یہ میری خواہش ہے۔"

❁ ››› ❁ ‹‹‹ ❁

"بالکل بچہ ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اس دنیا میں کچھ نہیں دیکھا ہو۔ ہر چیز سے ناآشنا آنکھوں میں فرشتوں کی سی معصومیت۔ مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ وہ ڈاکے کس طرح ڈالتا تھا۔" شمائل نے کہا۔

"نانا میاں کے پالتو کی بات کر رہی ہو۔ میرا مطلب ہے اس بوڑھے بچے کی جو نانا ابو کی نقل ہو بہو اتار لیتا ہے۔" ارشد بولا۔

"کیا مطلب؟" شمائل ہنس کر بولی۔

"تم نے دیکھا نہیں! نانا میاں نماز پڑھتے ہیں تو وہ بھی نماز پڑھتا ہے، وہ کلام پاک پڑھتے ہیں تو وہ بھی ایسا ہی کرتا ہے۔"

"بڑے ذلیل ہو تم ارشد! مذہب کا مذاق اڑا رہے ہو۔" شمائل بولی۔

"تم خود بتاؤ۔ بڑھاپے کے کام جوانی میں کرنے والے کو نقال نہیں کہا جائے گا تو پھر اور کیا کہا جائیگا انہیں۔"

"خیر عبادت نوجوانی ہی میں کرنی چاہیے۔ بڑھاپے کی عبادت بھی کوئی عبادت ہے۔"

"تم کرتی ہو؟"

"کرتی تو نہیں ہوں لیکن......"

"جی لیکن کیا......؟" ارشد حیرت سے بولا۔

"تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو! اپنی بات کرو۔" شمائل چڑ کر بولی۔

"میں تو عبادت کرتا ہوں۔ پورے دل سے کرتا ہوں۔ کسی حسن کی دیوی کی پوجا کسی عبادت سے کم ہوتی ہے کیا؟"

"آ گئے نا اوقات پر۔" شمائل ہنس پڑی۔ "حالانکہ جانتے ہو کہ اس پوجا سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔"

"امید پر دنیا قائم ہے۔ دیکھ لو ہم تو تمہارے پیچھے احمد پور تک گئے لیکن ابھی تقدیر نہیں بنی...... ویسے ایک بات لکھ لو شمائل!"

"وہ کیا......؟"

"آج نہیں تو کل ہمارے بزرگوں کو سوچنا پڑے گا کہ ہم دونوں کی جوڑی عرش سے اتری ہے اور ہمیں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔"

"ممکن ہے۔" شمائل نے کہا۔

"اس کے بعد تم مجھ سے اجتناب کس طرح کرو گی؟"

"میرا خیال ہے اس کے بعد اجتناب کی ضرورت ہی نہیں رہ جائے گی۔" شمائل اٹھلا کر بولی۔

"تو شمائل آج کا کام کل پر کیوں اٹھا رکھا جائے۔ بزرگوں کو یہ فیصلہ کرنا ہی ہے۔ ہم ان کے فیصلے کا کیوں انتظار کریں۔ شمائل! یقین کرو میں تمہیں بے پناہ چاہتا ہوں۔ میری تنہائیاں تمہارے تصور سے پر ہوتی ہیں۔ تمہارے سامنے آ کر میں کائنات کو بھول جاتا ہوں۔ میری کائنات تم مجھ سے دور نہ رہو مجھے خود میں کھو جانے دو۔ میں...... میں......" ارشد نے آگے بڑھ کر شمائل کی کمر میں ہاتھ ڈال دیئے اور شمائل مسکرانے لگی۔

"نہیں نہیں مسٹر ارشد! باقی آئندہ۔ ویسے تم بے حد چالاک انسان ہو۔ میں کچھ اور باتیں کر رہی تھی۔ تم نے چالاکی سے اپنا نام داخل کر لیا۔ ہٹاؤ ہاتھ...... خود بھی رسوا ہو گے اور مجھے بھی بدنام کرو گے۔ چھوڑو بھی۔"

"شمائل! میں رسوائی ہی تو چاہتا ہوں۔ یہ رسوائی ہی ہم دونوں کے ملاپ کا باعث بن جائے گی اور ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ میرے لیے یہ رسوائی اپنا لو شمائل۔"

"مجھے تمہاری یہ بدحواسی ہی ناپسند ہے ارشد! شادی سے پہلے یہ قربت ممکن نہیں

ہے اور نہ ہی میں اسے پسند کرتی ہوں۔ براہ کرم مجھے چھوڑ دو۔" شمائل نے سخت لہجے میں کہا اور ارشد نے اسے چھوڑ دیا۔

"میرے ساتھ تمہارا رویہ بہت سخت ہے شمائل!" وہ اداسی سے بولا۔

"میں نے کہا نا ارشد میں لاکھ ترقی پسند سہی لیکن اپنی حدود میں رہنا بہتر ہوتا ہے۔ اگر ہم اخلاق کی حدود سے گزر گئے تو خود بھی پشیمان رہیں گے۔"

"حالانکہ میں تمہاری زندگی کا ساتھی ہوں۔ میری قربت سے تمہیں پشیمانی نہیں ہونی چاہیے لیکن خیر تمہاری مرضی .... میں کوشش کروں گا کہ تمہاری اس بے رخی کو برداشت کر سکوں۔" ارشد نے کہا اور دونوں کمرے سے باہر نکل آئے۔ باہر کچھ مہمان آئے ہوئے تھے۔

"اوہ فروزاں! تم کب آئیں؟" شمائل ایک شوخ وشنگ لڑکی کی طرف بڑھ گئی۔

"ابھی ابھی...... امی اور خالہ جان بھی آئی ہیں۔ لیکن آپ بڑی مشکوک حالت میں برآمد ہوئی ہیں۔" فروزاں نے ارشد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ارشد ظہیر عبداللہ کو دیکھ کر سنبھل گیا۔ ورنہ شاید وہ ان لوگوں کا پیچھا نہ چھوڑتا۔

"اونہہ۔ چھوڑو کیا فضول باتیں لے بیٹھیں۔ آؤ کمرے میں چلیں۔"

"ہائے شمائل! تیرے گھر میں تو قیامت آئی ہوئی ہے۔ اللہ کی پناہ میرے تو حواس کھوئے ہوئے ہیں۔ بتا تو اے کم بخت کون ہے وہ؟"

"لعنت ہے تم پر۔ اب کس کو دیکھ کر حواس کھو گئے تمہارے؟" شمائل نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"وہ سفید چہرہ، مخمور آنکھیں، جن میں نجانے کیسی سرخی چھائی ہوئی ہے۔ خدا کی قسم! یوں لگتا ہے جیسے بیس خون کر کے آیا ہے لیکن دلوں کے .... کیونکہ اس کا معصوم چہرہ خونیوں کا چہرہ نہیں لگتا۔ بلند و بالا تر .... گورے سینے پر گھنے سیاہ بال......"

"سفید قمیض پتلون...... کیوں؟" شمائل نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں ہاں۔ اسی کی بات کر رہی ہوں۔"

"کہاں دیکھا تم نے؟"

"باہر برآمدے میں...... پھولوں کا گملا اٹھائے ہوئے تھا۔ خالہ جان آفت کی پرکالہ ہیں۔ ورنہ میں تو وہیں اس سے پوچھ گچھ کر لیتی دل پر ہاتھ رکھے رکھے تم تک آئی ہوں۔"

"مولوی منور!" شمائل ہنس پڑی۔

"کیا مطلب؟"

"وہ دادا جان کا اسسٹنٹ ہے اور شاید ان کا ولی عہد بھی۔ دونوں میں عشق چل رہا ہے۔" شمائل نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔

"کن دونوں میں؟" فروزاں نے چونک کر پوچھا۔

"دادا جان میں اور اس میں۔"

"قتل کر دوں گی تمہارے دادا جان کو...... انہیں اس سے عشق کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے میری موجودگی میں۔" فروزاں نے مصنوعی جوش سے کہا اور شمائل قہقہے لگاتی رہی۔

"ہائے شمائل تم ہنس رہی ہو۔ تم نے اسے غور سے نہیں دیکھا شاید۔ خدا کی قسم خوابوں کا شہزادہ لگتا ہے۔ ہر لحاظ سے ایک مکمل مرد۔ گریگوری پیک اس کے سامنے کچھ نہیں۔ مگر ہے کون؟"

"بس یونہی۔"

"یہیں رہتا ہے؟"

"ہاں۔"

"کوئی رشتے دار ہے تمہارا؟"

"یہی سمجھ لو۔"

"خدا کے لیے ٹالنے کی کوشش مت کرو۔ میں تو مرمٹی ہوں اس پر۔ ارے...... مگر ایک بات تو بتاؤ؟"

"ہوں۔"

"کہیں تم خود تو...... میرا مطلب ہے...... اگر ایسی بات ہے شمائل تو...... تو یقین کرو میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گی۔ تم نے ہمیشہ میرے اوپر اعتماد کیا ہے۔ کیا میں

نے کبھی تمہارے اعتماد کو دھوکا دیا؟"

"کہاں کی ہانک رہی ہو یار! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن فروزاں اس کے بارے میں تمہیں سچ نہیں بتا سکتی۔"

"کیوں؟"

"بس میں نے دادا جان سے وعدہ کیا ہے۔"

"فروزاں اور شمائل الگ الگ ہیں؟ اگر اقرار کر لو گی تو پھر کچھ نہیں پوچھوں گی۔" فروزاں نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن دادا جان سے کیا ہوا وعدہ......"

"تمہیں میری جان کی قسم شمائل مجھے بتا دو اور میں تمہاری جان کی قسم کھا رہی ہوں کہ تمہارے وعدے کی لاج رکھوں گی۔" فروزاں بولی۔ شمائل چند ساعت کشمکش کا شکار رہی اور پھر اس نے پوری تفصیل فروزاں کو بتا دی۔ فروزاں دنگ رہ گئی تھی۔ "خدا کی پناہ۔ تو اس کی آنکھوں میں خون کی سرخی ہے۔"

"لیکن اتنا معصوم انسان فروزاں کہ یقین نہیں آتا۔ ہر چیز سے اجنبی۔ بھٹکا بھٹکا سا۔ جیسے کسی کے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو۔"

"ہائے کتنا پرکشش ہے۔ کتنا رومینٹک کیا کروں شمائل! بتاؤ اس کے لیے کیا کروں!"

"تفصیل جان کر بھی اسے پسند کرتی ہو؟"

"ارے یہ تو اور بھی حسین بات ہے۔ غور تو کرو۔ وہ برائیاں چھوڑ کر نیکیوں کی طرف آیا ہے۔"

"اور تم اسے پھر برائیوں کی جانب لے جانا چاہتی ہو؟" شمائل نے ہنس کر کہا۔

"اتنی بری ہوں میں؟" فروزاں برا مان گئی اور شمائل اسے منانے لگی لیکن فروزاں روٹھی رہی۔

"ایک شرط پر مانوں گی۔" وہ بولی۔

"بکو بابا...... بکو۔"

"اسے یہاں بلاؤ۔"

"خدا کی قسم۔ مجھے اس سے ڈر لگتا ہے۔ آج تک میں اس سے مخاطب نہیں ہوئی۔ ہمت ہی نہیں پڑتی۔ جو روپ اس کا دیکھ چکی ہوں بہت .... بے حد خوفناک تھا۔"

"جانے وہ ڈاکے کیسے ڈالتا ہوگا۔ اسے دیکھ کر تو اپنا سب کچھ اس کے حوالے کر دینے کو جی چاہتا ہے۔" فروزاں آنکھیں بند کر کے بولی اور شائل بھی ایک لمحے کے لیے اس کے تصور میں کھو گئی۔ فروزاں کی آنکھیں بند تھیں اور شائل چشم تصور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ چونک پڑی۔ فروزاں ٹھیک ہی تو کہتی ہے۔ وہ مردانہ حسن کا شاہکار ہے۔ ایک پراسرار شخصیت کا مالک۔ لیکن اب تک میں نے اس کی طرف توجہ کیوں نہیں کی تھی۔ شائل کو اپنے آپ پر حیرت ہوئی۔ فروزاں اس کے بارے میں نجانے کیا کیا کہتی رہی۔ شائل نے ٹھیک سے سنا بھی نہیں تھا۔ وہ تو تصور کی آنکھ سے مسلسل منور کو دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی ہر جنبش پر کشش تھی۔ اس کی ہر ادا بے مثال تھی۔

فروزاں شام تک شائل کے ساتھ رہی اور مختلف بہانوں سے منور کے سامنے آتی رہی۔ لیکن منور نے شاید ایک بار بھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ متین چہرے اور پر رعب آواز والے نوجوان کی ان اداؤں نے شائل کو بے خود کر دیا۔ پھر فروزاں کے جانے کے بعد ایک بار...... صرف ایک بار اتفاق سے ارشاد اور منور یکجا ہو گئے۔ فرق نمایاں تھا۔ اس کا رنگ کشمیری سیب کی مانند تھا اور ارشد سوکھا سہا۔ اس کی آنکھوں میں زندگی تھی اور ارشد کی آنکھوں میں مکاری۔ اس کا قد بالا تھا۔ جبکہ ارشد کا سر اس کے کاندھوں کو چھوتا تھا۔ اس کا اور ارشد کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔ شائل خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

ظہیر صاحب کافی جدت پسند تھے۔ زمانے کی قدروں کے ساتھ ساتھ چلنے کے عادی۔ جبکہ ان کے والد عبداللہ درویش صفت تھے۔ اور ایک طرح سے تارک الدنیا۔ بچوں سے انہیں الفت تھی۔ اس لیے ان کی وجہ سے کبھی کبھی اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال لیتے تھے ورنہ عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ ویسے ان کا بہت زیادہ احترام کیا جاتا تھا۔ ان کی بات آخری بات ہوتی تھی اور اس کے آگے کسی کی دم مارنے کی مجال نہیں تھی۔ منور ان کا چہیتا تھا۔ انہوں نے یہاں آ کر صرف اتنا کہا تھا کہ منور ان کا بچہ ہے۔

اس سے زیادہ کسی کو کچھ پوچھنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ منور کو گھر میں وہی حیثیت دی گئی تھی جو دوسرے بچوں کو حاصل تھی لیکن وہ سادہ لوح تھا اور دوسروں سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ گھر میں اسے مولوی منور کہا جانے لگا تھا لیکن اسے کسی کا کچھ کہنا سننا برا نہیں لگتا تھا۔ جیسے وہ ہر احساس سے عاری ہو۔

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

فروزاں نے اب یہ گھر دیکھ لیا تھا۔ وہ بلاناغہ آ جاتی تھی۔ کبھی کسی بہانے، کبھی کسی بہانے...... لیکن آنے کا مقصد منور ہی ہوتا تھا۔ شائل دل ہی دل میں اس کی آمد سے کڑھنے لگی تھی۔ اسے یوں لگتا جیسے فروزاں اس کا حق چھیننا چاہتی ہو لیکن ابھی تک بگڑی اس لیے نہیں تھی کہ منور کی کوئی توجہ اس کی جانب نہیں تھی۔ اس نے تو شاید ایک بار بھی فروزاں کو نہیں دیکھا تھا۔

"شائل! تم ہی کچھ کرو۔ میں تو تھک گئی۔" ایک شام فروزاں نے کہا۔

"اس سے بات نہیں کی؟"

"ایک لمحے کے لیے جو ہاتھ آیا ہو۔ میں نے کئی بار اسے اشارے کیے ہیں۔ زبانی بھی بہت کچھ کہا ہے۔ عجیب احمق ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟"

"میرے لیے اس سے بات کرو۔"

"اس نے آج تک مجھ سے بھی بات نہیں کی فروزاں! یقین کرو میں اس سلسلے میں بالکل مجبور ہوں۔" شائل نے صاف کہہ دیا۔

"بڑی خود غرض ہو شائل! اتنا سا کام نہیں کر سکتیں۔"

"براہ کرم فروزاں مجھ سے یہ فضول باتیں مت کیا کرو۔ میں اس سے یہ کہوں گی کہ تم فروزاں سے عشق کرو۔" شائل کا لہجہ خشک ہو گیا۔

"کبھی نہیں بولوں گی تجھ سے اور آئندہ کبھی نہیں آؤں گی۔"

"آج کل تم میرے لیے آتی بھی کب ہو۔ سچ بات کہوں گی تو برا مان جاؤ گی۔" شائل نے کہا اور فروزاں ناراض ہو کر چلی گئی۔ شائل نے سکون کا سانس لیا تھا لیکن ایک

بات حقیقت تھی۔ منور نے واقعی آج تک اس سے گفتگو نہیں کی تھی۔ کئی بار شائل نے اسے مخاطب کیا تھا لیکن جو بات کہی خاموشی سے سنتا رہا۔ گردن ہلائی اور چلا گیا۔ کبھی نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں تھا۔ کیا اس کی نگاہوں میں میری بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ شائل نے سوچا پھر اس نے دوسرا رخ اختیار کیا۔ اس نے منور کے لباس میں، اس کی ضروریات کی چیزوں میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ بے شمار تحائف خریدے اس کے لیے لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ ایک نیاز مندانہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ جاتی تھی اور بس۔

تب ایک شام اس نے منور کو روک لیا۔

''سنو منور!'' اور وہ ٹھٹک گیا لیکن نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

''میری طرف دیکھو۔''

''کوئی کام ہے مجھ سے؟''

''کم بخت کے لہجے میں اتنی خود اعتمادی ہے کہ دوسرا انسان خود کو اس سے ہیچ سمجھنے لگتا ہے۔'' شائل نے سوچا۔

''ہاں۔''

''فرمایئے۔''

''تم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''جی۔''

''بیٹھ جاؤ۔'' شائل نے کہا اور وہ بیٹھ گیا۔

''اس ماحول سے تمہارا دل نہیں اکتاتا؟''

''نہیں۔''

''کافی عرصہ ہو گیا تمہیں اپنی دنیا چھوڑے۔ اب اس دنیا کو چھوڑ کر یہ دنیا اپناؤ۔ میں بلکہ شاید کوئی بھی تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ دادا جان درویش منش ہیں لیکن ہمارے دلوں میں تمہارے لیے بہت سے سوالات ابھرتے ہیں۔''

''میں ماضی بھول چکا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''حال کو تو مت بھولو۔ یہاں انسان بستے ہیں خود کو انسانوں میں محسوس کرو۔ باہر

نکلو۔ دنیا دیکھو۔ بہت کچھ ہے اس دنیا میں۔ یہاں حسن و عشق کی چاشنی بھی ہے۔ گلرنگ فضا، مست کر دینے والی فضا میں پھول کھلتے ہیں، چڑیاں چہچہاتی ہیں۔ تم لوگوں کی چاہت سے دور نہیں ہو خود کو اپنوں میں محسوس کرو۔''

''آپ لوگ میرے لیے بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں آپ سب کے لیے جان دے سکتا ہوں۔''

''سب کی نہیں میری بات کرو منور! میں تمہیں چاہتی ہوں۔ میں تم سے بے پناہ محبت کرنے لگی ہوں۔ شاید اس وقت سے جب اس رات میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا تھا۔ میں محسوس نہیں کر سکی تھی منور! لیکن آج...... آج مجھے سب کچھ یاد آ رہا ہے۔ اب میں صبر نہیں کر سکتی منور! اور اب جبکہ میں نے اپنی زبان کھول لی ہے تو تمہیں میری لاج رکھنا ہوگی۔ سمجھے منور! تمہیں میری محبت کا جواب محبت سے دینا ہوگا۔''

''مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' اس نے بدستور سپاٹ آواز میں کہا۔

''میں...... میں تم سے شادی کروں گی۔ میں تمہاری آغوش میں آنا چاہتی ہوں منور! میں......'' شائل کو نجانے کیا ہو گیا۔ اس نے منور کے دونوں شانے پکڑ لیے اور اس سے لپٹنے کی کوشش کی۔ تب منور سکون سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے آہستگی سے خود کو شائل سے الگ کر دیا۔

''شاید اس گھر میں یہ پہلا کام ہے جو میں یہاں کے فرد کے حکم سے نہیں کر سکوں گا۔ میں نے یہاں پناہ لی ہے اور عبداللہ صاحب نے مجھے گناہ و ثواب کی بہت سی باتیں بتائی ہیں۔ آپ جو چاہتی ہیں وہ گناہ ہے۔ افسوس میں گناہ میں آپ کا شریک نہیں ہو سکتا۔ آپ آئندہ یہ خیال اپنے ذہن میں نہ لائیں۔''

''میں نے بہت سوچ سمجھ کر تم سے کہا ہے منور! اور میں تمہیں کہہ چکی ہوں کہ تمہیں میری لاج رکھنا ہوگی۔'' شائل غرائی۔

''میں آپ کی اس نادانی کے بارے میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔'' وہ بولا۔

''میں کسی کی پرواہ نہیں کرتی منور! تم جو ہو میں جانتی ہوں۔ تمہارے ہاتھوں میں آج بھی خون کی بو رچی ہوئی ہے اگر اپنا وقار چاہتے ہو تو ایک خون اور کر دو۔ منور! میری

گردن دبا دو۔ ورنہ بہت کچھ کھو بیٹھو گے۔ اتنا کچھ کھو بیٹھو گے کہ کبھی نہ پاؤ گے۔ میں عورت ہوں۔ مجھ سے بڑا دشمن تمہیں روئے زمین پر نہ ملے گا۔''

''میں دشمنوں کو خاطر میں لانے کا عادی نہیں ہوں۔'' اس نے کہا۔

''میں تمہارا سب کچھ برباد کر دوں گی منور! وہ سزا جو تمہیں قانون نہیں دے سکا، وہ میں دوں گی۔ تم مسلسل میری توہین کیے جا رہے ہو۔ میں یہ توہین برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا منور کہ تم مجھے اس حقارت سے ٹھکرا دو گے تو خدا کی قسم میں کبھی تم سے اپنے دل کا راز نہ کہتی۔ ساری عمر خاموش رہتی لیکن اب .... یہ راز زبان پر آ چکا ہے تو میں .... میں اپنی خواہشات کی تکمیل چاہتی ہوں۔ میں آج رات تمہارے پاس آؤں گی اور .... اور تم میری محبت کا جواب محبت سے دو گے ورنہ کل صبح ...... کل صبح ......'' شائل پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ اس کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں۔ منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔

''میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں کہ خود کو قابو میں رکھیں ورنہ نقصان آپ کا ہو گا۔'' منور نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ شائل اپنی انگلیاں چبانے لگی اور ان انگلیوں میں سے خون رسنے لگا۔ لیکن اسے تکلیف کا کوئی احساس نہیں تھا۔ بلاشبہ وحشت میں وہ منگل سنگھ سے کم نہیں تھی۔

اور رات کے پچھلے پہر جب تمام آرام گاہیں تاریک ہو گئیں تھی۔ وہ منور کی خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔ منور جاگ رہا تھا۔

''کیا تم میرا انتظار کر رہے تھے؟''

''ہاں۔'' اس نے جواب دیا۔ انداز میں وہی لاپرواہی تھی۔

''کیا فیصلہ کیا تم نے؟''

''یہی کہ آپ کو سمجھاؤں۔ میں اس گھر کے کسی فرد کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی مناسب حکم ہوتا تو آپ کے کام آ کر مجھے خوشی ہوتی۔ لیکن .... آپ .... یقین کریں شائل کہ ساری زندگی ....''

''کچھ نہیں سنوں گی منور! .... کچھ نہیں سننا چاہتی۔ میرے سامنے آؤ ...... مجھے

آغوش میں لو...... مجھے ...... مجھے ......''

''میرا خیال تھا آپ کی دیوانگی کچھ کم ہو گئی ہو گی۔'' وہ بولا۔

''تم عورت کو نہیں جانتے منور لیکن جان جاؤ گے۔'' وہ غرائی۔

''کچھ بھی ہو عبداللہ صاحب کا اعتماد مجروح نہ ہو گا۔ میں ہر خسارے کے لیے تیار ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں۔ اپنی انا، اپنی نسوانیت سب کچھ داؤ پر لگا کر تمہارے پاس آئی تھی۔ قصور تمہارا ہے۔ میری دیوانگی کی آگ کو اپنی محبت سے سرد کر دیتے پر تم آج بھی ڈاکو ہو۔ وحشی اور مغرور۔ لیکن آج میں تمہارا غرور توڑ دوں گی۔ تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے منور! تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے۔'' وہ طوفان کی مانند کمرے میں نکل آئی۔ اس کا وجود شعلوں کی زد میں تھا۔ ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے۔ وہ ارشد کے دروازے پر رکی اور اس نے ہولے ہولے کئی بار دستک دی اور ارشد نے دروازہ کھول دیا۔

''شائل۔'' اس کے منہ تحیر زدہ آواز نکلی اور شائل نے جلدی سے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ ارشاد عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نائٹ بلب کی روشنی میں شائل کے چہرے کی تمتماہٹ نے اسے پریشان کر دیا۔

''ارشد۔'' شائل کی آواز تیز سانسوں کے درمیان ابھری۔

''ہاں جان۔''

''میں خود کو تمہارے سپرد کرنے آئی ہوں۔ بولو مجھے قبول کرو گے۔ میں تمہاری ہر خواہش کی تکمیل کر دوں گی۔''

''شائل۔'' ارشد کی آواز سے خوشی ٹپک رہی تھی۔

''ہاں ارشد! لیکن تمہیں ایک ڈرامہ کرنا ہو گا۔ میرے ساتھ مل کر۔ بولو کرو گے؟''

''جان نچھاور کر دوں گا جان من! تم صرف ڈرامے کی بات کر رہی ہو۔ بات کیا ہے؟''

''میں آج اس مغرور ڈاکو کے چیتھڑے اڑانا چاہتی ہوں۔ میں نہ صرف اسے اس

گھر میں رسوا کرنا چاہتی ہوں بلکہ.......... بلکہ اسے گرفتار کروانے کی خواہشمند بھی ہوں۔ سمجھے اور اس کے لئے اس پر آبرو ریزی کا الزام لگاؤں گی۔ یہ ثبوت اس کے خلاف ہوگا اور تم......" اس کی آواز سرگوشیوں میں ڈوب گئی اور ارشد کے ہونٹوں پر شیطنت ابھر آئی۔

"تم جس طرح چاہو گی سب کچھ اسی طرح ہوگا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور کمرے کا دروازہ بند کرلیا۔

دوسری صبح تمام لوگ ناشتے کی میز پر پہنچ گئے لیکن شمائل نہیں پہنچی تھی۔ تب ظہیر صاحب نے ملازمہ سے اس کے بارے میں پوچھا۔

"دیکھو کیا کر رہی ہے بلا کر لاؤ۔" ظہیر صاحب نے کہا اور ملازمہ چلی گئی لیکن چند ساعت کے بعد جب وہ واپس آئی تو اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

"بی بی..........صاحب..........چھوٹی بی بی..........چھوٹی بی بی......!" اس کی دہشت بھری آواز ابھری اور سب اچھل کر کھڑے ہوگئے۔

"کیا بات ہے؟" ظہیر صاحب بدحواسی سے بولے اور پھر ملازمہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر شمائل کے کمرے کی طرف دوڑے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر داخل ہو گئے اور اندر داخل ہوکر انہوں نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر انہیں چکر آ گیا۔ شمائل کے ہاتھ کمر پر بندھے ہوئے تھے۔ منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ اس کے بدن پر لباس کا ایک تار بھی نہیں تھا جگہ جگہ خراشیں نظر آ رہی تھیں۔ یا تو وہ مر چکی تھی یا بے ہوش تھی۔ ظہیر صاحب نے دوسرے لمحے خود کو سنبھالا اور دروازے پر آ جمے۔ تمام لوگ پہنچ رہے تھے۔

"رک جاؤ۔ تم لوگ وہیں رک جاؤ۔" انہوں نے ڈوبتے الفاظ میں کہا اور اپنی بیگم کو اندر بلا کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ بیگم کی حالت بھی خراب ہوگئی تھی۔ بڑی مشکل سے ظہیر صاحب نے اسے سنبھالا اور دونوں نے مل کر شمائل کے منہ سے کپڑا نکالا، اس کے ہاتھ کھولے اور اسے لباس پہنایا۔ اس کی سانسیں اعتدال پر تھیں۔

"ڈاکٹر کو.......ڈاکٹر کو بلاؤ۔" بیگم نے لرزتی آواز میں کہا۔

"نہیں بیگم نہیں۔ وہ زندہ ہے۔ لیکن اس گھر میں......اس کے ساتھ یہ سب کچھ کس نے کیا اور باہر جو لوگ کھڑے ہیں انہیں کیا بتاؤں۔ آہ......کچھ چھپانا ناممکن ہے۔ بلالو سب کو بلالو۔"

اور چند ساعت بعد شمائل کے گرد تمام لوگ جمع تھے۔ اسے ہوش میں لانے کی ترکیبیں کی جا رہی تھیں۔ ظہیر صاحب نے کمرے کی پچوایشن اور شمائل کی حالت کے بارے میں سب کو بتا دیا تھا اور سب خاموش رہ گئے تھے۔ ہاں ابھی تک دادا جان کو اطلاع نہیں ملی تھی۔ وہ گھر کے باہر دوسرے حصے میں رہا کرتے تھے اور منور بھی ان سے چند گز دور کمرے میں تھا۔ وہ لوگ عام طور سے گھر والوں کے مشاغل میں شریک نہیں رہتے تھے۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد شمائل کو ہوش آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت تھی اور پھر اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی۔

"ڈاکو.....ڈاکو.....آہ ڈاکو....." اور پھر وہ مسلسل ڈاکو ڈاکو چیختی رہی۔ سب اسے تسلیاں دینے لگے تھے۔

"ڈاکو......" ظہیر صاحب نے تعجب سے کہا۔

"کیا گھر میں ڈاکہ بھی پڑا ہے؟"

"ماموں جان۔" ارشد کی گھمبیر آواز ابھری۔

"براہ کرم اس طرف آیئے میرے ساتھ براہ کرم۔" اور ظہیر صاحب دوسروں کے قریب سے ہٹ گئے۔ پھر اس نے کہا۔

"ماموں جان ہم سب اپنی شرافت اور نیکیوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ میں ان چیخوں اور تکرار کا مطلب سمجھ گیا ہوں۔" اس نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"دادا جان! ہمارے لیے جس قدر قابل احترام ہیں، اس کے تحت ہماری مجرمانہ خاموشی قابل معافی ہے۔ ان سے ہم نے وعدہ کیا تھا کہ منور کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔ لیکن آج......جو کچھ ہوا ہے وہ غیر متوقع تھا ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے.."

"منور؟" ظہیر صاحب چونک پڑے۔

"ہاں۔ وہ ایک خطرناک ڈاکو ہے۔ ڈاکو منگل سنگھ کا نائب۔" اور ارشد نے انہیں شروع سے آج تک کی تفصیل بتا دی۔ ظہیر صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ ہیجانی کیفیت کا شکار ہو گئے تھے۔ پھر انہوں نے تمام لوگوں کو شمائل کے کمرے سے نکال دیا اور شمائل کو دلاسہ دینے لگے۔

"تمہارے ساتھ یہ زیادتی کس نے کی...... شمائل! بتاؤ یہ زیادتی کس نے کی؟"

"منور...... ڈاکو منور......" شمائل نے کہا اور دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر سسکیاں لینے لگی۔ ظہیر صاحب سلگتا وجود لے کر کھڑے ہو گئے۔ پھر وہ خاموشی سے باہر نکل آئے۔ ان کا رخ دادا جان کی رہائش گاہ کی جانب تھا۔ ارشد ان کے پیچھے ہولیا۔ دادا جان منور کے ساتھ بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ ظہیر صاحب آندھی اور طوفان کی طرح اندر داخل ہوئے اور منور پر پل پڑے۔ انہوں نے اسے گھسیٹ کر نیچے گرایا اور پھر اس کے سینے پر چڑھ کر اسے پوری قوت سے مارنے لگے۔

"ارے ارے ارے۔" دادا جان کے منہ سے صرف یہ آوازیں نکل رہی تھیں۔ پھر وہ اٹھے اور اپنے کمزور ہاتھوں سے ظہیر صاحب کو منور پر سے اٹھانے لگے۔ منور بے چارہ خاموشی سے مار کھا رہا تھا۔ اس کے ہونٹ پھٹ گئے، نکسیر پھوٹ گئی اور خون بہنے لگا تھا۔

"ظہیر۔ ہٹ جا ظہیر! ورنہ...... ورنہ......!" دادا جان چیخے اور اسی وقت منور نے زمین پر دونوں ہاتھ لگائے اور ظہیر صاحب کو لئے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے بدن میں جھرجھری سی آئی تھی۔ اس نے ظہیر صاحب کے ہاتھ پکڑ لیے اور ظہیر صاحب کو اپنی کلائیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ منور ایک دیو کی مانند ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"عبداللہ صاحب کی بات سنو۔" اس کی آواز میں گرج تھی۔

"کیا بات ہے ظہیر، کیا جنون چڑھا ہے تجھے، پاگل ہوا ہے کیا؟"

"ابا میاں! ابا میاں! آپ کی نیک نفسی نے ہمیں تاریک کر دیا۔ اس نے...... اس

نے شمائل کی آبروریزی کی ہے اس نے...... اس نے...... حق نمک ادا کیا ہے۔"

"بکواس...... غلط...... بالکل غلط۔" دادا میاں چیخے۔ منور نے ظہیر صاحب کی کلائیاں چھوڑ دی تھیں۔ پھر پیچھے ہٹ کر اپنے چہرے کا خون صاف کرنے لگا تھا۔

"پوچھئے اس سے...... پوچھئے' ابا میاں اس سے...... آپ کا احترام ہمیں لے ڈوبا۔"

"منور...... منور...... بول...... یہ کیا کہہ رہا ہے۔ جواب دے منور۔" دادا میاں پلٹے اور منور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خدا سے پوچھئے عبداللہ صاحب! میں کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ ہی تو کہتے ہیں کہ خدا بے وجود نہیں ہے۔ میں نہیں بولوں گا۔ خدا سے پوچھئے...... بس خدا ہی جواب دے گا۔" منور کی آواز میں پھر غراہٹ بلند ہو گئی۔

"یہاں سے نکل جا ظہیر۔ اگر ایسا کوئی واقعہ ہوا ہے تو شمائل سے پوچھ۔ اصلی مجرم کو تلاش کر منور بے گناہ ہے۔ باہر نکل جا۔"

"میں اگر باہر نکل گیا ابا جان تو اس گھر کی عزت کا جنازہ بھی نکل جائے گا۔ سمجھے آپ۔"

"کچھ بھی ہو جائے منور بے گناہ ہے۔ میں جانتا ہوں خدا جانتا ہے۔" دادا جان غضب ناک آواز میں بولے۔

"اچھی بات ہے فیصلہ ہو کر رہے گا۔" ظہیر صاحب پر بھی جنون سوار ہو گیا اور وہ کمرے سے باہر نکل گئے۔ کمرے کا دروازہ وہ باہر سے بند کر گئے تھے۔ پھر پولیس آئی اور منور کو گرفتار کر کے لے گئی۔ ہسپتال سے شمائل کی بھی رپورٹ حاصل کی گئی۔ شمائل نے بیان دیا کہ منور دھوکے سے اس کے کمرے میں گھس آیا تھا اور وہ اس قوی ہیکل ڈاکو سے نہ نمٹ سکی۔ ارشد نے بیان دیا کہ منور منگل سنگھ کا نائب تھا۔ اس نے پوری تفصیل بتا دی اور پورا گھر مسائل کا شکار ہو گیا۔

جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میں اسے پورا ایک ماہ گزر چکا تھا۔ اس کے پورے بدن پر لاتعداد زخم تھے۔ عجیب ہنگامے جاری تھے۔ اسے دوبارہ عدالت میں پیش کیا جاچکا

تھا۔ آبروریزی کا مقدمہ تو قائم ہی تھا لیکن زخم اس لیے لگائے گئے تھے کہ وہ منگل سنگھ کے ٹھکانے بتادے۔ نجانے کہاں کہاں سے پولیس افسر آئے اور اس سے منگل سنگھ کا پتہ پوچھنے کے لئے اس پر مشق ستم کرتے رہے لیکن اسے منگل سنگھ کے شانے سے بہتا ہوا خون یاد تھا اس کے الفاظ یاد تھے۔

''ایک ایک قطرے کی قیمت وصول کریں گے تجھ سے سسرے! ایک ایک قطرے کی۔'' اور وہ اس خون کی قیمت ادا کر رہا تھا۔ ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا منگل سنگھ کے بارے میں اس کے منہ سے۔ شہر کے تمام اخبارات کا موضوع وہی تھا۔ ظہیر صاحب کا گھرانہ بدنام ہو کر رہ گیا تھا۔ پولیس نے ان لوگوں کو بھی خوب ہی پریشان کیا تھا۔ بہرحال ابھی تک پولیس اس سے منگل سنگھ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم کر سکتی تھی۔

تب ایک شام کچھ نئے قیدی جیل میں آئے اور انہیں بند کر دیا گیا۔ رات کے آخری پہر اچانک جیل میں خوفناک دھماکے ہونے لگے۔ ہینڈ گرینڈ اور اسٹین گنوں کا استعمال ہو رہا تھا۔ منور بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دفعتہ اس کی کوٹھری کا دروازہ کھلا اور کچھ لوگ اندر گھس آئے۔

''آؤ منور۔'' ایک آواز ابھری اور یہ آواز منور کے لیے اجنبی تھی۔ ''سوچنے کا وقت نہیں ہے آؤ۔'' کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور وہ اس کے ساتھ چل پڑا۔ کئی جگہ ان لوگوں نے گولیاں چلائی تھیں اور پھر وہ ایک دیوار کے قریب پہنچ گئے۔ جسے بموں سے توڑا گیا تھا۔ باہر ایک گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ منور کو اس گاڑی میں بٹھایا گیا اور گاڑی اسٹارٹ ہو کر چل پڑی۔ منور کو کوئی اندازہ نہیں تھا کہ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے اور اسے لے جانے والے کون ہیں۔ جس عمارت میں اسے لے جایا گیا تھا وہ بہت خوبصورت تھی۔ چمکدار شفاف فرش...... طول وطویل عمارت...... اس عمارت کے ایک کمرے میں لے جا کر اسے چھوڑ دیا گیا۔ پھر ایک ڈاکٹر آیا اور اس نے منور کے زخموں کو دیکھ کر مرہم پٹی کی اور اسے دوا انجکشن بھی لگائے۔

''اب تم آرام سے سو جاؤ۔ تمہیں نیند آ جائے گی۔'' اور منور کو نیند آ گئی۔

خوب گہری نیند سویا وہ اور دوسری صبح جب وہ جاگا تو اسے ایک شکل نظر آئی۔ سفید

لباس میں ملبوس سفید صورت۔ سادہ سے نقوش اور بڑی بڑی ہموار آنکھوں والی جو اسے جاگتے دیکھ کر مسکرا پڑی تھی۔

''کیسے ہو تم؟'' اس نے پوچھا۔

''ٹھیک۔ لیکن تم......''

''نرس ہوں۔ تمہاری خدمت پر مامور کی گئی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''نرس!'' اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا اور اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔

''اوہ نہیں ڈاکٹر نے ہدایت کی ہے کہ تمہیں اٹھنے نہ دیا جائے۔ ٹھہرو، میں تمہارے ہاتھ منہ دھونے کا بندوبست کرتی ہوں۔'' اس نے کہا اور پھر ایک طرف چلی گئی۔ منور بے تاثر سی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نرس برتن لیے واپس آ گئی اور پھر اس نے کپڑا گیلا کر کے منور کا چہرہ صاف کیا، اسے کلی کرائی اور اس کے بعد پھلوں کا رس لے آئی۔

''اسے پی لو۔ یہ تمہارا ناشتہ ہے۔'' نجانے کیوں منور کو یہ پیار بھرا تحکمانہ انداز بہت اچھا لگا۔ اس کی کسی اجنبی حس کو سکون مل رہا تھا۔ وہ بچوں کی طرح اس کی ہدایت پر عمل کرتا رہا اور نرس مسکراتی رہی۔ دوپہر کو اس نے کھانا بھی منور کو اپنے ہاتھوں سے کھلایا۔ جو سادہ سی چیزوں پر مشتمل تھا۔ پھر ڈاکٹر نے آ کر اسے دیکھا اور ایک اور انجکشن دے کر چلا گیا۔ نرس بھی اس کے پاس موجود تھی۔ اس دوران اس نے کوئی غیر ضروری گفتگو نہیں کی تھی۔ وہ انوکھی لذت محسوس کر رہا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی اس پر۔ دن گزرا، رات آ گئی پھر دوسرا دن اور دوسری رات اس دوران نرس اور ڈاکٹر کے علاوہ کوئی اور اس کے پاس نہیں آیا تھا۔ نرس اس کی پوری دیکھ بھال کر رہی تھی۔

تیسرے دن اس کی حالت بہت بہتر ہو گئی۔ جیل کی اذیتوں کے زخم خشک ہونے لگے تو پہلی بار اس نے نرس سے پوچھا۔ ''مجھے کب تک یہاں رہنا ہو گا؟''

''ابھی تو شاید کافی دنوں تک۔ اول تو تمہارے زخم خشک ہونا ضروری ہیں۔ پھر پولیس چپے چپے پر تمہیں تلاش کر رہی ہے۔''

''میرے ہمدرد کون ہیں یہ بات مجھے ابھی تک نہیں معلوم ہو سکی۔''

''تم نے پوچھی ہی نہیں تھی۔''

"بتانا پسند کرو گی؟"

"کیوں نہیں۔ کشنو جی! اکثر تمہاری خیریت پوچھتے رہتے ہیں۔ اپنی مصروفیات کی وجہ سے وہ تم سے ملاقات کے لئے نہیں آئے۔"

"کشنو جی کون ہیں؟"

"اس گروہ کے سربراہ۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"گروہ؟" وہ تعجب سے بولا۔

"ارے ہاں۔ تمہیں تو گروہ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ جس طرح منگل سنگھ کا گروہ ہے۔ اسی طرح کشنو جی کا بھی گروہ ہے۔ دونوں کا ایک ہی کام ہے۔"

"اوہ۔ تو کیا وہ بھی ڈاکے ڈالتے ہیں؟"

"گھوڑوں پر بیٹھ کر بستیاں نہیں لوٹتے۔ شہر میں بینک لوٹے جاتے ہیں۔ اسمگلنگ اور بلیک مارکیٹنگ ہوتی ہے۔ بلیک میلنگ بھی کی جاتی ہے۔ اور نشہ آور ادویات بھی فروخت کی جاتی ہیں۔ کشنو جی! کا گروہ یہ کام کرتا ہے۔"

"اور مجھے جیل سے نکال کر کیوں لایا گیا ہے؟" منور نے گھبرا کر پوچھا۔

"منگل سنگھ کی درخواست پر۔ منگل سنگھ تمہاری تلاش میں یہاں آئے تھے۔ اور سردار، سرداروں کے دوست ہوتے ہیں۔ کشنو جی نے ان کی خواہش پر جیل توڑی تھی لیکن چونکہ شہر میں پولیس چوکس ہے۔ اس لیے ابھی تک تمہیں یہاں سے نکالا نہیں جا سکتا۔"

"منگل سنگھ کہاں ہیں؟"

"واپس چلے گئے ہیں لیکن حالات ٹھیک ہوتے ہی تمہیں لینے آئیں گے۔"

"میں ...... میں اب منگل سنگھ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ میں اب اس قابل نہیں ہوں۔ خدا کی قسم! میں نہیں جاؤں گا مجھے اب ان ساری باتوں سے نفرت ہے۔ میں اب منگل سنگھ کے لیے بیکار ہوں۔ میں اب ڈاکے نہیں ڈالوں گا۔"

"کیوں؟" نرس نے تعجب سے پوچھا۔

"تم نہیں سمجھو گی۔ آہ۔ تم نہیں سمجھ سکتیں۔ میں تو ایک دیہاتی لڑکا ہوں۔ میں صوفی عظمت اللہ کا بیٹا ہوں۔ میں تو مجبوریوں کا شکار ہو گیا تھا ورنہ...... مجھے لوٹ مار اور

وحشت و بربریت سے نفرت ہے۔ آہ اب میں کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ منگل سنگھ کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ وہ اب میرے لیے بیکار کوشش کر رہا ہے۔ میں ...... میں ...... جو کچھ کر چکا ہوں اس کا کفارہ ساری زندگی نہیں ادا کر سکتا۔ آہ۔ نرس میری مدد کرو۔ خدا کے لیے میری مدد کرو مجھے اب ان وحشیوں کے درمیان نہ جانے دو۔"

"لیکن تم نے منگل سنگھ کو بچانے کے لیے اتنے زخم کھائے ہیں۔"

"وہ ایک قرض تھا۔ ان احسانات کا قرض جو منگل سنگھ نے مجھ پر کیے تھے۔ اگر وہ میری گردن کاٹ ڈالتے تب بھی میں منگل سنگھ کے بارے میں نہ بتاتا۔ لیکن ذاتی طور پر اب میں منگل سنگھ کے کام کا بھی نہیں ہوں۔"

نرس کے ذہن میں گرج ہو رہی تھی۔ اس کا دل بھر آیا تھا۔ ایک گولا سا اس کے حلق میں آ رہا تھا۔ بمشکل اس نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔ "تو اب تم کیا چاہتے ہو؟"

"مجھے خاموشی سے یہاں سے نکل جانے دو۔ زمین کے کسی گوشے میں جا کر موت کا انتظار کروں گا لیکن اب کسی قیمت پر میں وحشت کی زندگی میں واپس نہیں جاؤں گا۔"

"میں تمہاری مدد کروں گی منور! لیکن پولیس.........."

"میں خود کو تقدیر کے حوالے کر دوں گا۔ تقدیر میرے لیے جو فیصلہ کرے۔"

"تب پھر وقت کا انتظار کرو۔" نرس کی آواز ابھری۔

"وعدہ نرس؟"

"ہاں وعدہ۔" نرس کی آواز میں ایک انوکھا عزم تھا۔

❁ ‹‹‹ ❁ ❁ ‹‹‹ ❁

رات کے تین بجے تھے جب وہ اسٹیشن پہنچے۔ نرس منور کو عمارت کی عقبی کھڑکی سے اتار کر باہر لائی تھی۔ اس کے پاس ایک لباس بھی تھا جو اس نے منور کو پہننے کے لیے دیا تھا۔ ایک تاریک گوشے میں منور نے وہ لباس پہن لیا۔ نرس نے اپنے ہاتھوں سے اسے دیہاتی قسم کی پگڑی پہنائی اور پھر وہ وہاں سے چل پڑے۔ روشنی میں منور نے نرس کو بغور دیکھا۔ اب تک اس نے اس کے لباس پر توجہ نہیں دی تھی۔ وہ بھی ایک دیہاتی لباس میں ملبوس تھی۔ بڑی بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ پونے چار بجے ٹرین آئی اور نرس اس کے ساتھ

ہی کمپارٹمنٹ میں سوار ہوگئی۔ دونوں ایک کونے میں سمٹ کر بیٹھ گئے۔ عام طور سے لوگ سو رہے تھے۔ جو جاگ رہے تھے وہ بھی اونگھ ضرور رہے تھے۔ ریل چل پڑی تو منور نے تعجب سے نرس کو دیکھا۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟" اس نے پہلی بار سوال کیا۔

"فی الوقت تمہارے ساتھ' لیکن بے فکر رہو میں تمہارے اوپر بار نہیں بنوں گی۔"

"تم نے اپنے گروہ کے ساتھ غداری کی ہے نا......میں جانتا ہوں میری وجہ سے وہ تمہارے دشمن بن جائیں گے۔"

"ہاں لیکن تمہیں بچانا ضروری تھا۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"میری وجہ سے تم نے یہ مصیبت مول لی ہے۔ مجھے افسوس ہے۔"

"نہیں منور! تمہاری وجہ سے تو میرے دل میں ایمان جاگا ہے۔ تمہیں دیکھ کر تو میرے ذہن میں برائیوں سے بچنے کا خیال آیا ہے۔ ورنہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ تم نے آج تک میرا نام نہیں پوچھا۔ میں خود بتاتی ہوں۔ میرا نام نگہت ہے۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی بستی میں رہتی تھی۔ باپ کے انتقال کے بعد زندگی بوجھ بن گئی اور چھوٹے بہن بھائی اور ماں کی کفالت کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ بڑی کوشش کی ہم نے کہ بستی ہی میں کوئی سہارا پیدا ہو جائے لیکن کوئی سبیل نہ ہو سکی۔ پھر کچھ جاننے والوں کی مدد سے یہاں آ گئی۔ خیال تھا کہ کسی گھر میں نوکری کروں گی اور ماں اور بہن بھائی کی کفالت کروں گی۔ نوکریاں بہت ملیں لیکن عزت داؤ پر لگ جاتی تھی۔ کہاں کہاں سے نوکری چھوڑتی۔ پھر کچھ برے لوگوں کے ہاتھ لگ گئی۔ یہاں عزت خطرے میں نہیں تھی لیکن دوسری برائیاں تھیں۔ غنیمت جانی اور آہستہ آہستہ گروہ میں مقبول ہوگئی۔ کشنو جی کو میرے اوپر بھروسہ ہو گیا اور اہم کام میرے سپرد کیے جاتے تھے۔ اب ماں آرام سے رہتی تھی۔ چھوٹے بہن بھائی سکون سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ معقول رقم بھیجتی ہوں انہیں ہر ماہ۔ لیکن تمہارے عزم نے دل دکھا دیا۔ میں بھی تو بروں کے ساتھ ہوں۔ وہ ہر گناہ کرتے ہیں چنانچہ تمہارے ساتھ میں نے بھی انہیں چھوڑ دیا۔ اب اپنی ماں کے ساتھ رہوں گی۔ برا وقت ٹل گیا ہے۔ بستی ہی میں کچھ کروں گی۔ اب اتنی مشکلات نہ ہوں گی۔ اب میں تمہیں بھی

پیشکش کرتی ہوں منور! کہاں بھٹکتے پھرو گے۔ میرے ساتھ چلو۔ میں وعدہ کرتی ہوں تمہارے لیے دردسر نہ بنوں گی۔"

منور نے گردن جھکا دی۔ نگہت بھی اس کی طرح زمانہ کا شکار تھی۔ وہ بھی قابل رحم لڑکی تھی۔ ایک اور سہارا مل رہا تھا۔ کیا یہ مناسب رہے گا، کیوں نہ اس سہارے کو قبول کر لیا جائے! میں ان لوگوں کی مدد کروں گا۔ میں انہیں زمانے کا شکار ہونے سے بچاؤں گا۔ ممکن ہے خدا میری کسی نیکی کے عوض میرے گناہوں کو معاف کر دے۔

چھوٹی سی بستی کا چھوٹا سا مکان آسودگی کا مظہر تھا۔ نگہت کی بوڑھی ماں نہال ہوگئی تھی۔ ان کے بہن بھائی خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے۔ انہوں نے اسے کسی اپنے ہی کی مانند قبول کر لیا تھا۔ بڑی اپنائیت تھی ان سب کے انداز میں۔ منور کو یہاں بے حد سکون ملا۔ نگہت یکسر بدل گئی تھی۔ اب اس کے اندر ایک مشرقی لڑکی کی حیا نظر آتی تھی۔ منور سے گفتگو کرتے وقت وہ نیچی نگاہ رکھتی تھی۔ کئی بار منور نے ان نیچی نگاہوں کو محسوس کیا تھا اور اسے نگہت کی یہ مشرقیت پسند آئی تھی۔ نگہت کے کسی بھی انداز سے کوئی ہلکا پن نمایاں نہیں تھا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد نگہت کو یہ فکر لاحق ہوگئی کہ کچھ کرنا چاہیے۔ ورنہ جو کچھ ہے ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد...... منور نے ایک دوبار یہ گفتگو سنی اور سوچ میں ڈوب گیا۔

بستی سے کچھ میل دور ایک تیل کا کارخانہ تھا۔ بستی کے بہت سے نوجوانوں کو وہاں سے روزگار مل چکا تھا۔ چنانچہ منور وہاں کوشش کرنے لگا...... اور چند روز کے بعد اسے کارخانے میں نوکری مل گئی۔ جس دن اسے نوکری ملی وہ خوشی سے کھل گیا اور پھر اس شام اس نے نگہت کی ماں سے' جسے اب وہ خود بھی امی کہتا تھا۔ کہا:

"مجھے نوکری مل گئی ہے امی اب آپ لوگوں کو گھر کے بارے میں فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کہاں نوکری مل گئی ہے؟"

"تیل صاف کرنے کے کارخانے میں۔ یہاں سے بہت سے لوگ جاتے ہیں۔ میں صبح کو جاؤں گا اور شام کو واپس آ جایا کروں گا۔"

"خدا نے تمہیں اس محبت اور اپنائیت کا اجر دے گا بیٹے! لیکن...... اچھا نہیں لگے گا کہ تم محنت کرو اور ہم کھائیں۔ کیا اس کارخانے میں نگہت کے لیے کوئی جگہ نہیں نکل سکتی؟"

"میں موجود ہوں امی تو نگہت کو نوکری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب یہ فیروز بڑا ہو جائے گا تو ہم دونوں کمایا کریں گے۔" اس نے کہا اور اس کے ان الفاظ پر امی سسک سسک کر رو پڑیں۔ اس اپنائیت پر ان کا دل بھر آیا تھا۔

چنانچہ منور نوکری پر جانے لگا۔ اسے اس بستی میں تین ماہ ہو چکے تھے اور اب اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اسے زندگی کی آخری منزل مل گئی ہو۔ پھر ایک دن امی نے دبی زبان سے کہا۔

"جو کچھ میں کہنے جا رہی ہوں بیٹے وہ مجھے تمہاری نگاہوں میں رسوا کر سکتا ہے۔ لیکن خدا شاہد ہے کہ ان الفاظ میں ایک ماں کی مجبوریاں بھی ہوتی ہیں۔ نگہت جوان ہے اور میری آرزو ہے کہ وہ بھی...... وہ بھی زندگی کی اس منزل میں قدم رکھے جو ہر لڑکی کا حق ہوتی ہے۔ میری نگاہوں میں تم سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ کیا تم نگہت کو اپنی ذات کے لیے منتخب کر سکتے ہو؟ کیا تم اس سے شادی کر سکتے ہو منور!"

منور دنگ رہ گیا تھا۔ اس نے خواب میں بھی یہ نہ سوچا تھا۔ اب سوچا اور محسوس کیا کہ اس کے زندگی کی راہ میں اگر نگہت شریک سفر ہو تو کیا حرج ہے۔ اس چھوٹے سے خاندان کے سوا اس دنیا میں اور کیا رہ گیا ہے؟ چنانچہ دوسرے دن اس نے امی کے سامنے اقرار کر لیا۔

"میرا آپ کے سوا اور کون ہے امی! میں ہمیشہ آپ کے قدموں میں رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے آپ کی تجویز منظور ہے۔"

اس رات امی تمام رات شکرانے کے نفل پڑھتی رہی تھیں۔ نگہت کئی بار اس کے سامنے آئی اور منور نے اس کے چہرے پر خوشی کے رنگ محسوس کیے۔ مسکراہٹ اس کے لبوں سے چپکی ہوئی تھی لیکن منور اس سے گفتگو کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ خود اس کے دل کے ویرانے اب نگہت سے آباد ہو گئے تھے۔

امی ہلکے پھلکے انداز میں نگہت کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئیں۔ سب ہی لوگ خوش تھے۔

ایک شام جب منور گھر میں داخل ہوا تو کوئی اس کے لیے چشم براہ نہیں تھا۔ ہاں برآمدے میں ننھے فیروز کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس سے کچھ آگے معصوم فرحت سر بریدہ موجود تھی اور اندر کمرے میں امی اور نگہت کی لاشیں موجود تھیں۔ منور پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا کہ کمرے کے تاریک گوشوں سے پانچ آدمی باہر نکل آئے۔ سب سے آگے ایک لمبے بالوں والا جوان آدمی تھا۔ جس کی خونخوار آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔

"میرا نام کشنو ہے جوان! اور کشنو سے غداری کرنے والے کبھی نہیں جیتے۔ یہ اپنے ساتھ اپنے خاندان کی تباہی بھی لے آئی۔ مجھ سے بھاگ کر کہاں چھپ سکتی تھی؟" کشنو نے حقارت سے نگہت کی لاش کی طرف دیکھا اور منور کی آنکھوں میں آگ جلنے لگی۔ اس کے اندر وحشت جاگ رہی تھی۔ اس کی سوئی ہوئی آگ کو کرید دیا گیا تھا۔

"مگر تو نے منگل سنگھ سے غداری کیوں کی؟ وہ تو تجھے بہت چاہتا ہے۔ پاگل ہو رہا ہے تیرے لیے۔ پرانی دوستی چھوڑ دی اس نے تیرے لیے اور مجھ سے دشمنی پر آمادہ ہو گیا۔ ایک مہینے کی آخری مہلت دی ہے اس نے مجھے کہ تجھے ڈھونڈ نکالوں۔ ورنہ...... خیر...... تو مل ہی گیا۔ میرے ساتھ چل منور! عورتوں کی تیرے لئے کیا کمی۔ لائن لگا دوں گا۔ چل میرے یار!...... ایک لونڈیا کے لیے سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔"

"کشنو۔" منور کے منہ سے دہاڑ نکلی اور دوسرے لمحے اس نے کشنو کو اٹھا کر دیوار سے دے مارا۔ کشنو کا سر پھٹ گیا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو منور اس کی طرف پھر لپکا۔ لیکن اسی وقت کشنو کے چاروں ساتھی اس پر ٹوٹ پڑے۔ منور وحشی ہو رہا تھا۔ اس نے ان میں سے ایک کی گردن پکڑ لی اور اس وقت تک دباتا رہا جب تک اس کی آنکھیں اور زبان باہر نہ نکل آئیں۔ دوسرے تین آدمی اسے بری طرح مار رہے تھے لیکن وہ اپنے آدمی کو نہ بچا سکے اور جب وہ مر گیا تو منور دوسرے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کا وحشی وجود اب کسی انسان کے بس کا نہیں تھا۔ کشنو اپنا سر پکڑے ہوئے آہستہ آہستہ دروازے کی

طرف کھسک رہا تھا اور اس کے تینوں ساتھی زندگی اور موت کی کشمکش میں گرفتار تھے۔ پھر ان میں ایک اور کم ہو گیا۔ منور نے پہلے اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں اور پھر اس کے چاروں ہاتھ پاؤں توڑ کر اسے تڑپنے کے لیے چھوڑ دیا۔ باقی دو بھاگ جانے کی فکر میں تھے لیکن منور نے انہیں نکلنے نہ دیا۔ اس نے دونوں کی گردنیں دبوچ لیں اور انہیں اس وقت تک دیوار سے مارتا رہا۔ جب تک ان کے بھیجے نہ نکل پڑے۔ تب وہ کشنو کی طرف متوجہ ہوا۔ لیکن اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کشنو نکل چکا تھا۔

"خدا کی قسم کشنو میں تجھے زمین کی گہرائیوں میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔" منور دروازے کی طرف لپکا لیکن کشنو کا اب وہاں کوئی نشان نہیں تھا۔

"نہیں چھوڑوں گا کشنو! کبھی نہیں چھوڑوں گا۔" منور کے حلق سے دہاڑیں نکل رہی تھیں۔ وہ دوبارہ اندر آ گیا اور اس نے نگہت کے لاش نزدیک بیٹھ کر اس کا سر اٹھایا اور گود میں رکھ لیا۔ دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور خاموشی سے باہر نکل آیا۔

کشنو کا گروہ معمولی نہیں تھا لیکن وہ اندھیرے کے اس تیر کو کس طرح روکتے جو رات کی تاریکیوں اور دن کے اجالوں میں نمودار ہوتا تھا اور قتل و غارت گری کر کے اس طرح نکل جاتا تھا جیسے صابن سے تار۔ گروہ میں ابتری پھیل گئی تھی۔ اب تک تیس آدمی ہلاک ہو چکے تھے۔ اور کشنو کے لوگ گروہ چھوڑ کر محفوظ مقامات پر بھاگ گئے تھے۔ خود کشنو کے حواس گم تھے۔ اس پر دوطرفہ مصیبت نازل ہوئی تھی۔ ایک طرف منگل سنگھ تھا دوسری طرف اس کی جان کا دشمن منور! منگل سنگھ سے اس کی جھڑپ بھی ہو گئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ منگل سنگھ کسی طرح منور کو روکے ورنہ وہ پولیس سے مدد لے گا۔ بہرحال وہ چھپتا پھر رہا تھا۔ اس کے سارے کاروبار بند پڑے تھے اور ایک عجیب سا ہراس پھیلا ہوا تھا۔ زندگی کشنو پر عذاب ہو کر رہ گئی تھی۔ بالآخر وہ مجبور ہو کر پولیس کی پناہ میں پہنچ گیا۔ اس نے مناسب ردوبدل کر کے تمام الزامات منگل سنگھ پر ڈال کر پوری کہانی پولیس افسران کے گوش گزار کر دی۔ اعلیٰ افسران سے اس کے گہرے تعلقات تھے۔ چنانچہ اس سے کہا گیا کہ اس کی پوری حفاظت کی جائے گی بشرطیکہ وہ منگل سنگھ کو گرفتار کرا دے اور

کشنو نے پولیس کو منگل سنگھ کے اڈے کی اطلاع دے دی۔ چنانچہ اعلیٰ پیمانے پر پولیس کی کئی جماعتیں تیار ہو کر منگل سنگھ کو گرفتار کرنے چل پڑیں۔ اخبارات میں منور کی پوری کہانی چھپ رہی تھی اور جو اس کہانی کے کسی منظر سے وابستہ تھے، اسے پڑھ کر انگشت بدنداں تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو موت کے خونی ہاتھ اپنی گردن کے گرد محسوس کر رہے تھے اور اس خوف کا شکار ہو گئے تھے کہ اب جب منور اپنی پرانی زندگی میں واپس لوٹ گیا ہے تو کشنو کے بعد ان کی باری بھی آئے گی۔

منور کی گرفتاری کے لیے پولیس دن رات سرگرداں تھی لیکن ابھی تک نام و نشان نہ پا سکی تھی۔ ہاں اس دوران منور نے کشنو کے گروہ کے چند اور افراد کو قتل کر دیا تھا اور انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال رہا تھا۔ ان حالات سے کشنو بری طرح نروس ہو گیا۔ حالانکہ بذات خود وہ بھی دلیر انسان تھا لیکن منور کی درندگی سے وہ لرز گیا تھا اور پھر اس سے واسطہ بھی پڑ چکا تھا۔ سر میں بارہ ٹانکے لگے ہوئے تھے اور ابھی تک حالت درست نہیں ہوئی تھی۔ نجانے کیوں اسے احساس ہونے لگا تھا کہ پولیس اس کی حفاظت نہیں کر سکے گی۔ اسے خود ہی اپنا بندوبست کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس شہر کی نواحی بستی میں وہ اپنے گھر چلا گیا۔ اس گھر کے بارے میں صرف چند ہی لوگوں کو معلوم تھا اور کشنو کو یقین تھا کہ منور یہاں نہیں پہنچ سکے گا۔ یہاں آنے کی اطلاع بھی کسی کو نہیں تھی اور کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کشنو کی پناہ گاہ کہاں پر ہے۔

پندرہ دن گزر گئے۔ کشنو کی حالت بہتر ہوتی گئی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ چند ماہ گھر سے باہر قدم ہی نہیں نکالے گا۔ وہ اس پر عمل پیرا تھا لیکن سولہویں دن کی شام کے جھٹپٹے میں جب اس کی ماں بھگوان کے چرنوں میں بیٹھی پوجا کر رہی تھی اور وہ کھڑکی میں کھڑا آسمان پر چھانے والے اندھیرے کو گھور رہا تھا۔ اچانک عقب میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا اور اس کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ منور یہاں نہیں پہنچ سکتا، یہ صرف اس کا وہم ہے لیکن منور وہم نہیں حقیقت تھا۔ اس کے خوبصورت چہرے پر خون کی سرخی چھائی ہوئی تھی۔

"منور!" نجانے کس طرح اس کی آواز نکلی۔

میں نے قسم کھائی تھی کشنو کہ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تو نے مجھ سے جینے کا آخری سہارا بھی چھین لیا۔ میں نے کبھی برائی پسند نہیں کی تھی۔ میرا دل تو برائی کو قبول ہی نہیں کرتا تھا۔ جو کچھ کیا دوسروں نے کیا۔ انسان اپنی مجبوریاں کہاں تک ٹالے۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑ سکتا کشنو!" منور نے اپنا لمبا چاقو کھول لیا اور کشنو کی آنکھوں میں موت ناچنے لگی اور جب منور نے اسے نیچے گرایا تو وہ کسی بے جان پتلے کی طرح گر پڑا۔ اس کے اعضاء جواب دے گئے تھے لیکن اسی وقت عقب سے ایک بپھری ہوئی آواز سنائی دی۔

"ٹھہرو...... پاپی...... ٹھہرو...... خبردار چاقو اس کے بدن کو لگایا تو میں...... میں اپنی آنکھیں جلالوں گی۔ میں اپنی......" اور منور پلٹ پڑا۔ سفید دھوتی باندھے ایک معمر عورت کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں تھال تھا جس میں گھی کے چراغ جل رہے تھے۔

"کون ہو تم؟" منور کی سرد غراہٹ ابھری۔

"ماں ہوں اس کی اور جب تک ماں زندہ ہے اس کا پوت نہیں مر سکتا، سمجھے۔ تم اسے نہیں مار سکتے۔ ارے پاپی۔ کسی ماں کے دل سے پوچھ۔ کسی ماں کی آنکھ سے دیکھ۔ وہ زمین پر گرا مجھے کیسا لگ رہا ہے۔ من چاہ رہا ہے کہ اپنے دانتوں سے تیرا کلیجہ چبا جاؤں۔ ہٹ جا چھوڑ دے کیا بگاڑا ہے اس نے تیرا؟"

"کاش...... کاش میری بھی کوئی ماں ہوتی۔ وہ تمہیں اس بات کا جواب دیتی کہ اس نے میرا کیا بگاڑا ہے۔ کیا نہیں بگاڑا اس نے میرا۔ میری ساری کائنات چھین لی اس نے......سب کچھ چھین لیا ہے مجھ سے۔"

"جس نے چھینا ہے تجھ سے تیرا سنسار تو بدلہ اس سے لے۔ میرا سنسار کیوں چھین رہا ہے تو؟ ماں کے سامنے بیٹے پر چاقو لیے کھڑا ہے۔ گھاؤ اسے نہیں لگے گا پاپی! گھاؤ تو مجھے لگے گا۔ مروں گی تو میں۔ اس کا بدلہ مجھ سے کیوں لے رہا ہے؟ یہ دیکھ میں تو اس کی آرتی اتارنے آئی تھی۔ ابھی بھگوان کے چرنوں میں بیٹھ کر میں نے اس کے جیون کی دعائیں مانگی ہیں۔ میری دعائیں پوری ہونے دے۔ اگر تو ہندو ہے تو بھگوان کے

لیے۔ مسلمان ہے تو خدا کے لیے اور اگر کچھ نہیں ہے تو اس کے لیے جسے تو نے دنیا میں سب سے زیادہ چاہا ہو۔ اور اگر کوئی ایسی ہستی بھی نہیں ہے تو اس ماں کے لیے جس کی انگلی پکڑ کر تو نے یہ سنسار دیکھا۔ مجھے میرے بیٹے کا جیون دے دے۔ اسے چھوڑ دے۔ چاقو بند کر لے اس کے پاس سے ہٹ جا...... ہٹ جا اس کے پاس سے نہیں تو میرا دل بند ہو جائے گا۔"

منور اس عورت کو دیکھتا رہا پھر اس نے کشنو کی طرف دیکھا اور درد بھری آواز میں بولا۔ "ماں...... ماں کہاں ملتی ہے؟ اگر مل سکے تو مجھے بھی ایک ماں لا دو۔ میں نے ماں کی شکل آج پہلی بار دیکھی ہے۔ بڑی اچھی شکل ہے یہ۔ خدا کی قسم مجھے بڑی ہی پیاری لگی ہے۔ خدا نے مجھ سے میرا باپ بھی چھین لیا۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ہوتا تو آج میں یہ سب کچھ نہ ہوتا لیکن میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ کشنو تو مجھ سے برتر ہے کیونکہ تیری ماں موجود ہے اور اگر میں تجھے ماروں گا تو اپنی آنکھیں پھوڑ لے گی ماں...... ان چراغوں سے...... ہیں نا۔ یہ کیسی پیاری بات ہے۔ تو میرا کلیجہ ضرور چبا لے ماں۔ کیونکہ تیرے بیٹے کا کلیجہ چبانے کے لیے میری ماں نہیں ہے۔ میرا تو کوئی بھی نہیں ہے۔" پھر وہ آہستہ آہستہ عورت کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھوں میں پیار تھا۔ "تیری آنکھیں ہمیشہ سلامت رہیں ماں! کون دیوانہ ممتا کے اس سمندر میں آگ لگائے گا، کس کا دل ہے اتنا بڑا!" وہ اسے قریب سے دیکھنے لگا۔ "میں اسے نہیں ماروں گا۔ مار بھی نہیں سکتا کیونکہ تو اس کی محافظ ہے۔ اچھا ماں خدا کرے تیرا بیٹا ہمیشہ زندہ رہے میں تیری دعا میں شریک ہوں۔" وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

"یہ کون تھا کشنو، یہ کون تھا میرے بچے؟" عورت جلدی سے زمین پر گرے کشنو کے پاس پہنچ گئی۔ لیکن کشنو کے ذہن و دل میں تو ایک طوفان برپا تھا۔ وہ آج ایک نئے حادثے سے دوچار ہوا تھا۔ کوئی جواب نہ دے سکا وہ اپنی ماں کو۔

بڑی سحر انگیز کہانی تھی منور کی۔ انسان کی عظمت کی کہانی تھی یہ۔ وہ برے جو تھوڑے سے فائدے کے لیے اپنی زندگی کے بہت بڑے نقصان سے دو چار ہو جاتے ہیں۔ مولوی قدرت علی اور اس کے بعد دوسرے لاتعداد کردار لیکن یہ حقیقت ہے کہ بڑائی کسی کی میراث نہیں ہوتی۔ منور نے آگے کے واقعات بیان کرتے ہوئے کہا۔

''اور اس کے بعد میں نجانے کہاں کہاں بھٹکتا پھرا۔ تم یقین کرو دوست! اگر خود کشی حرام نہ ہوتی تو میں ضرور زندگی کھو دیتا۔ مجھے زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔ طویل عرصے تک مارا مارا پھرتا رہا۔ اس کے بعد نجانے کیوں دماغ میں یہ بات سمائی کہ ماحول بدل دیا جائے۔ حالات بدل لیے جائیں۔ کسی ایسی جگہ نکل جایا جائے جہاں ماضی کی کوئی یاد نہ پہنچ سکے۔ حالانکہ یادیں تو اپنے اندر بستی ہیں۔ بھلا یادوں سے کون پیچھا چھڑا سکتا ہے۔ میں انہی یادوں کو لے کر اس جہاز سے سفر کر رہا تھا۔ زندگی نجانے کیوں یہاں تک لے آئی۔ برف کے ان خوفناک ویرانوں میں آ کر بھی میں خوفزدہ نہیں ہوں۔ کیونکہ میں نے سوچ لیا تھا کہ زندگی سے پنجہ کشی کی جائے۔ دیکھو تو سہی زندگی اور موت کی یہ محاذ آرائی کب تک جاری رہے گی؟ زندگی جب تک مجھے لیے لیے پھرے گی، میں زندہ رہوں گا اور موت جب بھی آئی، اسے خوشی سے گلے لگالوں گا۔''

منور تو اپنی کہانی سنا کر خاموش ہو گیا۔ میں نے اپنے ذہن میں اس کہانی کی ترتیب کر لی تھی۔ صوفی عظمت اللہ سے واقعات کا آغاز ہوتا تھا جو اپنی بستی کے ایک نیک اور دیندار آدمی تھے، اور بات ختم ہوتی تھی یہاں تک۔ واقعی کہانیاں تو اپنی ترتیب الگ سے رکھتی ہیں لیکن کسی بھی کہانی کا اختتام انسان کے بس کی بات نہیں ہوتی اور منور اب

اختتام کی تلاش میں تھا۔ اس دوران دوسرے بہت سے لوگوں سے بھی گہری شناسائیاں ہو چکی تھی۔ منور میرے خاصا قریب آ گیا تھا۔ ہمارا دوسرا اچھا دوست آئزر تھا۔ ایک دیسی عیسائی! جس نے اپنی زندگی کے بہت سے سال کچھ مہم جوؤں کی زندگی کے ساتھ گزارے تھے۔ ہم لوگ اپنے ٹوٹے پھوٹے سامان کو محفوظ کر کے ایک گوشے میں سمٹے ہوئے بیٹھے تھے کہ آئزر ہمارے پاس آ گیا۔ اس نے ہم دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''دوستو! کیا داستان چل رہی ہے؟''

''کوئی داستان نہیں، برف کے ان ویرانوں میں بھلا کسی داستان کا آغاز کیسے ہو سکتا ہے؟''

''میں بہت دنوں سے ایک کھوج میں لگا ہوا تھا۔ اس وقت جب ڈاکٹر حیات اپنی لیڈری چمکا رہا تھا اور لوگوں کو ایک انوکھی داستان سنا رہا تھا جس میں زندگی کا کہیں ذکر نہیں تھا، اس وقت بھی میں اس کی بیوقوفی سے متاثر نہیں تھا۔ میں تم لوگوں کو بتا چکا ہوں کہ برف سے میرا گہرا تعلق رہا ہے اور بعض علاقوں میں عظیم الشان برفانی راستوں سے گزرا ہوں۔ روس کا جما ہوا سمندر بھی میرے پیروں کے نیچے رہا ہے اور مجھے اس کے بارے میں تھوڑی سی معلومات حاصل ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ہم ان سارے گروہوں کو لے کر کسی لمبے سفر پر نہیں نکل سکتے لیکن میں اس برفانی دنیا میں اس جگہ منجمد ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا بلکہ میں چاہتا ہوں کہ اب کوئی تحریک شروع کی جائے۔ ہم کم از کم زندگی نہیں تو موت کی تلاش میں تو نکلیں گے۔ بتاؤ، زندگی کی تلاش تو سب ہی کرتے ہیں کیوں نہ موت تلاش کی جائے!''

''بات تو ٹھیک ہے۔ یہاں بھی ہم بیٹھ کر موت کا انتظار ہی تو کر رہے ہیں۔ اگر ہم زندگی کی تلاش کریں تو وہ بھی غلط تو نہیں ہوگا۔ یا یوں سمجھ لو کہ بقول آئزر کے کیوں نہ ہم موت کی تلاش میں نکلیں۔''

''تو پھر بہتر یہ ہے کہ صرف ہم تین آدمی اس سلسلے میں کوشش کرتے ہیں۔''

''کیوں منور کیا کہتے ہو؟'' جواب میں منور ہنس دیا پھر بولا۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' بس اس کے یہ الفاظ کافی تھے۔ میں، آئزر اور منور

تینوں یہاں سے نکلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ہر چند کہ بے شمار افراد یہاں موجود تھے لیکن ڈاکٹر حیات کی موت کے بعد وہ سب ایک دوسرے کا مذاق ہی اڑاتے تھے۔ بلکہ اگر کوئی کسی طرح کی تجویز دینے کی کوشش کرتا تو دوسرے ایسے ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کرا دیا کرتے تھے اور وہ اس میں حق بجانب بھی تھے۔ بہرحال ہم ڈاکٹر آئزر کے اشارے کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ ہم سے کہے کہ ہم روانگی کے لیے تیار ہیں۔

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

سب سے بڑی آسانی یہ تھی کہ یہاں کوئی کسی کے معاملے میں مداخلت نہیں کرتا تھا۔ ایک اور دلچسپ بات یہ تھی کہ جہاز سے جو تھوڑا بہت سامان نکال کر اپنے اپنے قبضے میں کر لیا تھا، اس پر بھی کسی پر کسی کی اجارہ داری نہیں تھی اور آئزر نے انہی چیزوں سے اپنا کام چلایا تھا۔ جو چیز رسیوں کی شکل میں بٹ سکتی تھی اسے رسیوں کی شکل میں بٹ لیا گیا تھا۔ کچھ خاص قسم کے تھیلے بھی بنائے تھے جو جہاز کی سیٹوں کے پھٹے ہوئے کینوس کے تھے یا ایسے جو وہاں سے حاصل کر لیے گئے تھے۔ کچھ تھوڑے تھوڑے تختے جنہیں ان رسیوں کی مدد سے پیروں میں باندھ لیا گیا تھا۔ یہ تختے خوب چوڑے تھے اور پھسلنے میں مدد دے سکتے تھے۔ بہرحال ایک ایسی صبح جو سورج سے محروم تھی اور آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے، ہم لوگوں نے اپنے اس سفر کا آغاز کر دیا۔ میں، منور اور آئزر اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ برف پر پھسلنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نو آبادی سے دور نکل آئے جو جہاز کے حادثے کی وجہ سے یہاں آباد ہو گئی تھی۔ دل میں بڑا دکھ تھا ان تمام لوگوں کو چھوڑتے ہوئے جن میں سے کوئی کسی کا شناسا نہیں تھا لیکن سب نے ایک ساتھ جہاز پر سفر کیا تھا اور جب مصیبت آئی تھی تو سب ایک دوسرے کے ہمدرد ہو گئے تھے اور پھر اس کے بعد جو زندگی یہاں گزری تھی۔ لگتا تھا کہ ایک طویل عرصہ یہاں گزر گیا ہے اور ہم لوگ صدیوں سے یہاں آباد ہیں۔ وہی خاص طرح کا انسانی تصور جو انسان کے دل میں رہتا ہے۔ برف سے مچھلیوں کا حصول بے چارہ ڈاکٹر حیات بتا گیا تھا اور ہم بھی چونکہ اس کام میں مصروف رہے تھے اس لیے مچھلیاں حاصل کرنے میں ہمیں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ ہم انہیں اپنے تھیلے میں محفوظ کر لیا کرتے تھے۔ ہمارے دو دن تو

خیریت سے گزر گئے لیکن تیسرے دن برف کے ایک زبردست طوفان سے واسطہ پڑا جس سے آگے بڑھنے کے راستے بند ہو گئے۔ ہم لوگ گہری برف میں دھنس گئے۔ جب یہ طوفان تھما تو برف کے بڑے بڑے تودے ہمارے گرد پڑے ہوئے تھے۔ لکڑی کے وہ ٹکڑے جو ہم نے اپنی کہنیوں سے باندھ رکھے تھے، پھاوڑوں کا کام دینے لگے اور ہم نے شدید جسمانی محنت کر کے برف کو اپنے چاروں طرف سے ہٹایا اور دوبارہ سفر کرنے لگے۔ ہمارے راستے کی سب سے بڑی مصیبت وہ بڑے بڑے گڑھے تھے جن کے اوپر برف کائی کے مانند جمی رہتی تھی اور جونہی اس پر بوجھ پڑتا، یہ برف پھٹ جاتی اور انسان اس گڑھے میں گر کر ہمیشہ کی نیند سو جاتا۔ یہ جان لیوا برفانی گڑھے قدم قدم پر موجود تھے لیکن یہاں آئزر کی تجربے کاری کام آ رہی تھی اور نہ صرف وہ خود کو بلکہ ہمیں بھی ان سے بچاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ تیسرے دن شام کے پانچ بجے کے قریب اچانک ہی سرد ہواؤں کا طوفان ہمارے اطراف میں پھیل گیا۔ سرد ہوائیں اتنی شدید تھیں کہ ہم نے اپنے جسم کے گرد جو چیتھڑے لپیٹ رکھے تھے وہ بالکل بے مقصد ہو گئے۔ ہم نے جس حد تک ہو سکتا تھا اپنے بدن کے سارے حصوں کو کس کر باندھ لیا تھا۔ بہرحال ان سرد ہواؤں نے ہمارے جسم کے خون کو جمانا شروع کر دیا۔ خاص طور پر یہ ہوائیں آنکھوں پر بہت برا اثر ڈال رہی تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے آنکھوں کی بینائی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اس حالت میں آئزر کی مہارت بھی کام نہیں آ رہی تھی۔ برفانی گڑھوں کو عبور کرنا ایک ناممکن عمل تھا۔ چنانچہ آگے کے سفر کا ارادہ ملتوی کر کے ہم نے ان تھیلوں میں گھس کر جان بچائی جو موٹے موٹے واٹر پروف کپڑے کے تھے۔ ہم جن علاقوں میں سفر کر رہے تھے وہ ایسے تھے جہاں انسان تو کیا، انسانی تصور نے بھی قدم نہیں رکھا تھا۔ بہرحال ہم گرتے پڑتے آگے بڑھ رہے تھے۔ آئزر نے اپنی ڈیوٹی سب سے آگے لگائی تھی اور وہ برفانی گڑھوں کا جائزہ لے لے کر ہماری رہنمائی کر رہا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک ماہر آدمی تھا اور اس نے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ آئزر کے پیچھے پیچھے منور تھا اور سب سے پیچھے میں اپنی زندگی کا سب سے ہولناک سفر کر رہا تھا۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ کہانی لکھنا بے حد آسان ہے۔ ہولناک سے ہولناک منظر اپنے گھر کی میز پر بیٹھ کر لکھ دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس

کے ایک بٹا پانچ سے بھی واسطہ پڑ جائے تو زندگی کا مزہ آ جاتا ہے۔ بہر حال اس دن موسم خوشگوار اور صاف تھا اور ہم ایک کسی قدر نرم برفانی میدان میں پھیلتے جا رہے تھے۔ آئزر کے کہنے کے مطابق اس برفانی میدان میں برفانی گڑھوں کا کوئی خطرہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ ہم کسی حادثے اور رکاوٹ کے بغیر آگے بڑھتے چلے گئے لیکن ہم نہیں جانتے تھے کہ ایک لرزہ خیز واقعہ ہمارا منتظر ہے اور بات وہی قدرت کی آ جاتی ہے۔ کہ قدرت جسے زندہ رکھنا چاہے یا جسے ختم کرے۔ ہماری ترتیب بدلتی رہتی تھی اور ہم لوگوں کے فاصلے ایک دوسرے سے اچھے خاصے ہوا کرتے تھے۔ لیکن اتنے نہیں کہ ایک دوسرے کے اشارے یا آوازیں نہ سن سکیں۔ ہم آگے جا رہے تھے کہ اچانک ایک جگہ سے ایک پرشور آواز کے ساتھ برف پھٹی اور اس میں سے پانی نکلنے لگا۔ یہ یقیناً کوئی برفانی گڑھا تھا۔ اس وقت ترتیب یوں تھی کہ آئزر تو معمول کے مطابق سب سے آگے تھا۔ میں اس کے پیچھے اور منور سب سے پیچھے۔ میں اور آئزر تو اس گڑھے سے آگے نکل چکے تھے لیکن منور ابھی پیچھے تھا۔ ہم نے پلٹ کر پرشور آواز کے ساتھ پھٹنے والی برف کو دیکھا تھا اور اسی وقت آئزر حلق پھاڑ کر چیخا تھا۔ اس نے چیخ کر کہا تھا۔

''رک جاؤ، وہیں رک جاؤ۔'' اور فوراً ہی ہم لوگ مزید آگے بڑھ گئے لیکن دوسرے ہی لمحے ہم نے دیکھا کہ منور اس گڑھے میں گر کر غائب ہو گیا ہے۔ یہ وقت ایسا نازک اور خطرناک تھا کہ خود ہماری اپنی زندگیاں بھی شدید خطرے میں تھیں۔ برفانی گڑھا لمحہ بہ لمحہ وسیع ہوتا جا رہا تھا اور عین ممکن تھا کہ اس کے نیچے پانی کا دباؤ اور بڑھ جاتا اور جس مقام پر ہم کھڑے تھے وہاں بھی اچانک گڑھا نکل آتا۔ چنانچہ کوئی ترکیب نہیں تھی کہ ہم منور کی خیریت معلوم کرنے کے لیے رکتے اور خیریت بھی کیا تھی۔ ہمیں پتہ تھا کہ اس طرح سے پھٹ جانے والی برف کے نیچے کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک غم کے ساتھ ہم دونوں تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ ہمارے پورے وجود لرز رہے تھے، اور خاص طور سے میں جو منور کی پوری کہانی سن چکا تھا اور اس کی کہانی کا ایک ایک لفظ مجھے یاد تھا۔ ہم واقعی موت کی تلاش میں نکلے تھے اور منور موت کو پانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ تھوڑی دور آگے جانے کے بعد ہم نے پلٹ کر دیکھا۔ تو برفانی گڑھا اپنی جگہ رک گیا تھا۔ ہمارے

ضمیر ہمیں ملامت کر رہے تھے کہ ہم نے اپنے دوست کو اس حال میں چھوڑ کر جانا پسند کیا۔ آئزر ایک بہادر انسان تھا۔ اس نے کہا۔

''کیا کہتے ہو؟ ہم منور کا جائزہ لیں ہو سکتا ہے وہ زندہ بچ جائے۔''

''آؤ......'' میں نے پوری ہمت کے ساتھ کہا۔ واقعی اپنے آپ پر شرم آ رہی تھیں۔ ہم سوچ رہے تھے کہ اگر منور مر گیا ہے تو ہم اسے بچا تو نہیں سکتے۔ لیکن ہم اس طرح اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے تو اپنے ضمیر کی خلش کو کبھی نہ روک سکیں گے۔ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی رسیوں کا ایک سرا آئزر نے اپنی کمر میں اور دوسرا میری کمر میں باندھا اور پھر ہم دونوں زمین پر لیٹ کر پیٹ کے بل ایک ایک انچ رینگتے ہوئے، اس گڑھے کے کنارے تک پہنچے۔ یہ ایک انتہائی خوفناک کام تھا۔ ہم بالکل نہیں کہہ سکتے تھے کہ برف کی کائی کس جگہ اس قدر نرم ہو کہ ہمیں نگل لے لیکن ہم اپنے آپ کو باز نہیں رکھ سکے۔ آخر کار ہم اس گڑھے کے کنارے بالکل پہنچ گئے اور گڑھے میں نظر ڈال کر ہمارے سر چکرا گئے۔ یہ گڑھا ہمارے اندازے کے مطابق ڈیڑھ دو سو فٹ گہرا تھا اور اس کی تہہ میں اندھیرے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہاں ایک آدمی کیا اگر ایک ہزار آدمی بھی گرتے تو ان کا سراغ نہ ملتا۔ تاہم آئزر حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا اور منور کو آوازیں دینے لگا۔ مگر یہ آوازیں برفانی گڑھے میں ایک بھیانک گونج پیدا کر کے گڑھے میں ہی گم ہو جاتیں۔ صرف ایک بار ایک چیخ کی سی شکل میں آواز سنائی دی تھی۔ ہم وہاں تین گھنٹے تک رکے رہے اور آخر کار مایوس ہو گئے۔ آئزر ایک دردمند اور اچھا انسان تھا۔ اس کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ بہر حال اس کے بعد ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ہم لوگ خود بھی زندہ رہیں گے یا نہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ نجانے کتنے دن اس طرح گزر گئے ہمارا اندازہ یہ تھا کہ ہم کم از کم پندرہ دن تک چلتے رہے تھے۔ حالانکہ میں نے کبھی زندگی میں اس قسم کی مشقت کا کام نہیں کیا تھا۔ لیکن قدرت انسان کے جسم میں وہ تمام قوتیں بھر دیتی ہے جو اسے مشکلات سے گزار دیتی ہیں۔ منور بیچارہ زندگی کھو بیٹھا تھا اور میرے اپنے ایمان کے مطابق اس کی زندگی بس یہیں تک تھی۔ غرض یہ کہ ہم دونوں سفر کرتے رہے پھر آئزر کی ہمت بھی جواب دینے لگی۔ وہ خاصا ہٹا کٹا اور ورزشی جسم کا

مالک تھا لیکن ناقابل برداشت سردی، بھوک، ٹھنڈک اور تھکن اس پر غالب آتی جا رہی تھیں۔ پھر وہ بیمار ہو گیا۔ اس کے سینے میں درد اٹھا تھا اور آخر کار اس نے سسک سسک کر ایک دن جان دے دی۔ اب میں اس ہیبت ناک دنیا میں تنہا رہ گیا جہاں ہولناک سناٹوں کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ نگاہوں کی آخری حد تک برف ہی برف دکھائی دیتی تھی۔ میری حیثیت ایک حقیر اور ذلیل کیڑے کی تھی۔ آئزر کی موت کو بھی کافی دن گزر گئے لیکن میں مسلسل سفر کر رہا تھا۔ نجانے یہ سفر کب تک جاری رہے گا۔ مجھے لگتا تھا کہ زندگی بس اسی طرح ختم ہو جائے گی۔ پھر ایک دن میرے پیروں میں بھی شدید درد ہونے لگا اور اس طرح میں رکنے پر مجبور ہو گیا۔ میں نے ٹھٹھرے ہوئے ہاتھوں سے اپنے جوتے اتارے اور یہ دیکھ کر میری روح سمٹ کر کلیجے میں آ گئی کہ جوتوں کے ساتھ ہی دونوں ایڑیوں کی گلی ہوئی کھال بھی میرے ہاتھوں میں آ گئی تھی۔ ایک لمحے تک میں پتھر کے بت کی مانند ان ایڑیوں تکتا رہا اور سوچنے لگا کہ اب کیا مجھے آگے کا سفر کرنا چاہیے۔ بہرحال زندگی بڑی قیمتی چیز ہوتی ہے میں نے وہ دھجیاں ایک بار پھر اپنے پیروں پر باندھیں جن پر نئی کھال آ رہی تھی۔ پھر جوتے اور مضبوطی سے باندھے اور پھر گرتا پڑتا اپنی نامعلوم منزل کی جانب چل پڑا۔ موت میرے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھی۔ تھکن اور بھوک سے نڈھال ہو کر میں سستانے کے لیے ہر آدھے گھنٹے کے بعد برف پر لیٹ جاتا اور کوئی نادیدہ قوت مجھے آگے بڑھنے پر اکساتی۔ بہرحال پھر اس دن زندگی ایک عجیب وغریب کیفیت سے دو چار ہوئی۔ میں آگے بڑھ رہا تھا کہ برف کی زمین پھٹی اور میں گہری تاریکی میں گرتا چلا گیا۔ پھر ایک جھٹکا سا لگا اور مجھے محسوس ہوا کہ میں کسی گڑھے میں لٹک گیا ہوں۔ یہ حادثہ اتنی برق رفتاری سے پیش آیا تھا کہ ایک لمحے کے لیے میرے سارے حواس جواب دے گئے تھے۔ پھر جب ہوش وحواس کسی حد تک درست ہوئے تو میں نے اپنے اندر کے انسان کو تلاش کیا اور مجھے پتہ چلا کہ یہ شخص ہر قیمت پر جینا چاہتا ہے۔ میں جینے کی جدوجہد میں مصروف ہو گیا۔ پھر میں نے یہ غور کیا کہ میں گڑھے میں کیسے لٹکا ہوا ہوں تو اندازہ ہوا کہ میری کمر کے گرد بندھے ہوئے رسے کے ساتھ ساتھ ایک تختہ بھی تھا جو اس گڑھے میں پھنس گیا تھا۔ اس شدت کی سردی میں موت کی دہشت سے میرے چہرے کا

کھلا ہوا حصہ پسینے سے تر تھا۔ میں نے صورت حال کا جائزہ لیا۔ رسے کی لمبائی چودہ فٹ کے قریب تھی، اس لیے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ یہ گڑھا جس میں، میں لٹکا ہوا ہوں، چودہ فٹ کی گہرائی میں ہے۔ اس قسم کے نازک حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑی ہمت کرنی تھی۔ میں آسانی سے جان دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ چنانچہ ایک ایک انچ کر کے میں اس رسے کے اوپر چڑھنے لگا اور آخر کار گڑھے کے کنارے پر پہنچ گیا۔ میرا سانس پھول رہا تھا اور جسم کے روئیں روئیں سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ بہرحال میں گڑھے کے کنارے پہنچنے کے بعد اوپر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا اور اس کے بعد شاید قدرت کو مجھ پر رحم آ گیا۔ میں اوپر پہنچنے کے بعد چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ میری آنکھوں کی دھند لاہٹوں میں کوئی چیز متحرک نظر آئی اور میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ برفانی تودے تھے جن کے درمیان مجھے برف پر پھسلنے والی روائتی کتا گاڑی نظر آ رہی تھی۔ کتا گاڑی میں چند افراد موجود تھے جنہیں میں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ میں نے جسم کی پوری قوت صرف کر کے اپنے ہاتھ ہلائے اور زور سے چیخا اور اچانک کتا گاڑی کا رخ میری طرف ہو گیا۔ کیا ہی عجیب وغریب چیز ہوتا ہے یہ انسان بھی! مجھے جب یہ احساس ہوا کہ مجھے دیکھ لیا گیا ہے' تو اچانک ہی مجھے زور کا چکر آیا اور اس کے بعد میں وہیں گر کر بے ہوش ہو گیا۔

❁ ››› ❁ ››› ❁

دو افراد کی زندگیاں میرے سامنے ختم ہو گئیں تھیں۔ اصولی طور پر تو اس ہولناک ویرانے میں اس حادثے کے بعد میرے اندر بھی زندگی کی رمق نہیں رہنی چاہیے تھی لیکن بہر حال یہ کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں ہے کیونکہ زندگی لینا اور دینا قدرت کا معاملہ ہے اور بھلا قدرت کے معاملات میں مداخلت کیسے کی جا سکتی ہے۔ میں ہوش میں آ گیا اور جب زندگی کا یقین ہوا اور سانسوں کی آمد و رفت کا احساس ہوا تو جو سب سے پہلی چیز مجھے اپنی ذات پر مسلط نظر آئی، وہ ایک عجیب سی چیز تھی۔ میں نے اسے اپنی مٹھیوں میں جکڑنے کی کوشش کی۔ تو مٹی کے سے کچھ ٹکڑے ٹوٹ کر میرے ہاتھ میں آ گئے۔ میں نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن چہرے پر بھی کچھ تھا۔ ایک عجیب سی مٹی جیسے کسی دلدل کی مٹی انسانی جسم پر خشک ہو گئی ہو۔ چہرے پر ہاتھ پہنچانے کے لئے نجانے مجھے کیا کیا اپنے اوپر سے ہٹانا پڑا۔ میں نے اپنے چہرے پر سے بھی مٹی ہٹائی، آنکھوں کو کھولا اور آنکھوں کو کھول کر میں نے گہرے کالے رنگ کی مٹی کو اپنے پورے جسم پر پایا۔ میرا سارا جسم اس مٹی سے چھپا ہوا تھا۔ باہر کا ماحول میری نگاہوں میں واضح ہو گیا۔ روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اوپر لکڑی کے کنڈوں کی چھت تھی جس میں نجانے کیا کیا چیزیں لٹکی ہوئی تھیں۔ سب کی سب عجیب۔ چھت کے قریب ایک گول ڈھکن سا تھا جسے اوپر سے اٹھایا جا سکتا تھا۔ بہر حال بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایسی عجیب و غریب جگہ میں نے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ جگہ کافی کشادہ تھی اور اس میں گھاس پھوس کے ڈھیر زیادہ نظر آ رہے تھے لیکن ماحول کافی گرم تھا۔ آگ جلانے کے لیے خاص قسم کے آتش دان بنے ہوئے تھے۔ جن سے آگ زیادہ پھیلنے کا خطرہ نہیں رہتا تھا۔ ان میں چمنیاں بھی تھیں جو اوپر چھت میں جا

کر گم ہو جاتی تھیں۔ چھت بہت زیادہ بلند نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ اس کی بلندی آٹھ فٹ ہو گی۔ گول سوراخ کے نیچے دو سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اور یہ گول سوراخ دروازے کی جگہ استعمال کیا جاتا رہا ہو گا۔ گزرے ہوئے واقعات ذہن میں آئے تو میرے دل و دماغ کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ ایک پر اسرار اور ہولناک کہانی، ایک انوکھا ایڈونچر زندگی سے منسلک ہوا تھا۔ درحقیقت اگر کبھی زندگی کی کہانی لکھنے کا موقع ملے تو یہ بھی ایک دلکش کہانی ہو گی۔ بہر حال میں نے اپنے دونوں ہاتھ سیدھے کیے اور اپنے بدن سے اس مٹی کو ہٹانے لگا۔ عجیب و غریب اور گھناؤنی چیز تھی یہ۔ اس سے ہلکی ہلکی بدبو بھی اٹھ رہی تھی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں یہاں تک کیسے پہنچا۔ یہ بات تو واضح تھی کہ اس جگہ انسان ہی رہتے ہوں گے اور برف کے اس ویرانے میں سے مجھے انسان ہی اٹھا کر لائے ہوں گے لیکن یہ مقام کون سا ہے۔ بہر حال میں نے اپنے بدن کو کافی حد تک صاف کر لیا اور مجھے یوں لگا جیسے میرا جسم کافی ہلکا اور گرم ہو۔ ہلکی ہلکی درد اب بھی میرے جسم میں موجود تھی، خاص طور سے پیروں میں جن کی ایڑیاں گل گئیں تھیں۔ اچانک ہی وہ ڈھکن اوپر کی جانب کھلا اور اس میں سے ایک ایک کر کے دو آدمی ٹپک پڑے۔ میں نے کسی قدر سہمی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ وہ موٹی موٹی کھالوں کے لباس پہنے ہوئے تھے۔ یہ کھالیں غالباً ریچھ کی تھیں۔ ان کے پیروں پر چمڑے کی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور یہی پٹیاں ان کے پورے جسم کو ڈھکے ہوئے تھیں۔ سر پر بہت ہی مختلف انداز کی ٹوپی تھی۔ ہاتھوں میں لمبے لمبے مخصوص قسم کے ڈنڈے۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ ان کے کھلے ہوئے چہرے گہرے سرخ تھے۔ بالکل خون کے رنگ کے۔ میرے ذہن میں اب بھی یہ بات نہیں آئی کہ یہ کون لوگ ہیں اور کہاں کے باشندے ہیں۔ پھر ان دونوں نے مجھے دیکھا اور آپس میں کچھ باتیں کرنے لگے۔ مگر وہ باتیں میرے لیے ناقابل فہم تھیں۔ آخر کار ان میں سے ایک آگے بڑھا اور اس کی گہری براؤن آنکھوں میں مجھے ہمدردی اور محبت کے آثار نظر آئے۔ انہوں نے مجھ سے کچھ کہا اور میرے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگانے لگے کہ میں نے ان کی بات سمجھی ہے یا نہیں پھر انہیں یہ احساس ہو گیا کہ میں ان کی زبان سے ناواقف ہوں تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کچھ کہا اور دونوں آگے

بڑھ آئے۔ انہوں نے بڑی نرمی سے میرے بازوؤں پر ہاتھ رکھے اور مجھے لیٹ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر ان میں سے ایک آگے بڑھا اور دیوار پر لٹکی ہوئی ایک موٹی سی کھال اتار کر لے آیا۔ اس کھال کو چمڑے ہی کی پٹیوں سے سیا بھی گیا تھا اور وہ ایک بے ڈھنگے کوٹ کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ ان لوگوں نے مجھے اس کھال سے ڈھک دیا اور اس کے بعد میرے پیروں پر بھی ویسی پٹیاں باندھنے لگے۔ بڑی تقویت ہوئی تھی ان چیزوں سے اور یوں لگا تھا جیسے جسم میں ایک نئی زندگی دوڑ گئی ہو۔ پھر ان میں سے ایک سوکھے ہوئے چمڑے کا ایک برتن لے آیا اور اس میں ہاتھ ڈال کر اس نے ایک گاڑھی اور سرخ چیز میرے ہاتھوں اور چہرے پر ملنا شروع کر دی۔ اس میں غالباً کسی تیل کی آمیزش بھی تھی۔ میں نے خاموشی سے یہ تمام کام کرائے۔ اتنا مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لوگ میرے لیے کوئی برا احساس نہیں رکھتے اور انہوں نے میری جان بچائی ہے۔ یہ اندازہ ہونے کے بعد ظاہر ہے ان سے ہر قسم کا تعاون میرے لیے ضروری تھا۔ اس کام سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ دونوں ہی اس سیڑھی پر چڑھ کر باہر نکل گئے اور میں انہیں دیکھتا رہا۔ سوراخ پھر بند ہو گیا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ یا الٰہی یہ قصہ کیا ہے۔ کیا ہے یہ سب کچھ، یہ لوگ کون ہیں؟ منور اور آئزر میرے سامنے زندگی سے محروم ہو چکے تھے اور میں نجانے کون سی دنیا میں پہنچ گیا تھا۔ اپنے تمام تر حواس جمع کر کے میں نے سوچا کہ یہ سب کچھ کیا ہو سکتا ہے۔ ایک ادیب بے شمار کہانیاں لکھتا ہے۔ نجانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے لیکن یہ ایک بہت بڑی سچائی ہے کہ یہ سب دماغی اختراع ہوتی ہے۔ حقیقتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ تو بہت دیر تک ذہن میں ہی نہیں آتا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ ماضی کا ایک ایک نقش ذہن میں ابھر رہا تھا۔ گزرے ہوئے واقعات کی ایک فلم تھی جو دماغ کے پروجیکٹر پر چل رہی تھی۔ زندگی بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ تباہ ہونے والے جہاز کے مسافر نجانے اب کیسی کیسی کہانیوں کی ترتیب کریں گے۔ یقینی طور پر کچھ وقت کے بعد وہ بھی اس برف کے جہنم سے نکلنے کی کوشش کریں گے، اور زندگی اور موت کے کھیل میں شریک ہو جائیں گے یہ کھیل تو ازل سے ہوتا چلا آیا ہے اور اب تک جاری رہے گا۔ لیکن کبھی کبھی یہ کھیل کتنا تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔

احساسات کا لامتناہی سمندر میرے ذہن میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ سوچ کے جزیرے میں چاروں طرف ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔ میں خاموش پڑا الجھتا رہا اور جب وحشت حد سے بڑھ گئی تو میں نے سوچا کہ کچھ کرنا چاہیے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ مجھے جو لباس دیا گیا تھا اس سے میرے جسم میں اچھی خاصی گرمی پیدا ہو گئی تھی اور میں اب بڑی بہتر کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ اس جگہ کے بارے میں صحیح طور پر اندازہ ابھی تک نہیں ہو سکا تھا۔ نجانے کیوں ایک عجیب سا احساس دل میں جنم لے رہا تھا۔ کافی وقت گزر گیا۔ روشنی آہستہ آہستہ معدوم ہونے لگی۔ گویا شام جھک آئی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد رات ہو جائے گی۔ خدایا میرے حواس چھین لے۔ میں اس وقت تک بے ہوش پڑا رہوں جب تک حقیقتیں مجھ پر عیاں نہ ہو جائیں۔ بہرحال پھر ماحول بالکل تاریک ہو گیا۔ سردی کے بارے میں مجھے اچھی طرح سے معلوم تھا کہ بہت شدید ہے اور اگر یہ لباس میرے جسم پر نہ ہو تو ایک لمحے سکون نہ آئے۔ تاریک رات میں میری وحشت اور ابھر آئی۔ پتہ نہیں کون کون کن حالات سے گزرا ہو۔ رات بالکل خاموش اور سنسان تھی۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اور میرے حواس جاگ رہے تھے۔ پھر میں نے ان لوگوں کے بارے میں سوچا جو مجھے چھوڑنے کے بعد یہاں سے چلے گئے تھے۔ اب ان کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے آیا تو میں نے محسوس کیا کہ یہ چہرہ کچھ اجنبی اجنبی سا ہے۔ برف جیسی سفید رنگت کے مالک یہ لوگ جن کے رخسار اور ہونٹ بے پناہ سرخ تھے۔ ناک کا اوپری سرا بھی بالکل ٹماٹر کی طرح سرخ تھا۔ یہ کون سی نسل کے باشندے ہو سکتے ہیں۔ پتہ نہیں برف کے ان ویرانوں سے گزر کر میں کہاں پہنچا ہوں اور کن لوگوں کے درمیان ہوں۔ ان کی زبانیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ اگر وہ ہر طرح سے اجنبی لوگ ہوئے تو اس کے بعد کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے لیے نقصان کا باعث بن جائیں۔ میری اپنی ہی بے شمار کہانیاں جن کا مجھے عملی طور پر کوئی تجربہ نہ تھا، میرے ذہن آ گئیں اور خوف کی لہریں میرے بدن میں سرائیت کرنے لگیں۔ لیکن پھر میں نے خود ہی اس احساس کو جھٹک دیا۔ زندگی یوں بھی کون سی ایسی دلکش تھی کہ اب اس خوف کو اور ذہن پر مسلط کر لیا جائے۔ البتہ ایک عجیب سی بے چینی، ایک عجیب سا احساس ساری رات میرے ذہن پر مسلط رہا اور پھر شاید نیند کو

مجھ پر رحم آ گیا۔ نیند میری آنکھوں میں آئی تو اس نے مجھے دنیا کی ہر مشکل سے بے خبر کر دیا۔ لیکن انوکھی نیند تھی یہ۔ شاید بہت ہی طویل یا پھر شاید ان دنوں میرے احساسات بہت دور چلے گئے تھے اور میں کوئی صحیح بات نہیں سوچ سکتا تھا۔ جاگنے کے بعد مجھے یوں لگا جیسے میں طویل عرصے تک سوتا رہا ہوں لیکن سب سے زیادہ حیرت ناک بات یہ تھی کہ اس نیند کا عالم اتنا گہرا تھا کہ میں اس تبدیلی کا اندازہ بھی نہیں کر سکا جو ماحول میں پیدا ہو گئی تھی۔ اس وقت میں جاگا تو اس پر اسرار جھونپڑی میں نہیں تھا بلکہ جس جگہ تھا وہ کوئی پہاڑی غار ہی معلوم ہو رہی تھی۔ کافی دور غار کی چھت نظر آ رہی تھی جو ناہموار اور ناتراشیدہ تھی۔ یقیناً یہ قدرتی غار انسانی ہاتھوں کا کارنامہ نہیں تھا۔ بدن کے نیچے نرم گھاس بچھی ہوئی تھی اور یہ گھاس میری انگلیوں سے ٹکرا رہی تھی۔ مجھے اپنے وجود کا احساس دلا رہی تھی۔ تب میں نے گردن ہلائی۔ جس طرف میں نے رخ بدل کر دیکھا تھا وہاں پتھروں کی چٹانوں کو چوکور تراشا گیا تھا اور ان تراشی ہوئی چٹانوں پر عجیب وغریب چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ ان عجیب وغریب چیزوں میں انسانی کھوپڑیاں' جانوروں کے ڈھانچے اور عجیب وغریب' سیاہ وسفید رنگوں کے پتھر بھی موجود تھے۔ بہرحال یہ سب بہت کچھ عجیب تھا۔ میں نے گردن گھما کر چاروں طرف دیکھا تو میری نگاہ کچھ افراد پر پڑی جو خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے بیٹھنے کا انداز بھی بڑا عجیب تھا اور ایک انتہائی پر اسرار اور خوفناک ماحول مجھے نظر آ رہا تھا۔ بہت دیر تک میں خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا پھر انہیں آواز دی۔

''سنو، میری بات سنو۔'' وہ لوگ چونک پڑے انہوں نے میری طرف دیکھا پھر جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ بھی اسی نسل کے لوگ ہیں لیکن ان سے ذرا مختلف! وہ میرے قریب آ کر کھڑے ہو گئے تو میں نے ان سے پوچھا۔

''تم کون ہو اور میں کہاں ہوں؟ تھوڑی دیر پہلے میں جس جگہ تھا میں وہاں سے کیسے آ گیا؟'' لیکن ان میں سے کسی نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور میں نے مایوسی سے گردن ہلا دی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ لوگ بھی میری زبان سے ناواقف ہیں۔ پھر ان میں سے ایک شخص نیچے جھکا اور میرے چہرے کے نزدیک اپنا چہرہ لا کر اشارے سے

میرے بدن کے بارے میں پوچھا۔ چند لمحات تک تو میں اس اشارے کو نہ سمجھ سکا لیکن پھر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ لوگ میری خیریت معلوم کر رہے ہیں تو میں نے گردن ہلا دی اور اس شخص کے چہرے پر بھی اطمینان کے آثار نظر آئے۔ پھر اس نے میرے پیٹ پر ہاتھ مار کر سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ وہ مجھ سے میری بھوک اور پیاس کے بارے میں معلوم کر رہا ہے۔ اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ میں تو واقعی شدید بھوکا ہوں۔ ان لوگوں نے میرے لیے باقی تمام انتظامات تو کیے تھے لیکن مجھے کچھ کھلایا' پلایا نہیں تھا۔ نجانے کیوں؟ البتہ جب میں نے ان سے اس بات کا اظہار کیا کہ مجھے شدید بھوک لگ رہی ہے تو اس شخص کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پھیل گئے اور وہ تیزی سے اس طرف بڑھا جہاں ہڈیاں اور کھوپڑیاں چنی ہوئی تھیں۔ باقی لوگ میرے سامنے ہی کھڑے ہوئے تھے۔ ہڈیوں کی طرف بڑھنے والے نے ایک پیالہ نما چیز نکالی اور پھر مجھے ان ہڈیوں کا مصرف معلوم ہوا۔ نجانے کون کون سے جانوروں کی ہڈیاں تھیں لیکن انہیں شیشیوں کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا اور ان میں سیال بھرے ہوئے تھے۔ بوڑھا شخص شیشیوں میں سے مختلف سیال نکال کر اس پیالے میں ڈالنے لگا اور پھر پیالہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر میرے نزدیک آ گیا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کچھ کہا اور اس کے ساتھی نے میری دونوں آنکھوں پر انگلیاں رکھ دیں۔ گویا وہ مجھ سے آنکھیں بند کرنے کیلئے کہہ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے ہاتھوں سے میرا منہ کھولا اور اس کا اشارہ سمجھ کر میں نے خود ہی اپنا منہ کھول دیا۔ جو شے میرے حلق میں گئی۔ وہ بدمزہ تو نہیں تھی لیکن اسکے ذائقے میں ایک کھٹی سی ناگوار کیفیت تھی۔ بہرحال وہ عجیب شے پی کر ایسا لگا جیسے میں نے آب حیات پی لیا ہو۔ چند گھونٹ پینے کے بعد ہی پیالہ خالی ہو گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اسکے بعد اس نے میری آنکھوں پر سے انگلیاں ہٹا دیں۔ پھر انہوں نے مجھے سہارا دے کر اٹھایا لیکن میں اپنے بدن کی تکلیف اچانک ہی ختم ہو جانے پر شدید حیران ہو گیا تھا۔ واقعی یوں لگ رہا تھا جیسے مجھے زندگی کا رس پلا دیا گیا ہو۔ میں ان لوگوں کے درمیان تماشا بنا رہا۔ لیکن مسئلہ یہی تھا کہ ان کی زبان میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ لوگ تھوڑی دیر تک میرے ساتھ رہے اور پھر میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ وہ وہاں سے چلے گئے

تھے۔ پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک شخص غار کے دہانے سے اندر داخل ہوا۔ اس کا جسم کپڑے کی رنگین پٹیوں اور موتیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ہاتھ میں ایک لوہے کی چھڑی تھی۔ عجیب وغریب حالت کا مالک نظر آ رہا تھا یہ شخص اور اس کی آنکھوں ایک عجیب سی تیز چمک تھی جو ناقابل فہم تھی۔ اس کے پیچھے ہی وہ تمام لوگ ادب سے گردن جھکائے نظر آ رہے تھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ان کیلئے کوئی بہت ہی بڑی شخصیت ہے۔ آنے والوں میں سے دو آدمی لکڑی کا بنا ہوا ایک اسٹول لے کر آئے تھے۔ اسٹول بھی عجیب سا ہی تھا۔ سفید رنگ کی لکڑی جو قدرتی سفید رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ اس کے اوپری حصے کو گول کاٹا ہوا تھا اور نیچے اس میں تین لکڑیاں لگا دی گئیں تھیں۔ انہوں نے وہ اسٹول سامنے رکھا اور بوڑھا شخص اس پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور مجھے یوں لگا جیسے اس کی نگاہوں سے شعاعیں سے اٹھ رہی ہوں اور پھر میرے کانوں میں اس شخص کی آواز ابھری۔ ایک بوڑھی آواز جو لرزتی ہوئی تھی لیکن اس میں ایک عجیب سا رعب تھا۔ میں تعجب سے اچھل پڑا جب مجھے یہ آواز اپنی زبان میں سنائی دی۔ اس نے سوال کیا۔

''کون ہو تم؟'' میں حیرانی سے اسے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ کیا وہ ہماری زبان سے واقف ہے یا صرف یہ میرا وہم ہے۔ لیکن جب دوسری بار یہ الفاظ میرے کانوں سے ٹکرائے تو مجھے اپنا یہ خیال ترک کرنا پڑا کہ یہ کوئی وہم ہے۔ بوڑھا کسی پراسرار ذریعے سے میری زبان بول رہا تھا۔

''انسان ہوں لیکن تمہاری دنیا کا نہیں۔ میں بہت دور سے آیا ہوں۔ ایک حادثے کا شکار ہو کر۔''

''مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ کون سی دنیا ہے وہ؟''

''ہو سکتا ہے تم اس دنیا سے واقف نہ ہو۔ بہت دور، برفانی میدانوں کے اس پار، اس سے بھی کہیں آگے۔''

جواب میں بوڑھے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ ''یہ بھی وہی دنیا ہے۔ کیا تم اپنے آپ کو کسی اور سیارے پر محسوس کر رہے ہو؟''

بوڑھے کے ان الفاظ پر مجھے بھی بڑی ہنسی آئی اور شرمندگی محسوس ہوئی۔ میں اسے

بالکل غیر مہذب اور انوکھی دنیا کا انسان سمجھ رہا تھا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہماری دنیا کے بارے میں اور سیاروں کے بارے میں بھی جانتا ہو۔ میں نے ہنس کر کہا۔ ''مجھے معاف کرنا۔ اصل میں جن حالات سے میں گزرا ہوں، ان سے میری دماغی کیفیت بھی درست نہیں رہی ہے۔ میں اپنے آپ کو ایک عجیب وغریب شخصیت محسوس کر رہا ہوں اور پھر یہاں جس عالم میں، میں نے آنکھ کھولی ہے۔ وہ بھی میرے لیے بڑا تعجب خیز رہا ہے۔''

''تمہارا نام کیا ہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''ناصر شاہ۔'' میں نے جواب دیا۔

''میرا نام شی وش ہے۔ شی وش! اور یہاں کے لوگ مجھے اپنا روحانی رہنما مانتے ہیں۔ ویسے میں تمہاری اس مہذب دنیا میں بارہ سال رہ چکا ہوں۔ اس کے پس منظر میں جو کہانی ہے وہ یوں سمجھ لو کہ ایک پراسرار امانت ہے جو کسی کو اس راز سے آگاہ کرنے سے روکتی ہے۔ مطلب یہی ہے میرا کہ تمہاری زبان اور تمہارے لوگوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں بلکہ یوں کہو کہ تمہاری دنیا کی بے شمار زبانیں میں بول سکتا ہوں جو علاقائی طور پر بولی جاتی ہیں لیکن ان کا اظہار میرے لیے ممکن نہیں ہے۔''

''معزز رہنما! مجھے تمہاری باتیں سن کر بے پناہ خوشی ہوئی ہے کیونکہ میں نے اب تک جن چند افراد سے رابطہ کیا ہے ان کے بارے میں مجھے اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ وہ ہماری زبان نہیں جانتے۔ یہ تو ایک بڑی ہی اچھی بات ہے کہ میری ملاقات تم سے ہو گئی۔ معزز شی وش، کیا میں تمہاری اس دنیا کے بارے میں معلوم کر سکتا ہوں؟''

''دنیا کے مختلف حصوں میں بہت سی آبادیاں ہیں۔ انہی میں سائبیریا کی آبادی بھی ہے جو برفانی آبادی کہلاتی ہے۔ اس کے علاوہ اسکیمولینڈ بھی ایک جگہ ہے جس کے بارے میں مجھے معلوم ہے۔ اگر تمہیں اسکیمولینڈ کی زندگی کا کچھ علم ہے تو تم یہ بات جانتے ہو گے کہ برف میں موجود آبادیاں زمین کے نیچے میرا مطلب ہے برفانی میدانوں کے نیچے لنگلو بنا کر رہتی ہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ دنیا کے بے شمار حصے ایسے ہیں جن کے بارے میں ابھی تک انسان کچھ بھی نہیں جانتے۔ ہماری یہ سرزمین جسے ہم ذی آنا کا نام دیتے ہیں۔ ایسا ہی ایک حصہ ہے۔ یعنی برفانی علاقوں میں یہ زمین ہے اور ہم ذی آنا کے

باشندے ان ایگلوؤں میں رہتے ہیں۔ لیکن سائبیریا اور دوسرے اسکیمولینڈ وغیرہ کے علاقے کے برفانی لوگ صرف اپنی رہائش گاہوں کے لیے ایگلو بناتے ہیں جبکہ ہم نے اپنی سرزمین ذی آنا میں دور دور تک پہاڑیاں کاٹ کر یا پھر ایسے قدرتی ذرائع سے پیدا ہو جانے والے غاروں اور وسیع وعریض پہاڑی میدانوں کو اپنی زندگی کا مرکز بنایا ہے۔ تم یہ سمجھ لو کہ ہماری چھت برفانی میدان ہیں اور ہم اس چھت کے نیچے یہ نئی دنیا آباد کیے ہوئے ہیں جو ذی آنا کے نام سے جانی جاتی ہے۔ ہم نے یہاں ایسے درخت اور پودے لگائے ہیں جو ہوا اور سورج کی گرمی کے بغیر پھلتے پھولتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں۔ یہ اجنبی دنیا ہم نے اپنی انتہائی کوشش سے باہر کے لوگوں سے محفوظ رکھی ہے اور اس طرح برف کے ان ویرانوں میں ہماری زندگی پھیلی ہوئی ہے لیکن ہماری خوش قسمتی ہے کہ تمہاری دنیا کے لوگ یہاں تک نہیں آ پاتے۔ ہاں، ہم وحشی جانور بھی نہیں ہیں کہ اگر بھولے بھٹکے لوگ ادھر آ بھی جائیں تو ہم انہیں یہاں سے مار بھگائیں یا بلاوجہ ان کے دشمن بن جائیں۔ بے شک اگر یہاں کوئی گروہ آ جائے یا چند افراد آ جائیں۔ تو ہم انہیں ہر طرح کی امداد دے کر ان کی اپنی دنیا میں روانہ کر دیتے ہیں لیکن اگر کوئی ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو پھر تم خود سوچو کہ انسانی عمل کیا ہوتا ہے۔ برائی کے جواب میں برائی تو انسانی فطرت کا ایک حصہ ہے اور ہم مکمل طور پر انسان ہی ہیں۔''

''بزرگ شی وش! تم لوگوں سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ میں تمہیں اپنے بارے میں بتاؤں کہ میں صرف ایک ادیب ہوں۔ کہانیاں لکھتا ہوں اور زندگی گزارتا ہوں۔ نہ میرے اندر انسانوں سے دشمنی ہے اور نہ کسی کو نقصان پہنچانے کا خیال۔ میرا وہ جہاز جس میں، میں سفر کر رہا تھا۔ تباہ ہو کر برف کے ویرانوں میں گر پڑا اور اس کے بعد ہمارے لیے زندگی محدود ہو گئی۔ بے شمار افراد ان ویرانوں میں بھٹک رہے ہیں۔ میں نجانے کن کٹھنائیوں سے گزر کر یہاں پہنچا ہوں اور اس وقت جب میں بے ہوش ہو کر گر چکا تھا اچانک ہی مجھے تم لوگوں کی امداد حاصل ہوئی۔ میں زندگی سے محروم ہو جاتا لیکن یقین کرو مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی تو یہ کہ میں جس مذہب سے تعلق رکھتا ہوں اس کے عقائد یوں ہیں کہ ہم آخر کار زندگی سے رشتہ کاٹ کر موت کی

آغوش میں جا سوئیں گے اور ہمارے لیے اس کا ایک وقت مقرر ہے۔ اور اگر زندگی ہے تو پھر مختلف طریقوں سے ہم زندہ رہیں گے جیسے اب۔''

شی وش پھر ہنس پڑا اس نے کہا۔ ''تم بڑی دلچسپ باتیں کر رہے ہو۔ تم کیا سمجھتے ہو؟ کیا ہم ان تصورات اور خیالات سے دور ہیں؟ نہیں میرے دوست! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمارے ہاں بھی مذہب ہے۔ دیوی دیوتا ہیں۔ زندگی اور موت کا تصور ہے۔ سب کچھ وہی ہے۔ تم ہمیں اجنبی دنیا کا اجنبی انسان نہ سمجھو۔ ہم سب جانے پہچانے لوگ ہیں۔ بہر حال میں تمہیں اپنی اس دنیا میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ تمہاری حالت بہتر ہو جائے اور تم یہاں سے جانا چاہو تو ہم تمہاری واپسی کے لیے تمہاری مدد کریں گے لیکن ہم تمہیں یہ بتا دیں کہ بہت سے ایسے واقعات پیش آ چکے ہیں جن سے ہمیں شدید نقصان پہنچا ہے اور یہ نقصان پہنچانے والے باہر کی دنیا کے لوگ ہوتے ہیں۔ انسانی رشتوں کا قانون ہم بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں لیکن اگر کوئی ہمیں نقصان پہنچائے تو تم خود بتاؤ۔ انسان انسان ہی ہوتا ہے، فرشتہ نہیں۔''

''میں......اس طرح کا انسان نہیں ہوں اور یہ بات تم لوگ خود اچھی طرح جانتے ہو کہ میں خود تمہارے علاقے تک نہیں آیا ہوں۔ بلکہ میرے ساتھ حادثہ پیش آیا تھا اور تم خود مجھے یہاں تک لائے ہو۔''

''ہاں۔ لیکن ہم نے تمہارے ساتھ برا سلوک نہیں کیا۔ تم شدید سردی کے شکار تھے۔ ہم نے تمہارے جسم پر وہ جڑی بوٹیاں منجمد کر دیں جو تمہارے بدن سے سردی کے شدید اثرات نکال دیں۔ ہم نے تمہارے چہرے اور جسم کے کھلے ہوئے حصے پر اپنے کتوں کو ذبح کر کے ان کا خون ملا تا کہ تمہارے چہرے کی کھال گل نہ جائے۔''

''تم نے یہ احسان کیا ہے مجھ پر اور میں احسان فراموش نہیں ہوں۔''

بوڑھے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آئی پھر اس نے کہا۔ ''پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم تم سے اپنے اس احسان کا صلہ قبول کر لیں۔ خیر جب تک تم ہمارے خلاف کوئی ایسا عمل نہیں کرتے جو ہمیں تکلیف پہنچائے، اپنے آپ کو ہمارا دوست سمجھو۔ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔''

"بہت بہت شکریہ! میں تمہارے لیے کسی بھی طور نقصان دہ نہیں بنوں گا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ اب باقی تمام لوگ بھی تم سے دوستوں کی طرح ملیں گے۔ جہاں تک ہماری زبان کا تعلق ہے تو تھوڑا سا انتظار کرو۔ ہمارے پاس ایسے ذرائع ہیں جن سے تم ہماری زبان سے بھی آشنا ہو جاؤ گے۔ اب مجھے اجازت دو۔ تمہاری طرف سے مطمئن ہو کر جا رہا ہوں۔ دوست ہو، دوستی کا ثبوت دینا اور کوئی ایسا عمل نہ کرنا جو ہمارے لیے الجھن کا باعث ہو اور اس کے بعد تمہارے لیے۔" بوڑھے کے الفاظ میں ڈھکی چھپی دھمکی بھی تھی۔ لیکن وہ جو کچھ کہہ رہا تھا میں اسے دل سے تسلیم کرتا تھا۔ ظاہر ہے اگر کسی کو نقصان پہنچاؤ گے تو وہ بھی تمہیں نقصان پہنچانے کے بارے میں سوچے گا اور اس بات کے بارے میں وہ پہلے ہی کہہ چکا تھا۔ بہرحال خاصا عجیب و غریب ماحول تھا یہ۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مجھے ان ہولناک کیفیتوں سے نجات مل گئی تھی۔ برف کے اس سرد جہنم میں جہاز کے حادثے سے شکار ہونے والے بے شمار لوگ موجود تھے لیکن ظاہر ہے ہم سب مسافر تھے۔ ہماری شناسائیاں پہلے سے تو نہیں تھیں اور جتنی شناسائیاں ہو گئی تھیں، وہ بھی ایک طرح سے بے مقصد ہی تھیں۔ بہت سے رنگوں اور بہت سی نسلوں کے لوگ تھے۔ بے شک منور ان میں ایک ایسی شخصیت تھی جس سے میرا دل لگا تھا۔ سب سے بڑی چیز اس کی حیرت ناک کہانی تھی جس نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا لیکن تقدیر نے اسے موقع نہیں دیا تھا۔ کاش! وہ بھی ساتھ ہوتا۔

اب یہاں اس پراسرار ماحول میں کم از کم زندگی کی تھوڑی سی امید تو ہو گئی تھی۔ سوچنے کے لیے سب کچھ تھا۔ بہرحال یہ بوڑھا ان لوگوں کے لیے بڑی حیثیت کا مالک تھا چنانچہ کچھ دیر کے بعد میرے لیے کھانے پینے کا سامان بھی آ گیا جو بے شک اجنبی تھا لیکن ظاہر ہے یہ لوگ اسی پر زندگی گزارتے تھے۔ میرے لیے بھی یہی کچھ ہو سکتا تھا۔ آسمان سے تارے توڑ کر کون کسی کے لیے لا سکتا ہے۔ لیکن اسکیمو کی زندگی میرے لیے بڑی دلچسپ اور دلکش تھی۔ بات وہی آ جاتی ہے۔ برف کی دنیا میں رہنے والوں کی کہانیاں میں نے بھی لکھی تھیں لیکن اندرونی حقیقتوں سے ناواقف رہ کر۔ بس جہاں تک دماغ کی رسائی تھی میں ان کی کہانیاں بھی لکھتا رہا تھا۔ پیٹ بھر جاتا ہے تو انسان کو دوسری

سوجھتی ہے۔ میرے پاس دو کہانیاں اکٹھی ہو چکی تھیں۔ ایک جہاز کے حادثے کے بعد پیش آنے والے وہ تمام انسانی واقعات۔ کیسی کیسی ہنگامہ آرائیاں ہوئیں تھیں اس تھوڑے سے عرصے میں اور لوگوں نے ان برف آبوں میں بھی اپنے مسائل کے حل تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ خلوص دل سے اجتماعی طور سے وہاں سے نکلنے کی کوشش کرتے، دوسرے ہی مسئلے شروع ہو گئے تھے اور وہ مسئلے اب بھی جاری ہوں گے۔ بیچاری لڑکیاں بھی تھیں وہاں۔ سب کی سب غیر محفوظ، لیکن حادثہ اسی کو کہتے ہیں۔ اپنے اپنے شاندار گھروں کو چھوڑ کر زندگی کے مختلف مسائل کے حل کی تلاش میں نکلنے والے ایک ایسے مسئلے سے دو چار ہو گئے تھے جس کا حل بظاہر ان کے پاس نہیں تھا۔ اب اسے زیادہ سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے۔ بات صرف میری اپنی ذات کے مسئلوں تک رہ گئی تھی پھر میں نے یہاں کی زندگی کے بارے میں سوچا۔ سویڈن، ناروے اور دوسرے شہروں میں برف کی زندگی بڑے عجیب و غریب انداز میں پائی جاتی ہے۔ ڈنمارک اور اس کے آس پاس کے علاقے اسکیمو لینڈ جن کی کہانیاں بڑی دلچسپ اور دلکش ہوتی ہیں۔ برف کے نیچے بنے ہوئے ایگلو جن میں سے ایک کا نظارہ میں خود کر چکا تھا لیکن یہ حیران کن دنیا ذرا مختلف تھی۔ وسیع و عریض، عظیم الشان اور ہر طرح کی مشکلوں سے بظاہر پاک لیکن ایسا ممکن نہیں تھا۔ یہ مشکلیں ہوتی ہوں گی ان لوگوں کے لیے بھی۔ میں نے یہ سوچا کہ ان کے پاس لباس بھی ہیں۔ زیادہ تر برفانی ریچھ اور دوسرے برف کے جانوروں کی کھالیں جیسے لومڑی، لگڑ بھگے وغیرہ ان کے جسموں پر تھیں لیکن بعض ایسے جانوروں کی کھالیں بھی ان کے جسموں پر نظر آتی تھیں جو خشک جنگلوں میں پائے جاتے ہیں یعنی وہ برفانی جانور نہیں ہوتے۔ یہ کھالیں اس کے علاوہ ان کے پاس برتن لکڑی یہ سب کہاں سے آئے۔ انہوں نے اپنے لئے زیر زمین رہائش گاہیں جو بنائی ہیں۔ ان کی تعمیر میں لکڑی کا اچھا خاصا استعمال تھا۔ کہیں نہ کہیں سے تو وہ یہ چیزیں لاتے ہوں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کا رابطہ کسی نہ کسی شکل میں باہر کی دنیا سے ہے۔ کم از کم کسی دور کی دنیا سے نہیں تو ایسے جنگلوں سے ضرور جہاں سے وہ یہ اشیاء حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ اس بات کے امکانات ہیں کہ ایسے جنگلوں تک جانا نصیب ہو جائے۔ بہرحال میں ایک

پراسرار اور سنسنی خیز کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ پھر جب میں نے اپنے آپ کو تندرست و توانا پایا۔ تو پہلی کوشش میں نے یہ کی کہ اپنی اس رہائش گاہ سے باہر نکلوں اور قرب و جوار کے ماحول کو دیکھوں۔ میں باہر نکلا اور اس کے بعد مجھ پر حیرتوں کے جو پہاڑ ٹوٹے وہ ناقابل یقین تھے۔ بوڑھے شی وش نے مجھے برف کی اس دنیا کے بارے میں بتایا تھا لیکن اس کے الفاظ میرے لیے بڑے ناقابل یقین سے ہو رہے تھے۔ اس نے یہ کہا تھا کہ ہم نے برف کے نیچے اپنی دنیا اپنے ہاتھوں سے تراشی ہے۔ یہ بات قابل یقین نظر نہیں آتی تھی لیکن جو عظیم الشان دنیا یہاں پھیلی ہوئی تھی اسے دیکھ کر تو عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ زمین کی تراش میں چھوٹے چھوٹے گول سوراخ بنے ہوئے تھے۔ یہ قدرتی سوراخ بے شک نہیں تھے بلکہ وہ دروازے تھے جو انہوں نے اپنی اپنی رہائش گاہوں میں تراشے تھے لیکن یہ رہائش گاہیں غاروں کی شکل میں تھیں اور میں نے جس غار سے باہر قدم نکالے تھے، اسکے اندر کی دیواریں بھی انسانی تراش کی معلوم نہیں ہوئی تھیں بلکہ ایسا ہی لگتا تھا جیسے قدرتی غاروں میں ٹھکانے بنا لیے گئے ہوں بہرحال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شی وش کا مفہوم کچھ اور ہی ہو۔ باہر نکلنے کے بعد میں نے ان لوگوں کی زندگی کو بکھرے ہوئے دیکھا۔ ایک باقاعدہ زیرزمین دنیا نظر آ رہی تھی۔ کہیں یہی زمین کا دوسرا طبق تو نہیں ہے۔ ہو بھی سکتا ہے کہ یہ لوگ اسے یہ نام نہ دے سکیں گے یا اس کے بارے میں کچھ جانتے نہ ہوں لیکن شی وش کے الفاظ بھی میرے لیے ذرا الجھا دینے والے تھے اس نے کہا تھا کہ وہ میری مہذب دنیا میں رہ چکا ہے اور برف کے ان علاقوں میں انہوں نے اپنے لیے یہ ایگلو تراشے ہیں تاکہ یہاں زندگی گزار سکیں۔ بہرحال یہ اتنی زیادہ تجسس کی بات نہیں تھی۔ یہ تو میرے لیے ایک تیسری کہانی کا آغاز تھا۔ ممکن ہے یہاں ایک اور کہانی میری منتظر ہو۔

آہستہ آہستہ وقت گزرتا رہا اور دوسرے یا تیسرے دن میں نے اپنے جسم میں کافی توانائی محسوس کی پھر ایک صبح ایک نئی دلچسپی کا آغاز ہوا۔ میں ایسے ہی ٹہلتا ہوا کافی دور نکل گیا تھا اور بہت دور دور تک کے علاقے دیکھتا پھر رہا تھا۔ زندگی اسی انداز میں یہاں بکھری ہوئی تھی۔ جیسے زمینی زندگی ہوتی ہے۔ اوپر کی چھت میں مجھے جابجا سوراخ نظر آتے تھے لیکن ایسے سوراخ جن تک پہنچنے کے لیے ایک باقاعدہ راستہ منتخب کرنا پڑتا تھا اور

رسی کی سیڑھی کے ذریعے اوپر تک پہنچا جا سکتا تھا۔ ویسے میں نے محسوس کیا تھا کہ بہت کم لوگ اوپر جاتے ہیں یا پھر ممکن ہے کوئی ایسی جگہ ہو جہاں سے وہ لوگ اپنی زندگی کی ضرورتوں کو تلاش کرنے کے لیے ہر وقت آتے جاتے رہتے ہوں۔ بے شک میں اس جگہ کا مکمل جائزہ نہیں لے سکا تھا۔ اس عجیب و غریب آبادی کے مختلف گوشے سنسان پڑے تھے۔ بعض جگہیں تو ایسی تھیں کہ دیکھ کر یقین نہ آئے۔ میں بھی ایسی ہی ایک جگہ کی طرف چل پڑا۔ یہ بھی پتھروں کے درمیان تراشی ہوئی جگہ تھی۔ ہم اسے ایک درے کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ درہ بہت دور تک چلا گیا تھا اور اس میں صرف اتنی جگہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ دو آدمی برابر چل کر وہاں سے گزر سکیں۔ یہاں کی زمین ناہموار تھی۔ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ درہ کسی زلزلے کی وجہ سے زمین پھٹ جانے سے بنا ہے یا پھر بقول بوڑھے شی وش کے اسے بھی انسانی ہاتھوں نے تراشا ہے لیکن درے کا اختتام ایک چوکور سوراخ پر ہوا تھا اور یہ ذرا اجنبی سی بات تھی۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ اس پراسرار دنیا کی ہر چیز دیکھنے کی تمنا میرے دل میں تھی اور چونکہ یہ لوگ مہمان نواز تھے اور انہوں نے اب تک مجھے کسی ایسی مشکل سے دوچار نہیں کیا تھا جو میرے لیے پریشان کن ہو، اس لیے اس ویران اور اجنبی دنیا میں مجھے بڑی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ میں اپنی دانست میں کہانیاں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ عام رہائش گاہوں کی نسبت اس چوکور دروازے کو دیکھ کر میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں اس کے اندر جا کر دیکھوں کہ اندر کیا ہے۔ بہرحال میں اندر پہنچ گیا۔ چوکور دروازے کے دوسری طرف ایک عظیم الشان غار تھا اور اس غار میں، میں نے بہت سی مشعلیں دیواروں میں اڑسی ہوئی دیکھیں جو بجھی ہوئی تھیں لیکن انہیں جلانے کیلئے مخصوص قسم کے پتھر رکھے ہوئے تھے۔ غار اندر سے نیم تاریک تھا۔ اسے بغور دیکھنے کے لیے میں نے ایک مشعل روشن کی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے ایک ہلکی سی سرسراہٹ ابھری ہو۔ میں نے چونک کر دیکھا تو غار کے بیچوں بیچ ایک انسانی ہیولا نظر آیا' رفتہ رفتہ میری آنکھیں تاریکی میں دیکھنے کی عادی ہو گئیں تو میں نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھنے کے بعد ایک لمحے کے لیے میرا سانس رک سا گیا۔

پراسرار، ناقابلِ یقین حیرت انگیز، سمجھ نہ آنے والی۔ وہ تقریباً ساڑھے پانچ فٹ قد کی مالک ایک خوبصورت سی لڑکی تھی جو غار کے بیچوں بیچ کھڑی مسکرا رہی تھی لیکن میں نے اس کے جسم میں کوئی جنبش نہیں محسوس کی تھی۔ وہ بالکل اسی انداز میں خاموش کھڑی ہوئی تھی۔ میں آہستہ سے اس کے قریب پہنچا اور پھر میں نے کہا۔

''کیا بات ہے، کون ہو تم، اور یہاں اس طرح کیوں کھڑی ہوئی ہو؟'' میرے ان الفاظ کا مطلب اس کی سمجھ میں آیا یا نہیں آیا یہ بات میں نہیں جانتا تھا لیکن اس کے انداز میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ وہ سادہ سے نقوش کی مالک ایک حسین لڑکی تھی اور میں اس کی مسکراہٹ پر غور کر رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ کا انداز بہت عجیب تھا جسم انتہائی مناسب اور کسی جانور کی ہلکی سی کھال میں لپٹا ہوا۔ ماتھے پر جانور ہی کی کھال کی پٹی باندھے ہوئے، سر میں کسی خوبصورت پرندے کا پر اڑسا ہوا تھا۔ گہری اور بڑی سیاہ آنکھیں، ہلکے سانولے رنگ کے ساتھ بہت عجیب سی لگ رہی تھیں اور میں اس بے باکی پر غور کر رہا تھا جو اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔ اس نے مجھے دیکھ کر پلکیں بھی نہیں جھپکائی تھیں۔

''لڑکی میں جانتا ہوں تم میری بات نہیں سمجھ پائی ہو گی۔ لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ تم یہاں اس انداز میں کیوں کھڑی ہوئی ہو؟'' دوبارہ بھی مجھے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑا اور دوسرے لمحے میرے جسم کو ایسا شدید جھٹکا لگا کہ ایک لمحے کے لیے میری سٹی ہی گم ہو گئی۔ اس کا بازو پتھر کی مانند تھا۔ وہ انسانی جسم ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ میں نے اس کے بازو پر زور سے گرفت کی اور دوبارہ مجھے وہی احساس ہوا۔ وہ

پتھر کی عورت تھی یعنی کوئی حسین مجسمہ۔ وہ زندہ نہیں تھی اور اسی لیے اس کے جسم میں جنبش بھی نہیں تھی۔ آہ۔ کمال ہے۔ کمال ہے۔ برف کی اس دنیا میں اگر کسی فنکار نے یہ مجسمہ تراشا ہے تو میں اسے فنکار نہیں جادوگر کہہ سکتا ہوں۔ فنونِ لطیفہ سے مجھ سے زیادہ اور کون واقف ہو سکتا ہے۔ مصور، سنگتراش، شاعر ادیب یہ سب ایک ہی سمت سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے نازک جذبات کو وہ کہیں الفاظ کی شکل دیتے ہیں، کہیں رنگ و برش اور کہیں پتھروں میں ڈھال دیتے ہیں۔ جس نے بھی یہ شاعری کی ہے بڑا ہی باکمال انسان ہو گا۔ پتھر کی شاعری، تو بہت ہی مشکل ہوتی ہے اور اس نے یہ مشکل شاعری کی تھی۔ میں نے غور سے پتھر کے اس مجسمے کو دیکھا۔ لڑکی کے ہونٹوں کی مسکراہٹ بڑی دلآویز تھی۔ اس کے ہونٹ غیر قدرتی رنگوں سے پاک تھے لیکن ان کی سرخی ناقابلِ یقین تھی اور تانبے جیسی رنگت پر یہ سرخی بڑی حسین نظر آ رہی تھی۔ مسکراتے ہونٹوں کے پیچھے جو دانت جھانک رہے تھے وہ بالکل موتیوں کے مانند تھے۔ اتنے سفید اور چمکدار کے دیکھنے میں نہ آ سکیں اور پھر یہ مسکراہٹ اتنی دلکش تھی کہ اتنے دنوں کی ذہنی کوفت ایک دم دور ہو گئی۔ حالانکہ وہ ایک مجسمہ تھا صرف مجسمہ۔ اور نجانے کب تک میں اس مجسمے کو دیکھتا رہا اور میرے ذہن پر عجیب سے خیالات چھاتے رہے۔ یہ تو واقعی ایک طلسم گاہ ہے، ایک انوکھا طلسم کدہ جہاں نجانے کیا کیا اسرار بکھرے ہوئے ہیں۔ بہت دیر تک میں اس غار کا جائزہ لیتا رہا۔ یہاں مجھے اور کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی سوائے اس مجسمے کے لیکن اس سنگی مجسمے نے کچھ اس طرح دل و دماغ پر اثر کیا تھا کہ میں نے کئی گھنٹے وہاں گزار دیئے اور نجانے کیوں میرے دل میں یہ آرزو ابھرتی رہی کہ یہ سنگی مجسمہ انسانی شکل اختیار کر لے، میں اس سے باتیں کروں۔ پھر میں نے اپنے آپ پر لعنت بھیجی، اپنا خوب مذاق اڑایا کہ ادیب ہر جگہ تم ایسی ہی بے تکی پراسرار کہانیاں تلاش کرتے پھرتے ہو جو تم صفحات پر بکھیر سکو۔ حقیقت کی زندگی بالکل مختلف ہے اس مہم جوئی کا مزا چکھ رہے ہونا۔ اپنے کاغذات پر تم نے پتہ نہیں مہم جوئی کی کیسی کیسی داستانیں لکھ ماری ہیں۔ اصل داستان سے واسطہ پڑا ہے تو اپنا حلیہ دیکھ لو۔ میں ہنستا ہوا اس غار سے باہر نکل آیا۔ یہ ہنسی اپنے آپ پر تھی۔ برف کی چھت کے نیچے اس عجیب و غریب دنیا میں رہتے ہوئے بارہا میرے دل میں خیال آیا کہ اب

کوئی ایسا عمل ہونا چاہیے جس سے مجھے یہاں سے نکلنے کا موقع ملے۔ یہاں کے لوگ بہت نرم خو اور اپنے آپ سے واسطہ رکھنے والے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ بوڑھے شی وش کے علاوہ وہ افراد جو پہلے مجھے ملے تھے، اور کسی نے ابھی تک میری جانب توجہ نہیں دی تھی۔ انہی میں سے دو آدمی میرے لیے کھانا وغیرہ لے کر آیا کرتے تھے اور ان چیزوں کو دیکھ کر میں حیران رہ جاتا تھا۔ کھانے میں خاص طور پر جب دودھ کی اشیا میرے سامنے آتیں تو میں سوچتا کہ یہ لوگ غالباً کچھ اور پراسرار ذرائع رکھتے ہیں۔ یہ دودھ کہاں سے آتا ہے۔ اتفاق کی بات یہ تھی کہ یہ لوگ ہماری زبان نہیں جانتے تھے۔ ورنہ میں ان سے اس کے بارے میں سوال ضرور کرتا۔ بس خاموشی کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ باقی کچھ اور بھی چیزیں وہ لے کر آیا کرتے تھے جو میرے لیے ناقابل فہم تھیں لیکن لذت میں بے مثال ہوتی تھیں اور میں اب اطمینان سے ان چیزوں کا عادی ہوتا جا رہا تھا۔ غالباً اس غار والے واقعے کے بعد یہ تیسرا دن تھا جب میں اپنے غار سے باہر نکلا۔ اس دوران بوڑھا شی وش بھی میرے پاس نہیں آیا تھا اور میری کسی سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ باہر نکل کر میں بہت دیر گھومتا پھرا۔ دن اور رات کا ایک تصور تھا اور میں اس وقت واپس اپنے غار میں آیا جب رات ہو چکی تھی۔ ان لوگوں میں سے ایک آدمی میری اس رہائش گاہ میں مشعل روشن کر گیا تھا۔ غالباً وہ لوگ بھی مطمئن تھے کہ میں ایک تکلیف دہ مہمان نہیں ہوں۔ مشعل کی پیلی اور مدقوق روشنی میں، میں نے کھانے کے برتن دیکھے اور اس کے بعد کھانے میں مصروف ہو گیا۔ یہی روزانہ کا معمول تھا۔ ہلکا پھلکا سا نفیس کھانا کھانے کے بعد میں اپنے بستر پر جا لیٹتا۔ دفعتاً ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مشعل کی روشنی کے علاوہ بھی میری اس رہائش گاہ میں ایک اور مدھم سی روشنی پھوٹی ہو اور یہ روشنی اس سوراخ سے آئی تھی جو بائیں سمت بنا ہوا تھا اور ایک دوسرے چھوٹے سے غار کی طرف کھلتا تھا۔ میں نے حیرت سے اس طرف دیکھا۔ اس غار میں تو کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ سوراخ کے دوسری جانب ایک چھوٹا سا بند غار تھا۔ اگر میری دنیا میں ہوتا تو اسے ایک چھوٹا سا اسٹور کہا جا سکتا تھا۔ بہرحال میں نے اس طرف چونک کر دیکھا اور دوسرے لمحے مجھے پر حیرت کا ایک شدید دورہ پڑا کہ شدت حیرت سے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہ دھوکہ نہیں تھا،

یہ یقینی طور پر کوئی فریب نہیں تھا۔ فریب نظر ایک الگ چیز ہوتی ہے لیکن اگر کوئی مجسم ہو کر سامنے آ جائے تو ناقابل یقین ہوتا ہے۔ میں حیرانی سے اسے دیکھنے لگا اور وہ آہستہ سے چلتی ہوئی میرے سامنے آ گئی۔ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہی تھیں۔ بالکل نہیں۔ یہ وہی تھی جسے میں نے غار میں دیکھا تھا۔ پتھر کے مجسمے کی شکل میں۔ میرے نزدیک آ کر اس نے ایک ہاتھ پھیلایا اور پھر آدھی جھک گئی۔ جھکنے کے بعد وہ سیدھی ہوئی۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک دم ہنس پڑی جیسے سیپ سے موتی نکل کر بکھر گئے ہوں۔ میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''کون ہو.........کون ہو تم.........کیا نام ہے تمہارا؟''

''پرشیانہ۔'' اس نے جواب دیا۔

''مم.........مگر تم تو پتھر کا ایک مجسمہ تھیں۔'' میں نے کہا اور وہ پھر ہنس پڑی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ میرے الفاظ کو بخوبی سمجھ رہی ہو اور اس بات کا تو پہلے پتا چل گیا تھا جب میں نے اس سے اس کا نام پوچھا تھا اور اس نے جواب میں اپنا نام بتایا تھا۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ پھر اس نے اپنی انگلی میرے سینے پر رکھی اور آہستہ سے بولی۔

''ناصر۔ ناصر۔''

''ہاں۔ مگر تم میرا نام کیسے جانتی ہو؟''

''میں سب کچھ جانتی ہوں۔'' وہ بولی اور میں حیرت سے اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ یہ دوسری شخصیت تھی جو مجھ سے میری زبان میں بول رہی تھی لیکن اسے شخصیت کیسے کہا جا سکتا تھا۔ میں تو اسے پتھر کے مجسمے کی شکل میں دیکھ چکا تھا اور اس وقت مجھے قطعی کوئی دھوکا نہیں ہوا تھا۔ پھر یہ سب کچھ کیا ہے۔ تب میں نے اس سے پوچھا۔ ''مجھے سچ بتاؤ کیا تم وہاں اس غار میں مجھے پتھر کے مجسمے کی شکل میں ملی تھی۔ وہ تم ہی تھیں؟''

جواب میں وہ ہنس پڑی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ''میں شی وش کی بیٹی ہوں اور اس نے مجھے اپنے بہت سے علوم سکھائے ہیں۔ میں اسی کی طرح تمہاری زبان سمجھ سکتی ہوں۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم مجھے پتھر کے مجسمے کی شکل میں کیسے ملی

تھیں؟''

''کیسے ہی نہیں وہ تو میں خود پتھر بن گئی تھی یہ دیکھنے کے لیے کہ تم مجھے دیکھ کر کیا محسوس کرتے ہو اور کیا سوچتے ہو۔''

''پتھر بن گئیں تھیں؟''

''ہاں۔''

''مگر کیسے؟''

''اب ساری باتیں تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ کچھ راز میرے اپنے پاس بھی رہنے دو۔''

''تم بہت عجیب ہو پرشیانہ بہت ہی عجیب۔ لیکن بہرحال مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی اور خاص طور پر یہ جان کر کہ تم میری زبان سمجھ سکتی ہو۔''

''بڑی خوشی ہوئی ہے مجھے بھی تم سے مل کر۔ بابا نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا تو میں نے ان سے کہا تھا کہ بابا مجھے تمہیں دیکھنے کی اجازت دے تو اس پر بابا نے کہا کہ تھوڑا سا وقت گزار لوں وہ مجھے اجازت دے دے گا۔ ذرا مہمان کے مزاج کو سمجھ لیا جائے۔''

''تمہارا بابا شی وش مجھ سے دوبارہ تو نہیں ملا۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم بابا کو نہیں جانتے وہ بہت بڑا جادوگر ہے اور اس کے جادو کے سامنے کوئی جادو کارگر نہیں ہوتا۔ ذی آنا میں لوگ اسے سب سے بڑا جادوگر مانتے ہیں۔''

''بہرحال بڑی اچھی بات ہے۔''

''ہم وہ تمام تر باتیں دریافت کر رہے ہیں جن سے تم ہمارے ماحول کو پوری طرح سمجھ سکو اور اس میں شامل ہو جاؤ۔''

''مگر میں تو اجنبی دنیا کا انسان ہوں۔ ظاہر ہے مجھے اپنی اجنبی دنیا میں واپس جانا ہے۔ یہ تمام باتیں سیکھ کر میں کیا کروں گا۔ میں تو بس کچھ عرصے کے بعد تمہارے بابا سے یہی کہنے والا ہوں کہ وہ میرے اوپر یہ احسان کرے کہ مجھے میری دنیا میں پہنچا دے۔''

''شاید ایسا نہ ہو کیونکہ تم نے جب بابا سے پوچھا تھا کہ تم ان کی کیا خدمت کر سکتے ہو اور کس طرح اس کا احسان اتار سکتے ہو تو بابا نے کہا تھا کہ وہ تمہیں اس کا موقع دے گا لیکن کچھ عرصے کے بعد۔''

''لیکن میں اس ماحول میں رہ کر کیا کروں گا؟''

''اس کا جواب تو تمہیں ہارلیس ہی دے گا۔ ہارلیس ہمارا رہنما ہے۔ ہمارا سردار ہے۔ وہی تمہیں اس بات کا جواب دے گا۔''

''اوہ۔ مگر تمہارا سردار کہاں ہے؟''

''تمہیں اس کے سامنے پیش کیا جائے گا لیکن اس وقت جب تم ہماری زبان سمجھنا شروع کر دو گے۔''

''مگر میں تمہاری زبان کیسے سمجھ سکوں گا؟''

''یہ ذمہ داری بابا نے مجھے دی ہے۔''

''اوہ۔ تو تم مجھے اپنی زبان سکھاؤ گی؟''

''ہاں۔''

''مگر ایسا کیسے ہو گا؟''

''ہو جائے گا۔ تم اس کی فکر مت کرو۔'' پرشیانہ نے آنکھیں بند کر کے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی پھر کہنے لگی۔ ''میں روزانہ تمہارے پاس آؤں گی اور اپنی زبان کے کچھ الفاظ تمہیں سکھاؤں گی اور اس بات کا اطمینان رکھو کہ یہ الفاظ میں تمہارے ذہن میں بٹھا دوں گی۔''

''ٹھیک۔ بڑی خوشی کی بات ہے تم میری بہت اچھی دوست بن جاؤ گی۔''

''ہاں، میں تمہاری دوست ہوں۔ ویسے تم اس بات پر یقین کرو کہ پورا قبیلہ تمہاری آمد سے خوش ہے اور ہم لوگ تم سے بہت سی توقعات وابستہ کر چکے ہیں۔''

''کیسی توقعات؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''یہ بات بھی تمہیں سردار ہی بتائے گا۔'' اس نے کہا اور پھر ہنس پڑی۔

''واہ۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ ایک طرف تم اپنے آپ کو میرا دوست کہتی ہو اور

دوسری طرف کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جو تمہیں معلوم ہیں لیکن تم مجھے بتانا نہیں چاہتیں۔“

”مگر اس میں اعتماد نہ ہونے کی کیا بات ہے۔“

”اگر تمہیں مجھ پر اعتماد ہوتا تو تم مجھ سے کوئی بات نہ چھپاتیں۔“

”تم یقین کرو میں تم سے کوئی بات نہیں چھپا رہی۔“ پرشیانہ نے جواب دیا۔

”تم نے یہ نہیں بتایا مجھے کہ میں تمہارے لیے بڑی حیثیت کیوں رکھتا ہوں۔“

”میں خود نہیں جانتی اس بارے میں۔“

”تو پھر تم نے یہ الفاظ کیوں کہے تھے؟“

”اس لیے کہ میرے بابا نے مجھے یہی بتایا تھا۔“

”شی وش نے؟“

”ہاں۔ وہی تو میرے بابا ہیں۔ انہوں نے یہ ذمہ داری مجھے سونپی تھی کہ ایک شخص جو برف کے ویرانے عبور کر کے ہماری اس برفانی دنیا میں آئے گا، وہ ہمارے لیے بڑی برکتوں کا درجہ رکھتا ہے اور ہمیں دیوتاؤں کی طرح اس کی عزت کرنی چاہیے اور پرشیانہ، تم اس اجنبی کو مقامی زبان سکھاؤ گی۔ بس یہ سمجھ لو کہ یہ الفاظ ہیں جن کی بناء پر میں نے تم سے کہا اور یقینی طور پر سردار نے لوگوں کو بتایا ہوا تھا کہ وہ اجنبی آ چکا ہے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے اس لیے قبیلہ خوش ہے۔ اب بتاؤ اس میں میرا کیا قصور ہے۔“

”ہوں۔“ میں نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی اور پھر تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ میں نے پرشیانہ کی طرف دیکھا اس کی شوخ آنکھوں میں مسکراہٹیں نظر آ رہی تھیں۔ کچھ لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

”تم کیا سوچنے لگے؟“

”کوئی خاص بات نہیں بس میں تمہاری باتوں پر غور کر رہا تھا۔“

”میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ بابا نے جس طرح تمہارے بارے میں مجھے بتایا تھا۔ اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ نجانے تم کیسے ہو گے۔ لیکن تم تو بالکل ہم جیسے ہی ہو۔ باتیں بھی ہماری ہی طرح کرتے ہو اور تمہارے اور اندر کوئی ایسی بات نہیں ہے جو دوسروں سے مختلف ہو۔“

”پتہ نہیں کیا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم مجھے اپنی زبان کیسے سکھاؤ گی؟“

”ابھی سے شروع ہو جائیں۔“

”کیا حرج ہے۔“ میں نے کہا۔ میرے دل میں یہ تصور تھا کہ ان کی زبان سیکھنے کے بعد مجھے برف کی اس پراسرار دنیا کے بارے میں اور بھی بہت سی معلومات حاصل ہوں گی۔ اس نے مجھ سے کہا۔

”اب تم ایسا کرو جو کچھ یہاں موجود ہے اس کے بارے میں سوالات کرو۔ میں تمہیں ان کے جواب دوں گی اور یہ بتاؤں گی کہ کون سی چیز کو کیا کہا جاتا ہے۔“ یہ کھیل میرے لیے بھی دلچسپ تھا۔ ویسے اسکول سے کالج اور کالج سے یونیورسٹی اور اس کے بعد دنیا کے دوسرے علوم کی کتابیں پڑھنے سے مجھے کافی دلچسپی تھی لیکن اس پراسرار دنیا کی پراسرار زبان میرے لیے بڑی دلکشی کا باعث تھی چنانچہ بہت دیر تک میں اس کا دماغ کھاتا رہا اور اس نے کئی الفاظ مجھے سکھائے۔ پھر وہ آہستہ سے بولی۔

”اب میں جاؤں؟“

”کل آؤ گی؟“ میں نے اس کی زبان میں سوال کیا اور وہ اچھل پڑی۔ اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

”ہاں میں کل آؤں گی۔“

”کس وقت؟“

”جب سورج نکلے گا۔“ اس نے جواب دیا اور میں نے گردن ہلا دی۔ وہ چلی گئی اور میں گہری سانس لے کر ان تیماردار بوڑھوں کو دیکھنے لگا جو ان ہڈیوں اور کھوپڑیوں میں مصروف تھے۔ یقینی طور پر یہ شی وش کے وہ ساتھی تھے جو اس کے ساتھ مل کر دوائیں تیار کیا کرتے تھے۔ بہرطور میں نے اس کے بارے میں بہت کچھ سوچا اور آخری فیصلہ یہی کیا کہ میری زندگی جس طرح پابہ زنجیر ہو کر رہ گئی ہے اس کے بعد یہی دیکھنا رہ گیا ہے کہ یہاں سے کب نکلنا نصیب ہوتا ہے۔ یہ بات بھی ذرا سی باعث حیرت تھی کہ وہ لوگ میرے بارے میں کوئی خاص تصور رکھتے تھے۔ جیسا کہ لڑکی نے کہا کہ قبیلے کے لوگ میرے لیے بڑی خوشیاں منا رہے ہیں۔ میں نے اپنی کئی ایڈونچر کہانیوں میں اسطرح کے

تھا۔ بہرحال وہ بوڑھا جس سے میری باتیں ہوئیں تھیں، بہت ہی حیرانی کا اظہار کر رہا تھا۔ جب سورج چھپا تو غار کے دروازے سے آنے والی روشنی مدھم پڑ گئی اور دروازے پر شی وش نظر آیا۔ اس کے چہرے اور بالوں کی رنگت دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی عمر بہت زیادہ ہے لیکن بڑی اعلیٰ صحت تھی اس کی اور وہ بڑے خوبصورت انداز میں قدم رکھتا ہوا میرے پاس پہنچا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ”واہ۔ تم نے اتنی جلدی کتنی عمدگی سے ہماری زبان سیکھ لی ہے۔“

”سکھانے والی جو شخصیت ہے اس کے بارے میں تم سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں شی وش۔“

”ہاں بولو۔“

”وہ مجھے ایک غار میں نظر آئی تھی اور اس وقت اس کا سارا وجود پتھر کا وجود تھا۔“

شی وش کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ وہ کچھ دکھی سا ہو گیا تھا۔ میں سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ میں نے پھر کہا۔ ”اگر کوئی ایسی بات ہے جو تم نہیں بتانا چاہتے میرے معزز میزبان، تو میں تمہیں اس کے لیے بالکل مجبور نہیں کروں گا۔ یقیناً کوئی ایسی ہی بات ہوگی جسے بتانے میں تم الجھن محسوس کر رہے ہو۔ لیکن میں تمہیں کسی الجھن کا شکار نہیں ہونے دینا چاہتا۔“

”نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میں چاہتا تھا کہ یہ غم انگیز کہانی، تم میری زبانی نہیں بلکہ سردار ہارلیس کی زبانی سنو۔ جو تمہارے آنے سے بہت خوش ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ شاید تم اس کے بیٹے کو اس جگہ سے رہا کرا کر لے آؤ گے جہاں اسے قید کر دیا گیا ہے۔ یہ بڑی غمناک کہانی ہے لیکن اب جبکہ تم نے یہ سوال کر لیا ہے تو مجھ پر لازم ہو گیا ہے کہ میں تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں۔“

میرا دل چاہا کہ میں زبردست قہقہے لگاؤں۔ کہانیاں' کہانیاں' کہانیاں' ہر قدم پر ہر موڑ پر ایک کہانی۔ آہ۔ کاش! مجھے زندگی مل جائے اور میں ان کہانیوں کو تحریر کر کے تحریر کی دنیا میں تہلکہ مچا دوں۔ میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”معزز شی وش! میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔“

”نہیں۔ میں نے کہا نا اب جبکہ تم نے یہ سوال کر ہی لیا ہے تو پھر مجھ پر فرض عائد ہو گیا ہے۔ لیکن میرے ساتھ چلنا ہوگا تمہیں۔“ میں نے گردن ہلا دی۔

”اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میرا تمہارے ساتھ چلنا مناسب ہے اور تم مجھے یقینی طور پر کسی چیز سے آگاہ کرنا چاہتے ہو تو مجھے اعتراض نہیں ہے۔“

”آؤ۔ پہلے وہیں آؤ جہاں سے تم نے اپنے اس تجسس کا آغاز کیا ہے۔“ اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ مجھے کیا دکھانے پر آمادہ ہے۔ میں اس کے ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد اسی جگہ پہنچ گیا جہاں میں نے وہ عجیب و غریب غار دیکھا تھا۔ میرا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ پرشیانہ تو اب میرے لیے ایک دلچسپ اور دلکش وجود بن گئی تھی۔ اس وقت میں نے اسے غار کے اندر دیکھا تو وہ ویسے ہی سنگی مجسمے کی حیثیت سے کھڑی تھی۔ میری حیرت عروج پر پہنچ گئی۔ میں نے کہا۔

”یہ اس وقت پرشیانہ کی کیا کیفیت ہے؟“

”جاؤ اسے چھو کر دیکھو۔“ شی وش بولا اور میں بے اختیار اس جانب چل پڑا۔ کچھ دیر کے بعد میں پرشیانہ کے قریب تھا۔ پرشیانہ کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اسی طرح تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ شرارت سے مسکرا رہی ہو اور کہہ رہی ہو کہ دیکھو۔ ہم سب مل کر تمہیں کیسے بیوقوف بنا رہے ہیں۔ لیکن بہرحال میں نے اسے چھو کر دیکھا اور اس بار میں نے اپنی کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ سو فیصدی پتھر کے ایک بت کی مانند تھی۔ اس میں بے شک زندگی دوڑتی محسوس ہوتی تھی لیکن ہر چیز پتھر کی تھی۔ اس کی آنکھیں جن میں، میں نے انگلیاں پھیر کر دیکھا، اس کے ہونٹ، رخسار، گردن .... میں نے حیران نگاہوں سے بوڑھے شی وش کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر اس نے کہا۔

”آؤ۔“ لیکن اس بار وہ جس طرف بڑھا وہ میرے لیے اور حیرت انگیز بات تھی۔ میں نے اس کے ساتھ قدم اٹھائے۔ وہ غار کی ایک دیوار کے پاس پہنچا اور پھر اس نے کوئی عمل کیا جس سے غار کی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہو گیا۔ میں اس دروازے سے اندر داخل ہوا تو میں نے دو نو جوانوں کو دیکھا جو اسی طرح ساکت و جامد کھڑے ہوئے

تھے۔ ان میں سے ایک قوی ہیکل جسم کا مالک اور بڑے پر رعب چہرے والا تھا دوسرا ایک شوخ سی شکل کا نوجوان تھا جو مقامی لباس پہنے ہوئے تھا لیکن اس کے چہرے سے شرارت ٹپک رہی تھی۔

''کیا یہ دونوں مجسمے بھی پتھر کے ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں۔ اب یہ پتھر کے ہیں۔''

''یہ کون ہیں؟''

''یہ سردار ہارلیس کا بیٹا زیراس ہے اور دوسرا جو شوخ سی شکل کا ہے اس کا نام روتھن ہے۔ اب اس کہانی کے تینوں کردار تم نے دیکھ لیے' وہ لڑکی غالباً اس نے تمہیں بتا دیا ہوگا کہ میری بیٹی پرشیانہ ہے۔ آؤ...... میں تمہیں کچھ اور لوگوں سے ملواؤں۔'' اس نے کہا اور اس غار سے باہر نکل کر داہنے ہاتھ پر ایک دروازے کے اندر داخل ہو گیا اور پھر اس نے ایک ایسا منظر میرے سامنے پیش کیا جو ناقابل یقین تھا۔ وہاں وہی دونوں نوجوان زندہ حالت میں موجود تھے اور ان کے برابر ہی پرشیانہ بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر ہنسی اور اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی میرے کانوں میں رس گھولنے لگی۔ بوڑھے نے کہا۔ ''پرشیانہ ادھر آؤ۔''

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بوڑھے سے چند فاصلے پر آ کھڑی ہوئی۔ بوڑھے نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور جدید دنیا کے اجنبی! تم نے واقعی ان تمام شریفانہ جذبوں کا اظہار کیا ہے جو اچھے نوجوانوں کے اندر ہوتے ہیں۔ تم نے اسے چھو کر تو نہیں دیکھا ابھی تک۔''

''نہیں بزرگ! میں کسی کی عزت کو اپنی ہی عزت سمجھتا ہوں۔ مجھے یہ حق تو حاصل نہیں تھا۔''

''ہاں۔ اسی بنیاد پر میں تمہیں ایک شریف نوجوان تصور کرتا ہوں لیکن آؤ۔ میں تمہیں پرشیانہ کو چھونے کی دعوت دیتا ہوں۔''

''کیا......؟''

''ہاں۔ آؤ...... تم اس کے سنگی بت کو چھو کر دیکھ چکے ہو۔''

''وہ صرف حیرت کا ایک جذبہ تھا لیکن یہ اس وقت......''

''میں تم سے کہتا ہوں۔ آگے بڑھو۔ پرشیانہ یہ شخص اپنی شرافت کی وجہ سے آگے نہیں بڑھے گا۔ تم خود اسے اپنے بارے میں بتاؤ۔'' پرشیانہ میری جانب بڑھی اور میں کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا لیکن حیرتوں کا سمندر اس وقت میرے اردگرد موجزن ہو گیا جب اچانک ہی پرشیانہ میرے جسم میں سے گذر کر دوسری جانب نکل گئی۔ میں نے ہوا کے ایک جھونکے کو اپنے بدن سے گزرتے ہوئے محسوس کیا تھا۔

''اور اسے یقین دلا دو کہ تم صرف ایک ہوا کا وجود ہو۔ صرف ہوا کی بیٹی ہو تم۔ تمہاری کوئی حقیقت نہیں ہے۔ سمجھیں! تم صرف ہوا کی بیٹی ہو۔'' پرشیانہ دوبارہ میرے جسم سے گزر گئی اور میری حیرتوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ پھر بوڑھے نے ان دونوں سے کہا۔

''تم لوگ بھی اسے بتاؤ کہ تم صرف خاک کے ہو۔ تمہارا کوئی وجود نہیں ہے۔ کیا سمجھے...... تمہارا کوئی وجود نہیں ہے اسے بتاؤ۔'' دونوں نوجوان آہستہ آہستہ آگے بڑھے اور اس کے بعد وہ تینوں میرے جسم سے گزرنے لگے۔ ایک ادھر' ایک ادھر' ایک ادھر۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔ پھر وہ تینوں ایک جگہ کھڑے ہو گئے۔ ان کے چہروں پر غم کی پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں اور میرے دل میں بھی غم کا ایک شدید احساس تھا۔ ان دونوں سے تو میری ابھی ملاقات ہوئی تھی لیکن پرشیانہ سے تو میں کئی دن سے واقف تھا۔ ہنستی بولتی' مسکراتی لڑکی۔ پتہ نہیں اس جادونگری میں اس کا وجود اس وقت کیا تھا۔ میں نے اسے ایک سنگی مجسمے کی صورت میں دیکھا تھا اور اس کے بعد اب دیکھ رہا تھا۔ پہلے وہ میرے پاس ایک تیسری شکل میں آتی رہی تھی۔ بوڑھے نے کہا۔

''آؤ...... اب باہر آ جاؤ۔'' پھر وہ مجھے ان غاروں سے باہر نکال لایا لیکن میری کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس احساس نے مجھے دیوانہ کیا ہوا تھا کہ اصلیت کیا ہے' حقیقت کیا ہے؟ بوڑھے نے اس طرف رخ نہیں کیا تھا جدھر باقاعدہ آبادی تھی۔ وہ مجھے ایک ویران سی جگہ لے گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے مجھے بیٹھنے کے لیے کہا اور پھر بولا۔

''جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ تمہاری دنیا سے مجھے تھوڑی بہت واقفیت ہے اور میں اسی لیے تمہاری زبان' تمہاری تہذیب اور تمہارے رہن سہن سے آشنا ہوں۔ میرے

دوست! بڑے بدنصیب ہیں ہم لوگ، تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ برف کی چھت کے نیچے آباد یہ بستی بہت اچھی حیثیت کی حامل ہے تو یہ تمہاری بھول ہے۔ ہم لوگ بھی بہت سے عذابوں کا شکار رہتے ہیں۔ برف کی یہ سرزمین انتہائی طویل و عریض ہے اور ذی آنا کی یہ آبادی اس سے پہلے اس طرح زمین کی گہرائیوں میں نہیں اتری تھی۔ بے شک ہمارے سیانوں نے یہاں بہت کچھ پیدا کرلیا ہے لیکن ہم آج بھی اپنی اس آبادی کو نہیں بھول سکتے جو بے شک برف زاروں ہی میں تھی لیکن اتنی بھی نہیں۔ باہر کی دنیا میں جاؤ گے تو تمہیں باقاعدہ ایسی آبادی ملے گی جیسی تمہاری اپنی آبادیاں ہوتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہاں برفاب بھی ہیں، جنگل درخت بھی ہیں، پہاڑیاں بھی ہیں۔ وہی ہماری سرزمین تھیں اور ہم اسی سرزمین کے باسی تھے لیکن ذی آنا کے جادوگروں نے اس طرح بربادی پھیلائی کہ ہم لوگوں کو اپنی آبادی سمیٹ کر اس طرح زیرِ زمین آنا پڑا ورنہ ہماری اصل بستی تو اور ہی تھی۔ وہاں ہم گھر بنا کر رہتے تھے۔ ہماری اپنی زندگیاں تھیں لیکن سب سحر کا شکار ہوگئیں۔"

"مگر میں پرشیانہ کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

اور تب بوڑھے شی وش نے اچانک ہی اس کہانی کا آغاز کردیا تھا۔ جس کا ابتدائی حصہ میرے علم میں نہیں تھا لیکن میں جانتا تھا کہ جذباتی بوڑھا ان دونوں ہی کے بارے میں تفصیل بتا رہا ہے۔ جن میں سے ایک کا نام زیراس اور دوسرے کا روتھن ہے۔ حالانکہ میرے دل میں یہ آرزو تھی کہ مجھے ساری تفصیل کا صحیح انداز میں پتہ چلے اور پرشیانہ کے بارے میں مجھے تفصیل معلوم ہو لیکن بوڑھے کی آنکھوں میں نظر آنے والے آنسو مجھے روک رہے تھے کہ میں اس خواہش کی تکمیل کے بجائے وہ سنوں جو بوڑھا مجھے بتانا چاہتا ہے۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

ہارلیس کا بیٹا زیراس اور پرشیانہ کا بھائی روتھن بڑے بہادر اور جنگجو تھے۔ وہ ذی آنا کے ان محافظوں میں سے تھے جنہیں ذی آنا کی محافظت کی ذمے داری ورثے میں ملی تھی۔ وہ یہاں کے بے شمار مسائل سے نمٹتے تھے اور عام طور پر گھوڑوں کی پشت ان کا بستر ہوا کرتی تھی۔ وہ ہمیشہ ہی لوگوں کے کام آیا کرتے تھے۔ اوپر کی دنیا میں بہت سے قبیلے آباد تھے لیکن سب کے سب تباہ ہوگئے۔ بہرحال بہت سے معاملات میں بہت سنگین صورتحال کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ان دنوں کچھ ایسے واقعات پیش آ رہے تھے کہ سب حیران رہ گئے تھے۔ روتھن سیلانی تھا اور اسے ادھر ادھر گھومتے پھرتے رہنے کی عادت تھی۔ زیادہ تر وہ ایسی باتیں اور چیزیں دیکھ لینے میں کامیاب ہو جاتا جن سے دوسرے بے خبر رہتے تھے۔ وہ واپس آ کر یہ خبریں زیراس کو دیتا اور زیراس پریشان ہو جاتا۔ بعض اوقات روتھن کی سنائی ہوئی باتوں پر اسے یقین نہیں آتا تھا۔ پھر وہ اس کے ساتھ چلتا اور اپنی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھتا۔ اس عمل میں اکثر ان کا واسطہ عجیب وغریب حالات سے پڑ جاتا لیکن وہ اپنی شجاعت، ذہانت اور قوت کے بل بوتے پر بچ نکلنے میں کامیاب رہتے۔

ان دونوں کے درمیان کچھ اس طرح کی گفتگو اکثر ہوا کرتی تھی۔

"یہ مت بھول زیراس! کہ میں نے ہی تجھے اس خوفناک بلا سے نجات دلائی تھی اور ذی آنا میں جو تباہی پھیلنے والی تھی، اس کا تو نے نمونہ بھی دیکھ لیا تھا۔"

"ہاں بے شک۔ لیکن میں اس خوفناک بلا کو مفلوج کر چکا تھا۔ کیا تجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس سے آگے اسے کوئی فتح حاصل نہ ہو سکی۔"

‘‘تو کب اسے روک سکتا تھا؟ میں نے اس بلا کو جنگ کر کے ختم کر دیا۔’’

‘‘اگر تو یہ نہ کر پاتا تو میں یہ کام کر ڈالتا۔’’

‘‘تو پھر ٹھیک ہے تو اسے دوبارہ تلاش کر۔ وہ تو نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔’’

‘‘اگر ایسی بات ہے تو تو کیا سمجھتا ہے کہ میں یہ کام نہیں کر سکوں گا۔’’

پراسرار دنیا کے پراسرار قصے ذی آنا کے بے شمار لوگوں کو سنائے جاتے تھے اور وہ خوفزدہ کرنے کے لیے کافی ہوتے تھے لیکن یہ کہانیاں پھر بھی دہرائی جاتی تھیں اور حقیقت تو یہ تھی کہ جادو کی دنیا بڑی خطرناک نوعیت کی حامل تھی اور شاید زیراس وہاں جانا نہیں چاہتا تھا لیکن روتھن بھلا کہاں باز آتا۔ بہرحال زیراس نے فیصلہ کیا کہ روتھن کی خواہش کے سامنے سر جھکا دے چنانچہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر ان پراسرار کرداروں کی تلاش میں چل پڑے جو ذی آنا کی وادی کے انتہائی سنگین نوعیت کے کردار تھے۔ خاص طور سے فولاس اور زوالاجن سے ایک بار ان کا واسطہ پڑ چکا تھا اور جن کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ بلندیوں کی وادیوں کے بدترین کردار ہیں۔ ان دونوں کی پراسراریت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان دونوں کا نام ایک عرصے ذی آنا کے نشیب و فراز میں گونج رہا تھا لیکن آج تک کسی نے انہیں دیکھا نہیں۔

بہرحال انہیں صحیح سمتوں کا تو اندازہ نہیں تھا، بس وہ اپنی یادداشت پر بھروسہ کر کے چل پڑے تھے اور زیراس روتھن کا تعاقب کرتا رہا۔ سنگلاخ چٹانوں اور گھنے جنگلوں اور دلدلوں کی وادیوں میں سمتوں کا تعین کرنا ایک ناقابل یقین عمل تھا۔ ان پوری آبادیوں کے لوگ یہ دعویٰ نہیں کر سکتے تھے کہ وہ جس سمت جا رہے ہیں، وہ انہیں کہاں لے جائے گی۔ بس کوئی بستی نظر آ جائے تو اس کے بارے میں معلومات حاصل کر لی جاتی تھی اور وہیں سے آگے کے سفر کے بارے میں فیصلہ کیا جاتا تھا۔ اس وقت چونکہ زیراس نے روتھن کے خیال کی نفی کی تھی اس لیے روتھن اس سے منہ موڑے اپنا سفر کر رہا تھا۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ اسے پوری طرح اس بات کا علم تھا کہ سردار کا بیٹا اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ کافی دور جانے کے بعد اس نے صرف ایک بار چور نگاہوں سے پلٹ کر دیکھا تھا۔ اس وقت وہ بلندی پر تھا اور زیراس ڈھلانوں میں۔ زیراس کے گھوڑے کو اپنے

پیچھے آتے دیکھ کر روتھن بہت خوش تھا اور دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ یہ سفر جاری رہا اور رفتہ رفتہ شام ہو گئی لیکن میرے عزیز دوست جیسا کہ میں نے تم سے ذی آنا کی اس سر زمین کا تذکرہ کیا جو برف سے ڈھکی ہوئی نہیں تھی۔ برف کی زیریں وادیوں میں تو ہم ماحول سے اکتا کر آئے کہ جو کچھ ہم پر بیتی تھی وہ ہمارے لیے بہتر تو نہیں تھی۔ بہرحال رفتہ رفتہ شام ہو گئی جہاں تک نگاہ کام کرتی چٹانوں اور ان کے درمیان لگی ہوئی جھاڑیوں کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ جب رات گہری ہو گئی اور آگے کے راستے تاریکیوں میں گم ہو گئے، تو روتھن نے گھوڑا روک لیا اور نیچے اتر گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد زیراس بھی اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔ یہ بڑی دلچسپ بات تھی کہ وہ دونوں ایک جان دو قالب تھے۔ جہاں روتھن وہاں زیراس، جہاں زیراس وہاں روتھن۔ بچپن سے یہ دوستی ایک معیاری حیثیت رکھتی تھی اور لوگ اس کے حوالے دیا کرتے تھے۔ بہرحال جب زیراس اس کے قریب پہنچا تو روتھن کے منہ سے ہنسی نکل گئی جس پر زیراس سخت ناراض ہو کر بولا۔

‘‘دانت مت نکال۔ اگر میں تجھ سے کہتا کہ کسی آبادی کو تلاش کر کے ان علاقوں کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔ تو یقیناً تیری ناقص اور گھٹیا کھوپڑی میں یہ بات نہیں آتی اور تو سوچتا کہ زیراس سے اختلاف کرنا چاہیے۔’’

‘‘ارے نہیں نہیں۔ زیراس جو سوچتا ہے وہی روتھن کی سوچ ہوتی ہے۔ لیکن تیرے اوپر یہ مشکل کیوں سوار ہے؟ کیا اس سے پہلے ہم نے کسی جگہ یا کسی راستے کے بارے میں اس قدر سوچا اور غور کیا ہے؟ ہم تو جس سمت بھی نکل جائیں اسی طرف ہماری منزل ہوتی ہے۔ منزل وہ لوگ تلاش کرتے ہیں جنہیں کسی کا خوف ہوتا ہے، ہم لوگ ایسا نہیں کرتے۔ ویسے تیرا کیا خیال ہے، کسی آبادی کی حسینائیں تیری وجہ سے افسردگی کا شکار ہوں گی؟’’

‘‘گدھا ہے تو۔ تو یہ نہیں جانتا کہ حسن میری منزل نہیں ہے۔’’

‘‘لیکن جب میں ایک حسینہ کا نام لیتا ہوں تو تیرے رخسار سرخ کیوں ہو جاتے ہیں؟’’ روتھن نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ زیراس گھونسا تان کر اس پر دوڑا اور روتھن نے پھرتی سے دوڑ لگا دی۔ پھر جلدی سے بولا۔ ‘‘مم..... مگر میں نے ایسی کوئی بات کہی تو

نہیں۔ بس ایسے ہی منہ سے ایک بات نکل گئی تھی۔ اچھا خیر چھوڑو۔ ویسے تو ذی آنا میں ایک سے ایک پراسرار وادی موجود ہے لیکن یہ سرزمین بڑے عجیب وغریب اسراروں کی حامل ہے اور تو مجھے یہاں تک لایا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ کیوں نہ علاقے کی صحیح طریقے سے سیاحت کر ہی لی جائے۔ لطف آئے گا اور مجھے یقین ہے کہ تو بھی اس سے لطف اندوز ہوگا۔''

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ اگر تو نے کھانے پینے کا کوئی بندوبست نہ کیا تو میں تجھے ہی کھا جاؤں گا۔'' زیراس نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا اور روتھن ہنسنے لگا۔

''ہاں واقعی! ہم جیسے لوگوں کا سب سے بڑا مسئلہ خوراک ہی ہوتی ہے لیکن کیا اچھی بات ہے کہ سرزمین ذی آنا میں رات کبھی بھوک سے بلکتے ہوئے نہیں گزری۔ کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے، کیا سمجھا؟ اور ایک بات تجھے ماننی پڑے گی۔ وہ یہ کہ تیری یادداشت میں اب کوئی خرابی پیدا ہوتی جا رہی ہے۔''

''کیسے جا، کیسے جا۔ بک بک تو، تو کرتا ہی ہے۔ میری یادداشت کو کیا ہوا؟''

''تجھے وہ گورخر یاد نہیں جس کا گوشت تو نے بڑی چاہت کے ساتھ محفوظ کر لیا تھا؟''

''ارے واقعی۔ اوہو...... میں تو بھول ہی گیا۔ جلدی نکال وہ گوشت۔ بے شک ٹھنڈا ہو گیا ہوگا لیکن ٹھنڈے گوشت کا بھی اپنا ایک الگ مزہ ہے۔ کیا ہی بے عقلی کی بات ہے واقعی! مگر تو ایک بات سن لے۔ جب میں بھوکا ہوتا ہوں تو میری عقل معدے میں چلی جاتی ہے اور کھوپڑی میں کچھ باقی نہیں رہتا۔ ہمارے پاس تو کچے جو کی شراب بھی ہے۔ جلدی کر جلدی۔''

ٹھنڈا گوشت اور کچے جو کی شراب اس وقت دنیا کی سب سے لذیذ چیز بن گئی تھی ان کے لیے۔ کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ آرام سے ایک جگہ دراز ہو گئے۔ انہوں نے اپنے گھوڑوں کو گھاس چرنے کے لیے چھوڑ دیا جو کافی تعداد میں یہاں موجود تھی۔ اور اس کے بعد وہ زوالا اور فولاس کے بارے میں باتیں کرنے لگے تھے۔ زوالا اور فولاس کا مسئلہ بڑا الجھا ہوا تھا۔ ان سے ایک طویل اور ہنگامہ خیز جنگ ہوئی تھی

لیکن وہ اپنی جادوگری کی وجہ سے بچ گئے تھے اور اس کے بعد ان کا خیال تھا کہ اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو فولاس حکمران بن جائے گا یا اگر زوالا مقابلے میں کامیاب ہو گیا تو فولاس قتل کر دیا جائے گا۔ بہرحال وہ دونوں زوالا اور فولاس کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور رات آہستہ آہستہ اپنا سفر ختم کرتی رہی۔ پھر دوسری صبح انہوں نے طے کیا کہ بالکل وہی سیدھ اختیار کی جائے جو ان کے سامنے ہے۔ پہاڑی راستوں کی حالت بتاتی تھی کہ ان راستوں پر کوئی آبادی نہیں ہے یا ان کے اطراف میں گزرگاہیں نہیں بنائی گئیں۔ اگر گزرگاہیں ہوتی ہیں تو ان کے نشانات پگڈنڈیوں کی شکل میں نظر آتے ہیں لیکن یہاں کانٹے دار جھاڑیوں میں زہریلے بچھوؤں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اور ان کے گھوڑے بھی دوڑتے دوڑتے بدک کر اچانک ہی چھلانگیں لگا دیتے تھے۔ یہ بھی غالباً زہریلے بچھوؤں کا ہی خوف تھا جو پتھر پر بھی ڈنک مارتے تو وہ سلگ اٹھتا تھا اور ایک ایسا زہر بن جاتا تھا جسے چاٹ کر کوئی بھی مر جائے۔ چنانچہ ان زہریلے بچھوؤں سے بچ کر سفر کرتے ہوئے انہیں کافی احتیاط کرنی پڑ رہی تھی۔ گھوڑوں کی رفتار کافی حد تک سست رہی تھی پھر شام تک وہ دونوں گھوڑے دوڑاتے رہے۔ وہ خطرناک خطہ ختم ہو چکا تھا جو بچھوؤں کا مسکن تھا۔ اب جگہ جگہ درخت نظر آ رہے تھے پھر انہیں ایک پگڈنڈی نظر آئی جو ان درختوں کے درمیان سے گھوم گئی تھی۔ یہاں رک کر دونوں نے فیصلہ کیا کہ کون سی سمت اختیار کریں۔ روتھن نے جھک کر پگڈنڈی پر آمدورفت کے نشانات تلاش کرنے کی کوشش کی پھر داہنا ہاتھ اٹھا کر وہ بولا۔ ''ہمارے لیے یہ سمت مناسب رہے گی۔''

''تم پورے یقین کے ساتھ یہ بات کیسے کہہ رہے ہو؟'' زیراس نے سوال کیا۔

''اگر بغور زمین کا جائزہ لو گے تو تم بھی اس سمت کا تعین کرو گے۔ گو کہ آمدورفت کے نشانات موجود نہیں ہیں لیکن پھر بھی مجھ جیسے زیرک انسانوں کی نگاہیں ان نشانات کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ چلو آؤ...... میرے ساتھ چلتے چلے آؤ۔ میں تمہیں کسی آبادی تک پہنچا دوں گا۔'' زیراس نے روتھن کے لہجے سے جھلکتے اعتماد کو محسوس کیا۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ روتھن کے اندر شیطانی قوتیں رہتی ہیں اور اگر وہ پوری سنجیدگی سے کوئی بات کہہ دے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ بات حقیقت ہے۔ یہاں اس

نے روتھن سے اختلاف نہیں کیا تھا بلکہ خاموشی سے اپنا گھوڑا اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا دیا تھا۔

رات کی تاریکی پھیل گئی لیکن اس تاریکی میں بھی اس نے روشنی کی وہ کرن دیکھ لی تھی جو بہت دور پہاڑیوں کے گرد چمک رہی تھی۔ ظاہر ہے روشنی آبادی کا نشان ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے رکے بغیر گھوڑے اس طرف دوڑا دیئے۔ پہاڑیاں بلند نہیں تھیں اور بہت سے اونچے نیچے ٹیلے تاحد نگاہ دیوار بنائے کھڑے تھے۔ ان کے درمیان رخنے تھے جو گزرگاہ کا کام دیتے تھے۔ جب وہ ان رخنوں میں داخل ہوئے تو انہیں یہ جان کر حیرت ہوئی کہ یہ قدرتی دیواریں زیادہ وسیع نہیں ہیں اور صرف چند گز کا فاصلہ طے کر کے ان درختوں کے دوسری طرف پہنچ سکتے ہیں۔ رخنوں کے دوسری جانب ایک خوبصورت دنیا آباد تھی۔ وادی ذی آنا میں بے شمار علاقے آباد تھے۔ گو کہ ان کے کوئی نام نہیں تھے لیکن ان بستیوں کا حسن دیکھنے کے قابل تھا۔ کہیں کہیں تو اتنی حسین وادیاں نظر آ جاتی تھیں کہ انسانی نگاہ وہاں سے ہٹنے کا نام نہ لے اور اگر انسان وہاں پہنچ جائے تو اس کے دل میں ایک ہی خواہش ابھرے کہ کاش موت بھی انہی وادیوں میں آ جائے۔ اس بستی کا کوئی نام نہیں تھا جو رخنوں کے دوسری جانب آباد تھی۔ ان دونوں نے اپنے گھوڑوں کی رفتار سست کر لی اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔

بستی میں زندگی نظر آ رہی تھی۔ جگہ جگہ آوازیں ابھر رہی تھیں۔ لوگ ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ بستی کے مکانوں کی تعمیر زیادہ قدیم نظر نہیں آ رہی تھی۔ گھر لکڑی اور مٹی پتھر سے بنائے گئے تھے۔ یہ سارے کے سارے مکانات ایک خوبصورت طرز تعمیر رکھتے تھے جو یہاں کے بسنے والوں کی جدت پسندی کا مظہر تھا۔ یقینی طور پر یہاں کے رہنے والے خاصے ذہین لوگ ہوں گے کیونکہ دور سے خوش لباس لوگ نظر آ رہے تھے۔ ان کے حلیے بے ترتیب اور غیر مہذب نہیں تھے جبکہ ذی آنا کی بعض پسماندہ علاقوں کی آبادیوں میں انتہائی پسماندہ لوگ بھی پائے جاتے تھے لیکن یہ دور دراز کی آبادیاں تھیں جن کا ایک دوسرے سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔

بہرحال یہ دونوں ان کا جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور آہستہ آہستہ چلتے

ہوئے بستی کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ پھر انہوں نے ایک بڑا سا قہوہ خانہ دیکھا اور یہ قہوہ خانہ بہت بڑی اور وسیع جگہ پر محیط تھا۔ وہ اس کی جانب چل پڑے۔ یہ قہوہ خانہ دو منزلوں پر مشتمل تھا اور اس کے بیرونی برآمدے میں گھوڑے باندھنے کے لیے وسیع و عریض جگہ بنی ہوئی تھی۔ یہ دونوں اپنے گھوڑوں سے نیچے اتر گئے اور آگے بڑھ کر انہوں نے اپنے گھوڑے کھونٹوں سے باندھ دیئے۔ ابھی تک انہیں یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ ان کے یہاں آنے کو کچھ لوگوں نے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ شاید اس جگہ کے لوگ اجنبی لوگوں کا اپنی بستی میں آنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس ناپسندیدگی کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں جو یہاں رہ کر ہی پتہ چلائی جا سکتی تھیں۔ قہوہ خانے کے ایک گوشے میں ایک بوڑھا آدمی بیٹھا ہوا تھا اور یہی اس قہوہ خانے کا مالک تھا۔ زیراس نے روتھن کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ وہاں پہنچ گیا جہاں قہوہ خانے کا مالک بیٹھا تھا۔

''بزرگ! کیا یہاں مسافروں کے قیام کے لیے جگہ موجود ہے؟''

''ہاں ہر اس مسافر کے لیے جس کی جیب میں چمڑے کے سکے موجود ہوتے ہیں۔ وہ سکے جو پورے ذی آنا میں استعمال کیے جاتے ہیں۔'' جواب میں زیراس نے ایک تھیلی نکال کر بوڑھے کے سامنے کھول دی اور بوڑھے کی آنکھوں میں چمک لہرانے لگی۔

میں تمہیں یہ بتاؤں نوجوان لڑکے کہ ہم تہذیب کی دنیا سے واپس ہوئے ہیں، ایسی جگہ جہاں تہذیب نہیں ہے۔ جب وادی ذی آنا بلندیوں اور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر آباد تھی اور ہم صحیح معنوں میں برف پر رہنے والوں میں نہیں تھے تو وہاں کا طرز زندگی تمہاری مہذب دنیا کی مانند تھا۔ میں تو خیر تمہیں یہ بتا چکا ہوں کہ میرا تعلق طویل ترین عرصہ تک تمہاری دنیا سے رہا ہے اور میں وہاں سے بہت کچھ سیکھ کر آیا ہوں لیکن اگر تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ تہذیب صرف تمہاری غلام رہی ہے تو اپنے ذہن سے یہ احمقانہ خیال نکال دو کیونکہ بہرحال انسان نے ہر جگہ اچھے ہی انداز میں سوچا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض جگہ وسائل نے اس کا ساتھ دیا اور بعض جگہ ایسا نہیں ہو سکا۔ ذی آنا کی وادیوں میں بھی اس وقت وسائل تھے جب ہمارے ساتھ جادوگروں کا تصادم نہیں ہوا تھا لیکن بعد

میں بہت کچھ بگڑ گیا، بہت کچھ خراب ہو گیا۔ میرا مطلب سمجھنے کی کوشش کرو۔ خاص قسم کے چمڑے کے ایسے سکے ایجاد کیے گئے جن پر ایک مشترکہ نشان تھا اور اس کے تحت یہ سکے وادی ذی آنا کی ہر آبادی میں بنیادی حیثیت رکھتے تھے اور انہیں چیزوں کی خرید و فروخت میں استعمال کیا جا سکتا تھا۔ تو میں تمہیں بتا رہا تھا کہ زیراس نے چمڑے کے سکوں کی ایک تھیلی نکال کر بوڑھے کو دی تو بوڑھے کی آنکھوں میں چمک لہرانے لگی۔ اندازہ ہوتا جا رہا تھا کہ وہ ایک لالچی آدمی ہے۔ اس نے للچائی ہوئی نگاہوں سے ان سکوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھلا تمہیں ایک اچھا ٹھکانہ حاصل کرنے میں کیا دقت ہو سکتی ہے؟''

''بظاہر تو کوئی دقت نہیں ہے۔''

''تو پھر آ جاؤ میرے ساتھ۔'' اس نے کہا اور یہ دونوں مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑے۔ لکڑی کی سیڑھی سے گزر کر بوڑھا آدمی انہیں اس راہداری میں لے گیا جو سامنے کی سمت سے گزرتی تھی پھر یہ راہداری دوسری جانب گھوم جاتی تھی اور اس میں تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد بوڑھے نے ایک دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہو گیا۔ میں تمہیں بتا رہا تھا کہ اس وقت ہماری آبادی تہذیب کی آبادی تھی اور ہم بھی مہذب لوگوں کی مانند زمین کی بلندیوں پر رہتے تھے لیکن پھر اس کے بعد جب ہم نے یہ دیکھا کہ زندگی ہم پر تنگ ہو گئی ہے اور ہم جانوروں کی طرح جینے پر مجبور ہو گئے ہیں تو ہم نے آبادیاں چھوڑ دیں اور برف کی زندگی اپنالی، برف میں رہنا سیکھ لیا ہم نے اور وہی ہمارا مرکز اور مسکن بن گئی۔ ابتدا میں بہت سے لوگ موت سے دوچار ہوئے تھے کیونکہ شدید سردی ان کے لیے ناقابل برداشت تھی لیکن پھر کچھ ایسے ذہین لوگوں نے ہمیں برف کی دنیا میں رہنے کا راستہ بتایا جو سویڈن، ڈنمارک اور ناروے وغیرہ رہ کر آئے تھے اور اسکیمو لینڈ سے واقفیت رکھتے تھے۔ چنانچہ نہ صرف یہ اِگلو بنائے گئے بلکہ زیر زمین ایسی جگہیں تلاش کی گئیں جنہیں وسعتوں میں پھیلایا جا سکتا تھا اور یقین کرو تمہاری دنیا کی طرح یہ بھی ایک سائنسی سرزمین ہے کہ یہاں ہوا، پانی اور دوسری تمام ضروریات کا انتظام خود انسانوں نے کیا ہے خیر تو بات ہو رہی تھی زیراس اور روتھن کی۔ بوڑھا انہیں

ایک کمرے میں لے گیا اور بولا۔ ''یہ جگہ کشادہ اور تمہارے لیے مناسب ہے اور دیکھو یہاں دو افراد کے رہنے کا انتظام بھی ہے۔ کھانے پینے کا معاوضہ تمہیں الگ دینا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔ یہ سکے تم اس جگہ کا معاوضہ تصور کرو اور فوراً ہی ہمارے لیے عمدہ قسم کا کھانا تیار کراؤ۔'' زیراس نے کہا اور بوڑھا باہر نکل گیا۔ تب زیراس نے چاروں طرف دیکھا اور بولا۔ ''اچھی بستی ہے۔''

''ہاں۔ ہمیں اس علاقے میں کسی ایسی بستی کی توقع نہیں تھی۔ ہم نے تو یہی سنا تھا کہ شمال کی تمام بستیاں دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ وحشت خیز ہوتی ہیں اور یہاں تہذیب کا گزر نہیں لیکن اس بستی کے لوگوں نے اسے جنت بنا رکھا ہے۔''

''ہاں اس میں کوئی شک نہیں۔'' زیراس نے پرخیال لہجے میں کہا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ بوڑھا ان کے لیے کھانا لے آیا اور بڑی نفاست سے ان کے سامنے کھانا سجاتے ہوئے کہا۔

''اس کے بعد میں تمہیں قہوہ پیش کروں گا۔''

''ہاں۔ ضرور۔ اور سنو ہمارے گھوڑے باہر بندھے ہوئے ہیں ان کی دیکھ بھال بھی تمہاری ذمے داری ہے۔''

''کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ اس کا بھی تھوڑا بہت معاوضہ تمہیں دینا ہوگا۔''

''لالچی بوڑھے! ہم تو بزرگ کی حیثیت سے تیری عزت کرنا چاہتے تھے لیکن میرا خیال ہے کہ عزت کا مفہوم تیری نگاہوں میں صرف چمڑے کے یہ سکے ہیں۔ کس کس چیز کا معاوضہ تجھے درکار ہوگا۔'' روتھن، زیراس کی نسبت ذرا تیز اور سخت مزاج تھا لیکن اس نے دیکھا کہ بوڑھے کی پیشانی پر ایک شکن بھی نہیں آئی۔ البتہ اس نے گردن خم کر کے کہا۔

''معاوضہ ہی تو خدمت کا جذبہ پیدا کرتا ہے میرے بچو! اور میں تو صرف خدمت کا معاوضہ چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک تجھے تیری خدمت کا معاوضہ بھی ملے گا۔ ہاں ذرا گھوڑوں کی نگرانی اچھی طرح سے کرنا، مالش وغیرہ بھی ہونی چاہیے۔''

"اطمینان رکھو۔ ایسی مالش کرائی جائے گی کہ گھوڑے شیشے کی مانند چمکنے لگیں گے۔" بوڑھے نے معاوضہ قبول کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ وہاں سے واپسی کے لیے بڑھنے لگا تو روتھن نے کہا۔"صرف گھوڑے چمکنے چاہئیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مالش سے ان کی ہڈیاں چمکنے لگیں۔"

بوڑھا ہنستا ہوا باہر چلا گیا تھا۔ کھانا بہت عمدہ تھا اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن یہ بستی بے حد پراسرار معلوم ہو رہی تھی۔ اور اس کا ان دونوں ہی کو احساس تھا۔

❁ ‹‹‹ ❁ ❁ ‹‹‹ ❁

بہر حال اچھا خاصا سفر طے کیا گیا تھا چنانچہ وہ دونوں کسی قدر تھکن محسوس کر رہے تھے۔ وہ آرام کرنے لیٹے اور گہری نیند سو گئے۔ جاگے تو سورج پہاڑیوں میں جا چھپا تھا اور فضا میں تاریکیاں ابھر آئی تھیں لیکن آبادیوں کی حیرت انگیز خاموشی بدستور تھی۔ پھر روتھن اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے کمرے کی کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھا۔ سامنے بستی پھیلی ہوئی تھی لیکن اس میں ایک پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں بھی سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ یہ بات اب ان کے لیے شدید حیرت کا باعث بنتی چلی جا رہی تھی۔ روتھن نے زیراس کو دیکھتے ہوئے کہا۔"کیا رات گزر گئی ہے؟"

"کچھ اندازہ نہیں ہوتا لیکن خاموشی بتاتی ہے کہ رات آدھی کے قریب ہے۔"

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی، میں ذرا دیکھتا ہوں۔" روتھن نے کہا اور نیچے پہنچ گیا۔ قہوہ خانہ خالی پڑا ہوا تھا۔ بنچ اور کرسیاں خالی کر دی گئی تھیں۔ وہ جگہ بھی خالی تھی جہاں قہوہ خانے کا مالک نظر آتا تھا۔ روتھن نے جھلائی ہوئی آواز میں پکارا۔

"او بے وقوف بوڑھے۔ کیا ہمیں رات کا کھانا بھی نہیں ملے گا۔"

جواب میں بوڑھا بے وقوف نیچے ہی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور اس نے آہستہ سے کہا۔"نہیں کھانا کیوں نہیں ملے گا، لیکن کھانا تو جاگنے کے بعد ہی کھایا جاتا ہے نا۔ تم جاؤ میں کھانا لے کر آتا ہوں۔"

روتھن واپس چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد بوڑھا کھانا لے کر آ گیا۔

"کیا وقت ہوا ہے؟" زیراس نے پوچھا۔

''سورج چھپے زیادہ دیر نہیں گزری لیکن یہاں رات ہو گئی ہے۔''

''گویا یہ رات کا ابتدائی حصہ ہے۔''

''تم جس طرح حیرت سے یہ سوال کر رہے ہو، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس بستی میں تم پہلی بار آئے ہو۔ ہاں۔ ہماری اس بدنصیب آبادی میں سورج کے ساتھ ساتھ ہی زندگی گھروں میں جا چھپتی ہے لیکن گھروں میں رہنے والے اپنے اپنے گھروں میں جاگ رہے ہوں گے۔ جب سورج چھپ جاتا ہے تو لوگ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلتے۔''

''کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے۔'' زیراس نے پوچھا۔

''نہیں وجہ کچھ بھی نہیں ہے۔ بس یہ ہماری بستی کا معمول ہے۔''

''اپنی بستی کے بارے میں ہمیں کچھ اور نہیں بتاؤ گے؟''

بوڑھے کے چہرے پر عجیب سی کشمکش پھیل گئی پھر اس نے کہا۔ ''بستیاں تو بستیاں ہی ہوتی ہیں لیکن اس بستی کے بارے میں کسی غیر کو کچھ بتایا نہیں جاتا کیونکہ کسی کو اجازت نہیں ہے کہ بستی کی کہانیاں دوسروں کو سنائے۔''

''کس کی اجازت نہیں ہے؟''

''شیر دل نوجوانو! مجھ بوڑھے سے وہ باتیں مت پوچھو جو میرے لیے مشکل کا باعث بن جائیں۔ اگر تم نے یہاں کچھ وقت قیام کیا تو خود ہی جان لو گے۔ اب میں چلتا ہوں۔ تم کھانا کھاؤ۔ میں نے تمہارے لیے بالکل تازہ اور عمدہ کھانا تیار کر کے رکھا ہے۔ بات انسان انسان کی ہوتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم تازہ کھانا کھانے والے ہو۔''

بوڑھے نے خوشامدانہ انداز میں کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ روتھن حیرت سے دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔ اسی وقت زیراس کی ہنسی سنائی دی۔

''بڑی پراسرار جگہ ہے اور تو کہتا تھا کہ پراسرار آبادیاں تجھے بے حد پسند ہیں۔ کیوں، کیا کہتا ہے اس آبادی کے بارے میں؟''

''میں اسے پراسرار نہیں کہتا بلکہ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ زندوں کی بستی ہی نہ ہو۔ کیونکہ یہاں زندگی نہیں ہے۔''

''ہاں۔ تیری نگاہوں میں تو زندگی ان حسین لڑکیوں کی شکل میں تھرکتی پھرتی ہے جو ایسے قہوہ خانوں میں رقص کرتی ہیں۔'' زیراس نے کہا لیکن روتھن نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی اور اس کے بعد وہ لوگ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ جب تک کھانا کھایا جاتا رہا کسی نے کوئی بات نہیں کی البتہ بعد میں روتھن نے کہا۔ ''میرے لیے تو یہ جگہ بڑی دلکش اور پراسرار ہے۔ کل دن کی روشنی میں ہم اس بستی کا جائزہ لیں گے۔ مجھے تو یہ لوگ خاصے الجھے ہوئے نظر آتے ہیں۔''

''تو پھر چلو۔ اب دوبارہ سونے کی کوشش کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا ہے۔''

''ہاں۔''

اور اس کے بعد دونوں پھر اپنے اپنے بستروں پر جا سوئے لیکن دن میں اچھی خاصی نیند لے چکے تھے اس لیے فوراً ہی نیند نہیں آئی۔ البتہ خیالات نے کچھ اس طرح ان پر حملہ کیا تھا کہ وہ بہت دیر تک اس بارے میں سوچتے رہے تھے پھر رات کے سناٹے گہرے ہوتے چلے گئے اور یہ بستی ایک قبرستان معلوم ہونے لگی۔ روتھن اپنے بستر پر جاگ رہا تھا لیکن نجانے کیوں ایک گھٹن کا سا احساس ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ آگے بڑھا اور اس نے اپنی بغلی سمت کی کھڑکی کھول دی۔ ہلکی سرد ہوا کے جھونکے اندر آنے لگے۔ جبکہ دوسری طرف زیراس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ نجانے کتنا وقت گزرا تھا کہ دفعتاً روتھن کے کانوں میں ایک آواز پڑی اور وہ چونک پڑا۔ اگر اس کی سماعت نے دھوکا نہیں کھایا تھا تو یہ گھنگھروؤں کی جھنکار اور ڈھول کی آواز تھی جو اس کی کھلی ہوئی کھڑکی سے آ رہی تھی۔ روتھن چونک پڑا۔ کچھ دیر پہلے زیراس سے اس سلسلے میں بات چیت ہوئی تھی اور اس وقت یہ خیال باطل ہو گیا تھا کہ اس بستی میں زندگی نہیں ہے۔ روتھن کچھ دیر تک اس آواز کو سنتا رہا۔ ڈھول کے ساتھ ساتھ کچھ دوسرے ساز بھی بج رہے تھے لیکن ان کا فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ وہ کھڑکی کے قریب آ کھڑا ہوا اور اس نے باہر ایک نگاہ ڈالی۔ نیچے بستی میں سناٹا طاری تھا اور اب تو پوری بستی تاریکی میں ڈوب چکی تھی۔ کہیں کہیں اکا دکا مکانات سے ہی روشنی کی کوئی کرن نظر آ جاتی تھی لیکن کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر ڈھولک کی تھاپ اور ایک عجیب وغریب آواز اس کے کانوں میں آ رہی تھی۔ روتھن نے

سوچا کہ بستی کے کسی دور دراز حصے میں شاید کوئی جشن کا سلسلہ ہے۔ وہ خاموشی سے وہیں کھڑا رہا۔ نیند کی کوئی پرچھائیں اس کی آنکھوں میں نہیں تھی۔ ایک لمحے تک وہ سوچتا رہا پھر اس نے گردن گھما کر زیراس کو دیکھا۔ زیراس ذرا مختلف قسم کا آدمی تھا۔ بظاہر یہ لگ رہا تھا جیسے وہ بے حد گہری نیند سو رہا ہو۔ کیوں نہ اس جشن کو قریب سے دیکھا جائے۔ اس طرح کم از کم اس بستی کے لوگوں سے ہی واقفیت ہوگی۔ وہ اپنی جگہ سے ہٹ آیا اور اس نے کھڑکی بند کر دی۔ زیراس کو جگانا بے مقصد ہی تھا لیکن اس کا یہ خیال غلط تھا کہ زیراس اتنی گہری نیند سو رہا ہے۔ اچانک ہی اس کی آواز ابھری۔ ''کیا بات ہے، نیند نہیں آ رہی؟''

''ہاں نیند نہیں آ رہی لیکن کیا تم نے اس آواز کو سنا؟''

''کیسی آواز؟''

''گھنگھروؤں کی جھنکار ہے اور اس کے ساتھ سازوں کی آواز بھی ابھر رہی ہے۔ لگتا ہے بستی کے کسی دور دراز گوشے میں کوئی جشن برپا ہے۔''

''ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر کیا خیال ہے چلیں۔'' روتھن نے پوچھا۔

''نہیں۔ میری عقل ہمیشہ میرے ساتھ رہتی ہے۔ میں اس تاریک اور اجنبی جگہ پر کہیں جانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ ویسے جہاں تک رقص وغیرہ کا معاملہ ہے تو تو جانتا ہے کہ مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے۔ البتہ اس بات پر مجھے تعجب ہے کہ سورج چھپے نیند کی آغوش میں پہنچ جانے والے بستی کے کون سے حصے میں جاگ رہے ہیں۔''

''یہ ساری باتیں تو یہیں بستر پر لیٹے لیٹے پوچھ لے گا؟''

''ہاں۔ اور تجھے مشورہ دوں گا کہ کھڑکی بند کر اور آرام سے گہری نیند سو جا۔'' زیراس نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ تو اپنی مرضی کا مالک ہے۔ میں اپنے طور پر دیکھتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے دفع ہو جا۔'' زیراس نے کہا اور کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔ روتھن اسے گھورتا رہا اور پھر اس نے کارتوسوں کی پیٹی گلے میں ڈالی۔ بندوق ہاتھ میں

پکڑی اور باہر نکل آیا۔ راہداری سے نیچے جانے والے زینے سے اتر کر اس قہوہ خانے کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔ باہر کی فضا میں اندر کی نسبت کچھ زیادہ ٹھنڈک تھی۔ روتھن کا گھوڑا اپنے مالک کی آہٹ پہچان کر ناک سے آوازیں نکالنے لگا تو روتھن نے اپنے گھوڑے کی لگامیں کھولیں اور پھر اس کی پشت پر سوار ہو کر گھوڑے کو اس سمت دوڑانے لگا جدھر سے گانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دن کی روشنی میں بستی اچھی طرح نہیں دیکھی جا سکی تھی لیکن ہوا کے دوش پر رقص کی آوازیں اس کی رہنمائی کر رہی تھیں اور وہ آوازوں کی سمت بڑھا جا رہا تھا۔ گھوڑا آہستہ آہستہ بستی کے آخری سرے کی جانب چل پڑا۔ حیرت اس بات کی تھی کہ بستی کے گھروں سے کسی بچے کے رونے کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ ہر سو مکمل خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ رقص کی آواز بھی مسلسل نہیں آ رہی تھی۔ بس جب ہوا کے جھونکے کا رخ اس طرف ہوتا تو گھنگھروؤں کی جھنکار اور سازوں کی آواز ایسا لگتا تھا جیسے بالکل قریب آ کر گزر گئی ہو۔ کہیں کتے تک نہیں بھونک رہے تھے۔ روتھن ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہو کر آگے بڑھتا رہا اور آخر کار بستی کا آخری مکان بھی پیچھے رہ گیا۔ اس کا گھوڑا اس لق و دق میدان میں آہستہ روی سے چل رہا تھا۔ تاریکی میں ڈوبے ہوئے درخت سر جھکائے کھڑے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے جنگل بھی گہری نیند سو رہا ہو۔ کھلی جگہ میں آنے کے بعد یہ آوازیں کچھ زیادہ محسوس ہونے لگیں۔ روتھن نے گھوڑے کی رفتار کچھ کم کر دی تھی۔ اس کے بعد وہ ایک بلند سی جگہ پہنچ گیا اور اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں تب اسے اپنے بائیں سمت ڈھلان پر ایک مدھم سی روشنی دکھائی دی اور روتھن نے ایک گہری سانس لی۔ اس نے بستی کے لوگوں کے بارے میں سوچا کہ تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ اپنے گھروں کو تاریک کر دیتے ہیں اور کھلے میدانوں میں رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ بہرحال گھوڑے کا رخ تبدیل ہو گیا اور وہ مدھم روشنی کی سمت چل پڑا۔ اس نے اب گھوڑے کی رفتار کسی حد تک تیز کر دی تھی۔ ستاروں کی مدھم روشنی میں ہموار زمین نظر آ رہی تھی چنانچہ گھوڑے کو بھی آگے بڑھنے میں کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔ روتھن روشنی پر نگاہیں جمائے اس سمت جا رہا تھا۔ روشنی کے آس پاس درختوں کے جھنڈ بھی نظر آ رہے تھے اور یہیں پہ رقص کی محفل جمی ہوئی تھی۔ روتھن کے گھوڑے کی رفتار

اچھی خاصی تیز ہوگئی اور وہ تھوڑی دیر بعد ان درختوں کے پاس پہنچ گیا جہاں روشنی ہو رہی
تھی لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ کچھ اس طرح کا اندازہ ہوا تھا اسے جیسے روشنی ان درختوں
کے پاس ہو لیکن درختوں کے قریب آ کر اسے احساس ہوا کہ یہ تو اس کا وہم تھا۔ روشنی
اب بھی درختوں سے کافی فاصلے پر تھی۔ اس نے عجیب سے انداز میں گردن جھٹکی اور
گھوڑے کو ایک بار پھر تیز رفتاری سے آگے دوڑا دیا۔ سازوں کی آواز بہت عجیب تھی اور
بڑی دلکش بھی تھی۔ ان سازوں میں کسی رقاصہ کے گھنگھروؤں کی جھنکار شامل تھی۔ ڈھولک
کی تھاپ یہ بتا رہی تھی کہ ساز بجانے والے اپنے فن کے ماہر ہیں۔ روتھن روشنی پر نگاہیں
جمائے آگے بڑھتا رہا لیکن اچانک ہی اسے ایک عجیب سا احساس ہوا اور وہ ٹھٹک گیا۔
اب پہلی بار اسے اس کا اندازہ ہوا تھا کہ یہ روشنی اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔
بستی اب اتنی پیچھے رہ گئی تھی کہ اب اس کے دھندلے نقوش بھی واضح نہیں تھے لیکن روشنی
ابھی تک سامنے نہیں آئی تھی۔ روتھن حیران ہو گیا اور پھر اس کی رگ تجسس پھڑکی۔ اس
نے سوچا کہ آخر بستی سے اتنے فاصلے پر یہ جشن منانے والے کون ہیں۔ کچھ معلوم تو ہونا
چاہیے۔ ممکن ہے ان کا تعلق اس بستی سے نہ ہو۔ وہ اور آگے بڑھا۔

اچانک اسے اپنے عقب سے ایک آواز سنائی دی۔ اس نے گھوڑے کی لگامیں
کھینچیں لیکن دور دور تک گہری خاموشی اور سناٹا تھا۔ پیچھے سے آنے والی آواز کا راز اسے
معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ اس نے پلٹ کر روشنی کی طرف دیکھا اور دوسرے لمحے اس کا منہ
حیرت سے کھل گیا۔ روشنی اب وہاں نہیں تھی لیکن سازوں کی جھنکار مسلسل ابھر رہی تھی۔
اچانک ہی روتھن کو احساس ہوا کہ یہ کچھ اور ہی صورت حال ہے۔ یہ بات پہلے ہی پتہ چل
چکی تھی کہ یہ طلسمی بستی تھی اور یہ علاقے صحرائے افسوں کہلاتے تھے۔ یہاں کی کہانیاں
بڑی عجیب وغریب ہوا کرتی تھیں اور وہ انہی کہانیوں کی تلاش میں اس طرف آئے تھے۔

تو کیا یہ گھنگروؤں کی جھنکار اور سازوں کی آواز کوئی فریب ہے؟ صحرا کے اس
فریب میں جکڑ کر وہ بستی سے اتنی دور نکل آیا تھا اور اب عقل کا تقاضا یہی تھا کہ واپس بستی
کی جانب نکل پڑے۔ چنانچہ اس نے کچھ لمحے سوچنے کے بعد گھوڑے کا رخ تبدیل کیا
اور اسی وقت سازوں کی آواز بلند ہوگئی۔ اس بار اسے روشنی اپنے داہنے ہاتھ پر زیادہ سے

زیادہ دو سو قدم کے فاصلے پر نظر آئی۔ اس روشنی میں کچھ سائے بھی متحرک تھے اور روتھن کو
بھی یقین ہو گیا کہ یہ سب کچھ صحرا کا فریب ہے اور اس میں کوئی پراسرار کہانی چھپی ہوئی
ہے۔ عقل کا تقاضا تو یہی تھا کہ واپس سیدھا بستی کی طرف چلا جائے اور خاموشی سے اپنی
قیام گاہ میں پہنچ جائے۔ دن کی روشنی میں اس روشنی کی کہانی کے متعلق معلوم کرنا زیادہ بہتر
ہو گا۔ اس نے ایک بار پھر قدم آگے بڑھائے کہ دفعتاً اس کا گھوڑا الف ہو گیا۔ اگر وہ ماہر
شہسوار نہ ہوتا تو گھوڑے کی پشت سے گر پڑتا لیکن بہر حال گھوڑے کی پیٹھ سے اترنا
پڑا کیونکہ گھوڑا الف ہونے کے بعد سر کے بل زمین پر آیا تھا اور روتھن نے پھرتی سے اس
کی پیٹھ سے چھلانگ لگا کر اپنی جان بچائی تھی۔ گھوڑے کا سر زمین سے ٹکرایا اور پھر وہ
الٹ گیا۔ روتھن ایک لمحے کے لیے بدحواس ہو گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ
گھوڑے کی یہ کیفیت کیسے ہوئی لیکن پھر اس نے گھوڑے کو کھر رگڑ رگڑ کر زمین پر تڑپتے
ہوئے دیکھا۔ اس کی گردن کے عین نیچے سے خون کا فوارہ پھوٹتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ روتھن
اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہ اندازہ لگانے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی کہ گھوڑے کی گولی
لگی ہے لیکن نہ تو کوئی فائر کی آواز ہوئی تھی اور نہ کہیں سے رائفل کی چنگاری نظر آئی تھی۔
اس کے باوجود روتھن فطری پھرتی سے کام لے کر زمین پر بیٹھ گیا۔ خاموش ہتھیاروں سے
چلائی جانے والی گولیاں کسی بھی سمت سے آ کر اسے چاٹ سکتی تھیں اور اب روتھن کو یقین
ہو گیا تھا کہ ضرور کوئی بڑی گڑبڑ ہے۔ اس نے فوراً ہی وہ جگہ چھوڑ دی جہاں گھوڑے سے
کودا تھا اور ہاتھوں اور پیروں سے رینگتا ہوا پھرتی سے ایک طرف بڑھنے لگا۔ وہ سوچ رہا
تھا کہ کسی ایسی چٹان کی آڑ لے جہاں گولیوں سے محفوظ رہا جا سکے اور اس کے بعد یہ
جائزہ لینے کی کوشش کرے کہ گولی کہاں سے چلائی گئی ہے۔ آخر کار وہ تیزی سے ایک
چٹان کے عقب میں پہنچ گیا اور یہاں رک کر گہری گہری سانس لینے لگا پھر دفعتاً ہی اسے
دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور روتھن اس طرف دیکھنے لگا۔ کوئی اس کے بائیں
سمت سے دوڑتا ہوا ایک طرف گیا تھا اور آوازیں ایک سے زیادہ انسانوں کے دوڑنے کی
تھیں۔ روتھن کا سانس رک گیا تھا پھر اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ایک اور چٹان کو تاک
لیا۔ وہ دوڑ کر اس چٹان کی آڑ میں جا پہنچا۔ ایک بار پھر اسے آوازیں سنائی دیں لیکن اس

بار یہ آوازیں دوڑتے قدموں کی نہیں تھی بلکہ کچھ انسانوں کی سرگوشیاں تھیں۔ یہ سرگوشیاں ان درختوں کی سمت سے آ رہی تھیں جو اس سے بیس قدم کے فاصلے پر تھے۔ روتھن کے ہونٹ بھنچ گئے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چٹانوں کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا اور درختوں کے قریب پہنچا ہی تھا کہ اچانک اسے احساس ہوا جیسے کوئی عجیب سی شے اس پر آ پڑی ہو۔ نرم اور لچکدار۔ اس نے ہاتھ پاؤں مارے لیکن زمین اس کے پیروں کے نیچے سے نکل گئی اور وہ خلا میں اوپر اٹھتا چلا گیا۔ اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ کتنا اونچا اٹھا ہے۔ اچانک ہی اس کے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ غالباً کوئی ضرب لگی تھی جس نے اس کے حواس چھین لیے اور پھر اپنی آنکھوں کے سامنے ناچتے ہوئے تاروں کو گنتا ہوا وہ تاریکی کی آغوش میں پہنچ گیا جہاں چاروں طرف گہرا اور مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا۔

* * *

''میری کہانی تمہارے لیے اکتاہٹ کا باعث تو نہیں بن رہی میرے نوجوان دوست۔ اگر ایسی بات ہے تو میں تمہیں اپنے غم کی کہانی نہیں سناؤں گا۔'' اس نے کہا اور میں ایک دم چونک پڑا۔ بہت سی کہانیاں تو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے لکھی تھیں لیکن ایک اور ادیب سے میرا واسطہ پڑا تھا۔ یہ شخص جو کچھ سنا رہا تھا وہ میرے لیے بے حد سنسنی خیز تھا اور حقیقت یہ ہے کہ پہاڑوں اور صحراؤں کی سرزمین سحر میرے لیے نجانے کون کون سی دنیا کے دروازے کھول رہی تھی اور میں ایک عجیب سی کیفیت کا شکار تھا۔ ذی آنا کی یہ وادی یقینی طور پر انتہائی پراسرار ہوگی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میں پرشیانہ کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ روتھن اور زیراس بھی میرے لیے قابلِ توجہ تھے۔ بقول اس شخص کے کہ روتھن اس کا اپنا بیٹا تھا، پرشیانہ کا بھائی اور زیراس اس آبادی کے سردار ہارلس کا بیٹا۔ یہ سارا کھیل کیسے ہوا اور اس کے علاوہ ایک بات اور بھی میرے ذہن میں مسلسل چکراتی رہتی تھی۔ پرشیانہ نے بھی کہا تھا کہ یہ لوگ میری پذیرائی بلا وجہ نہیں کر رہے بلکہ ایک اہم ذمہ داری میرے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ذمہ داری کیا تھی، یہ میرے لیے ناقابلِ فہم سی بات تھی لیکن بہرحال ان ساری باتوں میں دلکشی ضرور تھی اور میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ میں نے جلدی سے کہا۔

''معزز بزرگ شی وش میں آپ کی باتیں پوری توجہ کے ساتھ سن رہا ہوں۔ براہ کرم اس کہانی کو سناتے رہیے۔ میں مکمل تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔'' بوڑھے نے گردن ہلائی اور دیر تک خلا میں دیکھتا رہا جیسے آگے کے واقعات کو وہ خلاؤں میں تلاش کر رہا ہو۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

* * *

ادھر روتھن کے ساتھ یہ واقعات پیش آئے تھے اور دوسری طرف اس کے جانے کے بعد زیراس گہری نیند سو گیا تھا لیکن نیند سے بیدار ہونے کے بعد جب اسے رات کے واقعات یاد آئے تو اس کی نگاہیں روتھن کے بستر کی جانب اٹھ گئیں۔ اس نے دیکھا کہ روتھن کا بستر خالی ہے لیکن اس وقت اسے کوئی تشویش نہیں ہوئی تھی۔ وہ یہی سمجھا تھا کہ روتھن شاید جلدی جاگ گیا ہے۔ بہرحال اس نے منہ ہاتھ وغیرہ دھویا اور اسی وقت بوڑھا ہاتھوں میں ناشتے کا سامان لئے اندر آ گیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تو زیراس نے اس سے سوال کر لیا۔

”میرا ساتھی کیا نیچے موجود ہے؟“

”بالکل نہیں۔ نیچے تو وہ آیا ہی نہیں۔“ دفعتاً ہی زیراس کو رات کے واقعات یاد آئے۔ ڈھول کی آواز، اس پر روتھن کی بے چینی۔ دوسرے لمحے وہ حیران رہ گیا۔ اس نے کہا۔ ”ذرا تم اس کا گھوڑا دیکھو اور مجھے بتاؤ کہ اس کا گھوڑا موجود ہے؟“

بوڑھا حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ ”کیا رات کے کسی حصے میں وہ باہر نکلا تھا؟ آہا مجھے یاد آیا کہ باہر کا دروازہ بھی مجھے کھلا ہوا ملا تھا۔ میں ایک منٹ ابھی دیکھتا ہوں کہ اس کا گھوڑا موجود ہے کہ نہیں۔“

زیراس کو احساس ہونے لگا کہ روتھن یقیناً ان جھنکاروں کی جانب دوڑ پڑا ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے کوئی نقصان پہنچ گیا ہو۔ ساری رات گزر گئی تھی اگر وہ رقص دیکھنے دوڑ بھی پڑا تھا تو اسے واپس بھی آ جانا چاہیے تھا۔ چنانچہ زیراس بے چین ہو کر نیچے اتر آیا۔ جب وہ راہداری میں پہنچا تو قہوہ خانے کے بڑے ہال نما حصے میں اس نے بہت سی میزوں کو بھرے ہوئے دیکھا۔ لوگ کھانے پینے سے شغل کر رہے تھے۔ ایک انتہائی قوی ہیکل آدمی قہوے کے برتن سامنے رکھے قہوہ پی رہا تھا۔ اس کی شخصیت بے حد گھناؤنی تھی اور جسامت بے شک بہت زیادہ لیکن بے ڈھنگی سی، بڑھی ہوئی ڈاڑھی بھنوؤں کے بال تک پپوٹوں پر گرے ہوئے تھے۔ سر کے بال بے حد لمبے اور بے ترتیب‘ آنکھوں میں غلاظت جمی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے مہینوں سے اپنے چہرے پر پانی کا چھینٹا بھی نہ ڈالا ہو۔ بہرحال زیراس نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور پھر اندر پہنچا تو تقریباً تمام ہی

نظریں اس کی جانب اٹھ گئیں۔ قہوہ خانے کا بوڑھا مالک جو شاید دروازے کے باہر روتھن کے گھوڑے کو دیکھنے گیا تھا، اندر داخل ہوا اور بولا۔ ”نہیں، تمہارے ساتھی کا گھوڑا موجود نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر کہیں گیا ہے۔“

”لیکن وہ کہاں جا سکتا ہے؟“ زیراس نے سوچتے ہوئے کہا۔

”بھلا مجھے کیا معلوم!“

”ایک بات بتاؤ رات کو ناچ گانے کی محفل کہاں جمی تھی، بستی کے کون سے حصے میں جشن برپا ہوا تھا؟“ زیراس کے اس سوال کو دوسرے لوگوں نے بھی سنا تھا اور چونک کر ادھر دیکھنے لگے تھے۔ قہوہ خانے کے بوڑھے مالک کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے خوف کے آثار نظر آئے۔ اس نے مدہم لہجے میں کہا۔ ”کیا بات کرتے ہو؟ یہاں تو ایک عرصہ ہو گیا۔ بھلا ناچ گانے کی محفل کون برپا کرے گا۔ یہ تو بہت پرانی بات ہے جب یہاں بھی کبھی زندگی کے آثار نظر آتے تھے۔“

”لیکن میں نے خود اپنے کانوں سے ڈھول اور ساز بجنے کی آوازیں سنیں تھیں۔ وہ ہوا کے دوش پر آ رہی تھیں اور اس میں گھنگروؤں کی جھنکار بھی شامل تھی۔“

”اور تمہارا وہ ساتھی ناچ رنگ دیکھنے کے لیے دوڑا چلا گیا تھا۔“ یہ الفاظ اسی بے ڈھنگے اور بے ترتیب شخص نے کہے تھے۔ اس کے انداز میں مذاق اڑانے کی سی کیفیت تھی اور پھر وہ آنکھیں بند کر کے گردن ہلا ہلا کر بطخ جیسی آوازیں اپنے حلق سے نکالنے لگا۔ شاید وہ ہنس رہا تھا۔ زیراس نے اس کو دیکھا اور آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ ”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟“

بے ڈھنگے شخص نے زیراس کی بات کا جواب دیئے بغیر سامنے رکھا ہوا قہوے کا بڑا برتن اٹھایا تو زیراس نے ہاتھ بڑھا کر اسے قہوہ پینے سے روک دیا۔ ”میں نے پوچھا تھا تمہارے ہنسنے کا مطلب کیا ہے؟“

”صاف مطلب ہے۔ جاؤ کسی ویرانے میں اپنے ساتھی کی لاش تلاش کر لو۔“

جواب میں زیراس کا الٹا ہاتھ گھوم گیا، لیکن قہوہ پینے والا شخص پیچھے ہٹ گیا اور زیراس کا وار خالی گیا۔ وہ خونی نگاہوں سے قوی ہیکل آدمی کو دیکھ رہا تھا۔ قوی ہیکل آدمی

نے دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور کھڑا ہو گیا۔ اس کا قد زیراس سے کوئی ایک فٹ اونچا نکلتا تھا حالانکہ زیراس ایک دراز قد آدمی تھا لیکن سامنے والے کے شانے زیراس کے شانوں کے مقابلے میں بہت چوڑے تھے۔ اس کی غلیظ آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے خون کے آثار نظر آئے تھے لیکن پھر اچانک ہی اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ وہ آہستہ آہستہ واپس آ کر اپنی میز پر بیٹھ گیا اور اس نے پھر اپنے برتن کی جانب ہاتھ بڑھائے لیکن زیراس نے ایک بار پھر اس کا قہوے کا برتن پیچھے سرکا دیا۔

"میرے سوال کا جواب دیئے بغیر تم قہوہ نہیں پی سکتے۔" زیراس غرایا۔

"جواب تو تجھے یہ سب لوگ دے سکتے ہیں۔ ان سب سے پوچھ لے۔ میں اکیلا ہی تو نہیں ہوں' صحراؤں میں ابھرنے والی ناچ گانے اور گھنگروؤں کی جھنکار موت کی دعوت ہوتی ہے اور اس دعوت پر ایک قدم آگے بڑھانے والا اپنی موت کی جانب پہلا قدم بڑھا دیتا ہے۔ آج تک یہی ہوا ہے اور یہ فرض اس بوڑھے پاگل کا تھا جو اس قہوہ خانے کا مالک ہے کہ تمہیں اس بات سے آگاہ کرتا۔ یہ اس کی ذمہ داری تھی۔"

"لیکن میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔" زیراس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"سنو۔ مم......... میں تمہیں سمجھاتا ہوں، مگر قصور میرا بھی تو نہیں ہے۔ تمہیں میرے اس قہوہ خانے میں آئے ہوئے دیر ہی کتنی ہوئی ہے۔ رات ہی کے وقت تو تم آئے تھے اور تم نے مجھ سے قیام کے لیے جگہ مانگی۔ پھر اس کی گنجائش کہاں تھی کہ میں تمہیں یہاں کی پراسرار باتوں سے آگاہ کرتا اور نہ ہی کسی وقت اور دن کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ کوئی بھی نہیں جانتا کہ کب ویرانوں سے سازوں کی آواز ابھریں گی اور کوئی اجنبی ان کے درمیان پہنچ کر ان کا شکار ہو جائے گا۔ یہ آوازیں تو کبھی کبھی ابھرتی ہیں اور ہماری بستی میں انہیں موت کی آواز کہا جاتا ہے۔ بستی والے اگر یہ آواز سن لیں تو اپنے کھلے دروازے بند کر لیتے ہیں اور اپنے بچوں کو خاموش ہو کر سو جانے کی ہدایت کرتے ہیں۔ ان آوازوں کو سننے کے بعد بھلا کسی کی مجال ہے کہ اپنے دروازے سے باہر قدم رکھے اور یہ تاریخ کا ایک حصہ ہے کہ جس نے بھی ایسا کیا اسے موت نے آ دبوچا۔ مگر تم بتاؤ میرا کیا قصور ہے؟ کیا مجھے یہ بات معلوم تھی کہ رات کو یہ آوازیں سنائی دیں گی؟"

زیراس کا چہرہ کبوتر کے خون کی طرح سرخ ہو گیا۔ اس کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔ "میں تم لوگوں کی کسی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔ میرا ساتھی واپس آ جانا چاہیے ورنہ میں جو تباہی پھیلاؤں گا تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

اس کی غراہٹ نے یہاں موجود لوگوں کو ایک دم خوفزدہ کر دیا تھا۔ بہر حال زیراس واقعی روتھن کے لیے پریشان ہو گیا تھا۔ رات کی کہانی اب اس کے ذہن میں آ رہی تھی۔ روتھن نے اسے جگا کر رقص کی اس محفل میں شرکت کے لیے کہا تھا اور زیراس نے انکار کر دیا اور پھر اسے یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ روتھن وہاں سے چلا گیا ہے لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں جو باعث پریشانی ہوتی۔ اس کا خیال تھا کہ ناچ رنگ کی محفل سے لطف اندوز ہونے کے بعد روتھن واپس آ جائے گا لیکن اب یہ لوگ عجیب وغریب کہانیاں سنا رہے تھے جنہوں نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ بہر حال وہ باہر نکل آیا اس نے اپنے گھوڑے کی لگامیں کھولیں اور اس پر سوار ہو کر آگے بڑھ گیا۔ وہ چاروں طرف نگاہیں دوڑاتا ہوا سست روی سے آگے بڑھ رہا تھا لیکن تھوڑا ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کے تعاقب میں ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ وہی لمبے چوڑے قد وقامت کا آدمی تھا جو وہاں قہوہ پی رہا تھا اور اس سے زیراس کی تھوڑی سی ٹسل ہو گئی تھی۔ زیراس اپنا گھوڑا آگے بڑھاتا رہا، لمبے چوڑے آدمی نے اس سے کوئی پچاس قدم کا فاصلہ رکھا تھا اور اب اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا تھا کہ وہ اسی کے پیچھے آ رہا ہے۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ زیراس اس وقت صرف اور صرف روتھن کے لیے پریشان تھا۔ وہ بستی کے آخری سرے تک نکل آیا۔ کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کس سمت گیا ہو گا۔ لوگوں کی زبانی جو کہانیاں اس نے سنی تھیں، انہوں نے اسے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ آخر کار بستی پیچھے رہ گئی لیکن قوی ہیکل آدمی بدستور اس کے پیچھے چلا آ رہا تھا تب زیراس نے اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچیں اور اس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا، لیکن اس نے محسوس کیا کہ دوسرا آدمی اس کے پاس آنے سے کترا رہا ہے۔ مجبوراً زیراس نے ہاتھ اٹھا کر اسے پکارا۔ "او لمبے، بے وقوف کے بچے جب میرا پیچھا کر رہا ہے تو مجھ سے ڈر کیوں رہا ہے؟ قریب آ جا۔"

قوی ہیکل آدمی نے اپنے گھوڑے کا رخ اس کی جانب کر دیا اور کچھ لمحوں کے بعد اس کے قریب پہنچ گیا۔ زیراس اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ قوی ہیکل آدمی اس کے قریب پہنچ کر بولا۔ ''میرا نام ہیرک ہے۔ میں اس بستی میں رہتا ہوں لیکن تیرا مجھ پہ غصہ بیکار تھا۔ بھلا ان تمام باتوں سے میرا کیا تعلق! میں نے تو وہ بات تجھ سے کہی تھی جو حقیقت پر مبنی ہے۔ میرے علاوہ بھی تو اگر کسی سے یہ سوال کرتا تو وہ یہی جواب دیتا تجھے۔''

''لیکن ہیرک یہ ساری کہانی میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی۔'' زیراس نے دوستانہ لہجہ اختیار کیا تھا۔

ہیرک نے کہا۔ ''یہ کہانی کسی کی سمجھ میں نہیں آتی لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اس آبادی کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ جب صحرا میں رقص کی دیوی حالتِ رقص میں ہوتی ہے تو چاروں طرف موت کے بگولے چکراتے رہتے ہیں اور کوئی بھی گھنگھروؤں کی اس جھنکار کو تلاش کرنے نکل پڑے تو کبھی واپس نہیں آتا۔ ایسا بہت بار ہو چکا ہے اور سب جانتے ہیں بلکہ کبھی کبھی تو یوں بھی ہوتا ہے کہ تجسس کے مارے اپنے گھروں کے دروازوں پر آ کھڑے ہوئے۔ صبح کو ان کی لاشیں ان کے دروازوں پر اکڑی ہوئی ملیں۔ لیکن یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ان کی موت کی وجہ کیا تھی۔ نہ ان کے جسموں پر زخم ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ دم گھٹنے سے مرتے ہیں لیکن وہ مردہ ہوتے ہیں اور ایسے بہت سے لوگ ایسی موت کا شکار ہو چکے ہیں۔''

''تعجب کی بات ہے کیا بستی کے لوگوں نے یہ معلوم نہیں کرنا چاہا کہ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟'' زیراس نے پوچھا۔

''بستی میں کوئی بھی اتنا دلیر نہیں ہے۔ بڑے بڑے دلیروں نے یہ بات معلوم کرنے کے لیے متعدد منصوبے بنائے اور ان کے اہل خانہ آج تک ان کو روتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر یہ سوال کرتے ہیں کہ آخر انہوں نے کیا دیکھا۔''

''اوہ واقعی یہ تو بڑی حیران کن بات ہے۔'' زیراس نے کہا اور مزید پریشان ہو گیا کیونکہ اسے اس بات کا اچھی طرح علم تھا کہ روتھن اسی رقص کو دیکھنے گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں لوٹا تھا۔ وہ زندہ ہے یا مردہ اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔

ہیرک اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا رہا اور تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''اوہو۔ وہ دیکھو اس طرف دیکھو۔ وہ ایک سیاہ دھبہ نظر آ رہا ہے۔ میری آنکھیں ان علاقوں کو پوری طرح جانتی ہیں۔ یہاں کا ایک ایک نقش میرے ذہن میں موجود ہے۔ وہ دھبہ میرے لیے اجنبی ہے۔ آؤ ذرا ادھر چلتے ہیں دیکھیں کیا ہے وہ۔'' اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے گھوڑے کو اس سمت موڑ دیا۔ زیراس نے فوراً اس کا تعاقب کیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں گھوڑے کی اس لاش کے پاس پہنچ گئے جس کی گردن کے نیچے ایک گہرا سوراخ بنا ہوا تھا اور اس سوراخ سے نکلا ہوا خون گھوڑے کے بدن پر جگہ جگہ جم گیا تھا۔ یہ پہچاننے میں زیراس کو ذرا بھی دقت نہیں ہوئی کہ یہ روتھن ہی کا گھوڑا ہے۔ گھوڑے کو اس کیفیت میں دیکھ کر زیراس کی پریشانی اور بڑھ گئی اور وہ چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آہستہ آہستہ خون اترتا آ رہا تھا۔ گھوڑے کی موت اس بات کا اظہار کرتی تھی کہ خود روتھن بھی کسی حادثے کا شکار ہو گیا ہے، لیکن کیسا حادثہ! دور دور تک کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا پھر زیراس کی نگاہیں ہیرک پر جم گئیں جو خود بھی گھوڑے سے نیچے اتر کر چاروں طرف نگاہیں دوڑا رہا تھا۔ پھر اچانک ہی وہ ہاتھوں اور پیروں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر تجسس کے آثار تھے۔ زیراس نے دیکھا کہ وہ ہاتھ پیروں کے بل چلتا ہوا ایک سمت بڑھتا چلا رہا ہے۔ اس وقت اس کا انداز بڑا عجیب سا تھا۔ وہ اس طرف سے چلتا ہوا کافی دور نکل گیا اور دفعتاً ہی زیراس نے اپنا ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ اسے شبہ ہوا کہ یہ قوی ہیکل آدمی دھوکہ دے کر نکل بھاگنا چاہتا ہے اور اس کے لیے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ زیراس کی گہری نگاہیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ اس کے لیے تیار ہو گیا کہ اگر یہ شخص اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے تو وہ فوراً اس کا تعاقب کر کے اسے پکڑ لے۔ ہیرک چلتا چلتا درختوں کے جھنڈ کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں اس نے رک کر فضاؤں میں کچھ سونگھا اور پھر اس کی عجیب سی آواز ابھری۔ ''ہیے ہیے ادھر آؤ۔''

زیراس بھاگتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ ہیرک نے کہا۔ ''جو کوئی بھی اس گھوڑے پر سوار تھا وہ یہاں تک آیا تھا اور پھر یہاں سے آگے نہیں گیا۔''

''مطلب؟''

''مطلب......مطلب کچھ نہیں۔ اگر کھوپڑی کام کرتی ہے تو میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں ایک بار کے بعد دوبارہ کوئی بات نہیں کہتا۔''

زیراس نے جھلا کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور غراتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اگر تمہاری اس بستی میں میرے ساتھی کو کوئی نقصان پہنچا تو یہ بستی صرف اور صرف کھنڈر نظر آئے گی۔ یہ بات ذہن میں رکھنا، میرا نام زیراس ہے۔''

ہیرک نے آنکھیں سکیڑ کر زیراس کو دیکھا اور پھر ہنسنے لگا۔ زیراس نے اس کا گریبان چھوڑ دیا تھا۔ ہیرک بولا۔ ''بہادر! اس بستی کے لوگوں کو تو نجانے کب سے کسی ایسے شخص کا انتظار ہے جو اسے کھنڈر بنا دے۔ تیرے جیسی بیوقوفی کی باتیں بہت سے لوگ کرتے ہیں لیکن کوئی عمل کر کے نہیں دکھاتا یہ بات اپنے ذہن میں بٹھا لے کہ تیرے ساتھی کو نقصان پہنچ چکا ہے اور میں نے تجھ سے پہلے بھی کہا تھا کہ اس کی لاش یہیں کسی ویرانے میں پڑی ہوگی۔ تو اگر چاہے تو اسے تلاش کر سکتا ہے اور میں اس سے زیادہ تیرا ساتھ نہیں دے سکتا۔''

زیراس کا سر چکرا گیا تھا لیکن اس نے خود کو سنبھالا اور سرد لہجے میں بولا۔ ''اس بستی کے بارے میں مجھے پوری تفصیل بتا ہیرک۔''

''ہاں...... ہاں......ضرور......ضرور۔ ویسے میں تجھے ایک نام بتاؤں، اگر تو اس سے مل لے تو یہ سمجھ لے کہ تیرا کام آسان ہو جائے گا۔''

''وہ کون ہے؟''

''سیمون! سیمون تیری مشکلات کا حل بن سکتی ہے۔''

''یہ کون ہے؟''

''یوں سمجھ لے یہ تیری آخری امید ہوگی۔''

''کیا وہ کوئی عورت ہے؟''

''ہاں، تو اسے بستی کی سردار سمجھ سکتا ہے۔''

''اس بستی کی سردار کوئی عورت ہے؟''

''اب تو یہ سوال کرے گا کہ اس بستی کی سردار عورت کیوں ہے؟''

''ذہن میں تو یہی بات آتی ہے۔''

''ذہن تیرا ہے میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں لیکن ان بیوقوفی کے سوالوں سے تجھے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔''

''دیکھ میرے سامنے فضول باتیں مت کر، جب تک میرا ساتھی نہیں مل جاتا میرا دماغ میرے قابو میں نہیں آ سکتا۔'' زیراس نے ناگوار لہجے میں کہا۔

''اور مجھ بے وقوف کو دیکھ جو بلاوجہ ہی تیرے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ مگر کیا کروں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ کسی بھی پریشان شخص کو دیکھ کر میرے دل میں ہمدردی کی لہریں اٹھنے لگتی ہیں۔ پھر میں پکڑا جاتا ہوں' الٹا لٹکا دیا جاتا ہوں اور میرے جسم پر کوڑے مارے جاتے ہیں تو یقین کر ہفتوں زخمی رہتا ہوں میں۔ میرے زخموں سے خون رستا رہتا ہے۔ مگر انسان عادت سے مجبور رہتا ہے۔ بس اب یہ عادت ہے میں اور کیا کہہ سکتا ہوں تجھ سے، کیا سمجھا؟''

''مجھے سیمون کے بارے میں بتا۔''

''اسے بھی سب جانتے ہیں۔ جس سے پوچھے گا اس کا پتہ بتا دے گا۔ میں تیرے باپ کا نوکر نہیں ہوں کہ اب یہاں رک کر تیری فضول باتیں سنوں اور تجھے تیری فضول باتوں کا جواب دوں۔'' اس نے کہا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ زیراس خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ ہیرک اپنے گھوڑے کے پاس پہنچا اور اس پر سوار ہو گیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس کا گھوڑا زیراس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ تب اسے ہیرک کے الفاظ یاد آئے اور وہ پریشانیوں کا شکار ہو گیا۔ آہ......اگر اس کا ساتھی روتھن ہلاک ہو گیا ہے تو یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا نقصان ہوگا اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے بعد زندگی کس انداز میں گزرے۔ لیکن اگر ایسا ہوا ہے تو کس نے ایسا کیا ہے۔ کیا اس سلسلے میں سیمون واقعی کچھ بتا سکتی ہے؟ سیمون۔ بستی کی سردار۔ اس نے سوچا اور عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا۔ پھر اس کے منہ سے بڑبڑاہٹ نکلی۔ ''واقعی پاگلوں کی بستی ہے یہ۔ وادی سحر کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔''

دیر تک وہ ادھر ادھر نگاہیں دوڑاتا رہا۔ پھر کچھ سوچنے کے بعد اس نے جوتے اتارے اور ایک اونچے درخت پر چڑھنے لگا۔ درخت کی ایک اونچی شاخ پر پہنچ کر اس نے دور دور تک نگاہیں دوڑائیں لیکن کوئی ایسا نشان، کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس سے روتھن کا کچھ نشان ملتا۔ اس نے سوچا کہ اگر گھوڑے کے ساتھ روتھن کو ہلاک کر دیا گیا ہے تو اصولی طور پر اس کی لاش بھی کہیں آس پاس ہی ہونی چاہیے لیکن لاش کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ دفعتاً ہی اس کے ذہن کو ایک سکون کا سا احساس ہوا۔ روتھن کا ماضی اس کے ذہن میں آیا۔ اسے مار لینا اتنا آسان نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے گھوڑے کو ہلاک کرنے والوں نے اس کو بھی نشانہ بنایا ہو لیکن روتھن آسانی سے کسی کا شکار نہیں بن سکتا۔ یہ سوچ کر اسے خاصا سکون ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ درخت سے اترا اور اپنے گھوڑے کے قریب پہنچ گیا۔ اب بستی واپس جا کر سیمون کے بارے میں معلوم کرنا ضروری تھا۔ ویسے وہ شخص جس کا نام ہیرک تھا، خاصا پراسرار آدمی تھا اور اس نے جو نشاندہی کی تھی وہ غور کے قابل تھی۔ یقیناً سیمون اس بارے میں کوئی اہمیت رکھتی ہے اور شاید یہ بتا سکتی ہے کہ روتھن کو ہلاک کرنے کی کوشش کرنے والے کون ہو سکتے ہیں۔ ویسے واقعی یہ انتہائی پراسرار بستی تھی۔ حالانکہ جس طرح سے اس نے اس بستی کے مکانات اور ان کے طرز تعمیر دیکھا تھا، اس سے اسے یہ احساس ہوا تھا کہ یہ ذی آنا کی اچھی آبادیوں میں سے ہے لیکن وہی بات یہاں بھی موجود تھی یعنی یہ کہ یہ پراسرار کہانیوں کا تذکرہ ضرور کر سکتے تھے لیکن اپنی تہذیب کے ہاتھوں بزدل ہو چکے تھے اور کسی سے جنگ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ خود زیراس نے اپنے سے کئی گنا طاقتور شخص کا گریبان پکڑ لیا تھا لیکن اس نے کچھ نہیں کیا تھا۔

اس کا گھوڑا بستی کی جانب چل پڑا اور وہ تیز رفتاری سے بستی کے قریب پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ بہت سے ایسے مسائل تھے جو غور طلب تھے لیکن اس وقت زیراس کو کچھ بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔ البتہ یہ فیصلہ اس نے اپنے دل میں ضرور کر لیا تھا کہ وہ بستی کے بارے میں معلومات حاصل کرے گا۔ بستی میں داخل ہوا تو زندگی کو اسی انداز میں رواں دواں دیکھا جیسی چھوڑ کر گیا تھا۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے۔ دکانیں اور بازار

کھل رہے تھے اور ان میں ہر طرح کی چیزیں پائی جاتی تھیں۔ کسی نے بھی اس کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ زیراس نے گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر بستی کا ایک چکر لگایا اور اس طرف چل پڑا جہاں اس کا قیام تھا۔ صبح اس نے جس طرح اس قہوہ خانے کو آباد دیکھا تھا اب وہاں ویسی رونق نہیں تھی۔ البتہ اپنی مخصوص جگہ بیٹھا ہوا ہیرک قہوہ پی رہا تھا اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ قہوہ خانے کا بوڑھا مالک بھی اپنی جگہ موجود تھا اور اس نے زیراس کو دیکھ کر پلکیں جھپکائی تھیں۔ زیراس آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گیا اور پھر اس نے بھاری لہجے میں کہا۔ ”مجھے میرا ساتھی نہیں ملا لیکن تو یہ سوچ لے کہ اگر واقعی وہ نہ ملا تو تیرا یہ قہوہ خانہ راکھ اور مٹی کے ڈھیر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔“ بوڑھے نے کوئی جواب نہیں دیا تو تب زیراس نے اپنا چہرہ اس کے قریب کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ سیمون کون ہے؟“

”سس...... سیمون کیا تم اس سے ملنا چاہتے ہو؟“

”ہاں‘ وہ جو اس کونے میں شخص بیٹھا ہے، اس کا کہنا ہے کہ سیمون اس بستی کی سردار ہے اور وہ میرے ساتھی کے بارے میں کچھ بتا سکتی ہے۔“

بوڑھا پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ ”ہاں‘ یہ ایک سچائی ہے کہ اگر یہاں کوئی ان واقعات کے بارے میں زبان کھولنے کی ہمت کر سکتا ہے تو وہ صرف سیمون ہے‘ باقی بھلا کس میں جرأت ہے کہ کچھ بول سکے۔“

”آخر کیوں؟ میں اس سوال کا جواب چاہتا ہوں۔“

”اس کا جواب میرا سر ہے۔ اگر تیرے پاس خنجر ہے تو میری گردن پر پھیر کر میرا سر اتار لے۔ اس شکل میں بھی تو میری زبان سے کچھ نہیں سن پائے گا اور صرف میری زبان سے ہی نہیں تیرا یہ خنجر کسی کی بھی گردن اتار لے لیکن وہ تجھے کوئی فضول بات نہیں بتائے گا۔“

زیراس نے دانت پیستے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر بھاری لہجے میں بولا۔ ”میرا ناشتہ وہاں رکھ دے......“ اور اس کے بعد وہ بوڑھے کے پاس سے ہٹ کر میز پر جا بیٹھا۔ بوڑھے نے اپنی جان بچ جانے کی خوشی میں جلدی جلدی اس کے لیے ناشتے کا بندوبست

کیا اور کچھ لمحوں کے بعد زیراس کا ناشتہ اس کے سامنے سجا دیا۔

زیراس کھانے میں مشغول ہوگیا۔ روتھن کی لاش نہ ملنے سے وہ بڑا مطمئن ہوگیا تھا جانتا تھا کہ روتھن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا لیکن اس کی تلاش بھی ضروری تھی اور وہ اس بستی کے بارے میں جاننے کا خواہش مند بھی تھا۔ ہیرک بدستور اپنی جگہ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد زیراس اس کے قریب پہنچا اور ہیرک کے سامنے میز بجاتے ہوئے کہا۔ ''احمق شرابی! اب تجھے میرے ساتھ سیمون کے پاس چلنا ہوگا۔''

ہیرک نے جھکی ہوئی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کون ہے تو؟ کہاں سے آیا ہے؟ جا چلا جا۔ اس وقت ہم بلندی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں سے نیچے اترنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔''

''میں تجھے مار مار کر اس فرش پر لمبا کر دوں گا۔'' زیراس نے گریبان پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے کہا اور اسی وقت بوڑھا اس کے عقب میں پہنچ گیا۔

''تم اس کے بدن کے ٹکڑے ہی یہاں سے لے جا سکتے ہو۔ اب اس کا اٹھنا ممکن نہیں ہے۔''

''کیوں؟'' زیراس غرایا۔

''دن کی روشنی میں یہ صرف ایک بوڑھا سا سانپ ہوتا ہے لیکن سورج چھپ جائے تو اور بات ہے۔''

''اس وقت اس کے پیروں میں جان آ جائے گی۔''

''ہاں، اس وقت یہ حیرت انگیز طور پر درست ہو جاتا ہے۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔

''کیا یہ پاگلوں کی بستی ہے!'' زیراس نے پریشانی سے کہا پھر بولا۔ ''سیمون کہاں ملے گی؟''

''اس کے ہرکارے شاید مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچنے والے ہوں گے۔'' بوڑھے نے کہا اور زیراس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ کوئی بات اس کی سمجھ

میں نہیں آ رہی تھی۔ عجیب طرح کے پھیر میں پڑ گیا تھا۔

بوڑھے کی بات حرف بحرف اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ زیراس وہیں بیٹھا ہوا تھا کہ دو افراد اندر داخل ہوئے اور کسی سمت دیکھے بغیر بوڑھے کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے مدہم آواز میں بوڑھے سے کچھ کہا اور بوڑھے نے زیراس کی طرف اشارہ کر دیا۔ دونوں باادب انداز میں اس کے پاس پہنچ گئے۔

''شمالہ کے اجنبی، کیا تم آقا سیمون سے ملاقات کے خواہش مند ہو؟''

''تم کون ہو؟'' زیراس نے ان دونوں کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''سیمون کے غلام۔''

''اس نے کیسے جانا کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں؟''

''یہ ہم نہیں جانتے۔''

''ہاں، میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ چلو۔''

وہ باہر نکل آیا۔ باہر ان دونوں کے گھوڑے کھڑے ہوئے تھے۔ زیراس نے اپنا گھوڑا کھولا اور اس پر سوار ہوگیا۔ وہ دونوں اس کی رہنمائی کر رہے تھے۔

بستی کے مکانات کے درمیان سے گزرتے ہوئے وہ ایک نشیبی راستے پر آ گئے۔ جس کا اختتام سرخ پتھروں سے بنی ایک عمارت پر ہوا تھا۔ گھوڑے عمارت کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہوگئے۔ پتھروں کی بنی تین سیڑھیاں عبور کر کے زیراس دوسرے بڑے دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ اس کا گھوڑا باہر کھڑے دوسرے لوگوں نے سنبھال لیا تھا۔ پھر کئی پرپیچ راہداریوں سے گزار کر اسے سیمون کے سامنے لے جایا گیا۔

دراز قامت اور انتہائی پرمتانت چہرے والی تقریباً پینتیس سالہ عورت نے سرد مہری سے گردن خم کی۔ اس کے ٹخنوں تک لمبے گھنے بال حسن کی علامت تھے اور بدن کا تناسب بے حد دلکش تھا لیکن کرخت چہرہ اس بات کی علامت تھا کہ وہ بے حد مغرور ہے۔

زیراس نے سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھا اور سیمون نے اسے ایک نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''شمالہ میں، میں اپنے ساتھی کے ساتھ داخل ہوا تھا اور میں نے یہاں معاوضہ ادا

کر کے قیام کیا تھا۔ رات کو کہیں سے رقص و سرود کی آواز سنائی دی اور میرا ساتھی اس طرف چلا گیا اور اب ویرانوں میں اس کے گھوڑے کی لاش پڑی ہے۔ اور وہ گم ہے۔“ زیراس نے مختصراً ساری روئیداد بیان کر دی۔ اس نے بیٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

”بیٹھو ابھی! موت کے ویرانوں میں یہی کچھ ہوتا ہے۔“ سیمون کی آواز دلکش تھی جو اس کے چہرے کی سنجیدگی سے میل نہیں کھاتی تھی۔

”میرا ساتھی کہاں ہے؟“

”اگر اس کی لاش ویرانوں میں اب نہیں ملی تو کبھی نہ کبھی مل جائے گی۔ اس کی زندگی ممکن نہیں ہے۔“ وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

”اسے زندہ تلاش کر شمالہ کی سردار۔ اور یہی شمالہ کے حق میں بہتر ہے ورنہ تجھے دوسرا تماشہ دیکھنا پڑے گا۔“

”وہ تماشا کیا ہوگا؟“ وہ بدستور سرد لہجے میں بولی۔

”شمالہ کے ہر گھر سے رونے اور کراہنے کی آوازیں ابھریں گی اور یہ کہ اس کی ہر گلی میں خون بہہ رہا ہوگا۔“ زیراس کی آواز بھیڑیے کی آواز سے مشابہہ تھی۔

”کون سے قبیلے سے تعلق ہے تیرا؟“

”قبیلہ موت سے، اور اس کا تجربہ تو کرلے گی۔“

”میں ایک بار پھر تجھے بیٹھنے کی پیشکش کرتی ہوں۔ جہاں تک تیرے ساتھی کی گمشدگی کا تعلق ہے تو میں نے اس کی موت کی پیش گوئی ان ویرانوں کی روایات کے تحت کی ہے۔ اگر تیرے ذہن میں یہ خیال ہے کہ تیرے ساتھی کی گمشدگی میں شمالہ والوں کا ہاتھ ہے تو اس خیال کو دل سے نکال دے۔“

”ان ویرانوں کی روایات کیا ہیں؟“ زیراس نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

”بہت پرانی بات ہے اس وقت کی جب میرے باغ کے درخت کونپلوں کی شکل میں تھے۔ بستی شمالہ امن اور آشتی کی بستی تھی۔ لوگ یہاں خوش و خرم رہتے تھے۔ یہاں ناچ رنگ کی حقیقی محفلیں جمتی تھیں۔ ہر رات ہنسی خوشی کی رات تھی۔ لوگ کاروبار کرتے تھے اور دن بھر کی محنت کی تھکن شراب خانوں اور اپنے گھروں کے سامنے جمنے والی محفلوں

میں اتارتے تھے، کھیل کود ہوتے تھے۔ سپہ گری کے مقابلے ہوتے تھے اور یوں یہ بستی سکون کی بستی تھی لیکن پھر ایک حادثہ ہوا۔ بستی کے چند مسافر سفر پر گئے تھے۔ واپس آئے تو انہوں نے ایک ہولناک کہانی سنائی۔ یہ کہانی ویرانوں میں پڑی چھ انسانی لاشوں کی تھی جن کا تعلق اس بستی سے نہیں تھا لیکن وہ اس بستی میں آرہے تھے۔ بستی والوں کے لئے یہ بڑی المناک بات تھی۔ وہ ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے لیکن ان میں نہ کوئی اتنا سنگدل تھا اور نہ اتنا بدخو۔

”چھ لاشوں کا راز بہت دن تک راز رہا۔ پھر اس بستی کے دو افراد ویرانوں سے گزرے اور اس کے بعد زندہ واپس نہ آئے۔ ان کی موت درندوں کے حملے سے نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کے بدن پر گولیوں کے نشان تھے۔ تب بستی میں خوف و ہراس پھیل گیا اور لوگ تنہا سفر کرتے ڈرنے لگے۔ رفتہ رفتہ اموات کی تعداد بڑھتی گئی اور اندازہ لگایا گیا کہ مخصوص وقت پر سفر کرنے والے ان اموات کا شکار ہوتے ہیں۔ بستی کے سمجھداروں نے کہا کہ ان ویرانوں میں گندی روحوں نے بسیرا کرلیا ہے اور وہ انسانی زندگی کی خواہاں ہوتی ہیں۔

”چنانچہ بستی میں دہشت پھیلتی گئی۔ بھولے بھٹکے رات کی تنہائیوں میں اگر کبھی اس طرف آنکلتے تو کسی کی زندگی نہ بچتی۔ پھر چار جیالوں نے یہ طے کیا کہ ان گندی روحوں کا سراغ لگائیں گے اور جس جگہ انہوں نے فیصلہ کیا تھا، وہیں ان کے اعضاء کے ڈھیر دستیاب ہوئے۔ یہ سزا تھی ان کے فیصلے کی۔ پھر کوئی نیا فیصلہ کبھی نہ ہوا۔ سب جان گئے تھے کہ نظر نہ آنے والی روحیں بستی میں چکراتی رہتی ہیں اور کوئی اگر کچھ سوچتا ہے تو وہ بات پوشیدہ نہیں رہتی۔ یوں اس بستی سے رونقیں ختم ہوگئیں۔ موت کے خوف میں زندگی گزارنے والے کہیں ہنسی خوشی رہ سکتے ہیں؟“

”وہ ناچ رنگ کیا حیثیت رکھتا ہے جو ویرانوں میں ہوتا ہے؟“ زیراس نے سوال کیا۔

”آہ...... اس کے بعد صورتحال خراب ہوتی گئی۔ گھنگھروؤں کی جھنکار اور ڈھول کی تھاپ اشارہ ہوتی ہے کہ روحیں خون کی پیاسی ہیں اور انہیں انسانی خون درکار ہے۔“

''اچھا پھر؟'' زیراس نے سوال کیا۔

''بستی والے محتاط ہو گئے۔ سرِ شام ہی گھروں کے دروازے بند ہونے لگے۔ لوگ باہر بھی نہیں نکلتے تھے۔ سب کو زندگی عزیز تھی۔ ناچ رنگ کی محفلیں ختم ہو گئی تھیں۔ تب ایک رات بستی سے دور ویرانے میں رقص وسرود کی آوازیں ابھریں اور چند نوجوان خود کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ وہ چھپ کر چلے گئے اور پھر ان کڑیل نوجوانوں کی لاشیں مل گئیں۔ یہ بھی روحوں کا فریب تھا۔''

''تو اس بستی کی سردار ہے؟''

''ہاں بدقسمتی سے یہ ذمے داری میرے کاندھوں پر ہے۔''

''تو نے اس بارے میں اپنا فرض پورا نہیں کیا۔''

زیراس کی اس بات پر سیمون نے کسی قدر درشت نظروں سے اسے دیکھا پھر بولی۔ ''ایک بار پھر میں پوچھتی ہوں کون سا قبیلہ ہے تیرا؟''

''پورازی آنا میرا قبیلہ ہے۔''

''تو سن، اے سورما۔ تاج سرداری میں ہمیشہ کے لئے تجھے دے دوں، اگر تو بستی شالہ کو اس عذاب سے نجات دلا دے۔ نظر آنے والے دیو پیکروں سے جنگ کی جا سکتی ہے لیکن وہ جو ہواؤں میں رہتے ہیں ان سے جنگ کیسے کی جائے؟''

''مجھے تیری سرداری نہیں، اپنا دوست چاہئے اور جیسا میں نے کہا، اس کی تلاش میں، میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔ یوں نہ ہو کہ بعد میں مجھ سے شکوہ کیا جائے۔''

''اگر شالہ کے کسی مصیبت زدہ پر تو نے ظلم کیا تو خود پشیمان ہوگا۔ یہ تو خود عذاب میں گرفتار ہیں۔ تو کسی کو زخم بھی لگا دے گا تو یہ صرف اپنا زخم صاف کرنے لگیں گے تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا۔ ان کی قوتیں بالکل مفلوج ہو گئی ہیں اور میں تجھ سے صرف اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ ان میں سے کسی کی اتنی جرأت نہیں کہ تیرے کسی ساتھی کو نقصان پہنچا سکیں۔'' سیمون نے کہا۔

''تب تو بھی سن لے سیمون۔ زیراس ان روحوں کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے اور شالہ والوں کو خوشخبری سنا دے کہ اب وہ روحیں قائم نہ رہ سکیں گی۔ ہاں اگر یہ فریب ہوا

شالہ کی سردار تو اس کی قیمت تجھے چکانی ہوگی۔''

سیمون کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اس نے خوف زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ زیراس کے الفاظ پر اس نے تبصرہ نہیں کیا تھا۔ غالباً وہ ایک لفظ بھی بولنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ سخت خوفزدہ تھی۔

سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ آنکھیں کھولیں تو روشنی اسے اتنی تیز لگی کہ آنکھیں پھر بند کرنا پڑیں۔ سارا دماغ کھولتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ دیر تک آنکھیں بند کئے لیٹا رہا اور پھر آہستہ آہستہ حواس جاگنے لگے۔ گزرے ہوئے لمحات یاد آئے۔ ذی آنا کی نامعلوم بستی کا قیام۔ گھنگھروؤں کی آواز، روشنی کا فریب اور اس کے بعد وہ لجلجا جال۔

روتھن نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں۔ سورج نہیں چمک رہا تھا لیکن اجالا بتاتا تھا کہ صبح ہو چکی ہے۔ مگر جال؟ اب اس کے گرد نہیں تھا اور وہ زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اطراف میں عجیب گھنے گھنے سے درخت تھے۔ جن کے پتے زرد اور مکڑیوں کے جالوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ بڑے اور چھوٹے جالوں کے ڈھیر چاروں طرف نظر آ رہے تھے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ تبھی اس کو ایک عجیب آواز سنائی دی اور کوئی دھپ سے زمین پر گرا۔ روتھن اچھل پڑا تھا۔ اس نے بے اختیار پلٹ کر اس طرف دیکھا اور بری طرح چکرا کر رہ گیا۔

وہ ایک نسوانی وجود تھا۔ تمام تر دلکش خطوط کے ساتھ۔ بدن پر چند دھجیوں کے سوا کچھ نہیں تھا لیکن یہ دھجیاں کہاں تھیں! عجیب سے رنگوں سے بدن کے کچھ حصے رنگے گئے تھے اور بس سب سے زیادہ خوفناک بات اس کا انداز تھا۔ جانے کہاں سے ٹپکی تھی جو دھپ سے گرنے کی آواز ہوئی تھی اور اب دونوں کہنیوں اور گھٹنوں کے بل بڑے عجیب سے انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔

روتھن کو وہ بالکل بلی لگ رہی تھی۔ وہ آنکھیں مل مل کر اسے دیکھنے لگا اور ایک بار

پھر اچھل پڑا۔ اسے بلی کی غراہٹ سنائی دی تھی اور اس کے ساتھ ہی وہ کئی فٹ اوپر اچھل کر نیچے گری تھی جس جگہ وہ گری تھی وہاں کسی قدر نشیب تھا اور وہ روتھن کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ منظر اتنا عجیب تھا کہ روتھن خود کو باز نہ رکھ سکا اور بے اختیار آگے بڑھ گیا۔ نشیب زیادہ گہرا نہ تھا۔ وہ اسے نظر آ گئی لیکن دوسرا منظر دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا۔ پیلے اور بھورے رنگ کا ایک اژدھا زمین پر پڑا ہوا تھا اور بلی نما لڑکی اس پر حملہ آور تھی اور پھر اژدھے سے اس کی جنگ کا انداز!!

روتھن کو دن میں تارے نظر آ گئے تھے۔ لڑکی کے منہ سے مسلسل خونخوار غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ اژدھا بل کھا کھا کر اس کو لپیٹ میں لینے کے چکر میں تھا لیکن بلی تو اس سے بھی زیادہ پھرتیلی تھی۔ وہ نہ صرف اژدھے کے ہر وار سے بچ رہی تھی بلکہ مواقع ملنے پر وار بھی کر رہی تھی اور اس کا نشانہ اژدھے کا پھن تھا۔

روتھن اس عجیب منظر کو غور سے دیکھنے لگا۔ اژدھے کی زبان باہر نکل رہی تھی اور وہ تکلیف میں مبتلا نظر آ رہا تھا۔ تب روتھن نے اس کا پھن زخمی دیکھا۔ لڑکی نے اس کا پھن ادھیڑ دیا تھا۔ وہ پینترے بدل بدل کر اپنے پنجے اس کے پھن پر مار رہی تھی اور اس کے پنجے......... روتھن کے بدن میں پھریریاں دوڑ گئیں۔ اس کے ناخن بہت لمبے، تیز اور خمدار تھے۔

اژدھے کی ایک کوشش کارگر ہو گئی۔ اس کی دم پوری قوت سے لڑکی کے بدن پر پڑی اور وہ قلابازی کھا گئی۔ کافی دور جا کر گری تھی وہ، لیکن سو فیصد بلی تھی۔ زمین پر پنجوں کے بل ہی آئی تھی۔ زخمی اژدھا بھاگنے کی فکر میں تھا لیکن روتھن نے پہلے سے زیادہ خوفناک غراہٹ کے ساتھ دوبارہ اسے اژدھے پر حملہ کرتے دیکھا۔ اس بار اس نے اژدھے کا پھن دبوچ لیا تھا اور بلیوں ہی کے انداز میں پیروں کے دونوں پنجوں سے دھن رہی تھی۔ اژدھا پھر ایک بار اسے کسنے کی کوشش کرنے لگا لیکن لڑکی کے پیروں کے ناخن بھی اتنے ہی خوفناک تھے۔ دونوں زمین پر لڑھک رہے تھے اور ایک خوفناک جدوجہد ہو رہی تھی۔

روتھن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اصولاً اسے لڑکی کی مدد کرنی چاہئے تھی

لیکن مصیبت میں تو اژدھا تھا۔ یہ لڑکی نما بلی خود اس پر حملہ آور ہوئی تھی۔ چنانچہ روتھن دیکھتا رہا اور وہی ہوا جس کی امید تھی۔ اژدھا آہستہ آہستہ مضمحل ہونے لگا پھر اس کا بدن سیدھا ہو گیا۔

روتھن فوراً سنبھلا اور ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس فتح کے بعد وہ کیا کرے گی؟ پھر وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ اس نے لڑکی کو بلیوں ہی کے انداز میں ایک جگہ بیٹھ کر پنجے چاٹتے ہوئے دیکھا۔

روتھن چکرائے ہوئے ذہن سے اسے دیکھتا رہا۔ اسے اس آسیب زدہ ماحول کا احساس ہو رہا تھا۔ درختوں میں لپٹے ہوئے جالے، عجیب سرزمین اور پھر یہ انسانی بلی۔ اپنی افتاد تو اب ذہن ہی میں نہ رہی تھی۔

بلی نما لڑکی نے دونوں ہاتھ اور پاؤں زمین پر ٹکا کر ایک مستانہ انگڑائی لی اور پھر ایک طرف چل پڑی لیکن وہ چل دو پیروں ہی سے رہی تھی۔

روتھن نہایت چابکدستی سے اس کا تعاقب کرنے لگا۔ اس کے قدم بے آواز تھے اور بلی نما لڑکی اس کی طرف سے بے خبر رہی تھی۔

لڑکی کافی دور تک چلتی رہی پھر روتھن نے اسے ایک جگہ رکتے دیکھا۔ درختوں کے گھنے جھنڈ کے پاس کسی جانور کی لاش پڑی ہوئی تھی جو زیادہ پرانی نہیں تھی اور اس کا اندازہ اس کے گوشت پر نظر آتے ہوئے سرخ خون سے ہو رہا تھا۔

لڑکی لاش کے پاس رک گئی۔ اس نے چوکنے انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر دوسرا انوکھا منظر دیکھنے میں آیا۔ لڑکی لاش کے پاس بیٹھ کر اس کا گوشت ناخنوں سے ادھیڑنے لگی۔

روتھن کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ گزرے ہوئے واقعات ایک خواب ہی معلوم ہوتے تھے لیکن یہ تو عالم بیداری تھا۔ پھر اسے یاد آیا کہ یہ ذی آنا کا علاقہ ہے اور پورے ذی آنا میں اس سے زیادہ پراسرار سرزمین کہیں اور نہیں ہے۔

لیکن اب کیا کیا جائے؟ سوچنے کے لئے سب کچھ تھا۔ رقص اور موسیقی کی آواز، جال اور پھر یہ بلی.......... مقصد؟ اسے یہاں لانے کا مقصد کیا ہے؟ ظاہر ہے جال بے

مقصد نہ ہوگا، کسی نے تو یہ کارنامہ سرانجام دیا ہوگا پھر اسے زیراس یاد آیا۔ زیراس کہاں ہوگا؟

اس بار ستارے ہی غلط ہو گئے تھے۔ ہر چال ناکام ہو گئی تھی۔ وہ بار بار اپنے ہی جال میں پھنس جاتا تھا۔ نہ جانے اس جگہ کا بستی شالہ سے کتنا فاصلہ ہے اور اسے آسانی سے واپسی نصیب بھی ہوگی یا نہیں۔ نہ جانے وہ اس وقت کہاں ہے؟ اس کا ذہن اندیشوں کے جال بن رہا تھا۔ اس پراسرار خطے میں کسی وقت بھی کوئی خوفناک صورت حال پیش آ سکتی تھی اور پھر یہ منظر تو بے حد خوفناک تھا۔

لڑکی کے انداز اور حرکات و سکنات میں جو وحشیانہ پن پایا جاتا تھا وہ قطعی غیر انسانی تھا لیکن روتھن کا ذہن یہ بات تسلیم نہیں کر رہا تھا کہ وہ انسانوں سے ہٹ کر کوئی چیز ہے، نہ ہی وہ اس سے خوفزدہ تھا بلکہ وہ حقیقت جاننے کا خواہش مند تھا۔

لڑکی بدستور گوشت کے اس ٹکڑے کو دانتوں سے بھنبھوڑنے میں مصروف تھی جو اس کے سامنے تھا۔ وہ بلیوں کے سے انداز میں اپنے دانتوں سے کھینچ کھینچ کر گوشت چبا رہی تھی اور روتھن اسے زیادہ سے زیادہ قریب سے دیکھنے کا خواہش مند تھا۔

پھر دفعتاً ہی لڑکی چوکنی ہو گئی تھی۔ بالکل یوں لگا جیسے کسی بلی نے کوئی آہٹ سن لی ہو۔ اس نے گوشت چھوڑ کر ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں اور روتھن جو بے اختیارانہ انداز میں آگے بڑھ آیا تھا اور اس وقت کسی آڑ میں نہیں تھا، لڑکی کی نگاہوں میں آ گیا۔ دوسرے لمحے لڑکی کی آنکھیں اس پر آ جمیں، روتھن کو ان میں ایک شیطانی چمک نظر آئی تھی۔ پھر اس کے ہونٹ پھیل گئے، اس کے حلق سے بلی کی مانند غراہٹیں ابھرنے لگی تھیں۔ بالکل یوں لگ رہا تھا کہ اب وہ روتھن پر حملہ کر دے گی۔

ایک لمحے کے لئے روتھن کو سنبھلنا پڑا۔ لڑکی کے لمبے ناخن اور تیز سفید دانت جو اس وقت خون آلود ہو رہے تھے اور اس کے چہرے پر جگہ جگہ لگا خون، روتھن کے لئے حیرت کا باعث تھے۔ کچھ کراہت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر لڑکی نے اس پر حملہ کر دیا تو یقینی طور پر اس کو سخت نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا۔ وہ اژدھے کی ہلاکت دیکھ چکا تھا۔ لڑکی جتنی پھرتیلی تھی، اس کا بھی روتھن کو اندازہ ہو چکا تھا لیکن لڑکی کے ساتھ

کوئی ایسی کارروائی بھی فوری طور پر نہیں کی جا سکتی تھی جو اس کے لئے باعث نقصان ہو۔ روتھن کو اندازہ نہیں تھا کہ جال میں جکڑنے کے بعد اسے کون یہاں تک لایا ہے۔ اور یہاں کوئی باقاعدہ آبادی بھی ہے یا یہ لڑکی تنہا............

اگر روتھن کی کسی کوشش سے لڑکی کو کوئی نقصان پہنچ جاتا تو صورت حال خراب بھی ہو سکتی تھی۔ اور پھر وہ ترکیب قطعی غیر سوچی سمجھی تھی جس پر روتھن نے ایک دم عمل کر ڈالا تھا۔ لڑکی بدستور غرا رہی تھی۔ دفعتہً ہی روتھن اپنی جگہ پر جھکا تھا اور دوسرے لمحے اس کے حلق سے کتے کے بھونکنے کی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔ وہ ایک خونخوار کتے کی مانند بھونک رہا تھا اور دوسرے لمحے اس نے لڑکی کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔ روتھن کو ذرہ برابر امید نہیں تھی کہ اس کی یہ تدبیر اتنی کارگر ثابت ہو جائے گی۔ کتے کی آواز سن کر لڑکی اس طرح چونکی تھی اور خوفزدہ ہو گئی تھی جیسے بلی، کتے کو دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتی ہے۔ اس نے پہلے بائیں سمت اور پھر دائیں سمت دوڑنے کی کوشش کی اور روتھن کو بھی نہ جانے کیا سوجھی کہ وہ لڑکی کے پیچھے دوڑ پڑا۔

پھر اس نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ لڑکی اچھل کر ایک موٹے اور تناور درخت پر چڑھ گئی اور پھر بلی ہی کی طرح اپنے پنجوں کی مدد سے درخت کی ایک اونچی شاخ پر پہنچ گئی۔ روتھن اس درخت سے دور ہی رہا تھا۔

لیکن پھر اسے پیچھے سے ایک آواز سنائی دی۔ آواز انسانی ہی تھی لیکن الفاظ روتھن کی سمجھ میں نہیں آ سکے تھے۔ اس نے ایک موٹی سی بھدی عورت کو دیکھا جو عجیب قسم کے لباس میں ملبوس تھی۔ سیاہ رنگ کا ایک کفن نما لباس اس کے بدن پر بہت برا لگ رہا تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی تھی پھر اس نے روتھن کو دیکھ کر منہ سے عجیب قسم کی آواز نکالی اور ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا کر روتھن پر دے مارا۔ روتھن جھکائی دے کر اس پتھر سے بچ گیا تھا لیکن موٹی عورت کے ہاتھ سے نکلا ہوا دوسرا پتھر روتھن کی کمر پر پڑا اور دفعتہً روتھن کے حلق سے ایسی ہی آوازیں نکلیں جیسی کتے کو پتھر مار دیا جائے تو وہ ٹیاؤں ٹیاؤں کر کے چیختا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے درخت کی مخالف سمت چھلانگ لگا دی تھی۔ بس سوجھ ہی گئی تھی۔ نہ جانے کیا سوچا تھا اس نے۔

موٹی عورت نے دو تین پتھر اٹھا کر اس کی طرف پھینکے لیکن روتھن اب اس پتھر کی زد سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ دور تک دوڑتا چلا گیا اور چند لمحات کے بعد لڑکی اور موٹی عورت اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

کچھ دیر کے لئے وہ چکرا کر رہ گیا تھا۔ یہ ناقابل یقین منظر اس کے لئے انتہائی حیران کن تھا اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

جنگلوں کا یہ سلسلہ نہ جانے کہاں تک پھیلا ہوا تھا۔ سب سے زیادہ حیرت ناک ان درختوں کی شکلیں تھیں۔ ایسے بدنما درخت اس سے پہلے کبھی روتھن کی نگاہوں سے نہیں گزرے تھے۔ ان سب میں مکڑیوں جیسے جالے شاخوں سے لے کر زمین تک تنے ہوئے تھے۔ کم از کم یہ مکڑیوں کا کارنامہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پھر کیا بات تھی؟

اس علاقے میں دور دور تک ویرانی نظر آ رہی تھی۔ اگر وہ موٹی عورت اور انسانی بلی اس کی نگاہوں کے سامنے نہ آتے تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس ہولناک ویرانے میں کوئی انسان بھی رہتا ہے۔

ٹیاؤں ٹیاؤں کرتا ہوا وہ کافی دور نکل آیا تھا اور اب ایک جگہ بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور یوں ہی بے مقصد آگے بڑھ گیا۔ اس کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ کہیں کہیں اسے چھوٹے موٹے جانور بھی دوڑتے نظر آ جاتے تھے۔ گویا یہ جنگل کم از کم جانوروں سے خالی نہیں تھا۔ البتہ درندوں کے نشانات ابھی تک نہیں مل سکے تھے۔ اگر یہاں درندے ہوئے تو کافی مشکل پیش آ سکتی ہے۔ لیکن ایک خیال اور بھی اس کے ذہن میں تھا۔ اسے بے ہوش کر کے یہاں تک لانے والوں کے ذہن میں کوئی مقصد ضرور ہو گا گزرے ہوئے لمحات اس بات کی نشاندہی کرتے تھے کہ اس کے لئے جال بچھایا گیا تھا۔ رقص و موسیقی کی وہ آوازیں بلاشبہ حیرت انگیز تھیں اور اس کے بعد اس کے گھوڑے کو گولی کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ جو کوئی بھی ہیں، محض پراسرار طاقت کے مالک ہی نہیں ہیں بلکہ ہتھیاروں کا استعمال بھی جانتے ہیں۔

ابھی تک ذہن کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ ایک بار پھر وہ زیراس سے بچھڑ گیا تھا اور

وہ جانتا تھا کہ اب زیرا اس کے لئے پریشان ہوگا۔

اور پھر کچھ فاصلے پر اسے ایک تالاب نظر آیا تھا۔ اس میں پانی موجود تھا اور اس کے کنارے کنارے اونچے نیچے پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ روتھن کا رخ اس تالاب کی جانب ہوگیا لیکن ایک پتھر کے سامنے اس نے ایک انوکھی چیز دیکھی اور ایک بار پھر اس کے قدم ٹھٹک گئے۔ ایک بڑے میاں دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں پھیلائے، لباس سے بے نیاز پتھر کی آڑ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چہرہ انسانوں جیسا ہی تھا۔ ہاتھ پاؤں کی بناوٹ بھی انسانوں سے مختلف نہیں تھی لیکن ان کا منہ جس انداز میں ہل رہا تھا وہ حیرتناک تھا۔ ان کی گول گول آنکھیں روتھن کا جائزہ لے رہی تھیں اور ان کے منہ سے مینڈک کی سی ٹرٹراہٹ نکل رہی تھی۔

روتھن ایک قدم آگے بڑھا تو بوڑھا دونوں ہاتھوں اور پیروں کی مدد سے مینڈک کی طرح چھلانگیں لگانے لگا۔ اس کا چھلانگیں لگانے کا انداز مینڈکوں جیسا ہی تھا۔ ساتھ ساتھ اس کے حلق سے ٹرٹراہٹ بھی نکلتی جارہی تھی۔ پھر وہ ایک بڑے سے پتھر کی اوٹ میں اس طرح جا بیٹھا جیسے اس نے کسی بیرونی خطرے سے پناہ لے لی ہو۔

روتھن نے پریشان نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور اسی وقت اسے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ وہ چونک کر پلٹا تو ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وہ ایک تنومند نوجوان تھا جو ہاتھوں، پیروں کے بل کھڑا ہوا گھوڑے کی طرح ہنہنا رہا تھا اور اپنا ہاتھ اس طرح زمین پر مار رہا تھا جیسے گھوڑا کبھی کبھی اپنا کھر زمین پر مارتا ہے۔

دفعتہً ہی ایک اور آہٹ ہوئی اور گھوڑا نما نوجوان سرپٹ دوڑتا چلا گیا۔ ہاتھ پیروں کے بل اس کے دوڑنے کی یہ رفتار روتھن کے لئے ناقابل یقین تھی۔ وہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کی مانند دوڑ گیا تھا۔ پتھر کے عقب میں بیٹھا ہوا بوڑھا اب بھی ٹرٹرا رہا تھا۔

روتھن دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گیا تھا۔ اب اس کے ہوش وحواس واقعی جواب دیتے جارہے تھے۔ یہ انسانی جانور کیا حیثیت رکھتے ہیں، کہاں سے وارد ہوئے ہیں؟ انہیں دیکھ کر دل میں خوف بھی ابھرتا تھا اور حیرت بھی ہوتی تھی۔

پھر روتھن نے ایک فیصلہ کرلیا۔ اس نے ایک موٹی سی لکڑی اٹھائی اور آہستہ آہستہ

چلتا ہوا مینڈک نما بوڑھے کی طرف بڑھنے لگا جو اسے دیکھ کر سمٹتا جارہا تھا۔ روتھن اس کے سامنے جا کھڑا ہوا اور غراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"او مینڈک کی اولاد، تو مینڈک تو کیا کچھوا بھی بن جا تو مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔ لیکن اگر میری بات کا صحیح جواب تو نے نہیں دیا تو میں تیرے چاروں ہاتھ پاؤں توڑ دوں گا۔ پہلے تو پتھر کی اوٹ سے باہر نکل آ۔"

مینڈک نما بوڑھا خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا لیکن بولا کچھ نہیں، تب روتھن نے لکڑی اس کے بدن میں چبھوئی اور وہ ادھر ادھر سرکنے لگا۔ اس بار روتھن نے ذرا زور سے لکڑی اس کے بدن پر ماری تو ایک بار پھر وہ اچھلتا ہوا بھاگا اور دوسرے لمحے اس نے ایک لمبا چکر لے کر غڑاپ سے تالاب میں چھلانگ لگادی۔

روتھن اس کے پیچھے دوڑا تھا لیکن اس نے پانی میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پانی اتنا گدلا تھا اور اس پر کائی کی اتنی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی کہ بوڑھا اس میں غائب ہوگیا تھا اور اب پانی پر بلبلے بھی نظر نہیں آرہے تھے۔

روتھن نے آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکی اور پھر سوچنے لگا کہ اس طرح وہ کب تک اس جادونگری میں بھٹکتا رہے گا۔ کچھ کھانے پینے کا انتظام کرنا چاہئے۔ پھر اسی موٹی لکڑی کی مدد سے روتھن نے ایک خرگوش شکار کیا۔ خرگوش کے سر پر لکڑی پڑی تھی اور اس کا بھیجا باہر نکل آیا تھا۔ روتھن نے افسوس بھری نظروں سے اسے دیکھا اور پھر جیب سے چاقو نکال کر اس کی کھال ادھیڑنے لگا۔ اس کے بعد اسے آگ کی تلاش ہوئی اور اس نے درختوں کے نیچے سوکھی ہوئی لکڑیاں جمع کر کے ایک جگہ ڈھیر کر دیں۔ آگ جلانے کے لئے زمانہ قدیم کا وہی طریقہ استعمال کیا جاسکتا تھا جس سے انسان آگ حاصل کیا کرتا تھا یعنی پتھروں سے نکلنے والی چنگاریاں۔ روتھن نے دو پتھر تلاش کئے اور لکڑیوں کے اس ڈھیر کے پاس جا بیٹھا۔ اس نے پتھروں کو ایک دوسرے پر مارا۔ چنگاریاں پیدا ہوئیں، اس کے ساتھ ہی روتھن کو اچھل کر پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ چنگاری جونہی لکڑی سے ٹکرائی، لکڑیوں میں اس طرح شعلہ بھڑکا جیسے بارود کو آگ لگادی گئی ہو۔ ایک لمحے میں وہ تمام لکڑیاں خاکستر ہوگئی تھیں۔ شعلہ کافی اونچا بلند ہوا اور پھر ایک دم سرد ہوگیا۔ نیچے زمین

پر جلے ہوئے نشانات باقی رہ گئے تھے۔

روتھن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اگر وہ لکڑیوں کے بالکل قریب ہوتا تو یقینی طور پر اس شعلے کی لپیٹ میں آ سکتا تھا لیکن بارود کی طرح بھڑک اٹھنے والی یہ لکڑیاں بھی اس کے لئے حیرت انگیز تھیں۔ آگ بجھ گئی تھی اور روتھن اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ یہاں ایسے درختوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی۔ چنانچہ خرگوش کا گوشت کو بھوننے کا مسئلہ بھی یونہی رہ گیا۔ اب کیا کیا جاسکتا تھا۔ مظلوم خرگوش لوتھڑے کی شکل میں ایک پتھر پر رکھا ہوا تھا اور اسے بھوننے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ روتھن کو افسوس بھی ہونے لگا کہ اس نے بلاوجہ اس کی جان لی۔ تالاب کے گدلے پانی کو پی کر پیاس بھی نہیں بجھائی جاسکتی تھی اور کھانے پینے کی کوئی شے آس پاس موجود نہیں تھی۔

اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس صحرائے افسوں میں اسے بھوکا ہی رہنا پڑے گا تاوقتیکہ کوئی ایسا ذریعہ نہ نکل آئے جو پیٹ بھرنے کا باعث ہو۔

خرگوش کو وہیں چھوڑ کر وہ آگے چل پڑا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک پیروں میں جان ہے۔

ڈھلتے ہوئے سورج کے ساتھ اس کا یہ سفر جاری رہا اور جب سورج غروب ہونے کو پہنچا تو اس نے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کا ایک میدان دیکھا جو ویسے ہی درختوں کے درمیان گھرا ہوا تھا جیسے درخت وہ اپنے عقب میں دیکھ چکا تھا۔ ان ٹیلوں میں غار نظر آرہے تھے۔ غاروں کے سامنے روتھن کو کچھ ایسے نشانات بھی نظر آئے جن سے اسے اندازہ ہوا کہ یہاں کچھ نہ کچھ ضرور موجود ہے۔

وہ گہری نظروں سے چاروں طرف کا جائزہ لینے لگا اور پھر دفعتاً ہی اسے سنبھلنا پڑا۔ پہاڑی ٹیلوں میں بنے ہوئے غاروں سے اچانک انسانی غول نمودار ہونے لگے تھے لیکن سب کے سب اسی رنگ میں۔ چاروں طرف سے ان کی یلغار ہوئی تھی اور وہ مختلف ہیئت اختیار کئے ہوئے تھے۔ کچھ گھوڑوں کی طرح ہنہنا رہے تھے، کچھ گدھوں کی طرح چل رہے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جن کے حلق سے بھینسوں کی آوازیں نکل رہی تھیں، دو چار اڑتے ہوئے بھی آرہے تھے لیکن اُن کا اڑنا باقاعدہ نہیں تھا۔ بس وہ پنکھ پھیلا کر جوان

کے بازوؤں کے علاوہ کچھ نہ تھے، دوسروں کی پیٹھ پر پھدکتے ہوئے آرہے تھے۔ عورتیں بھی تھیں جن میں سے بعض ہرنیوں کی طرح چوکڑیاں بھر رہی تھیں، بعض تتلیوں کی طرح اڑ رہی تھیں لیکن اڑنے کا انداز یہی تھا کہ زمین سے ایک دو فٹ اونچی چھلانگیں لگاتیں اور اس کے بعد نیچے آجاتیں۔

انہوں نے چاروں طرف سے روتھن کو گھیر لیا تھا لیکن ان کے انداز میں جارحیت نہیں تھی۔ عورتیں بے حد حسین تھیں۔ مرد بھی اچھی صورتوں کے مالک تھے۔ کچھ کے جسم پر لباس موجود تھے کچھ بے لباس تھے۔ بلیاں بھی تھیں اور بھونکنے والے کتے بھی، ٹرٹرانے والے مینڈک اور نہ جانے کون کون!

لیکن یہ سب کے سب انسان تھے اور ان کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔ وہ زمین کے سوراخوں سے باہر آرہے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے روتھن کے چاروں طرف ایک جم غفیر لگ گیا۔ وہ سب طرح طرح کی آوازوں میں بول رہے تھے اور روتھن کو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینی پڑی تھیں۔ پھر ان میں شیر کی دھاڑیں سنائی دیں اور روتھن بری طرح اچھل پڑا۔ بالکل شیر ہی کی آواز تھی لیکن یہ ایک عمر رسیدہ بوڑھا تھا جو چاروں ہاتھوں پیروں پر چلتا ہوا اسی جانب آرہا تھا۔ کہیں اونٹ کی بلبلاہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔

روتھن ان سب کے درمیان اپنے آپ کو نہ جانے کیا محسوس کررہا تھا۔ پھر اس نے دیکھا شیر کی آواز نکالنے والے کے لئے خصوصاً راستہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا روتھن کی طرف آرہا تھا اور روتھن ادھر ادھر دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ اب کس سمت چھلانگ لگائی جائے۔

لیکن یہ ناممکن تھا کیونکہ دور دور تک وہ پھیل گئے تھے اور ان کی تعداد بے شمار تھی۔ اگر وہ سب کے سب روتھن پر ٹوٹ پڑے تو اس کی تکا بوٹی ہی کرڈالتے۔

بالآخر شیر نما بوڑھا اس کے پاس پہنچ گیا اور اس نے زمین پر جھک کر اپنا منہ روتھن کے پیروں پر رگڑنا شروع کردیا۔ روتھن نے ایک لمحے میں یہ محسوس کیا تھا کہ وہ جو کچھ بھی ہے یا جو کچھ بھی ہورہا ہے، کم از کم وہ لوگ اسے نقصان پہنچانا نہیں چاہتے۔ اسی بات نے تھوڑی دیر کے لئے اسے سنبھال لیا تھا۔ اس نے شیر کی آواز نکالنے والے کے شانے پر

ہاتھ رکھا اور اسے پکڑ کر سیدھا کھڑا کر دیا۔ اچھا خاصا قبول صورت بوڑھا آدمی تھا۔ عمر بھی کافی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر اس نے روتھن کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف اشارہ کرنے لگا۔ یقیناً وہ روتھن کو اس سمت لے جانا چاہتا تھا۔

روتھن نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اب اس کے سوا کچھ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ ایک اور پراسرار بستی اس کے سامنے تھی۔ یقینی طور پر یہ سحر کی بستی تھی اور یہ سب بیچارے کسی عذاب کا شکار تھے لیکن یہ سب کچھ کیا تھا اور کس نے ان پر سحر کر کے انسان کے روپ میں جانور بنا دیا تھا؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اس شخص کے ساتھ تعاون کرے جو اسے کہیں لے جانا چاہتا ہے اور وہ رفتہ رفتہ آگے بڑھ گیا۔

شیر کی آواز نکالنے والا بوڑھا جو چہرے سے کافی سنجیدہ معلوم ہوتا تھا، روتھن کو ساتھ لئے ایک ٹیلے کے قریب پہنچ گیا جس میں ایک بڑا سا دہانہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے روتھن کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ روتھن نے بس ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر اس دہانے سے اندر داخل ہو گیا۔

لیکن اندر داخل ہو کر اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ ٹیلے کے اندر کا ماحول محسوس ہی نہ ہوتا تھا کہ ان جیسے جانوروں کی رہائش گاہ ہے۔ وہاں بہترین رہائش موجود تھی اور اندر سے یہ جگہ اتنی وسیع و عریض تھی کہ ناقابل یقین سی لگتی تھی۔ ٹیلے تو بس ایک دکھاوا تھے۔ ورنہ تو وہاں بڑی وسیع و عریض دنیا آباد کر لی گئی تھی۔ یہاں نرم قسم کی گھاس بچھا کر زمین کو آرام دہ بنایا گیا تھا۔ دیواروں کو بھی اس گھاس سے سجایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ نہ جانے کیا کچھ آباد تھا۔ روشنی کے لئے وہاں دیواروں میں مشعلیں لگائی گئی تھیں جو کسی خاص قسم کے موم یا چربی سے جل رہی تھیں۔ نہ دھواں تھا نہ بدبو۔ ماحول بے حد خوشگوار اور صاف ستھرا تھا۔

یہ لوگ غالباً اپنی اپنی غاروں میں رہتے تھے۔ ان کے عقب میں اور کوئی نہیں آیا تھا۔ صرف وہی شیر کی آواز والا بوڑھا روتھن کو لئے ہوئے چلتا رہا تھا۔ یہ سلسلہ غار در غار پھیلا ہوا تھا۔ نیچے دروازے بنے ہوئے تھے اور پھر تقریباً چھ دروازے سے گزرنے کے بعد غاروں کا یہ سلسلہ ختم ہوا اور وہ ایک چھوٹے سے غار میں پہنچ گئے جس میں تین مشعلیں

روشن تھیں اور ان کی روشنی غار میں کھڑے ہوئے ایک شخص پر پڑ رہی تھی۔

وہ شخص کچھ عجیب نظر آ رہا تھا۔ اس کا رنگ بھورے مٹیالے پتھر جیسا تھا اور اس کے بدن پر وہی گھاس لپیٹ دی گئی تھی جس سے یہاں آرائش کی گئی تھی۔

شیر کی آواز والے بوڑھے نے روتھن کو اس شخص کے سامنے لا کھڑا کیا جو اس غار کے درمیان تنہا کھڑا تھا اور پھر خود پیچھے ہٹ کر غار کے دروازے سے جا لگا۔

روتھن مشعلوں کی روشنی میں کھڑے شخص کو بغور دیکھ رہا تھا جس کے جسم میں ابھی تک کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی۔

روتھن نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ غار کے درمیان کھڑے ہوئے شخص کی کھلی ہوئی سفید آنکھیں روتھن پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلے اور اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”سیلان کی دنیا میں آنے والے تجھے سلام۔“

روتھن خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس شخص نے پھر کہا۔

”میرا نام سیلان ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ میری اس بستی میں اجنبی ہے۔“

”میرا خیال ہے اس پوری بستی میں آدمی کا بچہ صرف تو ہے۔ ورنہ یہ گدھے اور گھڑوں کی اولادیں چاروں طرف بکھری پڑی تھیں۔“ روتھن نے اپنے اعصاب پر قابو پالیا تھا اس لئے اس کا لہجہ تمسخرانہ ہو گیا تھا۔

”اوہ۔ شاید تو ان کا مذاق اڑانا چاہتا ہے۔ تو نے دیکھا کہ یہ تجھ جیسے ہیں لیکن پھر بھی یہ تجھ جیسے نہیں...... ہماری بستی میں آنے والے، ہم تیرے خیر مقدم کے لئے ہر طرح سے تیار ہیں اور شاید ہم میں سے ہر ایک تیرا ہی انتظار کر رہا تھا۔“ سیلان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”اور اب تو مجھے کوئی کہانی سنائے گا۔ کسی ایسی ساحرہ کی جس نے تم سب کو سحر زدہ کر دیا ہے۔“ روتھن ترچھی نظروں سے اسے گھورتا ہوا بولا۔

”ہاں! ہم یہ بھی جانتے تھے کہ تو دوسروں سے زیادہ ذہین ہو گا اور تجھ میں سب کچھ سمجھ لینے کی صلاحیت ہو گی۔ یہ سچ ہی تو ہے کہ شمالہ میں تیرا نزول ہوا اور بالآخر تو ہم

تک پہنچ گیا۔'' سیلان بولا۔ اس کے چہرے پر پتھریلی سنجیدگی طاری تھی۔

''اب تو اپنی کہانی بھی سنا دے تاکہ زیادہ وقت ضائع نہ ہو اور یہ بھی بتا دے کہ یہاں میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔'' اب روتھن کا خوف دور ہو چکا تھا اور وہ اپنی پرانی روش پر آتا جا رہا تھا۔ اس کے اعصاب بحال ہو گئے تھے۔

''اس سے پہلے کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم تیری ضیافت کا بندوبست کریں اور مجھے شکم سیر کر دیا جائے؟''

''اگر تو نے یہ بات سچے دل سے کہی ہے تو بس یہ سمجھ لے کہ یہاں سے تیری اور میری دوستی کا آغاز ہو جائے گا۔ میں سخت بھوکا ہوں۔''

سیلان نے شیر کی طرف دیکھا اور شیر کی گردن خم کر کے باہر نکل گیا۔ روتھن اب اس دلچسپ تماشے سے لطف اندوز ہونے لگا تھا۔ سیلان دوبارہ روتھن کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔ ''میں تجھے بیٹھنے کی پیشکش کرتا ہوں۔ یہاں جو کچھ ہے اسے اپنے لئے سمجھ۔ ہم اس سے زیادہ تیری کوئی خدمت نہیں کر سکیں گے۔ ابھی کھانے پینے کی اشیاء تیرے پاس پہنچ جائیں گی۔''

''اتنا ہی کافی ہے۔ اب اپنا تعارف کرا دے۔'' روتھن بولا۔

''میں...... میں ان سب کا سردار ہوں لیکن ایک ایسا بے بس اور بے کار سردار جو اپنی بستی کے رہنے والوں کی مصیبت دور نہیں کر سکتا۔ ہاں میں پیش گو ہوں۔ گزرے ہوئے اوقات اور آنے والے وقت کے بارے میں تھوڑا بہت جان لیتا ہوں اس لئے اے معزز شخص! ہم سب کو تیرا ہی انتظار تھا اور وقت یہ بتاتا تھا کہ تیرے آنے کے بعد ہماری مصیبت کے دن ختم ہو جائیں گے۔'' سیلان مودبانہ لہجے میں بولا۔

روتھن ایک لمحے کے لئے چونکا تھا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''تو کیسے جانتا ہے کہ میں یہاں آنے والا تھا؟''

''میں نے تجھ سے کہا نا کہ میرے پاس صرف پیش گوئیاں رہ گئیں ہیں اور میری یہی پیش گوئی تھی تیرے بارے میں کہ تو آئے گا اور ہماری نجات کی راہ بنے گی۔''

روتھن خاموش ہو گیا اس جملے نے اسے متاثر کیا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد تین تتلیاں

اڑتی ہوئی آئیں۔ ان کے ہاتھوں میں پتھر کی تراشی ہوئی پلیٹیں تھیں جن میں انتہائی نفیس قسم کے خشک میوے اور تازہ پھل رکھے تھے۔ ان ویران جنگلوں میں اس میوے اور پھلوں کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی چنانچہ یہ بات بھی روتھن کے لئے باعث حیرت تھی کہ یہ اشیاء انہیں کہاں سے حاصل ہوئیں۔

ذی آنا کی اس پراسرار آبادی کی کہانی بھی دلچسپ تھی۔ یہ چیزیں روتھن کے سامنے رکھ دی گئیں اور روتھن مربھکوں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑا۔ خوبصورت تتلیاں اسی طرح اپنے سفید بازو پھیلائے ہوئے پرواز کرتی ہوئی باہر نکل گئی تھیں۔ یہ تینوں کم سن لڑکیاں تھیں جو بے حد حسین تھیں۔

روتھن نے اپنا معدہ پر کرتے ہوئے سوچا۔ ذی آنا کی آبادی کا یہ حصہ کم از کم حسن و جمال میں بے مثال ہے۔ مرد بھی خوش شکل تھے۔ لڑکیاں اور عورتیں تو بے حد حسین تھیں۔

پتہ نہیں یہ سب کیا چکر ہے جب معدہ پر ہو جاتا ہے تو دماغ کے راستے بھی کھل جاتے ہیں۔ بالآخر کچھ نہ کچھ معلوم ہو ہی جائے گا۔ دفعتہً اس نے چونک کر کہا۔

''عظیم سیلان! کیا تو میرے ساتھ ان اشیاء میں شریک نہیں ہوگا کہ یہ آداب میزبانی کے خلاف ہے؟''

جواب میں بوڑھے کے منہ سے ایک سرد آہ نکلی اور اس نے آہستہ سے کہا۔ ''مجھے زندگی کی ان نعمتوں سے محروم کر دیا گیا ہے۔ تو اچھی طرح اپنا معدہ پر کر لے، اس کے بعد میں تجھ سے گفتگو کروں گا۔''

روتھن نے شانے ہلائے اور سامنے رکھی ہوئی چیزیں صاف کرتا رہا۔ اب اسے دوسری چیزوں سے غرض نہ رہ گئی تھی۔ پھر جب اس نے اچھی طرح کھا پی لیا تو پتھر کی پلیٹیں ایک جانب سرکا دیں اور ایک لمبی ڈکار لے کر بوڑھے سے بولا۔ ''اب اگر تو چاہے تو مجھے سینکڑوں کہانیاں سنا سکتا ہے۔ میں اس کے لئے تیار ہوں۔''

بوڑھے سیلان نے آہستہ سے کہا۔ ''تو پہلے میرے بدن کو ٹٹول کر دیکھ۔ اس سے تجھے تیرے سوال کا جواب مل جائے گا۔ میں پتھر کا ہوں۔''

روتھن اچھل پڑا۔ اس دوران میں اس نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ بوڑھے کے پورے وجود میں صرف اس کی آنکھیں جاندار ہیں اور ہونٹ ہل رہے ہیں، اس کے علاوہ اس کے پورے وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی۔ بوڑھے کے ان الفاظ نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے بوڑھے کے چہرے پر انگلی پھیر کر دیکھا۔ درحقیقت اس کی انگلی پتھر کے گالوں سے ٹکرائی تھی اور روتھن ششدر رہ گیا تھا۔ گھاس کے نیچے چھپے اس بوڑھے کے سارے جسم کو اس نے ٹٹول ڈالا۔ پتھر کے مجسمے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ یہ ایک انتہائی پراسرار صورت حال تھی۔ چنانچہ روتھن کو اب اس سلسلے میں سنجیدہ ہو جانا پڑا تھا۔

❁ ‹ ‹ ‹ ❁ ‹ ‹ ‹ ❁

زیراس سیمون سے ملاقات کرنے کے بعد باہر آ گیا تھا اور پھر اس نے قہوہ خانے ہی کا رخ کیا تھا۔ اس کا دماغ بہت الجھا ہوا تھا۔ قہوہ خانے میں اپنی رہائش گاہ پر پہنچنے کے بعد اس نے جھلائے ہوئے انداز میں سوچا کہ کل دن کی روشنی میں وہ بستی شمالہ سے نکل جائے گا۔ روتھن کو آخر کیا مصیبت پڑی تھی کہ وہ ڈھول اور سازوں کی آوازیں سنتے ہی پاگلوں کی طرح اس جانب دوڑ پڑا تھا۔ خود مصیبت میں گرفتار ہوا تھا اور دوسروں کو بھی پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ واقعی بعض اوقات اس کی قربت زیراس کے لئے بہت الجھنوں کا باعث بن جاتی تھی۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد اس نے روتھن کے بارے میں سوچنا ہی ترک کر دیا تھا۔

پھر رات کے کسی پہر اسے سیمون کے الفاظ یاد آئے۔ اس کا کہنا تھا کہ شمالہ بستی اس عذاب کا شکار ہے اور اگر وہ شمالہ کو اس عذاب سے نجات دلا سکے تو سیمون تاجِ سرداری اس کے حوالے کر دے گی۔ تاجِ سرداری تو زیراس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی لیکن یہ للکار زیراس کے لئے بہت اہمیت رکھتی تھی اور چلتے ہوئے اس نے سیمون سے کہا تھا کہ اب شمالہ کے گرد منڈلانے والی ارواح خبیثہ کے آخری لمحات قریب آ گئے ہیں۔ یہ بات کہتے ہوئے اس کے ذہن میں جوش اور ولولہ تھا لیکن اب ہوش پکار رہا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ نظر نہ آنے والی روحوں کے خلاف آغاز جنگ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ دل ہی دل میں وہ روتھن کو کوسنے لگا تھا اور کہہ رہا تھا کہ روتھن اگر تو میرے ساتھ ہوتا تو

شاید اتنی الجھنوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ پھر جب زیراس کی آنکھوں میں نیند اتری تو اس نے آخری فیصلہ یہی کیا تھا کہ کل نہ صرف روتھن کو تلاش کرے گا بلکہ شمالہ کے ان ویرانوں میں جہاں سے گزرنے والے صرف لاشوں کی شکل میں کسی کو ملتے تھے، گشت بھی کرے گا اور ان روحوں کو تلاش بھی کرے گا۔

دوسری صبح اس نے قہوہ خانے کے مالک سے ناشتہ طلب کیا۔ سہمے ہوئے بوڑھے نے زیراس کی طلب کردہ اشیاء اس کے سامنے رکھ دیں۔

آج ہیرک نظر نہیں آ رہا تھا لیکن زیراس کا ذہن اس طرح الجھا ہوا تھا کہ اس نے ہیرک کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا اور پھر وہ اس کے کسی کام کا بھی تو نہیں تھا۔ ہاتھیوں جیسا ڈیل ڈول رکھتا تھا لیکن چوہے سے کم نہیں تھا۔

زیراس کو بستی شمالہ کے لوگوں کے بارے میں یہ اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ اس بستی میں ایک بھی ایسا جیالا نہیں ہے۔ جو اتنے تن و توش سے مطابقت رکھتا ہو۔ کسی کا گریبان پکڑ کر اس کے دو چار ہاتھ جھاڑ دو، وہ گریبان کی شکنیں درست کرتا ہوا چلا جائے گا۔ یہ بہت بڑی بات تھی۔ ان لوگوں کے ذہنوں میں خوف اس طرح بٹھا دیا گیا تھا کہ کم از کم کسی اجنبی سے وہ تلخ آواز میں بھی گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔

چنانچہ جیسا کہ سیمون نے کہا کہ یہاں کا کوئی شخص ان پراسرار روحوں کے خلاف زبان نہیں کھولے گا۔ زیراس کو اس کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا اور اب ان لوگوں سے پوچھنا حماقت کے مترادف تھا۔

روتھن کے گھوڑے کی لاش تو مل چکی تھی لیکن روتھن کے جینے یا مرنے کے نشان کہیں نہیں ملے تھے۔ البتہ زیراس نے بستی شمالہ سے باہر نکلتے ہوئے اس طرح کا بندوبست ضرور کر لیا تھا کہ اگر اسے بہت سے دن اور بہت سی راتیں صحرا میں گزارنی پڑیں تو کم از کم خوراک اور پانی کی تکلیف نہ ہو اور اس کے بعد وہ اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر

چل پڑا تھا۔

ایک بار پھر اس نے وہیں سے اپنے سفر کا آغاز کیا جہاں روتھن کے گھوڑے کی لاش ملی تھی۔ یہاں کھڑے ہو کر اس نے چاروں طرف کا جائزہ لیا کہ گھوڑے پر چلائی جانے والی گولیوں سے بچ کر روتھن کون سا رخ اختیار کر سکتا ہے؟ آخری فیصلہ تو مشکل ہی تھا۔ نہ ہی اسے اس قسم کے کچھ نشانات ملے تھے جو اس کی رہنمائی کرتے۔ بس اپنے ذہن کے فیصلے پر عمل کرتا ہوا وہ ایک سمت میں آگے بڑھ گیا تھا۔

شمالہ کے نواحی علاقے بھی خوب تھے۔ کہیں بدنما بھدی اور تپتی ہوئی سنگلاخ چٹانیں اور کہیں سرسبز گھاس کے وسیع و عریض میدان...... جن میں خودرو پھولوں کے دور دور تک پھیلے ہوئے پودے بھی تھے اور سبز گھاس اور دوسرے درخت بھی نظر آ جاتے تھے۔

نہ جانے وہ کتنا فاصلہ طے کر چکا تھا۔ سورج ایک نخلستان میں ڈوبا تھا جہاں ٹھنڈے پانی کا چشمہ پتھروں سے ابل کر گھاس کو سیراب کرتا ہوا دور دور تک پھیل جاتا تھا۔ لمبی لمبی سرسبز گھاس میں پانی بھرا ہوا تھا لیکن پتھریلی زمین پر کہیں دلدل نہیں پیدا ہوئی تھی۔

زیراس نے ایک جگہ منتخب کی اور گھوڑے کو گھاس چرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ چھاگل سے پانی پینے کے بعد اس نے پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے تھوڑا بہت کھایا۔ رائفل کو اس نے اپنی زندگی سے زیادہ سنبھال کر رکھا تھا۔ اس کے پاس یہی ایک ایسا سہارا تھا جو اسے مدد دے سکتا تھا۔ کمر سے کلہاڑا ابھی لٹکا ہوا تھا لیکن ان دونوں چیزوں کو احتیاط سے رکھنا بے حد ضروری تھا۔

پتھر کی ایک چٹان سے ٹیک لگائے بیٹھا وہ مختلف باتیں سوچ رہا تھا۔ رات کے کسی پہر اسے نیند آ گئی تھی۔ دوسری صبح اس نے پھر صحرا گردی شروع کر دی اور اس بار سمت ذرا سی تبدیل کر دی تھی۔ اگر کہیں کوئی نشان مل جاتا تو آگے بڑھنے میں کوئی دقت نہ ہوتی

لیکن یوں لگتا تھا جیسے روتھن آسمان کی طرف پرواز کر گیا ہو۔

نخلستان ختم ہوا تو اس بار ایک زیادہ ہولناک صحران اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ دور دور تک باریک باریک پتھر پھیلے ہوئے تھے۔ اور ان کے درمیان چٹان نما ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ یہاں سبزے کا نام ونشان نہیں تھا۔ یہ بات بھی عجیب وغریب تھی۔ نخلستان اور چٹیل علاقوں کے درمیان کچھ اس طرح حد بندی ہو جاتی تھی جیسے انسانی ہاتھوں نے یہ کارنامہ انجام دیا ہو حالانکہ یہ تمام چیزیں قدرتی ہی ہوتی تھیں۔

زیراس کا گھڑا ان نوکیلے پتھروں پر سست رفتاری سے سفر کرتا رہا اور چلچلاتی ہوئی دھوپ اور آگ برساتا ہوا سورج دونوں کے سروں سے گزرتا رہا۔

صحرا اتنا وسیع تھا کہ زیراس کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ آنے والے وقت میں اسے دقت پیش آ سکتی ہے۔ بہر حال وہ ایسی مشقتوں کا عادی تھا۔ گھڑے کی پشت پر تھا۔ اس نے نہ جانے کتنا طویل عرصہ ہولناک صحراؤں میں سفر کرتے گزار دیا تھا لیکن وہ سفر بہت دلچسپ ہوتا تھا جس میں روتھن ساتھ ہو۔ کم از کم زبان خاموش نہیں رہ پاتی تھی خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کر لی جائے۔ روتھن خاموش رہنا جانتا ہی نہیں تھا۔

صحرا میں دوسرا دن زیادہ سخت ثابت ہوا۔ چلچلاتا ہوا سورج یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہر چیز کو جھلسا دے گا۔ زمین تپ رہی تھی۔ اس دن گھوڑا بھی بہت زیادہ پریشان نظر آتا تھا۔ زیراس نے سفر کے لئے کوئی ایسی سمت اختیار نہیں کی تھی جسے خاص طور پر نگاہوں میں رکھا گیا ہو۔ بس اس کی نظریں بھٹکتی رہی تھیں اور وہ روتھن کا متلاشی رہا تھا۔

شام ہوئی تو موسم تبدیل ہونا شروع ہو گیا لیکن صحرا ختم نہیں ہوا تھا۔ راستوں کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں رکھا گیا تھا کہ کون سے راستوں سے گزر کر وہ اس طرف آیا تھا۔ چنانچہ یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ واپسی میں کسی نخلستان کا رخ کیا جائے۔

بستی شالہ کے بارے میں ابھی کوئی اندازہ نہیں تھا کہ اب اس تک واپسی کے لئے

کون سے راستے صحیح ثابت ہو سکتے ہیں۔

شام تک وہ کچھ نڈھال ہو گیا تھا۔ ایک بڑے ٹیلے کے عقب میں اس نے گھوڑے کو ایک بڑے پتھر سے باندھ دیا۔ جگہ ایسی نہیں تھی کہ گھوڑے کو کھلا چھوڑ دیا جائے۔ خود اپنے لئے تھوڑا سا حصہ صاف ستھرا کیا اور وہاں ایک پتھر سر کے نیچے رکھ کر لمبا لمبا لیٹ گیا۔ سورج کے چھپ جانے کے بعد موسم میں تبدیلیاں رونما ہونے لگیں تھیں۔

زیراس نے گھوڑے کی پشت خالی کر دی تھی۔ سامان کا انبار اس کے پاس موجود تھا۔ رائفل میں کارتوس لگے ہوئے تھے اور زیراس پوری طرح تیار تھا کہ کسی بھی لمحے کوئی خطرہ ہو تو رائفل استعمال کی جا سکے۔

وقت گزرتا رہا۔ کھانے پینے کی کچھ اشیاء اس نے معدے میں اتار لیں تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ چاند ابھرنے لگا تھا۔ زیراس تھکن سے نڈھال ہو گیا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور بند آنکھوں میں نیم غنودگی کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی لیکن گھوڑے کی مخصوص کھر کھر نے اسے جگا دیا۔ گھوڑا یہ آواز اسی وقت نکالتا تھا جب وہ کوئی اجنبی شے دیکھ لیتا تھا۔

زیراس کا ہاتھ برق رفتاری سے رائفل پر جا پڑا تھا۔ رائفل اپنے قبضے میں لینے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ گھوڑا کسی اجنبی شے کو دیکھ کر مخصوص انداز میں ہنہنایا تھا۔ اس نے ایک انسانی سائے کو کچھ فاصلے پر چلتے دیکھ لیا تھا۔ زیراس اس پر نگاہیں جمائے کھڑا رہا۔ وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ انسان کون ہو سکتا ہے؟ ان ویرانوں میں کوئی تنہا اجنبی پہلی بار اسے نظر آیا تھا۔ زیراس کے ذہن میں ایک لمحے کے لئے یہ خیال بھی آیا تھا کہ کہیں وہ روتھن نہ ہو لیکن جب تک اس کی صورت واضح نہ ہو جاتی اسے آواز دینا مناسب نہیں تھا۔

آنے والے نے یا تو گھوڑے کے منہ سے نکلنے والی کھر کھراہٹیں سنی نہیں تھیں یا و

بہرہ تھا یا پھر جان بوجھ کر اسی طرف آ رہا تھا اور شاید اسے بھی صحرا میں کسی انسان کی تلاش تھی۔ پھر وہ کچھ اور قریب آیا تو چاندنی میں زیراس نے کم از کم یہ اندازہ ضرور لگالیا کہ وہ روتھن نہیں ہوسکتا۔ آنے والے کا تن و توش روتھن سے کہیں زیادہ تھا۔ پھر جب کچھ خدوخال نمایاں ہوئے تو زیراس بری طرح اچھل پڑا۔ یہ تو ہیرک تھا...... یہ کم بخت یہاں کہاں سے آمرا۔ اور وہ بھی پیدل......

زیراس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور اسی لمحے اس نے سوچا جو کچھ بھی ہے کم از کم ہیرک بستی شمالہ میں سب سے زیادہ پراسرار شخصیت کا مالک ہے اور اس شخص کو ایک مجہول سا انسان سمجھ کر نظر انداز کر دینا مناسب نہیں ہے۔

ہیرک کا رخ زیراس کی جانب نہیں تھا۔ حالانکہ زیراس کا گھوڑا اس وقت جس رخ پر تھا اسے دیکھ لئے جانے میں کوئی دقت نہیں ہوسکتی تھی لیکن یا تو ہیرک نے زیراس کا گھوڑا دیکھا نہیں تھا یا وہ نشے میں تھا یا پھر اس نے اگر دیکھ بھی لیا تھا تو کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

ہیرک ایک ایسی چٹان کے پاس پہنچ گیا جو جڑواں تھی۔ یعنی دو الگ الگ چٹانیں درمیان سے کچھ اس طرح جڑ گئیں تھیں جیسے دو انسان آپس میں ہاتھ ملا رہے ہوں۔ ہیرک اس کے پاس جا بیٹھا اور پھر زیراس نے ایک اور منظر دیکھا۔ چاندنی نے ہر چیز واضح کر دی تھی۔ اس لئے زیراس کو کافی فاصلے تک کی چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ ہیرک نے اپنے کمرے میں لٹکی ہوئی پیٹی سے ایک عجیب سی چیز نکالی۔ یہ چھوٹی سی ایک کدال تھی۔ اس نے ہاتھ ملاتی ہوئی چٹان کے دامن میں ایک جگہ کھدائی شروع کر دی اور زیراس کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ اب اس کے لئے اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا ممکن نہیں تھا۔ یہ بدبخت شرابی یہاں کیا کر رہا ہے اور اتنا فاصلہ اس نے پیدل کیسے طے کیا؟ جبکہ زیراس کو اتنا فاصلہ گھوڑے کی پشت پر بھی طے کرتے ہوئے بہت دشواری اٹھانا پڑی تھی۔

یہ منظر اس کے لئے حیرت ناک تھا۔ چنانچہ وہ خود کو اس جگہ محدود نہ رکھ سکا۔ اس نے اپنی رائفل ہاتھ میں اٹھائی۔ کلہاڑی کمر میں لٹکائی اور آہستہ آہستہ چٹانوں کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا تاکہ ہیرک کو اس کے بارے میں معلوم نہ ہوسکے۔ حالانکہ یہ ایک بیکار کوشش تھی کیونکہ زیراس کا گھوڑا تو سامنے ہی تھا۔ اس نے ہیرک کو اپنے کام میں مصروف دیکھا۔

ہیرک جس زمین کی کھدائی کر رہا تھا وہ شاید بہت زیادہ سخت نہیں تھی۔ کیونکہ ہیرک نے باآسانی کافی مٹی ادھر ادھر انبار کر دی تھی اور اس کے بعد زمین سے جو شے برآمد ہوئی، اسے دیکھ کر زیراس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ ایسا ہی مٹکا تھا جیسے مٹکے اس نے شراب خانے میں دیکھے تھے یعنی جن میں شراب بھری ہوئی تھی۔ ہیرک نے ایک مٹکا نکال کر ایک جگہ رکھا اور پھر دوسرا پھر آخر میں تیسرا مٹکا بھی نکال لیا۔ اس کے بعد اس نے یہ تمام مٹی اسی طرح برابر کر دی۔ کدال کو ایک جانب رکھا اور پھر مٹکے کا منہ کھولنے لگا۔

زیراس کے لئے اب رکنا ممکن نہیں تھا۔ اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ یہ بے آب و گیاہ علاقہ جہاں تک پہنچنے کے لئے بھی انسان کو ہزارہا مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، یہاں اس شراب کے تین دفن شدہ مٹکے...... یہ شخص ہے کیا بلا! ہیرک کی شخصیت اسے بے حد پراسرار معلوم ہو رہی تھی۔ یہ شرابی یقینی طور پر ایک عام انسان نہیں تھا۔

پھر شاید ہیرک نے بھی اس کے قدموں کی آہٹ محسوس کر لی تھی۔ شراب کے مٹکے کا ڈھکن کھل گیا تھا اور ہیرک اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ہونٹوں سے لگانے جا ہی رہا تھا کہ زیراس کی رائفل کی نال مٹکے پر جا لگی اور ہیرک منہ اٹھا کر اسے دیکھنے لگا پھر اس کے منہ سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

"او جیالے تو تو ابھی تک یہیں بھٹک رہا ہے۔ میرے ذہن میں یہ بات کیوں نہ

آئی کہ چٹان سے بندھا ہوا وہ گھوڑا تیرا ہی ہوسکتا ہے۔ جو اس طرح کھر کھرا رہا ہے جیسے بھیک مانگ رہا ہو۔ لیکن اپنے اس آگ اگلنے والے ہتھیار کو تو پیچھے ہٹا لے جس سے تو نے اس مقدس شے کو چھوا ہے، نہیں...... نہیں یہ مناسب نہیں ہے اور یہ ممکن بھی نہیں ہے کہ جب تک یہ شراب میرے معدے میں نہ اتر جائے، میں تجھ سے گفتگو کے قابل ہوسکوں۔"

"اوئے بے وقوف...... اوہ احمق شرابی، بہتر ہے کہ اس مٹکے کو نیچے رکھ دے اور میں تجھ سے جو کچھ پوچھوں اس کا جواب دے ورنہ میرا نام زیراس ہے اور میں اس وقت جس ذہنی کوفت کا شکار ہوں وہ مجھے کسی نرمی کے لئے آمادہ نہیں کرسکتی۔"

"ایک بار پھر میں تجھ سے کہہ رہا ہوں اجنبی! جو کچھ تجھے پوچھنا ہے، ضرور پوچھ لینا۔ پہلے مجھے اپنی پیاس تو بجھانے دے۔ یہ جب تک میرے معدے میں نہ اترے گی میں پیاسا رہوں گا اور میرا جی کچھ کہنے کو نہ چاہے گا۔"

زیراس کو غصہ آ گیا۔ اس نے پوری طاقت سے شراب کے مٹکے کو بندوق کی نال سے دھکیل دیا اور مٹکا ہیرک کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ شراب زمین پر بہہ گئی اور ہیرک بری طرح اچھل پڑا۔ وہ ہاتھوں پیروں کے بل جھک کر کتے کی طرح زمین پر بہنے والی شراب چاٹنے لگا لیکن تپتی ہوئی زمین نے بہتی ہوئی شراب کو آن کی آن میں خود میں جذب کرلیا تھا۔ وہ خالی مٹکے کو اٹھا کر ٹٹولنے لگا اور پھر دفعتہً اس کے چہرے پر خونخوار تاثرات نظر آنے لگے۔ اس نے خونی نگاہوں سے زیراس کو دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"لوگ شالہ کے رہنے والوں کو گالیاں دیتے ہیں، انہیں تھپڑ مار دیتے ہیں، کچھ بھی کہہ دیتے ہیں اور وہ کسی سے کچھ نہیں بولتے۔ لیکن میرا نام ہیرک ہے اور میں اس مقدس شے کی بے حرمتی برداشت نہیں کرسکتا۔ آگ اگلنے والے ہتھیار کو رکھ کر بات کر اجنبی! تو نے نہ جانے کیوں ہیرک کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے جبکہ میں نے تجھ سے کوئی ایسی تلخ

بات نہیں کی۔ تاہم تجھے زمین پر گری ہوئی شراب کا معاوضہ ادا کرنا ہوگا۔"

"یہ معاوضہ تیرے خون کی شکل ہی میں ہوسکتا ہے۔ میں ایک بار پھر تجھے آگاہ کر رہا ہوں کہ مجھ سے بات کر اور اس کے بعد شراب کے یہ دونوں مٹکے پی جا مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔"

"میں اس تیسرے مٹکے کی بات کر رہا ہوں جو تو نے زمین پر بہا دیا ہے اور سن اس کے عوض مجھے تیرے بدن سے اتنا ہی خون درکار ہے جتنی شراب اس مٹکے میں موجود تھی۔"

ہیرک نے قریب رکھی ہوئی کدال اٹھائی اور زیراس کو اس کی آنکھوں میں خون جھلکتا ہوا نظر آیا۔

زیراس نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر اپنی رائفل ایک جانب اچھال دی۔ ساتھ ہی اس نے کمر سے لٹکی ہوئی کلہاڑی نکال لی تھی۔ اگر ہیرک کے پاس آتشیں ہتھیار ہوتا تو اس وقت مقابلہ آتشیں ہتھیار سے مناسب ہوتا لیکن اس کے ہاتھ میں کدال تھی اور کلہاڑی ہی سے اس کا مقابلہ کیا جاسکتا تھا۔

ہیرک پینترے بدلنے لگا۔ زیراس کو بخوبی محسوس ہو رہا تھا کہ اس وقت ایک خونخوار لڑاکا اس کے سامنے ہے جبکہ اس سے پہلے اس نے ہیرک کو ایک عجیب و غریب مجہول سے انسان کی حیثیت سے دیکھا تھا۔

"یہ کدال میں تیرے جسم کے کسی حصے میں گاڑ کر اس سے اتنا خون نکالوں گا کہ یہ مٹکا بھر جائے اور اس کے بعد میرے اور تیرے درمیان جنگ کا فیصلہ ہوجائے گا۔ تو اگر اس کے بعد بھی جنگ کرنا چاہے گا تو مجھے اس پر اعتراض نہیں ہوگا لیکن اتنا خون تجھے دینا ہی پڑے گا اجنبی!"

جواب میں زیراس نے کلہاڑے والا ہاتھ گھما دیا تھا۔ ہیرک نے وہ کلہاڑا اپنی کدال پر روکا۔ اگر وہ چاہتا تو اس وار کو پیچھے ہٹ کر خالی دے سکتا تھا لیکن کدال سے وار

روکنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ زیراس سے باقاعدہ جنگ کرنا چاہتا ہے اور درحقیقت اس نے جیسے کلہاڑے کو اپنی کدال پر روکا تھا، وہ اس کی جنگی صلاحیتوں کا غماز تھا۔

زیراس کو ایک لمحے میں یہ اندازہ ہوگیا کہ مدمقابل سے جنگ کرنے کے لئے جوش سے نہیں ہوش سے کام لینا ہوگا اور اس کے بعد وہ محتاط انداز میں ہیرک سے جنگ کرنے لگا تھا۔

کلہاڑی اور کدال آپس میں ٹکرا رہی تھیں اور چنگاریاں فضا میں اڑ رہی تھیں۔ ہیرک بڑے نپے تلے حملے کررہا تھا لیکن مدمقابل کے بارے میں شاید بہت ہی جلد اسے اندازہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ اب اس کے حملوں میں احتیاط آگئی تھی۔ وہ جوش جنوں میں جنگ کررہا تھا ورنہ شاید زیراس کے دو چار حملوں کے بعد ہی اسے پسپائی اختیار کرلینی چاہئے تھی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ اس نے زیراس کا وار تو اپنی کدال پر روک لیا تھا لیکن اس کا گھٹنا زمین سے جا ٹکا تھا اور ایسے لمحے میں اگر زیراس چاہتا تو فوری طور پر پیچھے ہٹ کر اس کے سر کو نشانہ بنا سکتا تھا اور اس صورت میں شاید ہیرک اپنے سر کو دو ٹکڑوں میں تقسیم ہونے سے نہ بچا سکتا تھا لیکن وہ باظرف جنگجو تھا اور جانتا تھا کہ مدمقابل کو پوری مستعدی سے جنگ کرنے کا موقع دیا جائے تو جنگ کا لطف ہی الگ ہوتا ہے اور اگر اس کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسے ختم کردیا تو پھر جنگ دشمنی کے علاوہ اور کچھ نہیں رہتی، جبکہ ان دونوں میں باقاعدہ کوئی دشمنی نہیں تھی بلکہ یہ صرف اس غصے کا اظہار تھا جو ہیرک نے اس لئے کیا تھا کہ زیراس نے اس کی شراب کا مٹکا توڑ دیا تھا اور زیراس اس سے جنگ اس لئے کررہا تھا کہ وہ روتھن کی تلاش میں سرگرداں اور جھنجلاہٹوں کا شکار تھا۔

دونوں خوں خوار وحشی چاندنی رات میں ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے اور دونوں ایسے ایسے داؤ پیچ دکھا رہے تھے کہ دیکھنے والوں کے دل دہل جائیں لیکن یہاں چٹانوں کے علاوہ اور کوئی دیکھنے والا موجود نہ تھا۔

پھر دفعتاً ہی ہیرک نے ٹھوکر کھائی اور اوندھے منہ نیچے گر پڑا۔ اس کا سر پتھر سے ٹکرایا تھا اور کدال اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جاگری تھی۔ اس نے پلٹ کر وحشیانہ نگاہوں سے زیراس کو دیکھا۔ اس لمحے اسے یقین تھا کہ اب چونکہ کدال بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی ہے اور مدمقابل کو اس پر مکمل فتح حاصل ہوگئی ہے۔ چنانچہ وہ ضرور اس پر حملہ کردے گا۔ ہیرک اپنے آپ کو اس حملے سے بچانے کا خواہش مند تھا لیکن یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کہ زیراس اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا اپنا کلہاڑا ہلا رہا تھا۔ اس کے انداز میں ایک خوفناک درندگی پائی جاتی تھی لیکن یہاں بھی اس نے کم ظرفی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ اس کی غراہٹ ابھری۔

’’شمالہ کے واحد دلیر اٹھ اور اپنی کدال اٹھا۔ میں اس وقت تک تجھے قتل نہیں کروں گا جب تک کہ تیری کدال تیرے ہاتھ میں نہ ہو اور تو مجھ سے جنگ نہ کررہا ہو۔‘‘

ہیرک اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی پیشانی سے بہتا ہوا خون چہرے پر پھیلتا ہوا سینے تک آنے لگا۔ تب اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور اپنا خون ہاتھوں پر مل لیا۔ چاند کی روشنی میں اس نے سرخ سرخ ہاتھوں کو دیکھا اور پھر نہ جانے اس کے چہرے پر کیسے تاثرات پیدا ہوگئے۔ دفعتاً ہی اس نے اپنا خون زبان سے چاٹنا شروع کردیا۔ پیشانی سے بہتے ہوئے خون کو وہ دیر تک اپنے ہاتھوں پر لگا لگا کر چاٹتا رہا اور زیراس متحیرانہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر دفعتاً ہی ہیرک ہنس پڑا تھا۔

’’بس...... بس یہ مذاق اب ختم ہوجانا چاہئے۔ اگر تو میرے اور اپنے درمیان فتح اور شکست کا فیصلہ چاہتا ہے تو میں نے اپنی شکست قبول کرلی۔ دیکھ لے میرا ہتھیار مجھ سے کئی گز کے فاصلے پر پڑا ہوا ہے اور اب میں اسے اٹھانا نہیں چاہتا۔‘‘

’’تو پھر یہ بتا کہ شراب کے یہ مٹکے یہاں کہاں سے آگئے اور تو اتنا طویل فاصلہ طے کرکے یہاں کیسے پہنچ گیا؟ میرا سوال برقرار ہے۔‘‘ زیراس نے غراتے ہوئے لہجے

میں کہا اور ہیراک ایک بار پھر ہنس پڑا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر چند قدم آگے بڑھا اور شراب کے مٹکوں کو زوردار ٹھوکریں ماردیں۔ مٹکے اچھل کر چٹانوں سے ٹکرائے اور ٹوٹ گئے۔ ساری شراب زمین پر بہہ گئی تھی۔ ہیرک نے اپنی جیب سے ایک کپڑا نکال کر اپنی پیشانی کے زخم پر کس کے باندھ لیا اور آہستہ سے بولا۔

''میرے ساتھ آنا پسند کرے گا اجنبی! آ...... میں تجھے وہ تمام باتیں بتادوں جو تو پوچھنا چاہتا ہے۔''

''لیکن میرا گھوڑا یہاں موجود ہے۔''

''اس کی لگام اپنے ہاتھ میں لے لے۔ تجھے زیادہ طویل فاصلہ طے نہیں کرنا پڑے گا۔''

زیراس نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور اس کے بعد وہ گردن ہلا کر آگے بڑھ گیا۔ پہلے اس نے اپنی رائفل اٹھائی اور اس کے بعد گھوڑے کے قریب پہنچ کر گھوڑے کی رسی پتھر سے کھول لی۔ ہیرک بدستور اپنی جگہ کھڑا تھا۔ جب زیراس اس کے قریب پہنچا تو اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''میرے ساتھ ساتھ چلا آ اور یہ نہ سوچنا کہ میں نے تجھے تیرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں یہ سفر تیرے سوال کا جواب دینے کے لئے ہی طے کر رہا ہوں۔''

زیراس نے کچھ نہیں کہا۔ ہیرک آگے آگے چل پڑا تھا۔

❁ ‹ ‹ ‹ ❁ ‹ ‹ ‹ ❁

زیراس اطراف سے چوکنا بھی تھا۔ ہاں ہیرک سے جنگ ختم ہوجانے کے بعد یہ احساس ایک بار پھر اس کے ذہن میں پیدا ہوگیا تھا کہ یہ شخص شمالہ کا واقعی سب سے پراسرار شخص ہے اور ہوسکتا ہے اس کا ان روحوں سے کوئی تعلق ہو جن کی کہانیاں شمالہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔

وہ آگے بڑھتے رہے اور تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک ایسے درے میں داخل ہوگئے جس کے دونوں سمت اونچی اونچی پہاڑی دیواریں ابھری ہوئی تھیں۔

زیراس اب تک صبر وسکون کے ساتھ یہ سفر طے کرتا رہا تھا۔ اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ دیوانہ ہیرک جانے اسے کہاں لئے جارہا ہے، یہ شخص تو ویسے ہی ذہنی طور پر معطل سمجھا جاتا تھا۔ کہیں اس کے ساتھ یہ بھاگ دوڑ حماقت نہ ہو۔ چنانچہ جب درے میں بھی سفر کرتے ہوئے کافی وقت گزر گیا تو اس نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میرے ہاتھ میں رائفل ہے اور تیری پشت میری جانب۔ جی چاہ رہا ہے کہ اس رائفل کی گولی تیری پشت میں اتاردوں۔''

جواب میں ہیرک نے پلٹے بغیر قہقہہ لگایا تھا اور پھر ہنستا ہوا بولا تھا۔

''لیکن میں جانتا ہوں تو ایسا نہیں کرے گا اور شاید میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تیری اس جھلاہٹ کی وجہ کیا ہے۔ لیکن ابھی بس ایک موڑ مڑنے کے بعد اس درے کا سفر ختم ہوجائے گا اور تو ایک دلچسپ منظر دیکھے گا۔''

زیراس خاموش ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ موڑ بھی آ گیا جس کا تذکرہ ہیرک نے کیا تھا۔ زیراس نے تعجب سے چاروں طرف دیکھا، ایسی کون سی بات تھی جو اس کے لئے حیرت ناک ہو، لیکن چند لمحات کے بعد درہ بھی ختم ہوگیا۔

''درہ ختم ہوگیا ہے ہیرک۔'' زیراس نے غرا کر بولا۔

''بائیں سمت نگاہ دوڑاؤ۔'' ہیرک نے کہا اور زیراس کی نگاہ بائیں جانب اٹھ گئی۔ اس طرف کچھ مدھم روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔

''کوئی بستی ہے یہ؟'' زیراس کے منہ سے نکلا۔

''اور غور سے دیکھ اجنبی سورما'' ہیرک نے چہکتی ہوئی آواز میں کہا۔

”شمالہ کے گدھے، میرے لئے اب اور برداشت کرنا مشکل ہے۔ بہتر ہے تو خود زبان کھول دے۔“

”یہ بستی شمالہ ہے۔“ ہیرک نے کہا اور زیراس چکرا کر رہ گیا۔

”شمالہ!“

”ہاں، تو بستی کے گرد ہی چکراتا رہا ہے زیراس، یہاں سے دور ہی کتنا نکلا تھا تو، بس اس درے کی دوسری طرف اور اب تجھے یہ اندازہ بھی ہو گیا ہوگا کہ میں یہاں کیسے پہنچ گیا تھا۔ میں ویرانوں کا رسیا ہوں اور دلربا میری ساتھی وہ میرے ساتھ ان ویرانوں میں ہوتی ہے اور یہ دنیا مجھے حسین نظر آتی ہے لیکن......“

زیراس نے اس لیکن کے آگے کچھ نہ پوچھا۔ ہیرک کسی سوچ میں گم ہو گیا تھا پھر اس نے کہا۔ ”اگر تو میرے ساتھ چلتا ہے تو آج بہت سے راز تجھ پر کھل جائیں گے۔“

”تو نے شراب کے مٹکے توڑ دیئے۔“ زیراس نے کہا۔

”ہاں۔ بہت عرصہ بعد میں نے خون کا مزا چکھا ہے۔ خون جو مجھے سب سے زیادہ مرغوب تھا، میری مرغوب غذا تھی۔ مگر اس خون کے عشق میں، میں نے اپنی ایک محبوب ہستی کھو دی اور اس کے بعد میں نے خون چاٹنا چھوڑ دیا۔ مگر زیراس تو نے...... تو نے ہیرک کو اس کا خون چٹا دیا اور میں نے شراب چھوڑ دی...... سمجھا، میں نے شراب چھوڑ دی۔“

”کیا تو اب شراب نہیں پیئے گا۔“ زیراس نے دلچسپی سے پوچھا۔

”نہیں، اشتالہ کی قسم نہیں، اس طرف جیالے، اس طرف وہ میرا گھر ہے۔“ ہیرک نے ایک ٹوٹے پھوٹے گھر کی طرف اشارہ کیا۔

زیراس کی نگاہیں اس ویران کھنڈر کی جانب اٹھ گئیں جس میں شاید ایک بھی کمرہ ثابت نہیں تھا، اینٹیں چاروں طرف انبار کی صورت میں تھیں اور گھر میں داخل ہونے

والے دروازے کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ زیراس ہنس پڑا۔

”وہ تیرا گھر ہے؟ میرا خیال ہے شراب کا نشہ ابھی تک تجھ پر طاری ہے۔“

”میرے ساتھ چلا آ اجنبی جوان! تجھ پر بہت سی حیرتوں کے انکشاف ہوں گے۔ لیکن میں نے تجھ سے درخواست کی ہے کہ میرے ساتھ تعاون کر اور یہ تعاون تیرے حق میں برا نہ ہوگا، نہ میں تیرا تعاقب کر رہا تھا اور نہ مجھے تیری ذات سے کوئی دلچسپی تھی لیکن اب سب کچھ ہو گیا ہے اور تو نے میرے مردہ وجود میں زندگی دوڑا دی ہے۔ ایک بار پھر مجھے خون کا مزہ چکھا دیا ہے۔ تو بہتر ہے میرے ساتھ تعاون کر اور اگر تو یہ محسوس کرے کہ میں تیرے لئے باعث دلچسپی نہیں تو تجھے اختیار ہوگا کہ مجھے ٹھوکر مار دینا۔“ ہیرک کے لہجے میں عاجزی تھی۔

زیراس خاموشی سے اس کے ساتھ کھنڈر کی جانب بڑھ گیا۔ کافی وسیع جگہ تھی۔ ہیرک نے دروازے کے نشان کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔

”کبھی میرا یہ گھر شمالہ بستی کے دوسرے تمام گھروں سے زیادہ خوبصورت تھا لیکن اب اس کی ویرانی میرے دل کی ویرانی کی تصویر ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں میری دلچسپیاں ختم ہو گئی ہیں، آ میں تجھے وہ تمام چیزیں دکھاؤں جو کبھی اس گھر کی زینت تھیں۔“

”کیا تو اب بھی اس گھر میں رہتا ہے؟“ زیراس نے پوچھا۔

”نہیں، میں کبھی اس گھر میں رہتا تھا۔ اب یہاں میری یادیں رہتی ہیں لیکن اب میں اتنا بددل نہیں ہوں کیونکہ خون کی طلب دنیا کی ہر طلب سے زیادہ دلکش ہوتی ہے۔ دیکھ یہ میرا آرام کا کمرہ ہے اور اس کی تہوں میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی جائے تو لوگوں کو اتنا ملے گا کہ وہ سرشار ہو جائیں گے لیکن شمالہ میں کوئی ایسا جیالا نہیں ہے جو اس احاطے کو عبور کر سکے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہاں جو کچھ ہے، ہیرک کی ملکیت ہے اور یہ دیکھ، اس طرف وہ جگہ ہے جہاں میں اپنی محفلیں سجاتا تھا۔ آ میرے ساتھ آ۔“ ہیرک نے

کہا اور زیراس ڈگمگاتے قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

اینٹوں پر سے گزرنا بہت مشکل کام تھا۔ پھر ایک اور ٹوٹے کمرے میں پہنچنے کے بعد ہیرک نے مسکراتی نگاہوں سے زیراس کو دیکھا اور پھر اپنی وہ چھوٹی کدال پیٹی سے نکال لی جس سے اس نے زیراس سے جنگ کی تھی اور واپسی میں جسے اپنے ساتھ لیتا چلا آیا تھا۔ اس نے ایک جگہ سے چند اینٹیں ہٹائیں اور وہ جگہ صاف ستھری کرنے کے بعد کدال سے اس کی کھدائی کرنے لگا۔

زیراس ایک بار پھر ہنس پڑا تھا۔ ''کیا یہاں بھی شراب کے مٹکے دفن ہیں؟''

ہیرک نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ایک مخصوص نشان لگا کر کھدائی کرنے لگا، اور اس نے وہاں سے کافی مٹی ہٹادی۔ زیراس کو اندازہ نہیں تھا کہ اس گڑھے سے کیا برآمد ہوگا لیکن تھوڑی دیر بعد اسے ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے کدال لوہے کی کسی شے سے ٹکراتی ہو۔ ہیرک نے کدال ایک جانب ڈال دی اور اس کے بعد وہ مٹی صاف کرنے لگا۔ پھر اس نے گڑھے میں ہاتھ ڈال کر لوہے کے کسی صندوق کا ایک ڈھکنا سا ہٹا دیا اور اس کے بعد لوہے کے صندوق سے کچھ چیزیں نکال نکال کر اس نے باہر ڈھیر کردیں۔

زیراس خاموشی سے اس کی ان تمام کارروائیوں کو دیکھ رہا تھا۔ ویسے اسے اس بات پر حیرت تھی کہ وہ اتنا طویل سفر طے کرنے کے باوجود بستی شالہ کے آس پاس ہی موجود تھا۔ غالباً یہ راستوں کی بھول بھلیاں تھیں جنہوں نے اسے زیادہ دور نہیں جانے دیا تھا۔ زیراس کو اس بات پر جھنجھلاہٹ بھی تھی لیکن اب وہ ہیرک کی جانب متوجہ ہوسکتا تھا اور اسے اس شخص کی شخصیت سے کچھ دلچسپی سی محسوس ہو رہی تھی چنانچہ وہ صبر وسکون کے ساتھ ہیرک کی حرکتیں دیکھتا رہا۔

ہیرک نے اپنے بدن کا بوسیدہ لباس اتار پھینکا اور صندوق سے برآمد ہونے والے چمڑے کے ایک خوبصورت لباس کو اپنے جسم پر سجانے لگا جو غالباً اسی کا تھا کیونکہ

اس کے بدن پر بالکل فٹ آیا تھا۔ زیریں لباس بھی اس نے پہنا اور پھر کسی موٹی کھال والے جانور کے بھدے قسم کے جوتے اس نے اپنے پیروں میں پہنے اور ان میں لٹکی ہوئی رسیاں باندھنے لگا۔ ویسے ہی قدآور تھا۔ چمڑے کے اس قیمتی لباس نے اس کے جسم کی بناوٹ نمایاں کردی اور زیراس تحسین آمیز نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ ویسے بھی وہ ہیرک کی جنگی صلاحیتوں کا معترف ہوگیا تھا کیونکہ ہیرک نے اس سے جو جنگ کی تھی وہ عام نہیں تھی اور زیراس کے بجائے کوئی اور اس کا مدمقابل ہوتا تو شاید اسے جینا نصیب نہ ہوتا۔

پھر ہیرک نے اپنی کمر پر ایک چوڑی پیٹی باندھی اور اس میں ایک چمکتا ہوا خنجر سجالیا۔ عقب میں ایک تیز دھار کلہاڑی بھی اس نے لٹکا لی تھی البتہ جو بندوق اس نے نکالی تھی وہ زنگ خوردہ ہوگئی تھی اور شاید ناقابل استعمال، ہیرک اسے دیکھتا رہا اور پھر اس نے بندوق کو ایک پتھر پر مار کر توڑ ڈالا۔ وہ کافی شاندار نظر آ رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بکھرے ہوئے بال سمیٹے اور زیراس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

''میں نہیں جانتا کہ ہیرک کتنے عرصے بعد زندہ ہوا ہے لیکن اب وہ زندہ ہوگیا ہے۔''

''اور بدقسمت ہے کہ میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔ اگر اس نے مجھے اپنے بارے میں کچھ نہ بتایا۔'' زیراس بولا۔

''او دلیر...... او جیالے، دوستی ہوچکی ہے ہمارے درمیان، اور دوست دوستوں کو مارنے کی بات نہیں کرتے۔ کیا تمہاری بستی میں دوستیاں اسی طرح نبھائی جاتی ہیں؟''

''مگر تیری حرکتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں اور جو بات میری سمجھ میں نہیں آتی، وہ مجھے پاگل کردیتی ہے۔''

''آہ! ابھی ہمیں ایک گھڑے کی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلحے کی بھی،

لیکن دونوں چیزیں مل جائیں گی، اور اس کے لئے ہمیں بس تھوڑا سا سفر کرنا پڑے گا۔''
ہیرک، زیراس کے ساتھ کھنڈر سے باہر نکل آیا۔

زیراس اب بھی جھنجھلایا ہوا تھا۔ روتھن کے لئے اس کا دل پریشان تھا۔ پتہ نہیں کہاں مر گیا؟ ہمیشہ ہی مصیبتوں کا باعث بنتا ہے۔

ہیرک نے اس سے درخواست کی کہ وہ تھوڑی دیر انتظار کرے۔ وہ ابھی واپس آتا ہے۔ یہ جگہ سیمون کی اس رہائش گاہ سے زیادہ دور نہیں تھی۔ جہاں زیراس، سیمون سے ملنے آیا تھا۔ وہ سوچتا رہا کہ کچھ ہو یا نہ ہو لیکن ہیرک، روتھن کی تلاش میں اس کا رہبر بن سکتا تھا۔ چنانچہ اس خبطی کو برداشت کرنا ہی پڑے گا۔

وہ انتظار کرتا رہا اور تھوڑی دیر بعد اس نے گھڑے کی ٹاپوں کی آواز سنی۔ قد آور گھڑا جس کی پشت پر ہیرک نظر آ رہا تھا۔ اس کے دونوں شانوں سے رائفلیں لٹکی ہوئی تھیں اور اس کے ساتھ ہی بندوقیں اور کافی فالتو کارتوس، زیراس کے قریب پہنچ کر وہ گھڑے سے اتر گیا اور ایک بندوق اسے پیش کرتا ہوا بولا۔

''بے شک تیری بندوق شاندار ہے لیکن اس میں استعمال ہونے والے کارتوس بہت معمولی سی تعداد میں ہیں جبکہ میں جو یہ بندوق لایا ہوں، اس کے بہت سے کارتوس بھی ساتھ لے آیا ہوں تاکہ اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے ہمیں کسی طرح کی دقت نہ ہو۔''

زیراس نے اس کی پیش کی ہوئی بندوق قبول کر لی اور پھر اس کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''کون سے دشمنوں کی بات کرتا ہے تو؟''

''وہ دشمن جنہوں نے تجھ سے تیرا ساتھی چھین لیا ہے۔ میں ان دشمنوں کی بات کر رہا ہوں زیراس! جنہوں نے شالہ سے خوشیاں چھین لی ہیں اور اب یہ بستی صرف ایسے انسانوں کی بستی ہے جو محنت کرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور خوفزدہ ہو کر سو جاتے ہیں۔

جن کی زندگی میں خوشی نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے۔ جو خوف کی دنیا میں جیتے ہیں اور شاید ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب ان سے ان کی زندگی ہی چھین لی جائے۔''

''کیا تو سچ بول رہا ہے؟''

''اشتالہ کی قسم، میں تجھ سے جو کہہ رہا ہوں اس کا ایک ایک لفظ سچ ہے۔''

''یہ قسم تو نے دوسری بار کھائی ہے ہیرک! کون ہے یہ اشتالہ؟''

''جیالے! ساری کہانی ایک دم ختم نہیں ہو جاتیں اور نہ ہی ساری کہانیاں ایک دم سنائی جا سکتی ہیں۔ کچھ صبر تو کر ہیرک کو یہ یاد تو آ جانے دے کہ وہ اپنے اس رنگ میں کیسا ہے اور اشتالہ کی قسم میرے لئے مقدس دیوتاؤں کی قسم سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا یقین تو بہت جلد کر لے گا۔ آ میرے ساتھ آ۔'' ہیرک نے اچانک ہی گھڑے کو ایڑ لگا دی۔

زیراس نے اس کی دی ہوئی بندوق اپنے گھڑے کی زین میں اڑس لی تھی اور اس کے بعد زیراس کا گھوڑا بھی ہیرک کے گھوڑے سے پیچھے نہ رہا تھا۔

وہ دونوں بستی کے صدر دروازے سے ہی باہر نکلے تھے لیکن اس وقت بستی میں تاریکیوں کا راج تھا اور باہر کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ ہیرک کے ساتھ گھوڑا دوڑاتے ہوئے زیراس نے سوچا کہ اب وہ رقص کرنے والی روحیں کہاں گئیں؟ رقص و موسیقی کی وہ آواز اس رات کے بعد دوبارہ نہیں سنائی دی جس رات روتھن غائب ہو گیا تھا۔ کیا یہ صرف ان لوگوں کے لئے تھی؟ زیراس کے زیرک ذہن نے فیصلہ کیا کہ روحوں کا یہ بلاوا یقیناً دو اجنبیوں کے لئے تھا ورنہ شالہ بستی کے لوگ تو اس موسیقی کی آواز سے دہشت زدہ ہو جاتے تھے اور اپنے کان بھی بند کر لیا کرتے تھے۔ وہ تو زیراس رقص و موسیقی کا اس قدر رسیا نہیں تھا ورنہ شاید روتھن کی طرح وہ بھی شالہ سے غائب ہو جاتا۔

لیکن دوسرا خیال یہ بھی آیا تھا زیراس کے ذہن میں کہ اگر ایسا ہو جاتا تو کم از کم

روشن کا ساتھ تو ہوتا۔ اب یہ شرابی دیوانہ جس نے چمڑے کا ایک لباس پہننے کے بعد خود کو بدلے ہوئے آدمی کی شکل میں محسوس کیا ہے، نہ جانے کیا ڈھونگ رچانے جا رہا ہے۔ ویسے اس کی ذات میں ایسی باتیں بھی تھیں جو زیراس کے لئے پسندیدہ تھیں۔ مثلاً یہ کہ وہ گھوڑے کی پشت پر جس انداز میں بیٹھا تھا وہ انداز بہترین شہسواروں کا تھا اور زیراس کو شہسواری سے عشق تھا اور یہ کہ اس نے جس انداز میں زیراس سے جنگ کی تھی، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بہترین جنگجو ہے اور اگر طویل عرصے تک لڑائی بھڑائی سے دور رہ کر اس نے اپنے آپ کو زنگ آلود کر لیا ہے تو زنگ جھڑ جانے کے بعد وہ ایک بہترین لڑاکا ثابت ہو سکتا ہے۔

اس کا گھوڑا زمین سے پیٹ لگائے دوڑ رہا تھا لیکن اس نے کئی بار تحسین آمیز نگاہوں سے زیراس کو بھی دیکھا تھا۔ غالباً زیراس کی گھڑسواری کے بارے میں وہ بھی اسی انداز میں سوچ رہا تھا۔

رات کے اندھیرے ان کے چاروں طرف سے گزرتے رہے۔ ہیرک کے گھوڑے کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ زیراس کے اندازے کے مطابق وہ طویل سفر طے کر چکے تھے اور پھر اس وقت غالباً رات کا آخری پہر اپنے آخری مراحل طے کر رہا تھا جب انہیں ایک سوئی ہوئی بستی نظر آئی۔

ہیرک کا رخ اس بستی کی جانب تھا۔ آن کی آن میں وہ اس بستی میں داخل ہو گئے۔ زیراس کے گھوڑے نے بھی کہیں سستی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ بستی میں داخل ہونے کے باوجود ہیرک نے گھوڑے کی رفتار سست نہیں کی تھی اور وہ بستی کے مکانوں کی قطار کے درمیان سے اپنا گھوڑا گزارتا رہا لیکن اس کی آخری حرکت زیراس کے لئے حیرت کا باعث تھی۔ اس وقت وہ وسیع و عریض احاطے والے مکان کے سامنے پہنچے تھے اور زیراس نے اپنے گھوڑے کو اس انداز میں سنبھالا تھا جیسے کہ اندازہ لگا رہا ہو کہ ہیرک اس احاطے

کے سامنے رکنا چاہتا ہے لیکن ہیرک کا گھوڑا نہ رکا اور دفعتہً ہی اس نے چھلانگ لگا کر احاطے کی کافی بلند دیوار عبور کر لی۔ زیراس نے کمال ہوشیاری سے اپنے گھوڑے کو سنبھالا۔ ہیرک چونکہ پہلے سے اس کے لئے تیار تھا اس لئے اسے گھوڑے سمیت دیوار پھاندنے میں کوئی خاص دقت نہ ہوئی ہوگی، لیکن زیراس اگر اپنے گھوڑے کو نہ سنبھالتا تو لازمی طور پر مکان کے احاطے کی دیوار سے ٹکرا جاتا اور جس رفتار سے گھوڑا دوڑتا ہوا یہاں تک آیا تھا، اسی رفتار سے اگر دیوار سے ٹکراتا تو شاید ان دونوں کے بدن دیوار سے ہی چپکے رہ جاتے لیکن زیراس شہسوار تھا۔ اس کے گھوڑے نے بھی زقند لگائی اور احاطے کے دوسری طرف پہنچ گیا۔

ہیرک کا گھوڑا اب رک گیا تھا اور اس کے ہنہنانے کی آواز پر غالباً احاطے کے اندر موجود لوگ جاگ گئے تھے۔ دفعتاً ہی مکان میں روشنیاں ہونے لگیں۔ زیراس نے اپنا گھوڑا ہیرک کے گھوڑے کے قریب لا کھڑا کیا۔ ہیرک نے بندوق سنبھال لی تھی۔ دو تین آدمی اس طرف دوڑے تو دفعتاً ہیرک کی بندوق گولیاں اگلنے لگی اور وہ سب کے سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اندر سے چیخیں ابھرنے لگی تھیں۔

ہیرک نے برق رفتاری سے گھوڑے کا رخ تبدیل کیا اور اس کے بعد صدر دروازے کی روشنی میں جو بھی نظر آیا ہیرک نے اسے ڈھیر کر دیا۔ پھر وہ ان لاشوں کے قریب سے گزرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ زیراس بے وقوفوں کی طرح چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ جن لوگوں کو ہیرک نے قتل کیا ان کے بارے میں زیراس اپنا رویہ کیا رکھے؟ چند ہی لمحات کے بعد ہیرک اندر داخل ہو گیا اور پھر وہ زیادہ دیر اندر نہ رکا وہ ایک موٹے اور پستہ قامت شخص کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا باہر لا رہا تھا اور اندر سے عورتوں کے چیخنے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ تب اس نے چیخ کر زیراس سے کہا۔

”جیالے۔ باہر سے کوئی اندر آنے کی کوشش کرے تو اسے گولی کا نشانہ بنا دینا۔

خبردار! کسی پر رحم نہ کرنا۔ یہ لوگ رحم کرنے کے قابل نہیں ہیں۔'' موٹے اور پستہ قامت آدمی کو اس نے احاطے کے اندر زمین پر دھکا دیا تھا اور پھر اچھل کر گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔

اس کی بندوق اس موٹے شخص کے سر کا نشانہ لئے ہوئے تھی پھر اس نے گھوڑے کو موٹے کے ارد گرد تین چار چکر دیئے اور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''شیطان زادے! تو نے مجھے پہچان لیا ہوگا۔ اچھی طرح پہچان لیا ہوگا۔ جیراس کہاں ہے؟ ایک لمحے میں مجھے جیراس کا پتہ بتا دے ورنہ تیرے اس گھر کو جہنم بنا دوں گا۔ جیراس کا پتہ درکار ہے مجھے۔''

''ہک...... ہیرک...... ہیرک رب عظیم کی قسم میں جیراس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ تو بہت پرانی بات ہے اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ میں صرف نمباسیہ کے خادموں میں سے ہوں۔ میں خود وہ باتیں تو نہیں جانتا جو نمباسیہ کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں اور جیراس کے بارے میں صرف نمباسیہ جانتا ہے۔ اگر تو چاہے تو اپنی بندوق کی تمام گولیاں میرے بدن میں اتار دے لیکن جو بات مجھے معلوم نہیں وہ میں کیسے تجھے بتا سکوں گا۔ ہیرک میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ مم...... میں، میں تو صرف حکم کا ایک غلام ہوں۔ مم...... مجھ پر رحم کر ہیرک...... مجھ پر رحم کر۔''

''ہاں...... ہاں میں وعدہ کرتا ہوں کہ تجھ پر رحم کروں گا لیکن جیراس کے بارے میں تو نے جو کچھ کہا وہ درست نہیں ہے۔''

''یقین کر ہیرک...... یقین کر۔ میں تجھ سے جھوٹ نہیں بول رہا...... میں بالکل جھوٹ نہیں بول رہا تجھ سے۔ جیراس کے بارے میں میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے۔ رب عظیم کی قسم۔''

''نمباسیہ کہاں ہے؟''

''وہ اپنی بستی ہی میں رہتا ہے اور اب تو بہت عرصے سے میرا اس سے رابطہ بھی نہیں رہا۔ میں یہاں شرافت کی زندگی گزار رہا ہوں۔ نمباسیہ اپنی بستی میں ہے اگر یہ بات غلط ثابت ہو جائے تو تو میرے ساتھ جو تیرا دل چاہے سلوک کرنا۔''

''ہوں، نمباسیہ کا تعلق اب بھی جیراس سے ہے؟''

''وہ باتیں مجھے کبھی نہیں معلوم ہوتیں جن کا تعلق براہ راست نمباسیہ سے ہوتا ہے۔ نمباسیہ مجھ سے کہتا ہے، یہ کام کر لو سو میں اس کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہوں اور بس، لیکن جیسا کہ میں نے تجھے بتایا میرا کوئی براہ راست تعلق نمباسیہ سے نہیں ہے۔ مجھ پر رحم کر ہیرک...... مجھ پر رحم کر۔''

''بے شک...... بے شک اور تیرے لئے بہتر یہی ہے کہ تو زندہ نہ رہے۔ ذرا سوچ اگر تو زندہ رہا اور نمباسیہ کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ تو نے مجھے نمباسیہ کے بارے میں بتایا تھا تو کیا نمباسیہ تجھے زندہ چھوڑے گا؟ اور اگر میں تجھے زندہ چھوڑ کر نمباسیہ کی تلاش میں جاؤں تو کیا مجھ سے پہلے تیرے ہرکارے نمباسیہ تک نہیں پہنچ جائیں گے؟ اور نمباسیہ ہوشیار نہیں ہو جائے گا؟ چنانچہ تیرے لئے بہترین فیصلہ یہی ہے......'' دفعتاً دھائیں دھائیں کی آوازیں گونجیں اور ایک گولی زمین پر پڑے ہوئے آدمی کے سینے میں دل کے مقام پر اور دوسری اس کی پیشانی میں لگی۔ نشانہ ایسا جچا تلا تھا کہ موٹے آدمی نے آواز تک نہیں نکالی اور خاموشی سے مر گیا۔ تب ہیرک نے اپنے گھوڑے کا رخ تبدیل کیا اور زیراس سے بولا۔

''چلو زیراس! اب اس بستی میں ہمارا کوئی کام نہیں ہے۔''

زیراس ایک بار پھر چونک پڑا۔ ہیرک کے گھوڑے نے دوڑ لگا دی تھی لیکن اس بار زیراس کا گھوڑا اس سے پہلے احاطے کی دیوار عبور کر گیا تھا۔ زیراس نے باہر نکل کر بندوق سے فائر کئے۔ کہیں کسی طرف سے کوئی جوابی کارروائی نہیں ہوئی اور آن کی آن میں وہ بستی

سے دور نکل آئے۔

ہیرک کا گھوڑا ایک بار پھر چٹانوں میں دوڑ رہا تھا اور زیراس کا پارہ چڑھتا جا رہا تھا۔ صبح کی روشنی رفتہ رفتہ نمودار ہوتی جا رہی تھی اور اطراف کے مناظر روشن ہو گئے تھے۔ دور دور تک کھیت پھیلے ہوئے تھے...... چٹانوں کے درمیان زمین کو ہموار کر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر کاشت کی گئی تھی۔ یہ منظر بھی چند لمحات کے بعد نگاہوں میں اوجھل ہو گیا اور رفتہ رفتہ زمین کی ہریالی ختم ہونے لگی۔

زیراس دانتوں میں گھوڑے کی لگامیں دبائے گھوڑے کی پشت پر بیٹھا ہوا تھا لیکن گھوڑے کی رفتار کسی بھی طرح ہیرک کے گھوڑے سے کم نہیں تھی۔ یہ سفر اس وقت تک جاری رہا جب تک سورج نہ نکل آیا اور سورج نکلنے کے بعد ہیرک نے اپنا گھوڑا ایک نخلستان کے قریب روک دیا۔ یہاں کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے اور تھوڑے ہی فاصلے پر پانی بھی چمک رہا تھا۔ گھوڑے شاید پیاسے تھے۔ پانی کو دیکھ کر مچل اٹھے اور ہیرک نے چشمے کے قریب پہنچ کر اپنے گھوڑے کی پشت چھوڑ دی۔

زیراس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور حیران رہ گیا۔ ہیرک کی تو شخصیت ہی تبدیل ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر جو مردنی چھائی رہتی تھی اب نہ جانے کہاں جا سوئی تھی اور وہ انتہائی چاق و چوبند اور خوش نظر آ رہا تھا۔ گھوڑے کی پشت سے اترنے کا مظاہرہ اس طرح ہوا تھا کہ زیراس کو ایک بار پھر اس کی چابک دستی کا قائل ہونا پڑا۔ زیراس خاموشی سے اپنے گھوڑے کی پشت خالی کرنے لگا اور ہیرک نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

''نسل نسل کا فرق ہے...... ظرف ظرف کا فرق ہے۔ اعلیٰ ظرف میں تیرا بھی قائل ہوں اور تیرے گھوڑے کا بھی جو میرے بے غیرت گھوڑے کی مانند سب کچھ بھول بھال کر پانی کی جانب نہیں دوڑا بلکہ تیری اجازت کا انتظار کرنے رک گیا۔''

زیراس نے اپنے گھوڑے کی پشت پر تھپکی دی اور گھوڑا خراماں خراماں چشمے کی جانب چل پڑا۔ پھر اس نے اپنا منہ پانی میں ڈال دیا۔

ہیرک اپنا لباس اتارنے لگا۔ اس نے پھرتی سے سارا لباس اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ اب وہ صرف ایک زیر جامہ پہنے ہوئے تھا۔ اس نے زیراس کی طرف رخ کر کے کہا۔

''ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا یہ چشمہ، چشمہ حیات ہے۔ آؤ زیراس، تازہ دم ہو جائیں۔''

زیراس کے چہرے پر ایک لمحے کیلئے عجیب سے تاثرات نظر آئے اور پھر وہ مسکرا دیا۔ چند لمحات کے بعد وہ لباس سمیت ہیرک کے پیچھے پیچھے ہی چشمے میں کود گیا۔ یہ فرحت بخش لمحات زیراس کو بڑے پر مسرت محسوس ہوئے۔ دونوں دیر تک چشمے میں غسل کرتے رہے۔ اس کے بعد ہیرک باہر نکل آیا لیکن زیراس پانی میں رہا تھا۔ گھوڑے سیراب ہو کر گھاس کی تلاش میں چل پڑے تھے۔ ہیرک نے اپنا لباس پہن لیا اور پھر وہ اپنے جوتے ایک درخت کے تنے کے نیچے رکھ کر بندروں کی سی پھرتی سے درخت پر چڑھنے لگا۔ اس نے آن کی آن میں درخت کے اوپر پہنچ کر بہت سے پھل توڑ لئے اور نیچے آ گیا۔

اس دوران زیراس بھی چشمے سے نکل آیا تھا۔ ہیرک نے یہ پھل بڑے احترام سے زیراس کو پیش کئے اور ادب سے بولا۔ ''اجنبی! صبح کا ناشتہ۔''

زیراس نے خاموشی سے پھل دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر نیچے رکھے اور دوسرے لمحے اس کا ہاتھ ہیرک کے گریبان پر پہنچ گیا۔ اس نے ہیرک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ہیرک کے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ زیراس کافی دیر تک اسے جھنجھوڑتا رہا اور پھر اس نے خونخوار لہجے میں کہا۔ ''اور اس کے بعد اگر تیری زبان نہ کھلی تو پھر کبھی نہ کھل

سکے گی۔ سن لیا تو نے۔'' اس نے ہیرک کو زور سے دھکا دیا اور ہیرک نیچے گر پڑا۔ اس کے بعد وہ کہنیوں کے بل زمین پر لیٹ گیا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے گردن جھٹک کر کہا۔

''بہت بے صبرا ہے تو، ٹھیک ہے ہیرک کی کیا مجال کہ تیرے حکم سے انحراف کر سکے۔ لیکن اگر کچھ پھل پیٹ میں پہنچ جائے تو......تو......''

''نہیں تیرے پیٹ میں کچھ پہنچنے سے پہلے جو کچھ تیرے پیٹ میں ہے باہر آنا چاہئے۔ اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں اپنے خنجر سے تیرا پیٹ پھاڑ کر سارے راز باہر نکال لوں گا۔''

ہیرک مسکرا پڑا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''نہیں زیرا اس تجھ سے انحراف مقصود نہیں ہے۔ سننا ہی چاہتا ہے تو لے یہ کہانی وقت سے پہلے سن۔''

اس کا چہرہ رفتہ رفتہ سنجیدہ ہوتا چلا گیا۔ سر پھرے شرابی کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔ ان کی پتلیاں سکڑتی جا رہی تھیں۔ اس حالت میں اس کا چہرہ بے حد بھیانک ہو گیا تھا لیکن زیرا اس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ سوچ کے راستے پر چلتا ہوا ماضی کے کسی دور دراز گوشے میں گم ہو گیا ہے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''اس بات کو جو عرصہ گزرا ہے۔ اس کا تعین دنوں، ہفتوں یا مہینوں میں نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب..........''

❀ ‹‹‹ ❀ ‹‹‹ ❀

شالہ زندگی سے بھرپور تھا۔ اس کی گلیوں اور کوچوں میں ناچ رنگ ہوتا تھا۔ لوگ خوش حال تھے اور ہیرک جو ایک سنگی چٹان کی مانند تھا۔ اسے سر اٹھا کر چلنے والوں سے نفرت تھی۔ اسے چوڑے سینے، جھکے ہوئے پسند تھے۔ ہاں اگر وہ ہیرک کے سامنے سے گزر جائیں تو کوئی ہرج نہیں تھا اور جنہوں نے گردن اٹھائی وہ میرے ہاتھوں فنا ہو گئے۔ آس پاس کی بستیوں میں مجھ سے بڑا لڑاکا نہ تھا اور میں تفریحاً قتل کرتا تھا۔ بس بہتے خون سے زیادہ خوبصورت کوئی منظر نہیں لگتا تھا مجھے۔ میرے باپ نے مجھے سمجھایا، انسانی خون پانی نہیں ہوتا کہ اس طرح بہایا جائے تجھے سنبھلنا ہوگا ورنہ شالہ میں تیرے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔

''مجھے کون یہاں سے نکالے گا؟'' میں بپھر گیا تھا۔

''میں......'' میرے باپ نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

''ایسا نہ کرنا میرے باپ۔ ورنہ میرے یہاں سے نکلنے کے بعد شالہ آباد نہ رہ سکے گا۔'' میں نے باپ کو تنبیہ کی تھی۔

''اسے غیر آباد کون کرے گا؟'' وہ گھور کر بولا۔

''میں......'' میں نے بھی گردن جھکا کر جواب دیا تھا۔

''اس کے بعد تو کسی کو ہلاک نہ کرے گا، ورنہ میں تیرے لئے منصفوں سے سزا مانگوں گا۔'' اور جوان اسی رات چھ منصف ہلاک کر دیئے گئے تھے۔ میں نے ان سب کی

گردنیں کاٹ کر اپنے باپ کے گھر کے دروازے پر ڈال دی تھیں۔ پھر میں نے اپنے باپ سے کہا تھا۔

"یہی تھے وہ جو میرے لیے سزا تجویز کرتے۔"

میرا باپ اندر گیا، اس نے اپنی گردن میں رسی کا پھندہ ڈالا اور موت سے ہم آغوش ہو گیا۔ پھر کون تھا جو مجھے روکتا، سرزنش کرتا۔ میں سرکش شیر بن گیا۔ جس نے راستے میں قدم رکھا اسے چیر پھاڑ کر پھینک دیا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ مجھ سے آنکھ ملاتا اور ولد الحرام جیراس بھی میرا دست راست تھا۔ اس کے ساتھ چند اور لوگ بھی تھے۔ جیراس میرے نام پر خفیہ طور پر لوگوں سے دولت لوٹتا مگر مجھے دولت سے کوئی رغبت نہیں۔ میں تو اپنی دنیا میں مست تھا اور انہی دنوں جیراس نے مجھ سے کہا۔

"کسی کو تیری ضرورت ہے ہیرک۔"

"کسے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ہم میں سے نہیں ہیں مگر ان کے پاس دولت کے انبار ہیں۔ وہ سب کچھ ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔"

"مگر وہ میرا کیا کریں گے؟"

"وہ تیری حمایت چاہتے ہیں اور تجھے ایک مرتبہ دینا چاہتے ہیں اور پھر تیری حمایت سے یہاں اپنے پاؤں جمانے کے خواہش مند ہیں۔"

"مگر کیا وہ مجھے اپنا غلام بنا کر مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں؟"

"غلام نہیں دوست بنا کر۔"

"میں اپنی دنیا میں مست ہوں۔ مجھے کسی کی دوستی کی درکار نہیں۔"

"ایک بار تو ان سے مل تو لے۔"

"مل لوں گا ابھی جلدی نہیں ہے۔" میں نے زور سے کہا اور جیراس خاموش ہو

گیا۔ میں نے اس کی خاموشی پر غور بھی نہیں کیا تھا۔

ذی آنا کے سارے علاقے میری ملکیت تھے۔ جہاں بھی جاتا میری شہرت پہلے سے وہاں موجود ہوتی۔ تب میں ایک بار ایک خوبصورت بستی میں پہنچ گیا۔ قدرتی مناظر کی یہ بستی اس خطے کی سب سے حسین بستی تھی۔ یہاں کا حسن دیکھ کر میں ششدر رہ گیا تھا۔ بستی سے کچھ فاصلے پر ایک چشمے کے کنارے میں نے ڈیرہ ڈال دیا۔ میرے ساتھی شکار کرنے نکل گئے، چشمے کے اطراف میں پرندوں کی ڈاریں اتر رہی تھیں، موسم بے حد خوشگوار تھا اور میں تو دلکش مناظر میں کھویا ہوا تھا کہ مجھے کسی کے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ میں نے سوچا کہ ممکن ہے میرا کوئی ساتھی چہل قدمی کر کے واپس آیا ہو۔ چنانچہ میں نے اس جانب توجہ نہیں دی لیکن کافی دیر گزر گئی اور میرے کسی ساتھی نے مجھے مخاطب نہ کیا۔ تب میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں وہ کوئی اور تو نہیں۔ اس خیال کے تحت میں نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر میری نگاہ ایک جانب اٹھ گئی۔

ایک درخت کی شاخ پر کچھ کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ رنگین لباس اور ان کے بارے میں میرا اندازہ غلط نہیں تھا وہ زنانہ لباس تھا۔ میں نے ٹھٹکتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر میرے ذہن میں شرارت جاگ اٹھی۔

میں چشمے کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا اور وہاں سے چشمے میں نگاہیں دوڑانے لگا۔ میں نے ایک نازک بدن کو دیکھا جو مچھلی کی مانند پانی میں تیر رہا تھا۔ وہ نوجوان اور حسین لڑکی تھی۔ ایک شرارت جو ذہن میں آئی تھی، میں کھڑا اسے دیکھتا رہا اور دفعتہ اسے میری موجودگی کا احساس ہوا تو وہ پانی میں مچھلی کی طرح غوطہ لگا گئی۔ وہ خود کو چھپانے کے لیے چشمے کی گہرائیاں ناپ رہی تھیں۔ میں اسے تنگ کرتے ہوئے لطف محسوس کر رہا تھا کیونکہ شفاف پانی میں وہ خود کو چھپا نہیں پا رہی تھی۔ میں نے وہ سمت دوبارہ اختیار کی جہاں اس کا لباس موجود تھا۔ لباس کے حصول کے لیے اُسے اسی سمت آنا

پڑا میں اسے دیکھتا رہا۔

غضب کی خوبصورت لڑکی تھی! پانی میں اس کے لمبے لمبے بالوں نے پورے جسم کو ڈھانپ دیا تھا۔ وہ بے چین مچھلی کی مانند پانی میں چکراتی رہی اور میں اپنے سینے پر دونوں ہاتھ باندھے اس کی تیراکی کی مہارت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

پھر مجھے نجانے کیوں اس پر رحم آ گیا۔ خیال آیا کہ ممکن ہے وہ تھک گئی ہو۔ اس لیے میں نے وہ کنارہ چھوڑ دیا جہاں اس کے کپڑے رکھے ہوئے تھے اور دوسری جانب چل پڑا۔ بس ایک بجلی سی چمکی تھی۔ یوں لگا تھا جیسے ایک سفید لکیر ایک سرے سے دوسرے سرے تک کھنچ گئی ہو۔ اس نے اتنی برق رفتاری سے اپنا سفر طے کیا تھا کہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ انسان ہے۔

چشم زدن میں وہ کنارے تک پہنچ گئی تھی۔ اپنا لباس پہننا تھا لیکن اس وقت میں حیران رہ گیا تھا۔ جب اس نے اپنے لباس کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا اور اس میں سے کوئی شے نکالی تھی۔ وہ غیر معمولی چمک دمک دیکھ کر میں چوکنا ہو گیا تھا۔ وہ دوبارہ پانی میں اتر گئی تھی۔

میں حیران تھا کہ اس نے یہ انوکھی حرکت کیوں کی ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ چند لمحات کے بعد اس نے پانی سے گردن نکال کر مجھے دیکھا۔ اب میں اس کے چہرے کو بھی بخوبی دیکھ سکتا تھا اور بلاشبہ ایسی حسین لڑکی اس سے قبل میری نگاہوں سے نہ گزری تھی۔ وہ شدید غصے کے عالم میں اپنی بے لباسی کو بھول گئی تھی۔ وہ میرے قریب پہنچی اور دفعتہ ہی میں نے ایک دفعہ پھر بجلی سی چمکتی دیکھی۔ وہ مڑا ہوا چوڑا سا خنجر تھا جو اس طرح میری جانب آیا کہ اگر میں ہوشیار نہ ہو جاتا تو یقیناً وہ میرے دل میں پیوست ہو جاتا۔

میں پیچھے ہٹ گیا تھا لیکن لڑکی تھی کہ قیامت، اس کے پورے جسم میں برقی صفات پائی جاتی تھیں۔ وہ بجلی کی تیزی سے ہٹی اور دوسرا وار مجھ پر کر دیا لیکن اب میں

ہوشیار ہو گیا تھا۔ میں نے اس کا وار پھر خالی کر دیا لیکن لڑکی کسی قیمت پر نہیں ہٹ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ مجھے ہر حالت میں ختم کرنا چاہتی ہو۔ اس کی ان حرکتوں کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی عام سی لڑکی نہیں ہے۔ اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک اس کے جسم میں خنجر کے درجنوں زخم ہوتے لیکن میں غیر معمولی پھرتی سے اس خوفناک بلا کے وار خالی دے رہا تھا۔ اس بے کے انداز میں ذرا سی بھی تھکن محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس وقت تک مجھے نہیں چھوڑے گی جب تک میرے جسم میں لاتعداد زخم نہیں بن جائیں گے۔ وہ مسلسل پینترے بدل بدل کر مجھ پر حملے کر رہی تھی پھر جب یہ کھیل طویل ہو گیا تو میں نے اسے ختم کرنا مناسب سمجھا اور اس بار جب وہ سامنے سے مجھ پر حملہ آور ہوئی تو میں نے پینترا بدل کر اسے اپنے بازوؤں میں لے کر پانی میں سے کھینچ لیا۔

طوفان آ گیا تھا۔ ایسی شدید جدوجہد کی تھی اس نے کہ توبہ بھلی۔ بالآخر میں نے اس کا وہ ہاتھ پکڑ لیا جس میں خنجر تھا۔ اس کی انگلیاں مضبوطی سے خنجر کے دستے پر جمی ہوئی تھی۔ میں نے اس کی کلائی کی ایسی نس دبائی کہ اس کی انگلیاں بے جان ہو گئیں اور خنجر اس کے ہاتھ سے نکل گیا مگر اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔ اس نے ایک بار بھی چیخنے کی کوشش نہیں کی تھی البتہ میری گرفت سے نکلنے کی کوشش میں اس نے اپنی تمام طاقت صرف کر دی تھی لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں فرط اشتعال سے انگاروں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں اور بھوکی شیرنی کے انداز میں مجھے گھور رہی تھی۔ خنجر میں نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ پھر میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جنگلی بلی! مجھ سے انتقام لینا ہے تو اس کی وجہ بھی بتانا ہو گی۔''

''میں تیری دونوں آنکھیں چاہتی ہوں۔ یہ دونوں آنکھیں اب تیرے چہرے پر نہ رہ سکیں گی گندے کتے۔'' اس نے غراتے ہوئے کہا۔

''نہیں ایسا نہ کرنا۔ میری خواہش ہے کہ تم میرے سارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو لیکن ان آنکھوں کو میرے چہرے پر چسپاں رہنے دو۔ یہ آنکھیں ہی تو تمہارے حسن کو دیکھ سکتی ہیں۔''

''میں تیرے جسم سے خون کا ایک ایک قطرہ بہادوں گی۔ میں تیری آنکھیں ضرور پھوڑ دوں گی جنہوں نے مجھے اس حال میں دیکھا ہے۔''

''چلو فکر نہ کرو۔ شاید تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ میری بینائی کمزور ہے میں تو تمہیں ٹھیک سے دیکھ بھی نہیں سکتا۔ کہاں ہو تم؟'' میں نے اندھوں کی طرح ٹٹولتے ہوئے کہا لیکن لڑکی نے جواب نہ دیا۔ میں دیر تک آنکھیں بند کر کے اس کے اگلے قدم کا انتظار کرتا رہا لیکن اس کے بعد جب میں نے آنکھیں کھولیں تو وہ اپنی جگہ موجود نہ تھی۔

❀ ››› ❀ ››› ❀

حصہ دوم

ایم۔اے راحت

URDU FICTION
RUH KAY SHIKARI II
M A RAHAT

جملہ حقوق بحق

ناشر : [illegible]
مصنف : ایم اے۔راحت
قانونی مشیر : کامران خان نیازی ایڈووکیٹ ہائیکورٹ
قیمت : =/150 روپے

اسٹاکسٹ:

الفیصل ناشران وتاجران کتب غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
روبی پبلی کیشنز راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور
مجید بک ڈپو اردو بازار لاہور
ایں پور بازار فیصل آباد
صابر اکیڈمی اینڈ بکسٹال المصطفیٰ پلازہ راولپنڈی
شائلہ بک ایجنسی چوک میو ہسپتال نسبت روڈ لاہور
چوہدری پارک، دربار بابا بجلی شاہ سٹریٹ ٹوبہ ٹیک سنگھ

زندگی میں پہلی بار میں نے اپنے دل میں ایک نیا جذبہ محسوس کیا تھا۔ میں اپنے دل کے ان گوشوں کو ٹٹول رہا تھا جن میں ایک کسک سی باقی رہ گئی تھی اور میری آنکھوں میں ایک ویرانی سی سمٹ آئی تھی۔ مجھ سے شاید غلطی ہوئی کہ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں ورنہ شاید وہ میری نگاہوں سے اوجھل نہ ہو پاتی۔

اور اس کے بعد میں نے یہی سوچا کہ اس کا تعلق اسی بستی سے ہی ہوسکتا ہے تاہم مجھے اپنے ساتھیوں کا انتظار کرنا ضروری تھا ورنہ وہ لوگ میری تلاش میں بھٹکتے پھرتے۔ پھر جب رات ہوئی اور میرے تمام ساتھی شکار سے لدے پھندے واپس آئے تو جیراس نے میرا چہرہ دیکھا اور کہنے لگا۔

''کیا بات ہے ہیرک.........تو کچھ متفکر سا نظر آ رہا ہے۔''

''ہاں میرے دوست......... میں ایک عجب حادثے سے دوچار ہو گیا ہوں۔'' میں نے جیراس کو پوری کہانی سنائی تھی اور وہ مسکرانے لگا تھا پھر وہ بولا۔

''ہیرک! تیری زندگی میں تو اس قسم کے کسی حادثے کی گنجائش نہیں ہے تو اگر ان جھگڑوں میں پڑ گیا تو مشن جاری نہیں رکھ سکے گا۔''

''بکواس کرتا ہے تو۔ میرا کوئی مشن نہیں ہے۔ میں تو بس ایک آوارہ مزاج انسان ہوں، جہاں جی چاہا چلا گیا۔'' میں نے بگڑ کر جواب دیا۔

''ان باتوں کو چھوڑ......... میں تجھے سب کچھ دینا چاہتا ہوں ہیرک! جو تیرے تصور سے بھی بعید ہوگا۔ نجانے کب تو میری بات مانے گا۔ وہ لوگ شدت سے تیرا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ تجھے ایک منصب دینا چاہتے ہیں، تجھے ان علاقوں کا سب سے بڑا

انسان بنانے کی خواہش مند ہیں اور تو انہیں ٹھکرا رہا ہے۔" اس نے منافقانہ لہجے میں کہا تھا۔

"دیکھ جیراس! میں مختلف فطرت کا مالک ہوں.......... ہوگا وہی جو میری اپنی خواہش ہے۔ تو لاکھ سر پٹختا رہے میں اپنی پسند کے مطابق ہی عمل کروں گا اور اب صرف مجھے اس لڑکی کی تلاش ہے اور کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"تب پھر مجھے اجازت دے میں اس تلاش میں تیرا ساتھ نہ دے سکوں گا۔"

"تو جب بھی چاہے میرے پاس سے جا سکتا ہے۔"

جیراس کو یا تو غصہ آ گیا تھا یا پھر کوئی اور ہی بات تھی۔ وہ اپنے چند ساتھیوں کو لے وہاں سے چلا گیا۔ میرے ساتھ صرف دو افراد رہ گئے تھے اور میں نے ان دو افراد سے کہا کہ بستی میں جا کر اس ملکہ حسن کو تلاش کرو لیکن یہ بات میں جانتا تھا کہ میں کوئی اجنبی انسان نہیں ہوں اور بستی میں مجھے پہچان لیا جائے گا۔ اس کے لیے میں نے اپنے چہرے کو نصف ڈھک لیا تھا۔ بستی میں اس لباس کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ مجھے خاص طور پر دیکھا جاتا چنانچہ میں اپنی تلاش میں مصروف ہو گیا اور کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ لڑکی مجھے دوبارہ نظر نہ آئی تھی۔

پھر ایک دن میں نے یہی فیصلہ کیا کہ چشمے کے کنارے چھپ کر اس کا انتظار کیا جائے اور اپنی اس کوشش میں مجھے کامیابی حاصل ہو گئی۔ وہ ایک بار پھر چشمے پر آئی تھی اور اس بار میں نے اسے چشمے میں اترنے سے پہلے ہی جا لیا۔ وہ مجھے دیکھ کر ایک بار پھر غصے سے سرخ ہو گئی تھی۔ تب میں نے اس سے کہا تھا۔

"میں بہت پہلے یہاں سے چلا جاتا لیکن جس دن سے تجھے دیکھا ہے اس دن سے تیرے انتظار میں مسلسل خاک چھان رہا ہوں۔"

"میں.......... میں تجھ پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔"

"لیکن میں تجھے چاہتا ہوں، میں تجھ سے محبت کرنے لگا ہوں۔" مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میرا لہجہ ملتجیانہ ہو گیا ہے جو میری فطرت کے خلاف تھا۔

وہ خاموشی سے مڑی اور واپس چلی گئی۔ میں نے چلتے ہوئے کہا۔

"تو جب تک مجھ سے اپنی محبت کا اقرار کرنے کے لیے یہاں دوبارہ نہ آئے گی میں اسی جگہ بیٹھا رہوں گا اور ہو سکتا ہے تجھے یہاں سے کچھ عرصے کے بعد میری سوکھی ہوئی لاش دستیاب ہو۔"

اس نے ایک بار پلٹ کر گردن گھمائی اور پھر تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی چلی گئی۔

لیکن دوسرے دن وہ صبح ہی صبح واپس آئی اور میرے پاس پہنچ گئی۔ اس کے پاس کھانے پینے کی چند اشیاء تھیں۔ وہ چیزیں میرے سامنے رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"تو نے میری نسوانیت کی توہین کی ہے۔ تو نے مجھے اس عالم میں دیکھا ہے کہ کسی اجنبی آنکھ نے کبھی مجھے اس حالت میں نہ دیکھا ہو گا لیکن نجانے کیوں مجھے تجھ پر ترس آ گیا میں تیری سوکھی ہوئی لاش نہیں دیکھنا چاہتی۔" اس کا لہجہ گو کہ سپاٹ تھا، اس سے کسی جذبے کا اظہار نہیں ہوتا تھا، تاہم میرے لیے یہی بہت تھا۔

"تب مجھے اپنا نام بتا۔" میں نے کہا۔

"میرا نام اشتالہ ہے۔" میں نے اسے اپنا نام بتایا اور اس کے بعد میری زندگی میں انقلاب کا ظہور ہوا جس نے مجھے بالکل تبدیل کر دیا۔ اب مجھے اشتالہ کے علاوہ دنیا کی کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی۔ میرے دونوں ساتھی بھی یہاں میرے مستقل قیام سے تنگ آ کر واپس چلے گئے تھے۔ ظاہر ہے وہ میری طرح اپنا وقت برباد کرنا پسند نہیں کرتے تھے لیکن میں وقت برباد نہیں کر رہا تھا۔ اشتالہ کے علاوہ اس کائنات میں مجھے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ بھی مجھے اتنا ہی چاہنے لگی تھی اور اب جدائی کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا چنانچہ ایک دن اس نے مجھ سے کہا۔

"تم مجھے اپنا لو۔ اب اس دنیا میں مجھے تمہارے علاوہ اور کوئی محبوب نہیں ہے۔"

"اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں تمہارے باپ کے پاس آ جاؤں گا۔"

"ہاں میں یہی چاہتی ہوں کہ تم اس بستی کے رواج کے مطابق مجھے اپنی بیوی بنا لو۔"

میں نے اس سے کہا کہ کل وہ میرے پاس نہ آئے۔ کل دن میں، میں اس کے باپ کے پاس حاضر ہو کر اپنا مدعا پیش کروں گا۔ دوسرے دن میں تیار ہو کر اس کے باپ کے پاس پہنچ گیا۔

اشتالہ کا باپ بستی کا ایک امیر آدمی تھا اور باعزت مقام رکھتا تھا۔ اس وقت اس کے پاس اس کے دو دوست بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر اس نے استقبالیہ انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔

"آؤ نوجوان، آؤ۔ کیا چاہتے ہو مجھ سے؟"

"اشتالہ کے باپ میرا نام ہیرک ہے اور میں تیری بیٹی سے شادی کرنے کا خواہش مند ہوں اس لیے میں یہاں آیا ہوں اور مجھے تیری غلامی کر کے فخر ہو گا۔ میں تیری خدمت کرنا چاہتا ہوں۔"

اشتالہ کے باپ نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ تب ہی ایک شخص نے اس کے کان میں کچھ کہا اور اشتالہ کا باپ چونک کر میری صورت دیکھنے لگا۔

"ہیرک! کیا تیرا تعلق شالہ سے ہے؟"

"ہاں۔ میں شالہ ہی کا باشندہ ہوں اور ہیرک میرا نام ہے لیکن میں اب شالہ واپس نہیں جانا چاہتا۔ میں تمہاری بستی میں، تمہاری بستی میں رہنے والوں کی مانند زندگی گزارنے کا خواہش مند ہوں۔ صرف اور صرف اشتالہ کے لیے۔"

"شالہ کے وحشی، تیری داستانیں تو میرے کانوں تک پہلے ہی پہنچ چکی ہیں لیکن میں صورت سے تجھے نہ جانتا تھا۔ ہاں تو ہیرک ہی ہو سکتا ہے، شالہ کا سب سے خونخوار انسان اور اس کے بعد بھی تو میری بیٹی کو اپنانے کا خواہش مند ہے۔ میں اسے قتل کر دینا پسند کروں گا لیکن تیری بیوی بنانے کی حامی نہیں بھروں گا۔"

"نہیں نہیں اشتالہ کے باپ، اشتالہ میری زندگی میں بہت گہرائی تک اتر گئی ہے اب میں اس کے بغیر جی نہ سکوں گا اور سن، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں وحشت خیزیاں کرتا رہا ہوں لیکن جس دن سے اشتالہ کی صورت میں نے دیکھی ہے اس دن سے میرے اندر نمایاں تبدیلیاں ہو گئی ہیں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد زندگی میں

کبھی وحشت خیزی نہیں کروں گا۔ مجھے اشتالہ کی قربت سے محروم نہ کر، میں جی نہ سکوں گا۔"

"میں نے کہا نا اشتالہ کی موت مجھے پسند ہو گی لیکن اسے تیری قربت میں دینا مجھے ناپسند ہے۔"

"نہیں۔ اشتالہ کے باپ، ایسا نہ کر میں تجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دیتا ہوں۔ اپنی بیٹی سے بھی میرے بارے میں کچھ معلومات کر لے۔ میں نے زندگی میں کبھی کسی سے رحم کی بھیک نہیں مانگی۔ میں اپنی پسند کی چیزیں چھینتا رہا ہوں لیکن یہ میری فطرت کی تبدیلی کا ایک ثبوت ہے کہ میں اشتالہ کو تجھ سے مانگ رہا ہوں۔"

"تو مجھ سے اشتالہ چھیننے کی کوشش بھی کرے گا تو اس کے لیے تجھے میری لاش سے گزرنا پڑے گا۔"

"نہیں' اتنے سخت نہ بنو، کل میں پھر آؤں گا اور تو اس دوران اچھی طرح سوچ لینا۔ فیصلہ کرتے وقت بیٹی کو بھی شریک کر لینا۔"

میں ساری رات بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدلتا رہا۔ ستارے مجھے زخمی محسوس ہو رہے تھے، فضائیں روتی ہوئی لگ رہی تھیں۔ اشتالہ......... اشتالہ کے علاوہ اب میری زندگی میں کچھ نہیں رہ گیا تھا۔

دوسرے دن جب میں اس کے پاس پہنچا تو وہ ایک سے زیادہ آدمیوں کے ساتھ میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"یقیناً تو نے یہ فیصلہ کیا ہو گا کہ اشتالہ کو میری بیوی بنا دے۔ بول کیا فیصلہ ہے تیرا؟"

"ہیرک......... وحشی ہیرک تیرے حق میں زیادہ بہتر یہی ہے کہ تو یہاں سے فوراً واپس چلا جائے اور سن اب تو اشتالہ کو یہاں سے اغوا کر کے بھی نہ لے جا سکے گا کیونکہ میں نے اشتالہ کو یہاں سے بہت دور بھیج دیا ہے۔"

"تو نے' اچھا نہ کیا......... تو نے یہ اچھا نہ کیا......... اشتالہ کے باپ......... میں اس کے بغیر یہاں سے نہ جاؤں گا۔"

"بہتر ہے کہ تو میرے ہاتھوں ہلاک نہ ہو.......... میں نے زندگی میں کسی شخص کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک نہیں کیا۔ تیرا چلا جانا ہی بہتر ہے۔"

میری ہر منت سماجت اس کے آگے بے اثر ہوگئی اور اس نے آخری فیصلہ سنا دیا کہ اشتالہ میری نہیں ہو سکتی۔

میں دلبرداشتہ ہو کر وہاں سے ہٹ آیا اور چشمہ کے کنارے فروکش ہو گیا لیکن اب اشتالہ نہیں آتی تھی۔ میں نے بستی میں اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں لیکن کسی نے اشتالہ کا پتہ نہ دیا۔ جی تو چاہتا تھا کہ یہ بستی تاراج کر دوں، یہاں پر رہنے والے کسی شخص کو زندہ نہ چھوڑوں لیکن یہ.......... یہ اشتالہ کی بستی تھی اور میں اس کی بستی کو ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں جنونیوں کے انداز میں اشتالہ کی تلاش میں چل پڑا اور نجانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا رہا۔ پھر ایک دن میرا رخ واپس اشتالہ کی بستی کی جانب ہو گیا اور میں اشتالہ کے باپ سے رحم کی بھیک مانگنے کے لیے واپس اس کے گھر پہنچا لیکن میں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔

اشتالہ کا وہ گھر خاکستر ہو چکا تھا جہاں وہ رہتی تھی۔ بس برباد کھنڈرات پڑے رہ گئے تھے۔ اطراف میں بھی بہت سے مکانات تباہ ہو چکے تھے۔ میں شدت حیرت سے ان تباہ شدہ مکانوں کے قریب پہنچ گیا تب ایک ٹوٹے ہوئے کھنڈر سے اشتالہ برآمد ہوئی۔

اس کا حسین چہرہ ماند پڑ چکا تھا اور وہ غمزدہ نظر آتی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر غیظ وغضب کے آثار ابھر آئے اور میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"اشتالہ.......... اشتالہ یہ سب کیا ہوا؟ یہ کیا ہوا اشتالہ؟ تم کہاں چلی گئی تھیں؟ میں تمہاری تلاش میں نجانے کہاں کہاں مارا مارا پھرا۔ بولو اشتالہ تم کہاں تھیں؟ کہاں تھیں تم؟" میں نے خوشی کے جذبوں سے بھرپور ہو کر اسے بری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔

"شمالہ کے وحشی بہت چالاک سمجھتا ہے تو اپنے آپ کو۔ تو نے میرے باپ کو قتل کر دیا، تو نے میرا گھر تباہ کر دیا، تو نے میرے تمام خاندان کو خاکستر کر دیا۔ اب میرے پاس کس لیے آیا ہے؟ اب ان ٹوٹے کھنڈرات میں کیا تلاش کرنے آیا ہے؟"

"میں نے.......... میں نے یہ سب کچھ کیا؟ نہیں اشتالہ میں تو تیری تلاش میں نجانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں۔ اشتالہ یہ سب کچھ میں نے نہیں کیا۔"

"تو جھوٹا ہے، چلا جا اس بستی سے چلا جا۔ اس بستی کے لوگ تیرے خون کے پیاسے ہیں۔ یہاں سے چلا جا ہیرک ورنہ تیرے حق میں بہتر نہ ہوگا۔ جو کچھ تو نے کیا، کیا اس کے بعد بھی تو اس بات کا خواہش مند ہے کہ میرے دل میں تیری محبت باقی ہو۔"

"اشتالہ میں نے کچھ نہیں کیا، تو یقین کر میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ ان تمام باتوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مجھے بتا وہ کون لوگ تھے جنہوں نے ایسا کیا؟ میں نے ان سب سے انتقام لوں گا۔ میں بدلہ لوں گا ان سے۔"

"تو.......... تو چلا جا یہاں سے۔ دیکھ ہیرک تو چلا جا یہاں سے۔ میں نہیں چاہتی کہ میں اپنے ہاتھوں سے تجھے قتل کر دوں۔" اشتالہ تلخ لہجے میں بولی۔

"تو پاگل ہو گئی ہے اشتالہ۔ اگر یہ سب کچھ ہوا ہے تو بھی کم از کم اس میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ چل میرے ساتھ چل اب۔ میں تجھے تلاش کرنے کے لیے ہر سو مارا مارا پھرا ہوں۔"

"میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گی، پاگل وحشی میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" اشتالہ نے جواب دیا اور مجھے بھی غصہ آ گیا۔ میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھایا اور اپنے گھوڑے پر بٹھا کر ہوا ہو گیا۔ اشتالہ خود کو چھڑانے کے لیے ایسی ہی جدوجہد کر رہی تھی جیسی ایک بار اس نے چشمے پر کی تھی لیکن میری مضبوط گرفت سے نکلنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ میں اسے دور لے آیا اور یہاں میں نے اسے گھوڑے سے اتارنے کے بعد سمجھانے کی کوشش کی۔

"دیکھ اشتالہ! اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ تو کیسے کہہ سکتی ہے کہ یہ سب کچھ میں نے کیا؟ میں تجھے ثبوت دے سکتا ہوں کہ میں تیری تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا ہوں۔"

اشتالہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گئی۔ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میں تو تیری بستی سے اس طرح محبت کرنے لگ گیا تھا

جس طرح تو کرتی ہے اور یہی میں نے تیرے باپ سے بھی کہا تھا۔ نجانے وہ کون لوگ تھے جنہوں نے خود یہ تباہی مچائی اور میرا نام لے دیا۔"

اشتالہ نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا تو میں نے اس سے کہا۔ "یہ تو سوچ، غور کر۔ محبت کرنے کے بعد کہیں اتنی دیوانگی کی جا سکتی ہے۔ میں تجھے بھی سوچنے کا موقع دیتا ہوں اشتالہ اور یہ موقع میں نے تیرے باپ کو بھی دیا تھا۔"

اشتالہ نے گردن اٹھائی اور تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "اور جب میرے باپ نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اور تجھ سے یہ اقرار نہ کیا کہ وہ مجھے تیری زوجیت میں دے دے گا تو تو نے اسے ہلاک کر دیا۔"

"مجھ پر یہ الزام نہ لگا اشتالہ! میں نے ایسا نہیں کیا تو میری طرف سے غلط فہمی کا شکار ہو کر میری توہین کر رہی ہے۔ میری محبت کی توہین کر رہی ہے۔ اشتالہ تو مجھ پر ایسا الزام لگائے گی، یہ میرے تصور میں بھی نہیں تھا۔"

میں وہاں سے ہٹ گیا اور دور شکار کی تلاش میں نکل گیا۔ تب میں نے ایک ہرن شکار کیا اور اسے وہیں خشک لکڑیوں کی آگ میں بھوننے کے بعد اشتالہ کے لیے لے آیا......... لیکن......... لیکن جو کچھ میں نے دیکھا۔ اس نے مجھے برباد کر دیا، مجھے تباہ کر دیا اس نے۔

میں نے دیکھا کہ اشتالہ وہاں مردہ پڑی ہے۔ اس نے اپنا سر پتھر سے مار مار کر خود کو ہلاک کر لیا تھا۔ وہ مر چکی تھی۔

تب میں نے اسی جگہ اشتالہ کی قبر بنا دی اور اس کے بعد دیوانوں کی مانند اسے صحراؤں میں آوازیں دیتا پھرتا۔ جب میری آواز کا کوئی جواب نہ ملتا تو میں واپس اس کی قبر پر آ بیٹھتا اور اس قبر پر ایک دن جیراس مجھے ملا۔ وہ میرا ہمدرد بن کر میرا غمگسار بن کر میرے سامنے آیا اور کہنے لگا۔

"اب تو اٹھ جا یہاں سے صحرا کے دیوانے۔ پاگل ہو گیا تو ایک لڑکی کے فریب میں آ کر۔ اشتالہ نے خودکشی کر لی، اب تو اس کے تصور کو ذہن سے نکال دے۔ وہ آج بھی تیرا انتظار کر رہے ہیں جو تجھے اشتالہ جیسی ہزاروں لڑکیاں بخشنے کی قوت رکھتے ہیں۔"

"مجھ سے فضول گوئی نہ کر جیراس! میں اب کسی قابل نہیں رہا۔"

"او بے وقوف انسان! تیرے لیے تو میں نے اشتالہ کی بستی تباہ کر دی، میں نے وہ سب کچھ کیا تیرے حصول کے لیے جو مجھ سے ممکن ہو سکتا تھا لیکن تیری عقل آج بھی تیرا ساتھ نہیں دیتی تو جہنم میں جا۔ اب وہ متبادل راستہ تلاش کر چکے ہیں۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ ان کی طلب کے مطابق تجھے ان کے سامنے پیش کر دوں اور اس کے بعد ان سے اپنا منصب بھی حاصل کروں......... لیکن......... لیکن تو نے میرا سب کچھ کیا دھرا چوپٹ کر دیا۔"

جیراس غصے میں بھرا وہاں سے واپس چلا گیا۔ میرے ذہن میں کوئی بات نہ آئی تھی۔ اشتالہ کی یاد نے مجھے واقعی پاگل کر دیا تھا اور پھر اس کے بعد میں نجانے کس کس جگہ ہوتا ہوا بستی شمالہ پہنچ گیا۔ جب شمالہ میں داخل ہوا تو یہاں کے حالات ہی بدل چکے تھے۔

شمالہ کے اطراف میں خوف کی حکمرانی تھی اور بیچاری سیمون خوف کا شکار تھی۔

شمالہ کے رہنے والے ایک ایک شخص کو خوف کا مرض ہو گیا تھا اور وہ ایک انجانی قوت سے دہشت زدہ تھے مگر میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے اور اس کے بعد میں نے شراب کا سہارا لیا۔

بس یہ ہے میری کہانی، یہ ہے سارا واقعہ جو میں تجھے سنانا چاہتا تھا اور اس سے تو خود نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ کیا ہونا چاہیے تھا، کیا ہوا ہے؟"

زیراس دلچسپ نگاہوں سے ہیرک کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے سوال کیا۔ "تو تو شراب کے نشے میں اپنی محبت کو بھولنے میں کوشاں رہا ہیرک؟"

"ہاں......... اور آج بھی میرے سینے میں ایک بہت بڑا زخم ہے جو کبھی نہ بھر پاتا۔ تو نے......... تو نے مجھے خون کا ذائقہ چکھایا، تو نے ہیرک کو جگا دیا اور اس کے بعد سب کچھ میری سمجھ میں آ گیا۔ میرا ذہن دور رس ہے اور میری آنکھیں بہت دور تک دیکھ سکتی ہیں۔ آج مجھے جیراس یاد آتا ہے۔ وہ شخص جو اپنے منصب کے حصول کے لیے میری طلب رکھتا تھا اور جس نے صرف اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے اشتالہ کے باپ کو، اس کے خاندان سمیت ہلاک کر دیا تا کہ میں اشتالہ کی محبت سے بالکل آزاد ہو جاؤں یا

اشتالہ مجھ سے ملے تو مجھ سے نفرت کرے اور اس کے بعد میری نہ رہے اور اس طرح اس کا مقصد اسے حاصل ہوسکتا تھا۔"

"لیکن............لیکن آج میں ہوش میں آ گیا ہوں اور جیراس کی اس سازش کو سمجھ چکا ہوں۔ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ جیراس نے یہ سب کچھ انہی لوگوں کے ایماء پر کیا ہے اور وہ لوگ تو شاید عقل مند ہیں تو میری بات سمجھ گیا ہوگا۔ وہ اجنبی جن کا دست راست جیرس بن گیا تھا میرے ذریعے قوت کا حصول چاہتے تھے اور یقینی طور پر انہوں نے اس کا دوسرا طریقہ یہ نکالا کہ یہاں دہشت کی آڑ میں وہ اپنا مقصد حاصل کر رہے ہوں گے جس کے لیے وہ میرا سہارا چاہتے تھے۔

✿ >>> ✿ >>> ✿

"یہ ہے ان وحشیوں کی کہانی اور یہی ہے شمالہ بستی کا خوف۔"

ہیرک خاموش ہوگیا۔ زیراس مسلسل اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا اور اس کی کہانی کی سچائی کا اندازہ لگا رہا تھا۔ نجانے کیوں اسے یہ کہانی جھوٹی محسوس نہ ہوئی۔ ہیرک درحقیقت سچ کہہ رہا تھا۔ کچھ دیر زیراس خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"لیکن ان کا مقصد کیا ہوسکتا ہے ہیرک؟"

"میں ستاروں کی چال نہیں جانتا' نہ میں نجومی ہوں' نہ پیش گو یہ اندازہ میں نے اس وقت لگایا تھا جب میں ہوش وحواس کے عالم میں تھا اور شاید تو یہ جانتا ہو کہ ذی آنا کی اس وسیع وعریض دنیا میں ہی زندگی کی انتہا نہیں ہے۔ اس کے اطراف میں بہت سی بستیاں آباد ہیں اور ان کے رہنے والے اکثر ذی آنا کا رخ کرتے ہیں۔ وہ ہوس پرست ہیں اور زمین کے ہر گوشے سے اپنے لیے دولت سمیٹنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس بات کے امکانات ہیں کہ کسی اور آبادی کے لوگ ذی آنا کے اس علاقے میں داخل ہوئے ہوں، کسی خاص شے کی تلاش میں۔"

"وہ کون ہیں؟"

"میں نے کہا نا یہ اس وقت کی بات ہے جب میں ہوش وحواس کے عالم میں تھا کہ میں نے یہ اندازہ لگایا تھا لیکن اس کے بعد اشتالہ کی موت نے میرے حواس معطل

کر دیئے تھے اور میں یہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہ رہا تھا کہ جیراس نے یہ سازش کیوں کی ہے؟ یہی وجہ تھی کہ جیراس بدبخت میرے ہاتھوں سے بچ گیا لیکن تو نے مجھے میرا ہی خون پلا کر میرے ہوش وحواس جگا دیئے ہیں اور میں نے جس شے کی آڑ میں پناہ لی تھی اب وہ میرے لیے بے اثر ہوگئی ہے چنانچہ اب میں جیراس سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ اشتالہ سے جدائی کا باعث وہی بدنصیب شخص تھا اور یقینی طور پر ذی آنا کی آبادی شمالہ کی نحوستوں کا ذمے دار بھی وہی ہے۔ وہ ضرور جانتا ہوگا کہ ان ساحروں کا مقصد کیا ہے اور اس طرح میرا اور تیرا مشن ایک ہی ہوگیا ہے۔ میں جیراس کو تلاش کر کے اشتالہ کے قاتل کی حیثیت سے اس کی ہلاکت چاہتا ہوں اور تو اسے تلاش کر کے اپنے ساتھی کے بارے میں معلومات کرنا چاہتا ہے۔ یقینی طور پر وہ جانتا ہوگا کہ تیرا ساتھی کہاں ہے۔"

زیراس نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔ پھر بولا۔"اور میں تیری اس کہانی کو سچ مان لوں؟"

زیراس کے ان الفاظ پر ہیرک کا چہرہ ست گیا وہ عجیب سی نگاہوں سے زیراس کو دیکھنے لگا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔"دوستوں کو گالیاں نہیں دی جاتیں اور میں تجھ سے یہ توقع بھی نہیں رکھتا لیکن اگر تو نے یہ گالی مجھے دی تو یقین کر میں تیرا ساتھ چھوڑ دوں گا اور اس کے بعد تجھے پھر کبھی نظر نہیں آؤں گا۔"

"نہیں نہیں............ میں تجھے گالی نہیں دے رہا میں تو بس ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ دشمن بے حد چالاک ہے اور پورے ذی آنا میں انہوں نے ایسے ہی جال بچھا رکھے ہیں۔ تیرا کہنا درست ہے ہیرک! بے شک وہ اپنی کسی مذموم کوشش میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے معصوم بستیوں کو اپنا نشانہ بنا رہے ہوں گے۔ کیا تو ان بستیوں کی نشاندہی کر سکتا ہے؟"

"کاش یہ ممکن ہوتا۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میں تو ایک عرصے سے تارک الدنیا ہوں۔" ہیرک نے جواب دیا۔

''وہ کون تھا جسے تو نے ہلاک کیا؟''

''نمباسیہ کا غلام۔''

''اور نمباسیہ؟'' زیراس نے پوچھا۔

''جیراس کا دست راست' وہ دونوں ساتھ ساتھ ہی پیدا ہوئے تھے۔ ایک ہی دن' ایک ہی وقت اور تب سے اس وقت تک ساتھ رہے جب تک میں انہیں جانتا تھا۔ نمباسیہ، جیراس کے عمل سے واقف ہوتا ہے اور یقیناً اس وقت بھی وہ اس بات سے غافل نہ ہوگا کہ جیراس کہاں ہے اور ہماری تمام تر کاوشوں کا انعام جیراس ہی ہے۔ اگر وہ ہمیں مل جائے تو سب کچھ پتہ چل سکتا ہے، کیا سمجھا؟ ہمارا مقصد صرف جیراس کی تلاش ہونا چاہیے۔''

زیراس پرخیال نگاہوں سے ہیرک کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ ''کیا تو نمباسیہ کی بستی کے بارے میں جانتا ہے؟''

''ہاں۔ میں سب کچھ جانتا ہوں' اچھی طرح جانتا ہوں۔''

ہیرک کے ہونٹوں پر ایک کشادہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ زیراس نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور اس کے بعد وہ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے۔

❁ ››› ❁ ››› ❁

روتھن گہری نگاہوں سے سیلان کا جائزہ لے رہا تھا اور سیلان کے پتھرائے ہوئے بدن پر اس کی نگاہیں مرکوز تھیں۔ تب سیلان نے کہا۔

''خطہ ذی آنا عجیب وغریب کہانیوں کا امین ہے اور اس بستی کی کہانی بھی عجیب کہانیوں میں شمار کی جا سکتی ہے۔ کبھی یہ بستی انسانوں کی بستی تھی جن لوگوں کو تو نے جانوروں کی صورت میں دیکھا، یہ انسان ہی ہیں اور اس سے پہلے یہ عقل وخرد سے عاری نہ تھے۔ ہنسی خوشی رہتے تھے یہ لوگ اور ان کی اپنی زندگی میں کوئی دکھ' کوئی غم نہیں تھا۔ یہ بھی انسانوں ہی کی مانند اس آبادی میں زندگی گزارتے تھے اور اس وقت اطراف کے جنگل اس مانند نہ تھے جیسے اب تو نے دیکھے ہوں گے۔ یہ درخت سرسبز وشاداب تھے اور ان میں پھل اگا کرتے تھے سب کچھ موجود تھا لیکن خطہ ذی آنا کے اس حصے میں بدنصیبیاں زمین سے اگ رہی تھیں اور بوڑھی زکومہ نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ بستی شمالہ میں ایک ایسی نحوست جنم لے رہی ہے جو بالآخر بہت سوں کے لیے باعث اذیت بن جائے گی اور بستی کی اس نحوست کا نام تھا۔ سیمون! ہاں.......... وہ جادوگروں کی تخلیق ہے اور جادوگروں کی آغوش میں اس نے پرورش پائی۔ زمانے بھر کی چالاک اور شیطان ہے وہ۔ اس نے اپنی ذات پر معصومیت کے لبادے ڈال رکھے ہیں لیکن ان لبادوں کے دوسری طرف جھانکا جائے تو ایک شیطان قہقہے لگاتا ہوا نظر آئے گا اور اسی شیطان نے ہم سے ہمارا سب کچھ چھین لیا۔ میں سیلان ہوں، اس بستی کا رہنے والا۔ میں نے زکومہ کی پیش گوئی کے مطابق پیش بندیاں کیں اور بہت سوں کو اپنا ہمنوا بنایا۔ یہ کہہ کر کہ سیمون کی بادشاہت ساحروں کی بادشاہت ہے اور ساحروں کی بادشاہت کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں

کی آوازیں بند ہو جائیں۔ اس لیے میں سیمون کا مرکز نگاہ رہا اور وہ ہمارے اس علاقے کو تشویش کی نگاہوں سے دیکھتی رہی کہ ہم ہی اس کا راستہ روکنے والے تھے۔

"ساحروں کی گودوں میں پلی سیمون بالآخر شالہ پر نازل ہو گئی اور اس نے شالہ میں رہنے والوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ وہ بستی بھی ہنسنے بولنے والوں کی بستی تھی۔ جب سے سیمون نے اس کا اقتدار سنبھالا ہے اس نے اس پورے علاقے پر خوف نازل کر دیا ہے۔ اور تو یہ جانتا ہو گا کہ ساحروں کے مشاغل مختلف ہوتے ہیں۔ وہ انسانوں کو انسانوں کی مانند نہیں جانوروں کی طرح دیکھنے چاہتے ہیں چنانچہ سیمون نے ساحروں کی سرکردگی میں پرورش پانے کے بعد اپنے خفیہ ہرکارے اس سمت بھیجے اور وہ یہاں کی زمین میں اگ آئے۔ انہوں نے سحر پھونکا اور اس بستی کے رہنے والے جانور بن گئے۔ میں نے احتجاج کیا تو مجھے پتھر میں تبدیل کر دیا گیا۔ وہ شالہ کی مظلوم حکمران بنی ہوئی ہے اور اس نے لوگوں سے کہا کہ ساحروں نے اس سرزمین کو دہشت کی سرزمین بنا دیا ہے لیکن میں جاننے والا ہوں اور مجھے بوڑھی مقدس زکومہ کے افکار و خیالات حاصل ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ شالہ کی مظلوم حکمران درحقیقت اس علاقے کی ظالم ترین عورت ہے اور اس نے شالہ کے گرد سحر کے جال پھیلا دیئے ہیں تاکہ کوئی اس کے بارے میں نہ سوچے۔ جب بھی شالہ کے لوگ اس کے بارے میں سوچنے کی کوشش کرتے ہیں تو کچھ ایسے واقعات رونما ہو جاتے ہیں کہ وہ خوف سے اپنے گھروں میں سمٹ جاتے ہیں۔

"یہاں ہم اس خوف و دہشت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اب تو ہمارے دلوں سے امید کی کرن معدوم ہو چکی ہے کیونکہ ہمارے درمیان انسان نہیں جانور رہتے ہیں۔ یہ سب جانوروں ہی کی مانند زندگی بسر کرتے ہیں اور تو نے ان کا تجزیہ کیا ہو گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کے جینے کے لیے کچھ لوازمات موجود ہیں لیکن ایک دن ایسا ضرور آئے گا جس دن یہ سب لوگ اپنی موت آپ مر جائیں گے کیونکہ یہاں پر یہ وباؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، یہ قحط سالی کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ جنگلوں کو کیسے سرسبز و شاداب کیا جاتا ہے اور یہ جنگل سوکھتے جا رہے ہیں اور پھر اس وقت جب یہاں سے تمام نعمتیں ختم ہو جائیں گی تو یہ فاقہ کشی کا شکار ہو جائیں گے اور اس کے بعد

موت کے علاوہ کچھ نہ رہے گا۔ یوں ساحروں کی وہ خواہش پوری ہو جائے گی اور سیمون جیسی شیطان حکمران اپنی حکمرانی میں وسعت کرے گی۔ شالہ کے رہنے والے کبھی اس کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتے اور اب میری بستی کے لوگ جانور ہیں۔ یہاں انسانی زندگی جنگل بن گئی ہے یہ سب کچھ اس کے سحر کی وجہ سے ہے۔ کاش......... کاش کوئی اس ساحرہ کو ختم کر دے اور ہم لوگوں کو بھی انسانوں کی مانند جینے کے راستے مل جائیں۔ ہماری نگاہیں ہر اس فرد کی طرف اٹھتی ہیں جو ہمارے لیے کام کر سکتا ہے۔

"اجنبی! تو شالہ کی سرزمین سے تعلق نہیں رکھتا اور یوں لگتا ہے جیسے تو ذہین ہو اور بے شک تیرے اندر وہ چیز پائی جاتی ہے جو ہر طرح کے سحر کو ختم کر دے چنانچہ میری نگاہیں تیری جانب اٹھی ہیں۔ کیا تو ہماری مدد کرے گا؟"

روتھن نے گہری نگاہوں سے سیلان کو دیکھا۔ عجیب و غریب کہانی سنائی تھی سیلان نے۔ سیمون کے بارے میں روتھن کچھ نہیں جانتا تھا لیکن شالہ بستی میں اس نے زیراس کے ساتھ قیام کیا تھا اور تب سے اس پر وہ مصیبت نازل ہوئی تھی جس کا وہ اب تک شکار تھا لیکن کیا سیلان کی کہانی درست ہے؟ کیا کرنا چاہیے؟ اور روتھن جیسے فطین کے ذہن میں جو منصوبے آ سکتے تھے وہ عام لوگوں کے بس کی بات نہیں تھے۔ اس نے سوچا کہ جو کچھ اس نے دیکھا اگر وہ سحر بھی ہے تو کم از کم یہ سحر اس پر اثر انداز نہیں ہوا اور اگر وہ جانوروں جیسا نہیں ہے تو پھر یقیناً وہ اس راز کو پا سکتا ہے کہ سیلان نے کیا کہا۔ چنانچہ اس نے پرخیال انداز میں کہا۔

"لیکن سیلان! میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"یہ تو بہتر سمجھ سکتا ہے لیکن میں تجھے صرف اتنا بتا دوں کہ سیمون اس تمام سحر کی ذمے دار ہے اور سیمون کو ہلاک کر دیا جائے تو یہ سحر اس کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔"

"کیا میں ایسا کر سکوں گا؟"

"یہ تیری سوچ اور ذہانت پر منحصر ہے ہاں اگر تو سیمون کو ختم کر کے ہم سب کو سحر سے آزاد کر دے تو ایک پیشکش میں سیلان کی حیثیت سے تجھے کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ تو ان علاقوں کا حکمران ہو گا، یہ سیلان کا وعدہ ہے۔"

روتھن بہت زیادہ جذباتی نظر آنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آ گئی اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مقدس سیلان! تیرے پتھرائے ہوئے جسم کی قسم! میں ایسا ہی کروں گا۔ میں یقیناً ایسا ہی کروں گا۔''

''اگر تو ایسا کرے گا تو یوں سمجھ لے کہ ہماری آنکھوں کا تارا ہو گا لیکن یہ کام آسان نہیں ہے۔ شمالہ کے رہنے والے سیمون سے خوفزدہ ہیں۔ وہ سیمون کے لیے سب کچھ کر سکتے ہیں اپنی زندگیوں کے خوف سے۔ چنانچہ اسے صرف دھوکے سے مارا جا سکتا ہے صرف دھوکے سے۔''

''مجھے اس سلسلے میں تیری مدد درکار ہے۔ مجھے بتا میں سیمون تک پہنچنے کے لیے کیا کروں؟''

''تجھے وہاں تک پہنچایا جا سکتا ہے اور میں وہاں تیرے لئے مددگار مہیا کر سکتا ہوں۔ تھوڑا انتظار کر اور یہ لمحات یہاں پرسکون رہ کر گزار۔ میرا نشان تجھ پر چسپاں ہو گا اور یہ سب تیری عزت کریں گے۔ میں ان کا رہنما ہوں لیکن افسوس میں ان کی رہنمائی نہ کر سکا۔''

روتھن نے سیلان سے وعدہ کیا کہ وہ سیمون کی ہلاکت کے لئے عملی طور پر قدم اٹھائے گا لیکن چونکہ وہ ان علاقوں سے اجنبی ہے اس لیے سیلان کو اس کی مدد کرنا ہو گی اور سیلان نے اس کے لیے ایک عمدہ رہائش گاہ کا انتظام کر دیا۔

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

ہیرک کی شہسواری زیراس کو بے حد پسند تھی اور وہ یہ بات دعویٰ سے کہہ سکتا تھا کہ ہیرک بہترین شہسوار ہے اور اس کی ٹکر کا شہسوار کوئی دوسرا کم ہی ہو گا۔ زیراس کی اپنی زندگی بھی گھوڑوں پر ہی گزری تھی چنانچہ گھوڑے کی پشت اس کے لیے دنیا کی سب سے پسندیدہ جگہ تھی۔ ویسے تو اس نے ہیرک کی ذات میں بہت سی خوبیاں دیکھی تھیں لیکن اس کی شہسواری اسے سب سے زیادہ پسند آئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی ہیرک کا مزاج بھی زیراس کو پسند تھا۔ وہ ہنسنے بولنے والا آدمی تھا اور ایک ایسے شخص کے لیے جس کی آدھی زندگی شراب میں غرق گزری ہو، شراب کا اس طرح چھوڑ دینا بھی زیراس کے لیے تعجب

خیز تھا اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہیرک دھن کا پکا شخص ہے۔ اس وقت اسے نمباسیہ کی تلاش کی دھن تھی۔

ان دونوں کے گھوڑے برق رفتاری سے اس علاقے کی جانب جا رہے تھے جو نمباسیہ کا علاقہ تھا۔

پھر بلندیوں سے پستیوں میں ایک ایسی بستی نظر آئی جو بہت خوش حال معلوم ہوتی تھی۔ اس کے اطراف میں درخت اور باغ لہلہا رہے تھے اور وہاں چاروں طرف سبزہ بکھرا ہوا تھا۔ سبزہ زار کے درمیان خوبصورت مکانوں کا طویل و عریض سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور نمباسیہ شاید اس بستی کا سردار تھا یا اگر سردار نہیں تھا تو امیر ضرور تھا کیونکہ اس کا مکان سب سے خوبصورت اور سب سے وسیع تھا۔

ہیرک نے بلندی سے اس بستی کو دیکھا اور پھر دور ہی سے اس مکان کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''وہ نمباسیہ کا گھر ہے لیکن اس وقت جب میں نے پچھلی بار اس بستی کو دیکھا تھا تو یہ ایک پسماندہ بستی تھی اور یہاں کے لوگ بے کسی کی زندگی گزارتے تھے۔ اب یوں لگتا ہے جیسے نمباسیہ نے اپنی بستی کو خوش حال بنا دیا ہو۔ وہ میرے ہاتھ لگ جائے تو جیراس کے بدلے میں، یوں سمجھ لو کہ جیسے وہ مجھے مل گیا۔ کیونکہ جیراس کی ہر جنبش کو صرف نمباسیہ جانتا ہے۔ صرف اور صرف نمباسیہ۔ اور جیراس یقیناً ان لوگوں کا آلہ کار ہے جو ان بستیوں میں خوف و دہشت کی علامت بن گئے ہیں۔'' پھر اس نے اپنے ہتھیار دیکھے اور زیراس سے بولا۔ ''یہاں صرف گولیوں کی زبان سمجھی جاتی ہے۔ اگر ہم دو آدمی پوری بستی کو اپنے خوف کا شکار کر سکتے ہیں تو صرف اپنے بہترین نشانوں کی مدد سے، اور چاروں طرف سے چوکنا رہنا ضروری ہے۔ یوں سمجھ کہ یہ لوگ بلندیوں سے اور ان کھڑکیوں سے حملہ کریں گے جہاں وہ دوسروں کو نظر نہ آ سکیں۔ اگر تو نے وہ جگہ تلاش کر لی تو سمجھ لے کہ ہم کامیابی سے ہمکنار ہو گئے اور ہم طوفانی انداز میں بستی میں داخل ہوں گے تاکہ ان پر دہشت طاری ہو جائے لیکن اس کے لیے تجھے اپنی رائفل بھرنے کا وقت نہیں مل سکے گا۔ یہ تیری ذہانت پر منحصر ہے کہ تو کس طرح اپنے ہتھیاروں کو گولیوں سے بھر لیتا ہے۔''

زیراس نے گردن ہلائی اور بولا۔ ''تو فکرمت کر ہیرک۔ یہاں میں تجھے مایوس نہیں کروں گا۔''

اور اس کے بعد انہوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑے بلندیوں سے پستیوں کی طرف دوڑنے لگے اور ان کی رفتار اتنی طوفانی تھی کہ دیکھنے والوں نے دیکھا اور انگشت بدنداں رہ گئے لیکن جب بستی میں داخل ہو کر انہوں نے گولیوں کی بارش شروع کی تو لوگ چیختے چلاتے کونوں کھدروں کی جانب دوڑ پڑے۔ ہیرک کی گرج ابھر رہی تھی۔

''میں ہیرک ہوں بستی والو، مجھے نمباسیہ کی تلاش ہے۔ اگر نمباسیہ کی تلاش میں تم نے میری مدد کی تو میں تمہاری جان بخشی کر دوں گا۔ ورنہ پوری بستی کو آتش کدہ نہ بنا دوں تو ہیرک نام نہیں میرا۔'' کچھ پیش گوئیاں ہیرک کی بالکل درست تھیں۔ مثلاً ایک گھر کی چمنی کے پاس سے گولیاں چلائی گئیں جو زیراس اور ہیرک کے درمیان سے نکل گئیں لیکن ہیرک کو زیراس کے نشانے کا بھی اعتراف کرنا پڑا کیونکہ صرف ایک گولی چلائی زیراس نے اور چمنی کے پاس چھپا شخص زمین پر آ گیا۔ اس کے بعد بستی والوں میں سے چند افراد نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن ہیرک کی طوفانی یلغار کے سامنے نہ رک سکے اور آن کی آن میں ہیرک، نمباسیہ کے گھر کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے نمباسیہ کے گھر پر بے تحاشہ گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ اس کی گرج دار آواز ابھر رہی تھی۔

''بزدل چوہے باہر نکل، میں تجھ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ میرا نام ہیرک ہے، ہیرک ایک بار پھر زندہ ہو کر تیرے سامنے آ گیا ہے۔ نمباسیہ باہر نکل ورنہ تیرے اس گھر کو جہنم بنا دوں گا!'' اس کی بندوق مسلسل شعلے اگل رہی تھی اور اندر سے دہشت بھری چیخیں ابھر رہی تھیں پھر کسی نے چیخ کر کہا۔

''ہم باہر آنا چاہتے ہیں عظیم ہیرک! ہم باہر آ کر تجھے ساری تفصیل بتانے کے خواہش مند ہیں۔''

''آؤ.........آؤ دیر کیوں کر رہے ہو؟ اگر تم اسی مکان میں مرجانا نہیں چاہتے تو باہر آؤ میرے سامنے۔'' اور چند افراد دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے ہوئے تھے اور ان کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔

''عظیم ہیرک! نمباسیہ یہاں موجود نہیں ہے وہ تو چراگاہوں میں شکار کھیل رہا ہے۔ اگر ہماری یہ بات غلط ثابت ہو تو بے شک تجھے اختیار ہے کہ ہمارے ساتھ جو دل چاہے سلوک کر۔''

بستی میں ہیرک ہیرک کی آواز بلند ہو رہی تھیں۔ شاید ہیرک کا خوف اتنا ہی تھا کہ لوگ اپنے اپنے دروازے بند کر رہے تھے۔ ہیرک نے آنے والوں کو گھورا اور بولا۔ ''نمباسیہ کو باہر نکال لاؤ اسی میں تمہاری نجات ہے ورنہ..........ورنہ۔''

''نہیں، ہم جھوٹ نہیں بول رہے معزز ہیرک تو جس طرح چاہے تصدیق کر لے۔''

''تو پھر سنو، تم سب اس مکان کو آگ لگا دو۔ اسے میری نگاہوں کے سامنے خاکستر کر دو۔ جب یہ راکھ کا ڈھیر بن جائے تو میں تمہاری بات کا یقین کر لوں گا۔''

باہر نکلنے والوں نے دہشت بھری نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ یہ ایک ایسا حکم تھا جس کی تعمیل وہ کسی طور نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا خود بھی کسی نہ کسی طرح سے اس گھر سے تعلق تھا۔ انہوں نے کچھ سوچا اور پھر ان کی خوف زدہ آوازیں ابھریں۔

''لیکن گھر کے اندر اور لوگ بھی موجود ہیں۔''

''جو گھر میں موجود میں انہیں پناہ دی جاتی ہے لیکن ان سے کہو کہ چند لمحوں کے اندر اندر باہر آ جائیں۔ میں اس کے بعد کسی کی زندگی بچانے کا ذمے دار قرار نہیں پاؤں گا۔'' ان لوگوں میں سے چند نے آپس میں پھر صلاح مشورے کیے اور اس کے بعد وہ اندر داخل ہو گئے۔

پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد دو عورتیں، بچے اور چند افراد باہر نکل آئے اور نمباسیہ ان میں نہیں تھا۔ تب ہیرک کے حکم پر اس پورے گھر کو آگ لگا دی گئی۔

بستی کے خوفزدہ لوگ اپنی اپنی کمین گاہوں میں چھپے ہیرک کی حرکات دیکھ رہے تھے اور زیراس سوچ رہا تھا کہ واقعی یہ ایک کمال کا کارنامہ ہے۔ ایک آدمی کے احکام اس قدر سخت ہو سکتے ہیں کہ بستی والے کس قسم کی مداخلت نہیں کر رہے۔ تعجب کی بات تھی۔

نمباسیہ کا گھر خاکستر ہو گیا تھا۔ دروازے کھڑکیاں جل جل کر گر رہے تھے' شیشے چیخ رہے تھے اور تھوڑی ہی دیر میں پورے گھر نے شعلے اگلنا شروع کر دیئے۔ تپش سے دور دور تک کا علاقہ جھلس رہا تھا لیکن ہیرک اپنے گھوڑے پر بیٹھا جلتے ہوئے گھر ہی کو نہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں چاروں طرف نگراں تھیں۔ اس گھر سے نکلنے کے لیے جو بھی راستہ تھا اس کی نگاہوں کی زد میں تھا اور وہ جانتا تھا کہ اگر نمباسیہ گھر میں موجود ہے تو یہاں سے کہیں نہ جا سکے گا۔

کافی دیر تک ہیرک وہاں کھڑا رہا اور جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ اب گھر اس قدر آگ پکڑ چکا ہے کہ اگر کوئی زندہ وجود اس گھر میں موجود ہیں تو وہ زندہ باہر نہ نکل سکے گا تو اس نے وہاں کھڑے لوگوں کی جانب خونی نگاہوں سے دیکھا اور پھر ایک شخص کو انگلی سے اشارہ کر کے بولا۔

''تو آگے آ.........'' وہ ڈرا سہما آگے آ گیا تھا۔

''نمباسیہ کی وہ چراگاہ کہاں ہے جہاں وہ شکار کھیل رہا ہے؟''

''مشرق میں......... ذی آنا کے مشرقی حصے میں' پہاڑوں کی گہرائی میں وہ چراگاہ واقعہ ہے اور نمباسیہ تمہیں وہاں ہی ملے گا۔'' ہیرک نے ایک نگاہ زیراس کو دیکھا اور پھر گردن سے اشارہ کر کے بولا۔

''آؤ'' اور اس کے بعد ان کے گھوڑے پھر اسی بلندی کی طرف دوڑنے لگے۔ آن کی آن میں گھوڑے بہت دور نکل آئے۔

نمباسیہ کے جلتے ہوئے مکان کے دھوئیں کی لکیر اب بھی آسمان کی جانب بلند ہو رہی تھی اور بلندیوں پر پہنچ کر ہیرک نے اپنا گھوڑا روکا اور پلٹ کر اس سمت دیکھنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹوں سے ایک آواز نکلی۔

''نمباسیہ خوش نصیب ہے کہ اس وقت مجھے یہاں نہیں مل سکا۔ ہم نے بستی والوں پر اپنا خوف قائم کر لیا تھا لیکن......... لیکن نمباسیہ کی چراگاہ، اوہ آؤ میرے ساتھ آؤ۔'' ہیرک نے کہا اور اس کے بعد وہ بلندیوں سے دوسری جانب کا سفر کرنے لگا۔

بستی سے باہر نکلنے کا صرف یہی ایک راستہ تھا۔ باقی چاروں طرف بلند و بالا

پہاڑ بکھرے ہوئے تھے۔ ڈھلان کے راستے عبور کرنے کے بعد ہیرک نے اپنے گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا۔ جب وہ ان جنگلوں میں پہنچے جہاں سفیدے کے درخت سر جھکائے کھڑے تھے تو دفعتہً ہی ہیرک نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔

''کیوں......... اب کیا بات ہے؟'' زیراس نے سوال کیا اور ہیرک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''وہ ٹیلا ہمارے لیے بہترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتا ہے اور یہاں سے ہم لوگ اس شخص پر نگاہ رکھ سکتے ہیں جو اس بستی سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا۔''

''مطلب؟'' زیراس نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے تو بھی تھک گیا ہو گیا، چنانچہ یہاں کچھ دیر آرام کر لے۔'' ہیرک اپنے گھوڑے سے اتر گیا۔ زیراس چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر وہ گہری سانس لے کر اپنے گھوڑے سے نیچے اتر گیا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ہیرک زیرک تھا اور قوی ہیکل جسم کے ساتھ ساتھ وہ عقل بھی رکھتا تھا اور اب اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ اس نے جو کہانی سنائی تھی وہ سچ بھی تھی۔ ہر چند کہ زیراس کا مقصد صرف روتھن کی تلاش تھی لیکن سیمون نے جو کہانی سنائی تھی، زیراس نے اسے بھی جھوٹ نہیں سمجھا تھا اس نے سیمون سے وعدہ کیا تھا کہ شالہ کو بری روحوں سے نجات دلا دے گا لیکن اس وقت یہ وعدہ وقتی جوش کا ابال تھا۔ خود زیراس نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کرے گا۔ پھر ہیرک نے اسے یہ کہانی سنائی تھی۔

تھوڑی دیر خاموشی کے عالم میں گزر گئی۔ زیراس ہیرک کا انداز دیکھ رہا تھا۔ کافی دیر بعد اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور تیرا یہاں قیام بے معنی نہیں ہے۔'' ہیرک چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''تو نے مجھ سے کچھ کہا؟''

''ہاں۔'' زیراس نے جواب دیا۔

''افسوس میں نے سنا نہیں۔'' ہیرک نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

''میں نے کہا کیا تیرا یہاں قیام بے معنی نہیں۔''

"ہاں تیرا خیال درست ہے۔"

"تو کسی کا انتظار کر رہا ہے؟"

"ہاں۔"

"کون ہیں وہ؟"

"جو کچھ دیر کے اندر اندر ہمارے سامنے آ جائیں گے۔"

"کیا اس بستی کے لوگ؟"

"سو فیصدی نمباسیہ کے غلام۔"

"میں تیرا مقصد سمجھ رہا ہوں لیکن تیرا یقین حیرت انگیز ہے۔"

"میں ان سؤروں کے بارے میں جانتا ہوں۔ نمباسیہ ولد الحرام نے ان کی تقدیر بدل دی ہے۔ ورنہ ان کے وسائل کچھ نہ تھے اور یہ بھیک مانگنے والے کہلاتے تھے۔" زیراس خاموش ہو گیا۔ دیر تک خاموشی چھائی رہی پھر دفعتہً ہیرک کے حلق سے ایک آواز نکلی۔

"کیا ہوا؟" زیراس چونک کر بولا۔

"وہ سوراخ سے باہر نکل آئے ہیں۔ میرا تجربہ کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔" ہیرک نے دبے دبے جوش سے کہا اور زیراس اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اس نے چھ گھڑسواروں کو دیکھا تھا جو ہتھیاروں سے لیس اور سفر کی اشیاء کے ہمراہ سست رفتاری سے چلے آ رہے تھے۔ ان کی راہ میں درہ تھا جس کے ایک ٹیلے کے پیچھے یہ دونوں پوشیدہ تھے۔

ہیرک نے دور ہی سے اپنے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھ دیا اور زیراس سے بولا۔ "اپنے گھوڑے کو سنبھال کہیں اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل جائے۔ وہ ہماری قریب سے گزریں گے۔"

زیراس نے آگے بڑھ کر اپنے گھوڑے کی گردن پر بھی اس طرح ہاتھ رکھ دیا جس طرح ہیرک نے اپنے گھوڑے کی گردن پر رکھا تھا۔ دونوں گھوڑے خاموشی سے ہلکی ہلکی آوازیں نکالتے رہے ورنہ گھوڑوں کی عادت ہے کہ دوسرے گھوڑوں کو دیکھ کر وہ ضرور ہنہناتے ہیں لیکن اس طرح انہوں نے گھوڑوں کی آوازیں بند کر دی تھیں۔

آنے والے چھ سوار ان کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ گئے اور رفتہ رفتہ ان کی رفتار تیز ہونے لگی۔ ہیرک خونخوار نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"میرے خیال میں اب ہمیں ان کے پیچھے روانہ ہو جانا چاہیے۔" زیراس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہیرک کے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی وہ بھی اپنے گھوڑے کی پشت پر بیٹھ گیا تھا اور دونوں کے گھوڑے آہستہ آہستہ ٹیلے سے نیچے اترنے لگے۔ پھر انہوں نے درے میں آگے کا سفر شروع کر دیا۔

زیراس بالکل خاموش تھا۔ ہیرک نے اندازے کی بنا پر اپنے گھوڑوں کی رفتار سست کر رکھی تھی۔ پھر جب وہ ایک کھلے میدان میں پہنچے تو میدان کے آخری سرے پر انہوں نے ان چھ گھڑسواروں کو دیکھا جن کے گھوڑوں کے قدموں سے اڑنے والی دھول انہیں نہلائے دے رہی تھی۔ ان کی رفتار کافی تیز ہو گئی تھی چنانچہ ہیرک نے بھی اپنے گھوڑے کی پشت پر ہاتھ مارا اور زیراس بھی اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گیا۔ گھوڑے زقندیں بھرنے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد میدان کا یہ حصہ عبور ہو گیا۔ آگے چٹانی علاقہ تھا اور ابھری ہوئی نوکیلی چٹانیں تاحد نگاہ پھیلی ہوئی تھیں۔ یہاں گھوڑے بہت زیادہ برق رفتاری سے نہیں دوڑ سکتے تھے۔ آگے جانے والوں کی بھی یہی کیفیت تھی۔

ہیرک ان پر نگاہیں جمائے اپنے گھوڑے دوڑاتا رہا اور یہ سست رو سفر کئی گھنٹے جاری رہا۔ تب کہیں جا کر یہ چٹانی سلسلہ ختم ہوا اور اس کے بعد پھر ہموار میدان تھا۔ جگہ جگہ چھدرے چھدرے درخت نظر آ رہے تھے۔ کہیں کہیں پانی بھی موجود تھا لیکن چونکہ وہ ابھی نہیں رکے تھے، اس لیے ہیرک اور زیراس نے بھی اپنے گھوڑوں کو نہیں روکا اور وہ دونوں آگے سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شام جھک آئی اور پھر وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئے جہاں چٹانی غار نظر آ رہے تھے۔

جگہ جگہ یہ غار مختلف شکلوں میں موجود تھے۔ کہیں زمین میں، کہیں کسی چٹانی آڑ میں اور شاید ان لوگوں کو کوئی شبہ ہو گیا اور یہاں انہیں یہ اندازہ ہوا کہ کوئی ان کا تعاقب کر رہا ہے۔

ہیرک کے ساتھ ساتھ زیراس کو بھی پتہ چل گیا کہ آگے جانے والے ان کی

موجودگی سے باخبر ہو گئے ہیں اور اس کا سو فیصد یقین اس وقت ہوا جب کئی سنسناتی ہوئی گولیاں ان کے آس پاس سے نکل گئیں۔

ہیرک نے ایک غراہٹ کے ساتھ اپنے گھوڑے کی نشست چھوڑ دی تھی۔ اس نے پلٹ کر زیراس کو دیکھا تو اس کے حلق سے تحسین آمیز آواز نکل گئی کیونکہ زیراس نے اپنا گھوڑا نہیں چھوڑا تھا۔ البتہ وہ اپنے گھوڑے کے جسم کی آڑ میں تھا اور اس کا گھوڑا برابر دوڑ رہا تھا۔ ہیرک نے بھی اس کی تقلید کی اور اسی طرح دونوں گھوڑے ان گھوڑوں کے قریب ہونے لگے جو آگے جا رہے تھے۔

آگے ایک پہاڑی دیوار نظر آئی تھی۔ آگے کے چھ گھوڑوں نے فوراً ہی یہ دیوار عبور کر لی تھی۔

ہیرک اور زیراس کا گھوڑا جب دیوار کے دوسری طرف پہنچا تو ان دونوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ چھ گھوڑے ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے لیکن ان کے سوار نگاہوں سے اوجھل تھے۔

ہیرک ایک غراہٹ کے ساتھ ایک چٹان کی آڑ میں ہو گیا اور فوراً ہی اس نے اپنے گھوڑے کو بھی چھوڑ دیا۔ چاروں طرف گہرا سناٹا چھاتا جا رہا تھا۔ چھ گھوڑے نجانے کہاں اتر کر غائب ہو گئے تھے۔ غالباً انہیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی کی نگاہوں میں آ گئے ہیں اور اب شاید وہ ان چٹانی غاروں میں پوشیدہ ہو کر آنے والوں کا انتظار کر رہے تھے۔ ہیرک نے زیراس نے کہا۔

''تو عقب کی سمت نگاہ رکھ۔ ہم دونوں کو پشت سے پشت ملا کر رکھنا چاہیے تا کہ اردگرد سے باخبر رہیں۔''

زیراس اس صورتحال سے واقف تھا لیکن اب چاروں طرف گہرا سناٹا طاری تھا۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ رات اب پوری طرح چھا چکی تھی اور اس ویران علاقے میں کہیں کوئی آواز نہیں تھی۔ شاید ان لوگوں نے گھوڑوں کو چھوڑ کر بھاگ جانا مناسب سمجھا تھا یا پھر اپنی جان بچانے کے لیے غاروں میں چھپ گئے تھے۔ اس کا صحیح اندازہ کرنا مشکل تھا لیکن ہیرک کے اندر وحشت بیدار ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے غرائی ہوئی آواز

میں کہا۔

''اگر وہ لوگ نکل گئے تو ہم اس وقت کے سب سے بڑے خسارے سے دوچار ہوں گے۔''

''تیرا کیا خیال ہے ہیرک۔ کیا وہ لوگ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے؟''

''اس کا فیصلہ اس وقت کیا جا سکتا ہے جب ہمیں یہ اندازہ ہو جائے کہ نمباسیہ یہاں سے کتنی دور ہے۔'' ہیرک نے پرخیال انداز میں کہا اور زیراس بھی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔

''میرا اندازہ بھی یہی تھا کہ وہ نمباسیہ کو اس صورتحال سے آگاہ کرنے کے لیے نکلے ہیں۔''

ہیرک نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس کے بعد دونوں ہی خاموش ہو گئے تھے۔

پھر آہستہ آہستہ چاند نے سر ابھارا اور پراسرار علاقہ روشن ہونے لگا۔ ہیرک کی نگاہیں دور دور تک بھٹک رہی تھیں۔ دفعتہً ہی اس نے زیراس کا شانہ دبایا اور زیراس کے کیے ہوئے اشارے کی سمت دیکھنے لگا۔ دھندلی چاندنی میں انہوں نے ایک سائے کو اس طرف بڑھتے ہوئے دیکھا اور پھر چھ کے چھ گھوڑے یکجا ہو گئے تھے اور یہ ساتواں متحرک سایہ یقیناً کسی انسان کا تھا۔

زیراس نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور ہیرک نے آہستہ سے اشارہ کیا چنانچہ زیراس برق رفتاری سے آگے بڑھ گیا تھا۔ ہیرک دونوں گھوڑوں کو سنبھالے رہا تا کہ گھوڑوں کی آوازوں سے وہ ہوشیار نہ ہو جائیں۔

زیراس آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس سائے قریب پہنچ گیا اور اس کے بعد اس نے سائے پر چھلانگ لگا دی تھی۔ زیراس کی گرفت تھی، سایہ اس کے ہاتھوں میں تڑپ کر رہ گیا۔ زیراس کا ہاتھ اس کی گردن پر تھا اور دوسرا ہاتھ عقب سے اسے لپیٹے ہوئے تھا۔ زیراس نے اس کا منہ بند کر دیا تھا۔ پھر اس کے منہ سے غرائی ہوئی آواز نکلی۔

''تیرے حلق سے نکلنے والی ہلکی سی آواز تیرے لیے آخری آواز بن جائے گی

ورنہ بالکل خاموش رہ۔"

اس نے اپنی گرفت میں دبے ہوئے آدمی کو گھما کر اپنی طرف کرلیا اور وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے زیراس کو دیکھنے لگا تب زیراس بولا۔

"اور اب تو مجھے یہ بتائے گا کہ یہاں تو کس مقصد کے تحت آیا تھا؟"

"مم.......... میں...... میں" اس کے حلق سے آواز نکلی اور زیراس نے اس کی گردن پر انگلیوں کی گرفت سخت کردی۔ "تیری آواز صرف سرگوشی میں نکلنی چاہیے۔" اس نے کہا۔

"میں یہ گھوڑے اس چٹان تک لے جانے کے لیے آیا تھا جس کے عقب میں میرے ساتھی موجود ہیں۔"

اس نے ایک اونچی چٹان کی جانب اشارہ کیا اور زیراس نے صرف ایک لمحے سوچا پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "تو اب ان گھوڑوں کو لے کر اس چٹان کی جانب بڑھ اور ایک بات اچھی طرح سمجھ لے تو میری بندوق کے نشانے کی زد پر ہے۔ مرنا چاہتا ہے تو دوسری بات ہے میں تجھے روکوں گا نہیں لیکن اگر جینے کا خواہش مند ہے تو خاموشی سے یہ گھوڑے ان کے قریب لے جا۔ کیا تم لوگ یہاں سے فرار ہونا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔ ہم صرف یہ اندازہ لگا رہے تھ کہ تمہاری تعداد کتنی ہے؟" اس نے سرگوشی میں جواب دیا۔

"اور تم یہ اندازہ لگا چکے ہوں۔" زیراس مسکرایا۔ اس کے شکار نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تب زیراس نے اسے چھوڑ دیا اور بندوق کی نال کا رخ اس کی جانب کردیا۔

ہیرک کی تیز آنکھیں اس طرف کا جائزہ لے رہی تھیں جہاں زیراس اپنی کارروائی کر رہا تھا۔ جب وہ شخص گھوڑوں کی لگامیں پکڑ کر چٹان کی طرف چلا تو زیراس نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی اور پھر ایک مخصوص زاویئے سے وہ ہیرک کی طرف چل پڑا۔ جلد ہی وہ ہیرک کے پاس پہنچ گیا۔

"وہ لوگ اس بڑی چٹان کے عقب میں ہیں۔" زیراس نے آہستہ سے کہا۔

"اور اب فرار ہو رہے ہیں۔"

"ہاں بدحواسی میں انہوں نے گھوڑے بے یارومددگار چھوڑ دیئے تھے۔"

ہیرک نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اس نے اپنے گھوڑے کو آہستہ سے چمکارا۔ ان کے ساتھ ہی وہ زیراس سے بولا۔

"اب وہ مارے گئے۔" پھر وہ گھوڑے پر سوار ہوگیا اور اس نے ایک دوسری راہ اختیار کی لیکن جس جگہ وہ رکا یہ اس چٹان کا عقبی حصہ تھا اور دھندلی چاندنی نے پورا منظر پیش کردیا۔ وہ سب وہاں موجود تھے اور ان کا ساتھی گھوڑے لے کر پہنچ گیا۔ پھر اچانک ہی ہیرک نے ان پر جہنم کھول دیا اس کے ساتھ ہی وہ چیخا۔

"صرف چار مارنے ہیں سب کو ہلاک مت کرنا۔" کئی کراہیں ابھریں ان میں سے دو گھوڑوں پر سوار ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ زیراس کی بندوق سے صرف دو گولیاں چلی تھیں اور گھوڑوں پر سوار ہونے والے منہ کے بل نیچے آرہے تھے۔ زیراس نے گھوڑوں کو بھی نشانہ بنایا تھا اور اب دونوں گھوڑے پچھاڑیں کھا رہے تھے۔

ہیرک نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا دیا اور ان کے سروں پر پہنچ گیا جن لوگوں کو اس نے نشانہ بنایا تھا وہ گولیاں کھا کر دم توڑ رہے تھے اور وہ جو گھوڑوں سے گرے تھے، سہمے ہوئے زمین پر پڑے تھے۔ ہیرک کو دیکھ کر ان کی جان نکل گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہاں مکمل خاموشی چھا گئی۔ زندہ بچنے والے چاروں گھوڑے گولیوں کی آواز سے بدک کر دور بھاگ گئے تھے۔ ہیرک زمین پر پڑے دونوں آدمیوں کے سر پر پہنچ گیا۔

"اٹھو" اس کی سرد آواز ابھری اور وہ دونوں گرتے پڑتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"چلو آگے بڑھو" اس نے پھر کہا اور اپنا گھوڑا ان پر چڑھا دیا۔ دونوں دہشت زدہ ہو کر سرپٹ دوڑنے لگے۔ ہیرک انہیں ایک صاف ستھری جگہ لے آیا اور پھر وہ گھوڑے سے اتر گیا۔ ان سے قریب جا کر اس نے ان کی تلاشی کی اور دو لمبے چاقو نکال کر ایک طرف اچھال دیئے۔ ان کے بقیہ ہتھیار گر چکے تھے۔

"کہاں جا رہے تھے؟" اس نے سوال کیا۔

"سس..........سولیہ..........بب..........بستی۔"

"کیوں؟"

"وہاں ہمیں کام تھا۔"

"کیا کام تھا؟"

"ہمیں وہاں سے سامان خریدنا تھا، ہم تاجر ہیں۔" ایک ہی شخص جواب دے رہا تھا۔

"آگے آؤ۔" ہیرک نے حکم دیا اور وہ شخص آگے بڑھ آیا۔

"میری آنکھوں میں دیکھو۔" ہیرک بولا اور اس شخص نے دہشت بھری نظروں سے ہیرک کو دیکھا۔

"کہاں جا رہے تھے؟"

"گل خارا بستی۔" خوف کے عالم میں وہ پہلے بتایا ہوا نام بھول گیا اور دوسرے لمحے ہیرک کے داہنے ہاتھ کی انگلی سیدھی ہوئی اور سامنے کھڑے ہوئے شخص کی آنکھ میں گھس گئی۔ اس کی دلدوز چیخیں پہاڑوں میں گونجیں اور وہ ایک آنکھ پر ہاتھ رکھ کر نیچے گر پڑا۔ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

"میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بولنے کا انجام دیکھا۔" ہیرک نے دوسرے کانپتے شخص سے کہا اور پھر سرد لہجے میں اس سے بولا۔ "آگے آؤ۔"

"رحم ہیرک، رحم۔ مجھے معاف کر دے۔" دوسرے آدمی نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"آگے آؤ۔" ہیرک گرجا اور وہ جلدی سے آگے بڑھ آیا۔

"میری آنکھوں میں دیکھو۔" ہیرک نے کہا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے ہیرک کا چہرہ دیکھا تھا۔

زیراس دلچسپی سے ہیرک کی حرکات دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ شخص واقعی چالاک ہے۔ اس حالت میں تو کوئی پاگل بھی جھوٹ نہیں بول سکتا کیونکہ وہ اپنے ساتھی کا انجام دیکھ چکا تھا جو اب بھی موت اور زیست کی کشمکش کا شکار تھا۔

"تمباسیہ کہاں ہے؟"

"وادی بردانہ میں۔"

"تم اسے ہیرک کی اطلاع دینے جا رہے تھے؟"

"ہاں!"

"وادی میں وہ کیا کر رہے ہیں؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔"

"کیا وہ اسی وادی میں رہتا ہے؟"

"ہاں۔"

"کتنے لوگ اس کے ساتھ رہتے ہیں؟"

"تقریباً تیں۔"

"بستی میں وہ کیا کرتا ہے؟"

"بہت عرصے تک نہیں آتا۔ بس اس کے آدمی آتے رہتے ہیں۔"

"وادی بردانہ کہاں ہے؟"

"یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا اور ہیرک نے اچانک بندوق کا رخ بدل کر زمین پر گرے ہوئے شخص پر گولی چلا دی۔ اس کا جسم اکڑا، حلق سے آخری آواز نکلی اور پھر وہ ڈھیلا پڑ گیا۔

"تمباسیہ کتا وادی بردانہ میں ہے اور اس کے ساتھ تیں افراد ہیں۔ تیں افراد..........ہمیں زیادہ ہتھیاروں کی ضرورت پیش آئے گی لیکن فکر نہیں ان لوگوں نے ہمارے لیے بہت چھوڑا ہے..... بہت کچھ۔ آؤ اسے سمیٹ لیں۔ ہمارے کام آئے گا۔"

جو لوگ مر چکے تھے ان کی رائفلیں اب بے کار پڑی تھیں۔ ہیرک نے ایک بندوق اٹھائی اور زیراس کی طرف بڑھا کر بولا۔ "دیکھو زیراس.......... یہ ذی آنا کی ساخت نہیں ہے۔" زیراس نے بندوق دیکھی جو زیادہ کار آمد تھی۔

"ہاں یہ ذی آنا کی بنی ہوئی نہیں ہے۔"

"دشمن ان کے پشت پناہ ہیں۔ ان کی آبادیاں بھی بہت وسعت میں پھیلی

ہوئی ہیں اور وہ ذی آنا کے بارے میں کہانیاں سن سن کر یہاں آتے ہیں لیکن..........“

ضروری ہتھیار جمع کر لیے گئے۔ ہیرک نے اس آدمی سے کہا۔ ”اب تو ایک گھوڑے کو تلاش کر۔ تو ہمیں وادی بردانہ لے جائے گا اور یہ بھی سن اگر تجھے زندگی عزیز ہے تو اب تجھے ہمارا ساتھ دینا ہوگا۔“

”کچھ کہنا چاہتا ہوں ہیرک۔“ اس نے شخص نے پہلی بار کہا۔

”ضرور، ضرور۔“

”میں جینا چاہتا ہوں اور تیرے بارے میں ایک بات سنی ہے۔“

”کیا؟“

”تو سچ بولتا ہے اور سچے وعدے کرتا ہے۔“

”ہاں۔ میں سچ بولتا ہوں اور سچے وعدے کرتا ہوں۔“

”اگر تو مجھے زندگی دے دے تو میں ہر طرح تیری غلامی کروں گا۔ بس ایک بار تو وعدہ کر لے۔“

”یہ وعدہ میں تنہا نہیں کر سکتا۔ اگر میرا دوست تجھ سے وعدہ کر لے تو ٹھیک ہے وہ میرا وعدہ ہوگا۔“

”ہاں اگر یہ ہمارے ساتھ کام کرلے تو ہم اس کی زندگی نہ لیں گے۔“ زیراس نے کہا اور ہیرک مسکرا دیا۔

”اب ہم دونوں میں سے کسی کی گولی تیرے جسم میں پیوست نہ ہوگی۔“

سفر کے لیے دن کا انتظار نہ کیا گیا اور ان کے گھوڑے وادی بردانہ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں اس شخص نے دوسرے بہت سے انکشاف بھی کیے تھے۔

زیراس کو ان تمام معاملات سے کافی دلچسپی ہوگئی تھی۔ بس روتھن کا خیال اسے بے چین کر دیتا تھا۔

چاند کے ساتھ سفر جاری رہا اور پھر وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں زمین ختم ہو جاتی تھی۔ نیچے ڈھلان پھیلے ہوئے تھے جن میں رسوں کی سیڑھیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ ڈھلانوں سے اوپر آنے کا راستہ ان رسوں کی سیڑھیوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا اور اس

سایہ نما وادی میں مدہم روشنیوں کی ایک بستی آباد تھی جو رات کے اس آخری پہر میں غفلت کی نیند سوئی ہوئی تھی۔

ہیرک کے حلق سے قلقاریاں نکل رہی تھیں۔ اس نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔ ”زندگی سے ان سب، کا رابطہ منقطع کرنے سے پہلے ان بلندیوں سے ان کا رابطہ منقطع کر دیا جائے۔ تیرا کیا خیال ہے؟“

زیراس بھی گردن ہلاتا ہوا گھوڑے سے اتر گیا تھا۔

ہیرک کی خونی آنکھیں سوئی ہوئی بستی کا جائزہ لے رہی تھیں اور زیراس کو اس کی آنکھوں میں ایسی ہی چمک نظر آ رہی تھی جیسے کوئی بھوکا شیر سامنے چرتے ہوئے بے خبر شکار کا جائزہ لیتا ہے۔ پھر اس نے کمر سے خنجر کھینچتے ہوئے کہا۔

”دوست! رسیوں کی ان سیڑھیوں کو کاٹ کر ہم ان کے اوپر آنے کا راستہ بند کیے دیتے ہیں۔ انہوں نے چالاکی سے کام لے کر خود کو یہاں محفوظ کیا ہے لیکن ان کی یہی چالاکی ان کے لیے موت بن رہی ہے۔“ پھر اس نے اپنی کلہاڑی قیدی کو دیتے ہوئے کہا۔

”تو بھی ہماری مدد کر اور خبردار ذرا بھی آواز نہ پیدا ہو۔ اگر رسی کی سیڑھی کاٹتے ہوئے کوئی ہلکی سی آواز بھی تیری کلہاڑی سے پیدا ہوئی تو دوسری آواز تیرے حلق میں پیوست ہونے والی گولی کی ہوگی۔ سمجھ گیا نا اچھی طرح؟“

ہیرک کے لہجے کی غراہٹیں تو ہر شخص ہی اچھی طرح سمجھ جاتا تھا۔ اس شخص نے خوفزدہ انداز میں گردن ہلائی اور ہیرک کے ہاتھ سے کلہاڑی لے لی۔ ہیرک نے مسکراتی نگاہوں سے زیراس کو دیکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ موٹے رسوں سے بنی ہوئی سیڑھیاں جو بیک وقت کئی کئی افراد کا بوجھ سنبھال سکتی تھیں۔ اوپر لگی ہوئی میخوں سے لگی ہوئی تھیں ان میخوں کے پاس سے ان رسیوں کو کاٹا جانے لگا۔

زیراس نے بھی اس کے لیے اپنا کلہاڑا ہی استعمال کیا۔ پھر اس نے ہیرک کو دیکھا جو ایک رسی کی سیڑھی کو اوپر کھینچ رہا تھا۔ زیراس چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

خوابوں میں ڈوبی ہوئی بستی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اس وقت اس کی موت کا سامان ہو رہا ہے۔ ویسے زیراس کے خیال کے مطابق نمباسیہ نامی شخص جو کوئی بھی تھا عقل مند نہیں تھا۔ اس نے اس وادی کا انتخاب کر کے خود اپنے پیروں پر کلہاڑا مار لیا تھا۔ یہ وادی تو موت کی وادی تھی جہاں زندگی کے لیے کوئی جدوجہد ہی نہ کی جا سکے۔ یہ تو ایک بالکل بے کار شے تھی جس کا کوئی مصرف نہیں تھا۔ ہیرک خواہ مخواہ اپنی توانائیاں ایک بیکار مجہول بستی پر صرف کر رہا تھا۔

موٹے رسوں کی سیڑھیاں چاروں طرف ہی لٹکا دی گئیں تھیں اور یقیناً وہ لوگ ان کے ذریعے اوپر آنے جانے کی مشق رکھتے ہوں گے۔ ورنہ ان ناقابل عبور ڈھلانوں کو سیڑھیوں کے ذریعے عبور کرنا بھی خاصا مشکل کام تھا۔

ہیرک اپنے کام میں مصروف رہا۔ زیراس اور قیدی اپنا اپنا کام نہایت احتیاط سے کر رہے تھے۔ ہیرک نے نیچے سے کھینچی ہوئی ایک سیڑھی کا انبار اپنے سامنے لگا لیا اور اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ دوسری ان سیڑھیوں کی جانب متوجہ ہو گیا جنہیں اس نے کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ اس کام میں کافی وقت صرف ہو گیا اور پھر رسی کی آخری سیڑھی بھی کاٹ دی گئی۔

صبح کی روشنی آہستہ آہستہ پھوٹتی جا رہی تھی اور بستی روشن ہونے لگی تھی۔ ہیرک نے زیراس کے قریب پہنچ کر کہا۔

''دوست! ہر چند کہ اس شخص کی یہ مجال نہیں ہے کہ ہمارے ساتھ غداری کر سکے اور نمباسیہ کو اس صورتحال سے آگاہ کر سکے۔ اس کے باوجود کیا اسے اس کام پر مامور کیا جا سکتا ہے کہ یہ نمباسیہ کے خلاف گولیاں چلائے؟''

''تمہارا کیا خیال ہے اگر یہ ایسا نہ کرے تو پھر کیا کرنا چاہیے؟''

''میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے۔ یا تو ہم اسے گولی مار کر ہلاک کر دیں یا پھر اسے وادی میں اتار دیا جائے تا کہ یہ نمباسیہ کو اطلاع دے۔''

''نہیں......... ظاہر ہے وادی میں اترنے کے بعد اس کی زندگی محفوظ نہ رہ سکے گی۔ نمباسیہ اس نشاندہی کے جرم میں اسے ہلاک کر دے گا اور جہاں تک خود اسے

گولی مارنے کا تعلق ہے۔ میرے خیال میں یہ بدعہدی ہو گی تاہم اس سلسلے میں تو اگر کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہے تو میں تجھے روکوں گا نہیں۔''

ہیرک کے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ پھر اس نے اس شخص کو اشارے سے اپنے قریب بلایا اور سرد لہجے میں بولا۔

''نمباسیہ کے غلام آنے والے وقت کے بارے میں تو نے کوئی اندازہ لگایا؟''

''نہیں عظیم ہیرک۔ میں اتنا ذہین نہیں ہوں۔''

''تو پھر سن، یہ پیالہ نما وادی نمباسیہ کا قبرستان ہے اور یہاں جتنے لوگ موجود ہیں ان کے لیے موت مقدر کر دی گئی ہے۔ کیا انہیں موت کی آغوش میں پہنچانے کے لیے ہمارا ساتھ دے گا؟'' وہ شخص لرز گیا اس نے آہستہ سے کہا۔

''لیکن.........''

''یہی فیصلہ میں اور میرا ساتھی کر رہے تھے کہ تیرا ہلاک کر دینا مناسب ہوگا کیونکہ ایسے لمحات میں تو ہمارے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔'' وہ شخص زمین پر گر پڑا اور رو رو کر اپنی زندگی کی بھیک مانگنے لگا۔ اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

''عظیم ہیرک! زندگی سے تو میرا رشتہ کب کا ٹوٹ چکا ہے۔ میں بے شک نمباسیہ کا غلام نہیں رہ سکا۔ اب تک جو کرتا رہا ہوں اگر اس کی خبر نمباسیہ کو مل جائے تو تیرا کیا خیال ہے وہ مجھے زندہ چھوڑ دے گا اگر تو تسلیم کرے تو اس معاملے میں، میں تیرا ہی ساتھ دینا چاہتا ہوں تا کہ میری زندگی محفوظ رہے۔''

''اور اگر تو نے غداری کی تو؟''

''عظیم ہیرک سے غداری کر کے میں جانتا ہوں کہ زندہ نہ رہ سکوں گا جبکہ زندگی کی خواہش کا اظہار میں بار بار کر چکا ہوں۔''

''تو پھر سن، تو وہ گوشہ سنبھال لے۔'' ہیرک نے ایک سمت انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا پھر بولا۔ ''اور جب میں اور میرا ساتھی اپنے کام کا آغاز کریں تو تیرا بھی فرض ہو گا کہ وادی میں دوڑنے والوں کو گولیوں کا نشانہ بنائے۔''

''ہیرک کی خواہش پر میں یہ کام انجام دوں گا۔''

ہیرک نے اسے ہتھیار سونپ دیئے۔ غالباً وہ جھوٹ اور سچ کی پہچان رکھتا تھا اور پھر دلائل کی رو سے بھی اس شخص کا کہنا درست تھا۔ اگر وہ وادی والوں کو بچانے کی کوشش کرے گا تو ہیرک نہ سہی زیراس کے ہاتھوں مارا جائے گا۔

زیراس نے بھی ایک جگہ سنبھال لی تھی۔ ہیرک نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔

سورج مشرقی پہاڑیوں سے آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا اور بستی میں زندگی کے آثار پھیل گئے۔ پھر ہیرک کی رائفل نے پہلی گولی چلائی اور نیچے بستی والوں میں سنسنی پھیل گئی وہ وحشت زدہ نگاہوں سے اوپر دیکھنے لگے اور پھر ان کی نگاہیں ہیبت ناک ہیرک پر جا پڑیں۔ تبھی ہیرک کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔

''نمباسیہ کے کتو! سب سے پہلے تم نمباسیہ کو سامنے لاؤ۔ اس سے کہو ہیرک اس سے ملاقات کرنے کے لیے آیا ہے اور سنو اس کام میں لمحہ بھر دیر نہ ہو۔ وقت گزرا تو موت اس طرح تمہارا استقبال کرے گی۔'' یہ کہہ کر ہیرک نے ایک اور فائر کیا اور نیچے کھڑے ہوئے حیران لوگوں میں سے ایک شخص کی چیخ بلند ہوئی۔ اس کی پیشانی سے خون کا فوارہ بلند ہو گیا تھا اور وہ زمین پر اوندھے گر کر تڑپنے لگا تھا۔

بستی میں بھگدڑ مچ گئی تھی اور لوگ ادھر ادھر منہ اٹھا کر بھاگنے لگے تھے۔

ہیرک نے دو فائر اور کیے، اور مزید دو آدمی ہلاک ہو گئے۔ وہ اپنی رائفل کی ایک بھی گولی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چند لمحات کے لیے وہ سب نگاہوں سے روپوش ہو گئے تھے۔ ہیرک کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل ہوئی تھی اور زیراس خاموشی سے بستی والوں کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک اوسط درجے کے قد و قامت کا شخص باہر نکل آیا۔ دو آدمی اسے سہارا دیئے ہوئے تھے۔ ویسے وہ تو بیمار نظر آتا تھا نہ اپاہج تھا۔ غالباً ہیرک کا نام سن کر اس کی یہ حالت ہو گئی تھی۔ ہیرک نے اسے دیکھ کر ایک گرجدار قہقہہ لگایا۔

''آہ نمباسیہ! میرے دیرینہ دوست میں تیرے سامنے ہوں۔ پہچان مجھے، بڑی عیش و عشرت زندگی گزارتا رہا ہے تو اور مجھے دیکھ میں نے اپنی آدھی زندگی پہاڑی

ویرانوں میں بھٹکتے ہوئے گزار دی ہے۔ کیا خیال ہے جینا چاہتا ہے یا زندگی کی خواہش تمام ہوئی؟''

سامنے کھڑے ہوئے آدمی کے حلق سے دیر تک آواز نہ نکل سکی۔ اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ہیرک! تو کیا چاہتا ہے؟''

''جیراس کہاں ہے؟'' ہیرک نے سوال کیا۔

''میں نہیں جانتا۔'' نمباسیہ نے کہا اور ہیرک کی رائفل سے پھر کئی گولیاں نکلیں اور وہ دونوں آدمی ہلاک ہو گئے جو نیچے کھڑے ہوئے نمباسیہ کو سنبھالے ہوئے تھے۔ نمباسیہ کے جسم کی تھرتھری اتنی بلندی سے بھی صاف محسوس کی جا سکتی تھی ہیرک پھر غرایا۔

''نمباسیہ کتے! تو جانتا ہے کہ میں کسی بھی قیمت پر جیراس کو نہیں چھوڑوں گا۔ بہت عرصے عیش کر لی تم لوگوں نے اب موت کا مزا چکھو۔''

گولیوں کی مسلسل آوازیں سن کر نیچے بستی میں موجود لوگوں پر دہشت سوار ہو گئی تھی۔ وہ شاید سیڑھیوں کی تلاش میں بھاگے اور اس کے بعد چیخیں بلند ہونے لگیں۔ انہیں اب اندازہ ہوا تھا کہ ان کے اوپر جانے کے راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ وہ دہشت زدہ انداز میں ادھر ادھر دوڑنے لگے اور ہیرک شعلہ بار نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہا۔ پھر اس کے حلق سے ایک قہقہہ بلند ہوا۔

''دیکھ لے نمباسیہ! یہ وادی تیرا قبرستان بن گئی۔ یہاں تو نے اپنے آپ کو بہت محفوظ سمجھا ہو گا لیکن اب تیرا آخری وقت آ گیا ہے اگر اب بھی جیراس کی نشاندہی کر دے تو تجھے یہ زندگی بخشی جا سکتی ہے۔''

''آہ۔ تم نے سیڑھیاں کاٹ دیں ہیرک!'' نمباسیہ کراہا۔

''ہاں۔ میں زندگی کی طرف جانے والے ہر راستے کو بند کر چکا ہوں تیرے لیے نمباسیہ۔ بتا جیراس کہاں ہے؟''

''اگر میں تجھے یہ بتا بھی دوں تو، تو مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''ہو سکتا ہے نمباسیہ کہ میں خوش ہو کر تجھے زندہ چھوڑ ہی دوں لیکن مجھ پر کوئی

شرط عائد نہ کر، بتا جیراس کہاں ہے؟''

''میں تیرے پاس اوپر آنا چاہتا ہوں۔'' نمباسیہ نے کہا۔

''اس کے لیے میں نے انتظام کر رکھا ہے۔ پہلے اپنے آپ کو غیر مسلح کر دے اس کے بعد میں تجھے اوپر آنے کی اجازت دوں گا۔''

''میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔'' نمباسیہ نے کہا۔

ہیرک چند لمحے سوچتا رہا اور پھر اس نے وہ سیڑھی جو خاص طور سے اٹھالی گئی تھی دوبارہ نیچے پھینک دی۔ بہت سے لوگوں نے سیڑھی گرتی دیکھ کر اس کی طرف دوڑنے کی کوشش کی تھی لیکن ہیرک کے ساتھ ہی زیراس کی رائفل سے بھی کچھ گولیاں نکلیں اور ان میں دو تین نیچے گر پڑے باقی پلٹ کر پیچھے بھاگ گئے۔

نمباسیہ لرزتے قدموں سے سیڑھیوں کی جانب بڑھا اور پھر وہ سیڑھی چڑھتا ہوا اوپر آنے لگا۔ ہیرک اس سیڑھی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ جوں ہی نمباسیہ اوپر آیا، ہیرک نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے اوپر گھسیٹ لیا اور پھر اس کے لباس کی تلاشی لینے لگا۔ درحقیقت نمباسیہ کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا لیکن وہ وحشت زدہ نگاہوں سے ہیرک کی صورت دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کے حلق سے حیرت زدہ آواز نکلی۔

''ہیرک! یقیناً تو ہیرک ہی ہے لیکن ویسے کا ویسا، میں نے تو تیرے بارے میں بڑی کہانیاں سنی تھیں۔''

''وہ ساری کہانیاں ختم ہوگئی ہیں۔ جیراس کہاں ہے؟''

''دیکھ ہیرک! جیراس جہاں بھی ہے بے حد محفوظ ہے۔ تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا لیکن اگر تو مجھ سے اس کے بارے میں سوال نہ کرے تو بہتر ہے کیونکہ میں مارا جاؤں گا۔''

ہیرک نے خونی نگاہوں سے نمباسیہ کو دیکھا اور پھر انتہائی نفرت بھرے انداز میں بولا۔ ''نمباسیہ تو ہیرک کے سامنے ہے۔ بہتر ہے اپنی زبان کھول دے ورنہ جیراس تو مجھے مل ہی جائے گا۔ میں اپنی وحشتوں کو آواز نہیں دینا چاہتا۔ اس سے پہلے کہ میں تیرے ساتھ کوئی برا سلوک کروں، مجھے بتا دے جیراس کہاں ہے؟''

''وہ گل خارا میں ہے۔ وادی گل خارا اس کا مسکن ہے مگر اس وادی میں تو داخل نہیں ہو سکے گا وہاں دشمنوں نے اپنے لیے بہت کچھ کر رکھا ہے۔''

''ہاں، ہاں، بے شک، یقیناً انہوں نے اپنے لیے بہت کچھ کر رکھا ہوگا۔'' ہیرک نے عجیب سے انداز میں کہا۔

زیراس کی رائفل سے چند گولیاں پھر نکلیں۔ وہ ان لوگوں پر گولیاں چلا رہا تھا جنہوں نے ایک بار پھر موقع پا کر اس واحد رسی کی سیڑھی کی جانب بڑھنے کی کوشش کی تھی۔ ہیرک کے حلق سے قہقہہ نکل گیا۔

''ہاں۔ نمباسیہ! مجھے جیراس کی کہانی سنا۔ یہ ساری کہانیاں تو مجھے سنا دے۔ بہت عرصے تک میں ان کہانیوں سے دور رہا ہوں۔ جیراس دشمنوں کے لیے کیا کرتا ہے؟''

''آہ۔ کیا میری زندگی اپنے آخری مراحل تک پہنچ چکی ہے؟ کیسے زبان کھولوں ان کے بارے میں؟ وہ.......... وہ سب کچھ جانتے ہیں وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''اور میں تجھے ایک لمحہ زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مجھ سے بچ کر تو تو زندگی بچا بھی سکتا ہے لیکن اگر میرے ہی ہاتھوں تو موت کا شکار ہو جائے تو؟''

''نہیں نہیں۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔ موت کے بعد تو انسان کے لیے کچھ بھی نہیں رہ جاتا اس دنیا میں۔ سن جیراس وادی گل خارا میں ہی ہے، میں نے غلط نہیں کہا۔ ساحر گل خارا میں کچھ کر رہے ہیں۔ کیا؟ یہ میں نہیں جانتا لیکن جیراس اس کے ساتھ ہے اور اس نے تجھے بھی پیشکش کی تھی ہیرک لیکن تو نے ان کی ہم نشینی قبول نہ کی۔ جیراس کو دیکھ، عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔''

''بستی تو تیری بھی بہت ترقی یافتہ ہوگئی ہے نمباسیہ۔''

''ہاں ساحر ہمیں دنیا کی ہر شے مہیا کرتے ہیں۔ دیکھ ہیرک میں ایک بار پھر تجھے پیشکش کرتا ہوں۔ ساحروں کی ہم نشینی قبول کر لے۔ میں وعدہ کرتا ہوں تجھے ایک بہت بڑا باعزت مقام دلاؤں گا۔''

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، اچھا یہ بتا تو یہاں اس بستی میں کیا کر رہا ہے؟ خبر دار اگر جھوٹ بولا تو میں اس خنجر کی نوک سے تیرا یہ نرخرہ کاٹ دوں گا۔" ہیرک نے اپنا خنجر نمباسیہ کی گردن پر رکھ دیا اور نمباسیہ خوف سے تھوک نگلنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"میں ساحروں کے لیے روحوں کا کھیل رچاتا ہوں۔"

"تو مشینوں کے ذریعے یہاں روحوں کا چکر چلائے ہوئے ہے۔ بستی شالہ میں بھی ایسی ہی مشینیں لے جائی جاتی ہیں۔ ان سے رقص و موسیقی کی آوازیں نشر ہوتی ہیں اور پھر ان آوازوں پر جو بھی اس طرف آتا ہے اسے اغوا کر کے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔"

"ان مشینوں میں بڑی بڑی خوبیاں ہیں ہیرک۔ یہ ساحر مشینی جادوگر ہیں۔"

"ہوں، وہ مشینیں کہاں ہیں؟"

"ان میں سے چند نیچے وادی میں موجود ہیں اور باقی سب مختلف جگہوں پر لگا دی گئی ہیں۔ ہم لوگ ان مشینوں کے استعمال کا طریقہ سیکھ چکے ہیں ساحر ہم سے ہی یہ کام لیتے ہیں۔"

"جب تو جیراس مکمل طور پر ساحروں کے لیے کام کر رہا ہے لیکن میرے عزیز، میرے دوست ساحر یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"کیا یہ بات اتنی آسانی سے معلوم ہو سکتی ہے ہیرک؟ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ انہوں نے ہمیں زندگی کی ہر شے فراہم کر دی ہے اور ہم ان کی غلامی کر رہے ہیں۔"

"اور تو یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ ساحر ذی آنا کے دشمن ہیں، اس لیے ہم انہیں دشمن کہتے ہیں۔"

"ذی آنا میں تو بہت سے ایک دوسرے کے دشمن ہیں اگر ساحر ذی آنا سے کوئی دشمنی کر رہے ہیں تو ہم لوگ ذی آنا کو کیسے بچا سکتے ہیں؟"

"تجھ جیسے غدار ہی ذی آنا کے لیے موت کے پیامبر بن جاتے ہیں۔ خیر جیراس کو بھی دیکھ لوں گا میں اچھی طرح سے اور اب تیرا وقت ختم ہو گیا، جا واپس اپنی بستی میں چلا جا۔" ہیرک نے اچانک ہی پلٹ کر ایک زوردار لات نمباسیہ کے سینے پر رسید کی

تھی اور نمباسیہ زمین سے کئی فٹ اونچا اچھل گیا اور چونکہ وہ وادی کے کنارے پر تھا۔ اس لیے کنارے سے اچھل کر وہ وادی کی گہرائی میں جانے لگا۔ اس کے حلق سے ہولناک کراہیں نکل رہی تھیں۔ وہ چیختا ہوا نیچے جا رہا تھا اور اس کے بعد وہ وادی کی گہرائیوں میں ایک چٹان پر گر پڑا اس کا جسم پاش پاش ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہیرک نے پلٹ کر وادی کی بستی پر گولیوں کی بارش شروع کر دی۔ اس نے اس شخص کو بھی اشارہ کیا تھا جو اس وقت ان دونوں کا ساتھی بنا ہوا تھا۔

زیراس نے بھی بحالت مجبوری بندوق کا استعمال کیا تھا۔ نیچے نہتے لوگ جان بچانے کے لیے بھاگے پھر رہے تھے لیکن ہیرک جتنا وحشی تھا اس کے تحت زیراس جانتا تھا کہ وہ ان میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وادی میں لاشیں ہی لاشیں نظر آنے لگیں اور اس کے بعد کوئی آواز باقی نہ رہی۔

ہیرک آسودہ نگاہوں سے زمین پر بکھری ہوئی لاشوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور اب اگر ان میں سے کوئی زندہ بھی بچ گیا تو وہ دوبارہ وادی کی بلندیوں تک نہیں پہنچ جائے گا۔" اس نے خنجر سے اس آخری سیڑھی کے بعد بھی بند کاٹ دیئے اور سیڑھی نیچے جا گری۔ اس کے بعد اس نے زیراس کو اشارہ کیا اور وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔

خوفزدہ آدمی جوان کا ساتھ دیتا رہا تھا ان کے ساتھ ساتھ ہی آگے بڑھتا رہا۔

تھوڑے فاصلے پر پہنچنے کے بعد ہیرک رک گیا وہ شخص اور زیراس ہیرک کے پاس ہی تھے۔ تب ہیرک نے اس شخص کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سن نمباسیہ کے غلام تو نے دیکھ لیا کہ نمباسیہ مر چکا ہے اور اگر تو یہ بھی دیکھنا چاہتا ہے کہ جیراس کس طرح مرتا ہے تو ہمارا ساتھ دے اور اگر یہ سب کچھ دیکھنا تیرے لیے ممکن نہ ہو تو جا۔ چونکہ تجھ سے وعدہ کیا گیا ہے زندگی کا لیکن اس بات کو ذہن نشین کر لے کہ اگر تو نے غداری کی اور ان واقعات سے کسی کو باخبر کیا تو ہیرک تجھے زمین کی گہرائیوں میں سے بھی نکال لے گا اور تو جانتا ہے کہ ہیرک جھوٹ نہیں بولتا، وہ جو کہتا ہے کر دکھاتا ہے۔ چنانچہ تیرے حق میں یہ بہتر ہے کہ صرف وہاں جا جہاں تجھے زندگی مل

سکے لیکن اگر موت کی جانب جانا چاہتا ہے تو جہاں تیرا دل چاہے چلا جا۔ زندگی کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنی زبان بند رکھ۔"

"عظیم ہیرک اگر اس بات پر یقین کرنا چاہتا ہے تو ضرور کرے گا کہ میں اپنی زبان نہیں کھولوں گا کیونکہ میں کتے کی موت نہیں مرنا چاہتا۔"

"تو پھر بھاگ جا تیرا گھوڑا تیرے ساتھ ہے۔" ہیرک نے کہا اور وہ شخص ڈرتے ڈرتے اپنے گھوڑے کی جانب بڑھنے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے سوچ رہا ہو کہ ابھی عقب سے کوئی گولی آئے گی اور اس کا جسم نیچے گر پڑے گا لیکن کافی فاصلے پر نکل گیا تو پھر دفعتہً ہی اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ ہیرک کے حلق سے ایک قہقہہ نکل گیا تھا۔

زیراس خاموشی سے ہیرک کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ تب ہیرک نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہمیں جیراس کا پتہ مل گیا اور تو نے یہ بھی سنا کہ ساحر اس علاقے میں کچھ کر رہے ہیں۔ تو کیا ذی آنا کو ان کے بدنما چہرے والوں سے بچانا ہماری ذمے داری نہیں ہے؟"

"ہے۔" زیراس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"تو اس کے بعد بھلا اس بات کی کہاں گنجائش ہے کہ ہم اپنی بستیوں کی جانب واپس جائیں۔ چلو ہمیں وادی گل خارا کی طرف سفر کرنا ہے۔"

زیراس نے خاموشی سے گردن ہلا دی تھی۔

❁ ››› ❁ ❁ ››› ❁

یہ رہائش گاہ بھی چٹانوں میں بنی ہوئی تھی لیکن روتھن کو وہاں ضروریات زندگی کی ایسی ایسی چیزیں نظر آئیں کہ روتھن کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ ان چیزوں کو دیکھ کر روتھن نے سوچا کہ معاملہ بہت آگے کا ہے۔ بہرحال ان لوگوں کے خیال کے مطابق وہ ایک معصوم آدمی تھا اور روتھن خود کو یہی ظاہر کرنا چاہتا تھا۔

سیلان نے اسے یہاں تمام سہولتیں مہیا کر دی تھیں۔ کھانے کے لیے پھل اور دودھ مل جاتا تھا، گوشت یا کوئی پکی ہوئی چیز دستیاب نہ تھی۔ اس کے اطراف میں لوگ نظر آتے تھے لیکن سب کے سب وہی، ہر شخص خود کو جانور سمجھتا تھا اور جانوروں کی سی حرکتیں کرتا نظر آتا تھا۔

تین دن کے بعد سیلان کے پاس طلبی ہوئی۔ ایک سارس نے اسے اشاروں سے سیلان کے پاس چلنے کے لیے کہا تھا۔ پتھر کا انسان اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"تیرے ارادے میں کوئی تبدیلی تو نہیں ہوئی نوجوان؟"

"مقدس سیلان! جب سے تو نے مجھے ان لوگوں کی درد بھری کہانی سنائی ہے میں شدت غم سے دیوانہ ہو رہا ہوں۔ اب اس وقت تک میں سکون سے نہیں بیٹھوں گا جب تک سیمون کا خون نہ پی جاؤں۔ مجھے اس کی اجازت دے سیلان۔"

"ہاں۔ میں نے تجھے اجازت دینے کے لیے ہی بلایا ہے روتھن جانباز اور جو کچھ تجھے بتا رہا ہوں غور سے سن۔ میں نے تیری رہنمائی کے لیے چیتانہ کا انتخاب کیا ہے۔ وہ تجھے ایک وادی تک لے جائے گی جہاں نمباسیہ رہتا ہے اور نمباسیہ تیرا مددگار ہو گا، وہ تجھے ایسے لوگ دے گا جو تیرے مددگار ہوں گے۔"

''چیستانہ کون ہے؟''

''تو جلد اس سے مل لے گا لیکن ہوشیار رہنا، وہ بہت چالاک ہے۔''

''اطمینان رکھ سیلان، میرا نام بھی روتھن ہے۔''

''اس کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ تو نمباسیہ سے پورا پورا تعاون کرے۔ نمباسیہ تمہیں سیمون کے بارے میں جو ہدایات دے گا وہ تمہارے لیے بے حد کارآمد ہوں گی۔''

''مقدس سیلان نے جو کچھ کہا میں نے اسے بغور سنا۔ بے شک نمباسیہ کے بغیر سیمون کے خلاف کچھ کرنا میرے لیے ممکن نہ ہوگا اور میں اس سے بھرپور تعاون کروں گا لیکن مجھے نمباسیہ تک پہنچانے کا معقول بندوبست ضرور کیا جائے۔'' روتھن نے کہا۔

''اس کی تم بالکل فکر مت کرو چیستانہ تمہارے لیے بہترین رہبر ثابت ہوگی۔''

تھوڑی ہی دیر کے بعد سیلان کے پاس تین افراد پہنچ گئے اور انہوں نے اپنی گردنیں خم کر دیں۔

''چیستانہ تیار ہے؟'' سیلان نے سوال کیا۔

''ہاں پتھر کے دیوتا وہ تیار ہے۔''

''تو پھر نوجوان تو اپنے راستے پر جانے کے لیے تیار ہو جا۔ میری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔'' سیلان نے بھاری لہجے میں کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

روتھن مستعدی سے ان تینوں کے ساتھ باہر نکل آیا تھا اور وہ تینوں اسے لیے ہوئے بالآخر اس آبادی کے انتہائی سرے پر پہنچ گئے اور وہاں پہنچنے کے بعد جو راہبر روتھن کے سامنے لایا گیا اسے دیکھ کر روتھن کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

چیستانہ وہی لڑکی تھی جسے اس نے ان آبادیوں میں داخل ہونے کے بعد پہلی بار دیکھا تھا۔ یعنی وہ جو بلی کا روپ رکھتی تھی اور روتھن کے لیے ایک حیرت انگیز چیز تھی۔ حسین لڑکی نے اپنا حلیہ بگاڑ رکھا تھا ورنہ دیکھنے میں وہ بہت خوبصورت اور نوجوان تھی تاہم روتھن کو اس قسم کی لڑکیاں متاثر نہیں کرتی تھیں۔ وہ اس وقت بھی اسی حلیے میں تھی اور روتھن دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ ایک ایسی ہمسفر کے ساتھ اسے طویل سفر طے کرنا

پڑے گا جو عادتاً انسان نہیں ہے لیکن اس نے اپنے آپ کو سمجھا لیا۔ مقصد تو ان آبادیوں تک پہنچنا ہے جہاں پہنچنے کے بعد مزید پیش رفت کی جا سکتی ہے۔

روتھن کے ذہن کے مطابق سیلان جہنم میں جائے، سیمون دریا میں غرق ہو جائے، اسے اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ ہاں اگر کوئی الجھن تھی اس کے ذہن میں تو صرف زیرا کے سلسلے میں جو ایک بار پھر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

چیستانہ نے زمین پر دونوں پاؤں بلیوں کی طرح مارے۔ روتھن کی طرف دیکھا اور پھر آگے بڑھ گئی جیسے کہنا چاہتی ہو کہ وہ اس کے ساتھ آئے۔ روتھن ایک گہری سانس لے کر لڑکی کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔ ویسے اسے تعجب تھا کہ کھانے پینے کی کوئی چیز ساتھ نہیں لی گئی تھی۔ طویل سفر کیا یوں ہی کٹ سکتا ہے۔

لیکن اس کا یہ خیال تھوڑی ہی دیر کے بعد غلط ثابت ہو گیا۔ بستی کی ایک چٹان کے پاس پہنچ کر چیستانہ رک گئی۔ بلی کی طرح غرائی اور اس نے چٹان کی جانب اشارہ کیا۔ تب روتھن کی نگاہیں چٹان کے ایک رخنے کی جانب اٹھ گئیں جہاں بہت سا سامان رکھا ہوا تھا۔ پینے کے لیے پانی کے برتن جو خاصے وزنی تھے، اس کے ساتھ ہی خشک کیے ہوئے پھل اور ایسی ہی دوسری چند چیزیں جنہیں چیستانہ نے کافی مقدار میں اپنے جسم پر لاد لیا اور باقی کی طرف دیکھ کر روتھن کو اشارہ کیا اور روتھن نے اشارہ سمجھتے ہوئے وہ چیزیں خود سنبھال لیں۔

روتھن دل ہی دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ بظاہر تو بلی ہے لیکن انسانوں کی ساری باتوں کو اچھی طرح سمجھتی ہے یعنی وہ جانتی ہے سامان کا وزن تقسیم کر لینا چاہیے۔ ایک آدمی اتنا وزن نہیں اٹھا سکتا۔ روتھن نے ابھی کسی غلط بات کا مظاہرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا کم از کم اس بہانے سے اس وادی سے تو نکل جایا جائے۔ جس کے بارے میں اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا ہے اور کہاں تک ہے؟ یا یہاں سے مہذب آبادیوں تک پہنچنے کے راستے کون سے ہیں؟ راستے نظر آ جائیں تو اس کے بعد تو ان محترمہ سے با آسانی نمٹ لے گا۔

سفر جاری ہو گیا۔ بلی اس کی رہنمائی کر رہی تھی اور اس نے بڑے سیدھے

راستے منتخب کیے تھے۔ روتھن اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔

یوں سفر کی پہلی منزل، اس دن کی رات، ایسے پہاڑوں میں ہوئی جہاں کوہانی شکل کی چٹانیں جگہ جگہ ابھری ہوئی تھیں اور ان چٹانوں کے درمیان گھاس کے طویل و عریض قطعے نظر آ رہے تھے۔ چیستانہ ہی نے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ اب سفر کا وقت ختم ہو گیا ہے اور یہاں قیام کیا جانا چاہیے۔ روتھن نے اپنا سامان بھی چیستانہ کے سامان کے ساتھ کھول کر رکھ دیا۔ لڑکی خاموشی کے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں سنبھالنے لگی تھی اور پھر اس نے خشک پھل روتھن کے سامنے دونوں ہاتھ پر رکھ کر پیش کیے اور روتھن نے شکریہ کے ساتھ انہیں قبول کر لیا۔ یہاں روتھن اپنی خاص طبیعت کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا چنانچہ لڑکی کے ساتھ اس کا رویہ بے حد نرم اور دوستانہ تھا۔ پھر کھانے پینے سے فارغ ہونے کے بعد اس وقت جب رات کی ٹھنڈی ہواؤں نے ماحول میں ایک پرمسرت اور خوشگوار کیفیت پیدا کر دی تھی، روتھن نے ایک پتھر پر سر رکھ کر لیٹتے ہوئے کہا۔

''آہ کاش! تم انسان ہوتیں تو ہم گفتگو کرتے۔ میں تمہیں ذی آنا کے ان علاقوں کی کہانیاں سناتا جہاں محبت اور زندگی کروٹ بدلتی ہے۔ جہاں پہنچنے کے بعد انسان سب کچھ بھول جاتا ہے اور اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ صرف محبت کرے۔ تم تو یہ بھی نہیں سمجھ سکتیں چیستانہ کہ محبت کیا چیز ہوتی ہے؟ انسان اگر دنیا میں محبت سے رشتہ قائم نہیں رکھتا تو یقینی طور پر اس دنیا میں رہنے کی آرزو اس کے دل میں ختم ہو جاتی مگر چھوڑ، میں تجھ سے کیا بات کروں؟ کیا سناؤں تمہیں گلفشاریہ کے بارے میں جو پھولوں کی سرزمین ہے اور وہاں اتنے پھول ہیں کہ انسانوں کا ان کے درمیان سے بچ نکلنا ممکن نہیں ہوتا۔ گلفشاریہ اور اگر میں تمہیں گلفشاریہ کی ماریہ کی کہانی سناؤں تو شاید تم اسے سن کر پاگل ہی ہو جاؤ۔ ماریہ وہاں محبت کا نشان سمجھی جاتی ہے اور تمہیں کیا معلوم ماریہ نے اپنے محبوب کے لیے کیا قربانیاں دی تھیں؟ کہا جاتا ہے کہ وہاں محبت کے پودے اگتے ہیں جن کے پھول تین رنگوں کے ہوتے ہیں۔''

روتھن خاموش ہو گیا چیستانہ اس کے چہرے کی جانب اس طرح متوجہ تھی۔ جیسے تمام باتیں غور سے سن رہی ہو اور انہیں سمجھ بھی رہی ہو لیکن جب روتھن سے نگاہ ملی تو

اس نے اپنے حلق سے بلیوں کی سی چند آوازیں نکالیں اور روتھن کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

چیستانہ بار بار اپنے پیروں کی سرسراہٹوں سے روتھن کو احساس دلاتی رہی کہ وہ جاگ رہی ہے لیکن اس کے بعد روتھن اس کی جانب متوجہ نہیں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اس کو نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ دوسری صبح جب وہ جاگا تو چیستانہ کھانے پینے کی اشیاء ٹٹول رہی تھی۔

وقت کچھ اور آگے بڑھا اور سورج نے سر ابھار لیا۔ تب روتھن اپنی جگہ سے اٹھا اس نے چھاگل سے پانی لے کر چند چھینٹے اپنے منہ پر مارے اور اس کے بعد پھلوں سے پیٹ بھرنے لگا۔

چیستانہ نے اپنے آپ کو کاموں میں مصروف رکھا تھا۔ وہ روتھن کی جانب متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ پھر اس نے سامان اپنے شانوں پر لادا اور روتھن کی طرف دیکھنے لگی۔ روتھن نے خود بھی سامان اٹھا لیا اور دوسرے دن کے سفر کا آغاز ہو گیا۔ چیستانہ اس کی رہنمائی کر رہی تھی۔

سخت موسم، گرد اور دھوپ نے بہت تھکن پیدا کر دی تھی لیکن وہ سفر کر رہے تھے۔ بسا اوقات روتھن نے چیستانہ کے انداز میں بھی تکلیف کے آثار دیکھے تھے لیکن وہ رکی نہیں البتہ شام کو تقریباً اس وقت جب سورج ڈھلنے کے بالکل قریب تھا۔ چیستانہ رک گئی اس کے چہرے سے تھکن نمایاں ہو رہی تھی۔

جس جگہ وہ رکے تھے وہاں روتھن نے پانی کا ایک چشمہ دیکھا اور یہ چشمہ دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے سامان اتار کر پھینکا اور لباس سمیت پانی میں چھلانگ لگا دی۔ چیستانہ مسرت بھری نگاہوں سے روتھن کو پانی میں نہاتا دیکھ رہی تھی۔ روتھن نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

''میں چشمے سے باہر نکل آؤں تو اس کے بعد تم بھی اپنے جسم کی گرد اور جلد درست کر لو۔ شاید تمہیں اس بات کا احساس نہیں کہ اگر تم اس مٹی کے غبار سے نکل آؤ تو ذی آنا میں تمہاری پوجا شروع کر دی جائے۔ ذی آنا کے لوگ حسن پرست ہوتے ہیں

اور کسی حسین لڑکی کے لیے زندگی دے دینا ان کے لیے معمولی بات ہوتی ہے میں بھی ذی آنا کا باشندہ ہوں۔ تمہاری عزت وتوقیر کرتا ہوں کاش تم انسانوں کی مانند سوچ سکتیں اور محسوس کر سکتیں تو میں تمہیں بتاتا کہ میری نگاہوں میں تمہارا کیا مقام ہے؟ دنیا کے بے شمار ممالک میں تم جیسی حسین لڑکی کا وجود نہ ہوگا۔ پانی میں غسل کر لو اور اس کے بعد ایک نئی صورت کو جنم دو جس کی پوجا ذی آنا میں کی جا سکے۔ ذی آنا کی حسینائیں بھلا تمہارے اس حسن کی برابری کیسے کر سکتی ہیں؟ لیکن افسوس نجانے کیوں تم نے یہ جانوروں والے حلیے بنا لیے ہیں؟'' روتھن کہتا رہا اور چیستانہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

روتھن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی نگاہیں لڑکی کے اندر ابھرنے والے اضطراب کا جائزہ لے رہی تھیں اور وہ محسوس کر رہا تھا کہ لڑکی درحقیقت وہ نہیں ہے جو خود کو ظاہر کرتی ہے۔ روتھن کو یقین تھا کہ اگر سفر کے لیے دو چار دن اور مل گئے تو وہ اس لڑکی کو راہ راست پر لانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

لڑکی مغموم سی ایک گوشے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ روتھن اس کے قریب پہنچا اور اس نے انگلی سے پانی کی جانب اشارہ کیا تو چیستانہ نے ویران سی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''تمہاری آنکھوں کی ویرانی اس بات کا مظہر ہے کہ تم انسانوں سے دور نہیں ہو اور انسانوں کی مانند رہنا چاہتی ہو۔ اپنے ذہن پر چڑھا ہوا خول اتار دو اور انسان کی جون میں آ جاؤ۔ یقین کرو اس سے تمہیں بے پناہ فائدے حاصل ہوں گے تم ذی آنیوں کی محبت کی کہانیاں نہیں جانتیں۔ ان کے جذبات نہیں سمجھتیں لیکن میں تمہیں ان کی کہانیاں سناؤں گا۔''

لڑکی نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے گھٹنوں میں سر جھکا کر اپنے دونوں ہاتھ چہرے کے گرد باندھ لیے تھے۔ روتھن کھانے پینے کی اشیاء ٹٹولتا رہا اور پھر انہیں ایک جگہ رکھتا ہوا بولا۔

''گلفشاریہ میں محبت کرنے والے اس وقت تک کچھ نہیں کھاتے جب تک ان کا محبوب شکم سیر نہ ہو جائے۔ پھولوں کی سرزمین میں جب چاند آسمان سے کافی نیچے اتر آتا ہے اور وہ اپنے محبوب کے سامنے ہوتے ہیں تو بعض اوقات وہاں قربانیوں کی رسم بھی

ادا کی جاتی ہے۔ جانتی ہو یہ رسم کیا ہوتی ہے؟'' لڑکی نے ایک دم چہرہ اوپر اٹھا دیا تھا۔ روتھن نے آہستہ سے کہا۔

''محبوب اپنے جسم کا خون لڑکی کے رخسار پر لگاتا ہے اور اسے دنیا کی سب سے حسین عورت تسلیم کر لیتا ہے۔ کاش! ذی آنا کے نوجوان تجھے دیکھیں اور اس روپ میں دیکھیں جو تمہارا اصل روپ ہے لیکن افسوس کس نے تمہیں حیوانگی کی جانب مائل کر دیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ تمہاری یہ حیوانیت ختم ہو جائے۔''

چیستانہ کے انداز میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی۔ وہ آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی چشمے کی جانب بڑھ گئی۔ پھر وہ چشمے میں اتر گئی تھی۔

روتھن کا دل اچھل پڑا۔ اسے امید نہیں تھی کہ اس کی کوشش اتنی جلدی کامیاب ہو جائے گی لیکن وہ لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو پانی میں کلیلیں کرتی پھر رہی تھی اور کافی دیر کے بعد جب وہ غسل کر کے نکلی تو روتھن کا اندازہ غلط نہیں نکلا۔ وہ ایک حسین ترین لڑکی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''ذی آنا کے نوجوان مجھے ذی آنا کی محبت کی کہانیاں سناؤ۔ آہ۔ یہ کہانیاں کتنی دلکش ہوں گی۔''

''اوہ چیستانہ تم .... تم بول رہی ہو۔ تم انسانوں کی مانند ہی ہو۔ ناممکن، ناممکن۔ کیا میری محبت کا پودا اس قدر جلد زمین سے پھوٹ آیا۔ میں کیسے یقین کر لوں کہ تم بول رہی ہو؟ اس انوکھی سرزمین کی دیوی! تمہیں شاید اس بات کا اندازہ نہیں کہ تم کس قدر حسین ہو اور کوئی بھی تمہیں دیکھ کر دیوانہ ہو سکتا ہے۔''

''میں خود دیوانی ہو گئی ہو روتھن! میں خود پاگل ہو گئی ہوں۔'' چیستانہ نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

''تمہیں بولتے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دیوی ربابہ اپنے مسکن سے نیچے اتر آئی ہو اور اس نے اس زمین پر چمکدار ستارے بکھیر دیئے ہوں۔ تمہاری آواز کس قدر دلکش ہے چیستانہ! کہیں یہ سب کچھ میرا وہم تو نہیں ہے؟''

''نہیں روتھن! میں تھک گئی ہوں۔ میں ان حالات سے تھک گئی ہوں۔ جو زندگی میں گزار رہی ہوں، تم دیکھ چکے ہو، وہ انسانوں کی زندگی نہیں ہے۔ مجھے جانور بنا دیا گیا ہے اور میں جانور بن کر خوش نہیں ہوں۔'' چیستانہ نے جواب دیا۔

''تمہیں کس نے جانور بنا دیا ہے چیستانہ؟'' روتھن نے لوہا گرم دیکھ کر ضرب لگائی۔

''یہ ایک طویل کہانی ہے، سنادوں گی میں تمہیں۔ اب تم سے کوئی چیز چھپانا ممکن نہیں ہے۔''

''میں تمہاری پوجا کرتا ہوں چیستانہ۔ تمہیں دنیا کی سب سے حسین لڑکی تصور کرتا ہوں اور تم نہیں جانتیں کہ تمہیں اس انداز میں دیکھ کر میرے دل پر کیا بیتتی تھی؟ میں بہت غم سے سوچتا تھا کہ نجانے تمہارے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہو گیا لیکن تم اتنی جلدی میری خواہشوں کی تکمیل کر دو گی اس کا مجھے گمان بھی نہیں تھا۔''

''میں نے کہا نا میں بھی اب اس زندگی سے اکتا گئی ہوں۔ لاؤ مجھے کھانے کے لیے کچھ دو میں بھوکی ہوں، بری طرح سے تھک گئی ہوں۔''

روتھن نے جلدی جلدی پھل نکالے اور اس کے سامنے رکھ دیئے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک جگہ صاف کر کے چیستانہ کے آرام کے لیے جگہ بنا دی تھی۔ وہ بہت زیادہ والہانہ پن کا اظہار کر رہا تھا تاکہ لڑکی اچھی طرح متاثر ہو جائے۔ وہ بے چاری کیا جانتی تھی کہ اس کا واسطہ ایک انوکھے بچھو سے پڑا ہے۔

چیستانہ نے شکم سیر ہونے کے بعد روتھن کی صاف کی ہوئی جگہ پر آرام کے لیے ڈیرہ ڈال دیا۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے روتھن کو دیکھ رہی تھی۔

''کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا، سیلان بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ میں تمہارے سامنے اس طرح ہار جاؤں گی۔''

''نہیں چیستانہ یہ ہار نہیں جیت ہے۔ تم نے ذی آنا کے ایک باشندے کا دل جیت لیا ہے۔ میں.......... میں تمہیں ایک دیوی کی مانند سمجھتا ہوں جس کی مقدس پوجا کر کے انسان کو سکون ملتا ہے۔''

''مجھے ذی آنا کی کہانیاں سناؤ، کتنی حسین کہانیاں ہوتی ہیں وہ۔ پھول مجھے بے حد پسند ہیں لیکن جس زندگی میں مجھے لے آیا گیا ہے اس میں تم دیکھو گے کہ کانٹوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میں جانوروں کی مانند جی کر بہت تھک چکی ہوں اور اب یا تو مر جانا چاہتی ہوں یا پھر انسانوں کی مانند زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں۔''

''تمہیں ان میلوں کی داستانیں کیا معلوم چیستانہ جہاں حسین رقاصائیں اپنے فن کا مظاہرہ کرتی ہیں اور ہمت کرنے والے ان کے لیے پاگل ہو جاتے ہیں۔ چیستانہ! پھولوں کے درمیان سفید لومڑیوں کے گروہ در گروہ گھومتے نظر آتے ہیں تو یہ کائنات حسین سے حسین تر ہو جاتی ہے۔''

روتھن اسے الٹی سیدھی کہانیاں سناتا رہا لیکن ان کہانیوں کی ترتیب میں محبت کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ایک عورت کا دل جب محبت کے لیے کشادہ ہوتا ہے تو پھر اس میں محبت کی اتنی کہانیاں سما جاتی ہیں کہ انسان کی سوچ سے باہر ہوں۔ وہ عجیب وغریب کہانیاں چیستانہ کو سناتا رہا اور چیستانہ کی آنکھیں نشے میں ڈوب گئیں۔ اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

''مجھے پھولوں کی ان وادیوں میں لے چلو روتھن۔'' وہ بہت زیادہ نڈھال ہو گئی تھی۔ روتھن اس کی صورت دیکھتا رہا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے سرد آہ لے کر کہا۔

''لیکن چیستانہ جو ذمے داری سیلان نے تمہارے سپرد کی ہے وہ پوری نہیں کرو گی۔''

''نہیں، اب بالکل نہیں، اب مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں...... میں ان لوگوں سے غداری کرنے پر مجبور ہوں روتھن۔ اب میں اس کے علاوہ کچھ نہیں کروں گی کہ تمہارے ساتھ ان پھولوں کی وادیوں میں پہنچ جاؤں۔ میرا انجام کچھ بھی ہو میں وہیں مرنا چاہتی ہوں۔''

''تو پھر اطمینان رکھو میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا چیستانہ! میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ ذی آنا کے باشندے اپنے قول کے پکے ہوتے ہیں۔ تم مرو گی نہیں یہ میرا

وعدہ ہے۔ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن مجھے ان لوگوں کے بارے میں کچھ تو بتاؤ؟ مجھے پتہ تو چلے کہ وہ کون لوگ ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ سیلان کون ہے؟''

''پتھر کا دیوتا! درحقیقت پتھر کا دیوتا نہیں ہے۔'' چیستانہ نے جواب دیا۔

''نہیں ہے۔''

''ہاں۔ وہ ایک خاص طریقے سے اپنے آپ کو پتھر کے خول میں چھپا لیتا ہے اور تمہیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ وہ ذی آنا ہی کا باشندہ ہے۔''

''ذی آنا کا باشندہ ہے؟'' روتھن نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں۔ اس کا اصل نام جیراس ہے۔ جیراس بہت عرصے پہلے ساحروں کا آلہ کار بن گیا تھا اور اس نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ سرزمین ذی آنا پر ان کی حکومت کرا دے گا۔ ایک طویل سلسلہ ہے روتھن، ایک لمبی کہانی ہے۔''

''تو پھر تم مجھے یہ کہانی سناؤ، میں ان کہانیوں کو سننا چاہتا ہوں۔''

''ان کہانیوں میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس وہ دولت کے رسیا ہیں۔ تمہارے ان پہاڑوں میں معدنیات کے ذخائر بھرے پڑے ہیں اور وہ ان ذخائر کی جانب لالچ بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ بہت سے ہیں۔ انہوں نے خفیہ راستے سے اس جانب کا سفر کیا اور یہاں پہنچ گئے۔ وہ جانتے ہیں کہ سرزمین ذی آنا کے جیالے بندوق کی گولیوں سے زیر نہیں ہوتے لیکن اگر ان میں روحوں کا جال بچھا دیا جائے تو پھر وہ اس جال میں بآسانی گرفتار ہو سکتے ہیں۔''

''روحوں کا جال؟''

''ہاں۔ ایسی ناقابل یقین چیزیں جو ذی آنیوں کو متاثر کر سکیں اور وہ ایسی مشینیں لے کر یہاں پہنچے جن کے ذریعے ذی آنا کے باشندوں کو توہمات میں مبتلا کیا جائے۔ ان مشینوں سے وہ موسیقی نشر کرتے ہیں اور اس موسیقی کے وجود کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ تب معصوم لوگ اس موسیقی کی آواز کو سنتے ہوئے آگے بڑھ آتے ہیں اور انہیں اغوا کر کے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح روحوں کی کہانیاں عام ہوئیں اور لوگ ان علاقوں سے ڈرنے لگے جن علاقوں پر وہ تسلط چاہتے تھے۔

''جیراس ان کا آلہ کار بن گیا۔ انہوں نے جیراس کو پیشکش کی کہ اگر وہ ان کی بقاء کے لیے کام کرے اور ان کے مقصد کی تکمیل میں ان کی مدد کرے تو اسے پورے ذی آنا کا حکمران بنا دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں انہوں نے جیراس کے سامنے جو تجاویز پیش کیں وہ یہی تھیں کہ جیراس سیمون کو ہلاک کرا دے اور ان اطراف میں مکمل طور پر اپنی حکومت قائم کر لے تو وہ اس سلسلے میں اس کی پوری مدد کر سکتے ہیں اور جیراس ان کا غلام ہو گیا ہے۔ وہ ذی آنا کے باشندوں کے مزاج کو سمجھنے کے بعد انہیں بتاتا ہے اور ان کے ذریعے ذی آنا پر اپنی حکمرانی کے خواب دیکھ رہا ہے۔''

''لیکن یہ سب کچھ کس لیے ہو رہا ہے؟''

''کہا نا وہ معدنیات کے ذخائر تلاش کر رہے ہیں۔ قیمتی سفید دھات سمجھتے ہو؟''

''قیمتی سفید دھات؟'' روتھن پرخیال انداز میں بولا۔

''ہاں۔ ایک انتہائی قیمتی سفید دھات جو تلدبہ کے پہاڑوں میں چھپی ہوئی ہے اور ان دنوں وہ اسی سفید دھات کو وہاں سے نکال رہے ہیں۔ تلدبہ کی پہاڑیوں میں اس دھات کے بڑے بڑے ذخائر ہیں اور وہ ان ذخائر کو بڑی محنت سے حاصل کر کے ذی آنا سے باہر پہنچا رہے ہیں۔''

''تلدبہ!'' روتھن نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔

''ہاں۔''

''تم میرے بارے میں اپنے دل میں کیا خیال رکھتی ہو چیستانہ؟''

''تم بہت دلکش ہو، تمہاری باتیں اتنی خوبصورت ہوتی ہیں کہ آدمی جانے کہاں سے کہاں پہنچ جائے۔''

''تو کیا تم میری ایک خواہش پوری کر سکتی ہو؟''

''کیا؟''

''مجھے تلدبہ لے چلو۔ مجھے دکھاؤ کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں انہیں دیکھوں گا اور اس کے بعد ہم وہاں سے بہت دور کا سفر کریں گے۔ میں تمہیں وادی لے

جاؤں گا جو گلاب کے پھولوں کی وادی ہے۔ جب موسم بہار آتا ہے تو وہاں گلاب کے اتنے پھول کھلتے ہیں کہ انسان ان میں سو جائے۔ ہوائیں اپنے دوش پر بھینی بھینی خوشبو لیے پرواز کرتی ہیں اور ان کے درمیان ننھے منے خوبصورت خرگوش کلیلیں بھرتے پھرتے ہیں۔ ہم وہیں اپنی ایک جھونپڑی بنالیں گے اور تم گلاب کے پھولوں کے درمیان زندگی بسر کرسکو گی۔‘‘

’’آہ۔ کتنا روح پرور منظر پیش کیا ہے تم نے۔ میں...... میں گلاب کی اس وادی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔‘‘ چیستانہ کے لہجے سے شوق جھلک رہا تھا۔

’’لیکن اس وقت جب تم مجھے وادی تلدبہ دکھا دو گی۔‘‘

’’یہ تمہاری شرط ہے؟‘‘

’’نہیں آرزو اور یہ پہلی آرزو ہے جو میں نے تم سے کی ہے۔‘‘ وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

’’لیکن وہاں خطرات بھی بہت ہیں۔‘‘

’’تم ذی آنا کے اس معمولی سے انسان کو دلیر پاؤ گی۔‘‘

’’لیکن تم اگر ضد نہ کرو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔‘‘

’’لیکن میں اس سلسلے میں تم ضد کرتا ہوں۔ بس ایک بار ان ذخائر کی زیارت کرا دو جو ہمارے علاقے سے لے جائے جا رہے ہیں، اس کے بعد میں تم سے کسی اور شے کی فرمائش نہیں کروں گا۔‘‘

چیستانہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ’’ٹھیک ہے اگر تم وہ جگہ دیکھنا چاہتے ہو تو میں تمہیں دکھا دوں گی کیونکہ وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ بس ہمیں تھوڑا سا رخ تبدیل کرنا پڑے گا۔‘‘

’’کس طرف؟‘‘

’’ہمیں مشرقی سمت سفر کرنا پڑے گا جبکہ ہم اب تک مغربی سمت جاتے رہے ہیں۔‘‘

’’نمباسیہ اس وادی میں کیا کر رہا ہے؟‘‘

’’نمباسیہ کے پاس وہ تمام مشینیں موجود ہیں جو روحیں منتشر کرتی ہیں۔ وہاں ہمارے بھی تین آدمی کام کرتے ہیں اور نمباسیہ ان کی مدد کرتا ہے۔ نمباسیہ کے ذریعے تم سیمون کے خلاف کام کر سکتے ہو جو ابھی تک نہیں ہو پایا۔ شاید تمہارا ایک ساتھی بھی ان لوگوں کے ساتھ ہے۔ تم دونوں اگر مل جاؤ تو یقینی طور پر وہاں سیمون کو ہلاک کر سکتے ہو لیکن اب ہمیں سیمون کی ہلاکت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ روتھن! ہم اپنی دنیا الگ ہی بسائیں گے۔‘‘

’’یقیناً وادی تلدبہ سے ہم سیدھے اپنے گھر کا رخ کریں گے۔ نہ تم نمباسیہ کے پاس جاؤ گی نہ میں سیمون کو ہلاک کروں گا، نہ اپنے کسی ساتھی کی پرواہ کروں گا۔ بس اس کے بعد ہم اپنی الگ دنیا بسائیں گے اور وادی میں ہمارا چھوٹا سا خوبصورت ایک گھر ہوگا جس کے اطراف میں گلاب کے پھولوں کے جھنڈ ہوں گے کیا خیال ہے تمہارا؟‘‘ روتھن نے پوری طرح اپنی لچھے دار باتوں میں اسے جکڑ لیا تھا۔

’’آہ۔ کتنا خوبصورت منظر ہوگا۔ صبح کو جب سورج نکلا کرے گا تو میں اس گھر کے دروازے پر آکر کھڑی ہو جایا کروں گی۔ گلابوں کی بھینی بھینی خوشبو فضا میں منتشر ہو گی اور میں ان کے درمیان کسی تتلی کی طرح اڑتی پھروں گی۔‘‘ چیستانہ نے مست لہجے میں کہا اور روتھن زور زور سے گردن ہلانے لگا۔ چیستانہ خوابوں میں گم ہو گئی تھی۔

’’روتھن! ہم ایک مخصوص فاصلے تک تو آزادی سے سفر کر سکتے ہیں لیکن اس کے بعد ہمیں ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہونے کے لیے دراڑوں اور سرنگوں میں سفر کرنا ہوگا۔‘‘

’’یہ تم پر منحصر ہے۔ میں تو صرف تمہارے حکم کی تعمیل کروں گا۔‘‘

چیستانہ مسکرا دی تھی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ’’جب تم نے پہلی بار مجھے بلی کے روپ میں دیکھا تھا تو میرے ساتھ ایک شرارت کی تھی۔‘‘

’’کیا؟‘‘ روتھن نے معصوم بنتے ہوئے کہا۔

’’تم کتے کی طرح بھونک کر میری طرف لپکے تھے۔‘‘

’’ہاں۔‘‘ روتھن ہنس پڑا۔

''اور میں خوفزدہ ہو کر درخت پر چڑھ گئی تھی۔''

''ہاں۔''

''ہمیں اس کی ہدایت کی گئی تھی۔''

''وہاں جتنے لوگ جانوروں کے روپ میں نظر آتے ہیں کیا وہ سب مصنوعی جانور ہیں؟''

''تو تمہارا کیا خیال ہے؟ انسان کو جو حیثیت بخشی گئی ہے کیا وہ اس سے مختلف ہو سکتا ہے؟''

''لیکن وہ لوگ تو اس طرح اپنا کام کرتے ہیں کہ اندازہ بھی نہیں ہو پاتا کہ وہ مصنوعی جانور ہیں۔''

''ہاں۔ وہ سب تربیت یافتہ ہیں اور جانتے ہیں کہ کون سا جانور کس انداز میں حرکتیں کرتا ہے۔ وہ سب اس کی نقل کرتے ہیں۔''

''کیوں۔ آخر کیوں؟''

''اس لیے کہ اگر ذی آنا کا کوئی بھولا بھٹکا اس طرف آ نکلے تو اس انوکھی وادی کو دیکھ کر خوفزدہ ہو جائے اور اس کے بعد دوبارہ اس طرف کا رخ نہ کرے۔'' چیستانہ نے بتایا اور روتھن پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

کافی سفر طے کرنے کے بعد بالآخر وہ ایک بڑی اور چوڑی دراڑ کے پاس پہنچ گئے اور پھر چیستانہ نے کہا۔

''اب ہمیں یہاں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔'' روتھن نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی تھی۔ بعد کا سفر انتہائی محتاط انداز میں گزرا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی اور ماحول دھندلاہٹوں کا شکار ہو گیا لیکن اس بار انہوں نے یہ سفر ترک نہیں کیا تھا۔

چیستانہ نے کہا تھا کہ اب وہ جگہ زیادہ دور نہیں ہے جہاں وادی تلد بہ ہے اور جہاں پہاڑوں کی گہرائیوں میں وہ لوگ زمین کی کھدائی کر رہے ہیں۔

چیستانہ نے روتھن کو اس تمام صورتحال کے بارے میں بتایا تھا جو وہاں پیش آ سکتی تھی۔ وادی کی گہرائیوں میں، پہاڑوں کے دامن میں، سفید دھات کے ذخائر موجود

تھے اور وہاں لوگ کھدائی کر رہے تھے۔ روتھن بغور سنتا رہا تھا اور بہت کچھ سوچتا رہا تھا۔

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

رات کی تاریکیاں چاروں طرف پھیل گئیں تھیں اور وہ ایک دراڑ میں اوپر کی جانب سفر کر رہے تھے۔ چیستانہ نے بتایا کہ ان پہاڑیوں کا اختتام اس وادی میں ہوتا ہے جن کے دامن میں وہ کانیں موجود تھیں۔

وہ ان چٹانوں کو طے کرتے رہے اور بالآخر اس جگہ پہنچ گئے جہاں ان کا اختتام ہوتا تھا۔ نیچے وادی میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی لیکن تاروں کی چھاؤں میں وہ نیچے ہونے والی حرکات وسکنات کا جائزہ لے سکتے تھے۔ نیچے کچھ افراد نظر آ رہے تھے خاص قسم کے سفید سفید خیمے لگے ہوئے تھے جن میں غالباً ان کی رہائش گاہیں تھیں۔

روتھن اوپر کھڑا ان کا جائزہ لیتا رہا اس کے ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

''ان وادیوں سے باہر جانے کا کوئی راستہ تو ہوگا؟''

''ہاں۔ انہوں نے چٹانوں میں سرنگیں بنا رکھی ہیں۔''

''سرنگیں؟''

''ہاں۔ ان سرنگوں کو دریا تک لے جایا گیا ہے اور ان کی تمام آمد ورفت دریا ہی کے ذریعے ہوتی ہے۔''

روتھن رخسار کھجاتے ہوئے کچھ سوچتا رہا۔ آسمان پر چاند ابھرتا آ رہا تھا۔ روتھن ایک جگہ منتخب کر کے وہاں بیٹھ گیا تو چیستانہ نے کہا۔ ''کیوں، یہاں بہت دیر رکنے کا ارادہ رکھتے ہو؟''

''ہاں۔ یہاں کی صورتحال کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔''

''وہ لوگ اس علاقے کی کڑی نگرانی کرتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم محافظوں کی نگاہوں میں آ جائیں۔''

''کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو لیکن اگر ہو بھی گیا تو ہمیں یہاں سے نکلنے میں دقت نہ ہوگی۔'' چیستانہ خاموش ہو گئی۔

پھر جب چاند وادی پر ابھرا تو دفعتہً ہی اس کی روشنی وادی میں اتر گئی اور اس کے بعد جو منظر روتھن کی نگاہوں کے سامنے آیا وہ ناقابل یقین تھا۔ چاند کی روشنی نے سفید دھات کو منور کر دیا تھا۔ دھات کے ذخائر چمک رہے تھے۔

روتھن سحرزدہ سا روشنی کے اس سحر کو دیکھنے لگا۔ وہ لوگ سفید دھات کے پتھر جو خام حیثیت رکھتے تھے، نکال نکال کر ایک جگہ بار کر رہے تھے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد روتھن نے ایک ٹرالی دیکھی جو ایک سرنگ سے باہر آئی تھی۔ انہوں نے وہ پتھر اس ٹرالی پر بار کرنا شروع کر دیئے۔ روتھن نے آہستہ سے چیستانہ سے کہا۔

''کیا ہم اس طرف سے گھوم کر اس جگہ تک نہیں پہنچ سکتے جس کے بارے میں تم نے کہا ہے کہ وہاں دریا ہے؟''

''پہنچ سکتے ہیں۔'' چیستانہ نے جواب دیا۔

''تو ذرا آؤ اس طرف بھی دیکھ لیں۔''

چیستانہ کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے الجھن کے آثار نظر آئے لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش ہوگئی کہ کہیں روتھن اسے بزدل نہ سمجھے۔

اور اس کے بعد وہ بہت ہی احتیاط سے ایک ایک قدم آگے بڑھانے لگے۔ ان کا رخ اس جانب تھا جہاں یہ وادی کی دیوار ختم ہوتی تھی۔ وہاں تک کا فاصلہ طے کرنے میں انہیں کافی وقت صرف ہوگیا۔

چاند آہستہ آہستہ آگے سفر کر رہا تھا پھر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں روتھن کو دریا کے پتھروں سے سر پٹخنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے اس جگہ پہنچنے کے بعد نشیب میں جھانکا۔ کافی خوفناک گہرائی تھی۔ اس نشیب میں اس نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر روتھن کی آنکھیں فرط حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ سرنگ سے ٹرالی باہر نکل رہی تھی اور سرنگ کے دہانے کے پاس ایک چھوٹا جہاز لنگر انداز تھا۔ گویا اسی جہاز کے ذریعے یہ دھات یہاں سے باہر لے جائی جا رہی تھی۔

روتھن کو ایک لمحے کے لیے اپنے جسم میں سنسنی سی دوڑتی محسوس ہوئی۔ اس کے ذی آنا کی معدنی دولت ذی آنا سے باہر جا رہی تھی۔ ذی آنا کے باشندے معصوم تھے کہ

ذی آنا میں ملنے والی معدنی دھات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے لیکن اب یہ دولت ان بیرونی انسانوں کے قبضے میں بھی نہیں جانی چاہیے۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب ذی آنا میں بھی تہذیب کا راج ہوگا۔ ذی آنا کے باشندے اس علاقے کو اپنی تحویل میں لینے کے بعد اس سے ملنے والی دولت سے خود فائدہ اٹھانے کے قابل ہو جائیں گے۔

بار بار روتھن کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ کاش سرزمین ذی آنا کے لوگ بھی ان تمام جدید وسائل سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہو جائیں جو بیرونی دنیا کو حاصل ہیں۔ اس کے بعد ذی آنا کی حیثیت ہی بدل جائے گی لیکن اس وقت یہ سب کچھ دیکھ کر اس کے جذبات بھڑک اٹھے تھے۔ کچھ بھی ہو جائے ان لوگوں کو اس کارروائی کو ختم ہونا چاہیے۔

ابھی وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ دفعتہً اسے عقب سے کچھ آہٹیں سنائی دیں اور وہ چونک کر پلٹا لیکن دیر ہو چکی تھی۔ تین افراد جنہوں نے شاید انہیں دیکھ لیا تھا۔ بڑی احتیاط سے ان کی جانب آ رہے تھے۔ روتھن اور چیستانہ نے بھی ان تینوں کو دیکھ لیا۔ وہ تینوں اتنے قریب آ گئے تھے کہ اب ان کی گرفت سے بچنا مشکل تھا اور پھر دفعتہً ہی انہوں نے ان پر چھلانگ لگا دی تھی۔ اس موقع پر روتھن کی برق رفتاری کام آئی تھی۔ چھلانگ لگانے والوں میں سے ایک جیسے ہی اس کے قریب پہنچا روتھن دفعتہً جھکا اور پھر اس نے نجانے کس طرح اس شخص کا لباس پکڑ لیا اور ایک زوردار جھٹکے سے اسے آگے کھینچ کر خود پیچھے ہٹ گیا۔ چونکہ روتھن بالکل کنارے پر کھڑا ہوا تھا، اس لیے وہ شخص خود کو سنبھال نہ سکا اور اس کی ہولناک چیخ فضا میں ایک لکیر سی بناتی ہوئی نیچے کی جانب جانے لگی۔

چیستانہ نے بھی روتھن کی یہ کارروائی دیکھی اور دوسرے لمحے اس نے بھی وہی عمل دہرایا حالانکہ اس پر حملہ آور شخص نے اسے دبوچ لیا تھا لیکن چیستانہ ایک دم نیچے گری اور اس نے دونوں پیروں پر رکھ کر حملہ آور کو دوسری جانب اچھال دیا۔ تیسرے حملہ آور نے عقب سے روتھن کے ہاتھ پکڑ لیے تھے اور اس پر اپنی قوت صرف کر رہا تھا۔ تب روتھن نے آہستہ سے کہا۔

''او جوان، او شیر، میں تیری گرفت میں آ گیا ہوں اب میں کوئی مزاحمت نہیں

کروں گا لیکن آہ۔ میرے بازو تو چھوڑ دے دیکھ تیرے پیروں کے نیچے کیا رینگ رہا ہے؟'' روتھن کے الفاظ نے ایک لمحے کے لیے اس شخص کی توجہ ہٹالی تھی کہ روتھن نے وہی ترکیب اس پر بھی آزما ڈالی اور دوسرے لمحے تیسرا آدمی بھی دریا جا پڑا۔ اس کے بعد ان لوگوں کے لیے یہاں رکنا ممکن نہ رہا تھا۔ ظاہر ہے مرنے والوں کی چیخیں سن لی گئی ہوں گی۔ دوسرے لوگ بھی اس جانب متوجہ ہو سکتے تھے چنانچہ روتھن نے چیستانہ کا ہاتھ پکڑا اور وہ برق رفتاری سے واپسی کے لیے دوڑنے لگے۔ چیستانہ نے وحشت زدہ لہجے میں کہا۔

''ذرا سنبھل کر۔ یہاں قدم قدم پر گڑھے موجود ہیں اور اگر ہمارا پاؤں کسی بھی گڑھے میں پڑ گیا تو پھر ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ ہمیں کہاں لے جائے گا۔''

روتھن نے اس بات کو ذہن میں رکھا اور اس کے بعد کافی محتاط انداز میں دوڑنے لگا۔ وہ اپنے چاروں طرف آوازیں سن رہے تھے۔ پھر وہ بہ مشکل تمام اس دراڑ میں پہنچ گئے جو نیچے کی جانب جاتی تھی۔

دراڑ میں تیز رفتاری سے دوڑ ناممکن نہ تھا۔ کوئی بھی لمحہ ان کے لیے موت کا لمحہ بن سکتا تھا لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ ایک جانب روتھن دوڑنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا اور دوسری طرف چیستانہ بھی اس سلسلے میں کسی سے کم نہیں تھی اور اس کی پھرتی کو روتھن اس وقت دیکھ چکا تھا جب بلی کی حیثیت سے وہ ایک اژدہے سے جنگ کر رہی تھی۔

وادی کے نشیب تک پہنچنے میں انہیں کافی مشکلات پیش آئیں لیکن اس کے بعد جب سپاٹ اور ہموار زمین ملی تو انہوں نے اپنے جسم کے جوہر دکھانا شروع کر دیئے لیکن یہ جوہر اس وقت ماند پڑ گئے جب انہوں نے گھوڑے ہنہنانے کی آوازیں سنی تھیں۔

گویا ان کا باقاعدہ تعاقب کرنا شروع کر دیا گیا تھا اور یہ تعاقب گھوڑوں پر بیٹھ کر کیا جا رہا تھا۔ پھر دوسری مصیبت یہ تھی کہ تیز چاندنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور ماحول اس چاندنی میں نمایاں ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ان کا دیکھ لیا جانا یقینی ہو گیا تھا تاہم روتھن اور چیستانہ نے ہمت نہ ہاری اور وہ تیز رفتاری سے دوڑتے رہے۔

کافی دور جانے کے بعد روتھن نے پلٹ کر دیکھا تو اسے گھڑ سواروں کا ایک

غول اپنی جانب دوڑتا نظر آیا۔ ظاہر ہے گھوڑوں کے مقابلے میں بھاگنا ان کے لئے ناممکن تھا چنانچہ روتھن عقابی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ کوئی ایسی جگہ چاہتا تھا جہاں وہ ان گھڑ سواروں کی نگاہوں سے محفوظ ہو جائیں۔ ایسی جگہ تو نہ ملی لیکن اچانک ہی انہیں ایک اور نشیب نظر آ گیا اور یہ نشیب ایک تنگ ترین دہانے میں داخل ہو رہا تھا۔ روتھن اس دہانے میں داخل ہو گیا۔ اس نے چیستانہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا حالانکہ اسے چیستانہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن اس وقت وہی اس کی رہبر تھی جبکہ روتھن ان راستوں سے واپسی کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔ اتنا اندازہ اسے ضرور ہو گیا تھا کہ چیستانہ ان لوگوں کی شریک کار رہنے کی وجہ سے اس علاقے کے چپے چپے سے واقف ہے۔ چیستانہ بھی زندگی کے لیے جدوجہد کر رہی تھی اور کسی بھی لمحے اس نے اپنے آپ کو روتھن سے پیچھے نہیں رکھا تھا۔

اس تنگ دہانے میں داخل ہوتے ہی روتھن نے ایک ایسی جگہ منتخب کر لی جو ایک پتھر کی آڑ میں تھی اور یہاں اس نے چیستانہ کو زور سے کھینچ کر ان لوگوں کی نگاہوں سے بچا لیا۔

گھڑ سوار بھی برق رفتاری سے اس جانب آ رہے تھے چونکہ یہ جگہ تنگ تھی اس لیے گھڑ سوار یہاں زیادہ تعداد میں نہیں داخل ہو سکتے تھے۔ روتھن نے دو دو گھوڑوں کو قطار میں آگے بڑھتے دیکھا ان کے درمیان کافی فاصلہ تھا پہلے دو گھوڑے گزر گئے۔ اس کے بعد دوسرے پھر تیسرے اور پھر چوتھے، آٹھ گھوڑے گزر چکے تھے۔ روتھن کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ گھڑ سوار کتنے ہیں لیکن وہ اپنے طور پر کوئی کارروائی اپنے ذہن میں سوچ چکا تھا۔ اس کے بعد مزید دو گھڑ سوار گزرنے لگے اور روتھن نے احتیاط سے ان کے عقب میں جھانکا۔ ان گھڑ سواروں کے پیچھے اور کوئی سوار موجود نہ تھا چنانچہ روتھن تیار ہو گیا۔ گھڑ سوار تنگ دہانے کی وجہ سے ذرا سست رفتاری سے اندر داخل ہوئے تھے اور وہی لمحہ ان کے لیے موت کا لمحہ بن گیا۔ چیستانہ سمجھنے بھی نہ پائی تھی کہ کیا ہوا لیکن روتھن نے اپنی جگہ سے دونوں گھوڑوں پر چھلانگ لگا دی تھی۔ گھڑ سواروں کے حلق سے ہلکی ہلکی آوازیں نکلیں اور وہ دونوں نیچے گر پڑے۔ روتھن نے انہیں دبوچ لیا تھا۔ چیستانہ نے اس موقع پر اپنے

آپ کو پیچھے نہ رکھا اور اس نے بھی نیچے چھلانگ لگا دی۔ روتھن ایک گھڑ سوار کے سینے پر چڑھا اس کی گردن دبا رہا تھا۔ چیستانہ نے دوسرے گھڑ سوار کو سنبھال لیا تھا۔ وہ اسے روتھن کی طرح زیر تو غالباً نہیں کر سکتی تھی لیکن پتھر کا ایک ٹکڑا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ جسے اس نے اٹھا کر پوری قوت سے گھڑ سوار کے سر پر دے مارا اور اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی سے بند کر دی۔ گھڑ سوار چند لمحے کے لیے تڑپا اور اس کے بعد سرد ہو گیا۔

دوسری جانب روتھن گھڑ سوار کی گردن دبا کر اسے ہلاک کر چکا تھا اور اس کے بعد اس کے لباس کی تلاشی لے رہا تھا۔ اس نے گھڑ سوار کے لباس سے ایک لمبا شکاری چاقو اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ پھر اس نے چیستانہ کی طرف دیکھا جو اپنا کام کر چکی تھی۔

''چیستانہ اپنے مقتول کی کلہاڑی اور خنجر اپنے قبضے میں کر لو۔'' چیستانہ نے ایسا ہی کیا۔ دونوں گھوڑے جن کی پشت اب خالی ہو چکی تھی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر جا کر رک گئے تھے۔

روتھن برق رفتاری سے ان کی جانب بڑھا۔ چیستانہ نے بھی اس کا تعاقب کیا تھا اور اس کے بعد روتھن ان میں سے ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس نے چیستانہ سے کہا کہ وہ دوسرے گھوڑے پر سوار ہو جائے اور اس کے بعد دونوں گھوڑے آگے بڑھنے لگے۔ چیستانہ نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''لیکن اس طرح تو ہم ان کی نگاہوں میں آ جائیں گے۔''

''نہیں۔ وہ ابھی یہ بات نہیں سوچ پائیں گے کہ ان کے دو ساتھیوں کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ ہم ان کے تعاقب میں اس طرح چلیں گے جیسے انہی کے آدمی ہوں اور کوئی بھی مناسب جگہ دیکھ کر اپنا راستہ تبدیل کر دیں گے۔''

''لیکن یہ بہت خطرناک ہے۔''

''ہمارا یہاں رکنا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے چیستانہ۔'' روتھن نے کہا اور گھوڑے آگے بڑھنے لگے۔

کافی دور جانے کے بعد یہ دراڑ کھل گئی اور گھوڑے کھلے میدان میں پہنچ گئے

تھے۔ روتھن نے یہ دیکھ کر سکون کی ایک گہری سانس لی کہ آگے جانے والے گھوڑے منتشر ہو کر بہت دور نکل گئے ہیں۔ غالباً وہ ان دونوں کو ان اطراف میں تلاش کر رہے تھے۔ روتھن نے اپنے گھوڑے کو بھی اوپر پہنچا دیا اور چیستانہ اپنا گھوڑا اس کے ساتھ لے آئی۔ اس کے بعد روتھن تیز رفتاری سے آگے چلتا رہا۔ اس کی نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں اور پھر اس نے ایک ایسی جگہ پالی جدھر سفر کر کے وہ ان گھڑ سواروں سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ چنانچہ اس نے اپنے گھوڑے کی لگامیں موڑ دیں اور چیستانہ کو بھی ساتھ آنے کا اشارہ کر کے گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا۔

''گھوڑے دوڑاؤ چیستانہ۔ ہمیں ان کی گرفت سے دور نکل جانا ہے۔'' چیستانہ نے اپنے گھوڑے کو ہاتھ مارا اور گھوڑا ہوا ہو گیا۔ روتھن کا گھوڑا بھی تیزی سے دوڑ رہا تھا اور ان بقیہ گھوڑوں سے ان کا فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ لوگ کسی سمت کا تعین کیے بغیر دوڑ رہے تھے اور شاید چیستانہ بھی راستہ فراموش کر چکی تھی۔ اس وقت ان کے سامنے جان بچانے کا مسئلہ تھا۔

''کیا ان کے پاس آتشیں ہتھیار نہیں ہیں؟ ہم نے جن دو گھڑ سواروں کو نیچے گرایا تھا ان کے پاس سے بھی صرف ایک کلہاڑا اور خنجر برآمد ہوئے۔''

''ہاں۔ انہیں آتشیں ہتھیار استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''وجہ؟'' روتھن نے سوال کیا۔

''وجہ میں نہیں جانتی۔''

گھوڑوں پر بیٹھے ہوئے گفتگو کرنا مشکل ہو رہا تھا چنانچہ اس کے بعد روتھن خاموش ہو گیا۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ گھوڑے عقب میں ان کا تعاقب کر رہے ہیں۔ غالباً انہیں صورتحال کا اندازہ بخوبی ہو گیا تھا لیکن آسانی سے ان تک پہنچ جانا ممکن نہ تھا۔ روتھن نے اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کر لیا تھا کہ اگر وہ قریب آ بھی جائیں تو ان سے دست بدست جنگ کی جائے۔ یوں یہ گھوڑے آگے پیچھے دوڑتے رہے۔

کافی فاصلے پر پہنچنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ اب ان کے اطراف میں گھڑ سوار موجود نہیں چنانچہ روتھن نے اپنے گھوڑے کی رفتار سست کر دی۔ گھوڑے بھی

انتہائی تیز دوڑنے کی وجہ سے ہانپنے لگے تھے۔ روتھن نے گھوڑوں کو سست رفتاری سے آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''چیستانہ۔کیا تم اس راستے کا اندازہ لگا سکتی ہو؟''

''نہیں۔شاید میں راستہ بھول چکی ہوں اور ویسے بھی ہم کسی سمت کا تعین کر کے نہیں دوڑے تھے۔''

''خیر......... چلتی رہو۔صبح کی روشنی میں ہم راستے کا اندازہ لگائیں گے۔''

اس کے بعد گھوڑوں کی رفتار سست ہی رکھی گئی تھی اور پھر وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں درختوں کی بھرمار تھی۔

یہ درخت ایک بہت بڑے وسیع علاقے کا احاطہ کیے ہوئے تھے درختوں کے نیچے پہنچنے کے بعد انہیں پانی نظر آیا۔گھوڑوں ہی نے اس سمت رہنمائی کی تھی۔ایک چھوٹا سا تالاب نما چشمہ تھا جو آہستگی سے بہتا ہوا کہیں دور نکل جاتا تھا۔ چیستانہ نے ایک دم کہا۔

''ہاں۔اب ہم نمباسیہ کی وادی کے آس پاس ہیں لیکن ہمیں نمباسیہ کی وادی کا رخ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نمباسیہ کو ہمارے اس فرار کا علم ہو گیا ہو۔ویسے بھی جس وقت سے ہم نے سفر کا آغاز کیا ہے اس وقت سے اب تک ہمیں نمباسیہ کی وادی میں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ہم وہاں نہیں پہنچے تو یقیناً ہمارے بارے میں یہ یقین کر لیا گیا ہوگا کہ ہم نے غداری کی ہے۔''

گھوڑے پانی پیتے رہے۔روتھن گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔رات کا آخری پہر چل رہا تھا اور اب روشنی بے نور ہوتی جا رہی تھی چنانچہ یہ اندازہ لگانے میں مشکل پیش نہ آئی کہ صبح بالکل قریب ہے۔

روتھن کو سفید دھات کی وہ وادی یاد آ رہی تھی وہ اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔کھانے پینے کی اشیاء اب بھی ان کے پاس موجود تھیں اور تھیلے ان کے جسموں سے بندھے ہوئے تھے۔سخت بھوک لگ رہی تھی۔روتھن نے چیستانہ سے اس سلسلے میں کہا تو وہ بھی ہنس کر بولی کہ وہ بھی بھوک کی شکار ہے اور رات کی خوراک وقت

سے پہلے ہضم ہو چکی ہے۔خشک میوے اتنی مقدار میں ان کے پاس اب بھی موجود تھے کہ وہ کئی دن ان سے کام چلا سکتے تھے چنانچہ تھیلوں میں ہاتھ ڈال کر یہ میوے نکالے اور شکم سیری کر لی گئی۔ پھر انہوں نے پانی پیا اور اس کے بعد یہ سوچنے لگے کہ اب یہاں سے کس سمت کا رخ کرنا چاہیے۔

وادی نمباسیہ سے دوسری طرف کافی آگے بڑھنے کے بعد وہ شمالہ بستی پہنچ سکتے تھے۔روتھن نے تجویز پیش کی کہ بستی شمالہ تک پہنچ جایا جائے اور پھر اس کے بعد وہاں سے آگے کے بارے میں سوچا جائے گا۔ چیستانہ نے کہا۔

''یہاں سے میں تمہیں با آسانی بستی شمالہ لے جا سکتی ہوں لیکن میرا کیا ہوگا؟''

''تم فکر کیوں کرتی ہو۔ میں تمہیں وعدے کے مطابق وادی لے جاؤں گا اور اس کے بعد ہماری زندگی بہت پرسکون گزرے گی۔'' چیستانہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔

اس کے بعد انہوں نے شمالہ کی طرف سفر کا آغاز کر دیا۔

یہ سفر ایک دن اور ایک رات تک جاری رہا تھا۔

دوسری رات کی چاندنی میں انہیں ایک بار پھر سنبھلنا پڑا۔ دو گھوڑ سوار اچانک ان کے سامنے آ گئے تھے اور اس طرح آئے تھے کہ ان کے لیے چھپنے کی کوئی جگہ بھی نہ تھی۔ چیستانہ تو بری طرح خوفزدہ ہو گئی تھی لیکن روتھن کا چہرہ قابل دید تھا کیونکہ ان میں سے ایک زیراس تھا۔

زیراس کے ساتھ جو شخص گھوڑے پر سوار تھا وہ کینہ توز نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا اور اس کا ہاتھ بندوق پر تھا۔

''کون ہے تو؟'' اس نے روتھن کو للکارا۔

''کوئی ذی آنا کا بھگوڑا معلوم ہوتا ہے ہیرک۔ایک لڑکی ساتھ ہے اس سے تو خود اندازہ لگا سکتا ہے۔'' زیراس نے چہکتے ہوئے کہا اور ہیرک نے اس کے لہجے میں خوشی کو محسوس کر لیا۔اس نے غور سے زیراس کا چہرہ دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔اس نے کہا۔

"بہت پہلے کی بات ہے کہ میں شراب کے نشے میں ڈوبا رہتا تھا اور میں نے عقل و ہوش کی تمام باتیں ترک کر دی تھیں لیکن وہ ہیرک مر چکا ہے اور اب جو ہیرک زندہ ہے۔ وہ بالکل مختلف ہے اور اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ شخص جو کوئی بھی ہے تیرے لیے اجنبی نہیں ہے۔ تو پھر یہ تیرا وہ ساتھی ہو سکتا ہے جو شالہ میں تجھ سے بچھڑ گیا تھا۔"

"یہ مردود عین اس وقت مجھ سے بچھڑ جاتا ہے جب محسوس کرتا ہے کہ اس پر کوئی افتاد پڑنے والی ہے۔ اب دیکھ ہیرک میں اس کے لیے نجانے کہاں کہاں بھٹکتا رہا ہوں لیکن یہ شخص.........." زیراس، چیستانہ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ روتھن کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے تھے پھر اس نے اپنی ساتھی لڑکی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"چیستانہ۔ یہ جو گھوڑے کی پشت پر اکڑ کر بیٹھا ہے اسے عرف عام میں گدھا کہتے ہیں، عقل کا اس کے قریب سے گزر نہیں ہوا۔ ہاتھ میں کلہاڑا یا بندوق لیے ہر ایک کے پیچھے دوڑ پڑتا ہے لیکن جہاں عقل کا تعلق ہوتا ہے وہاں یہ احمقوں کی طرح کھڑا دوسروں کا منہ دیکھتا رہتا ہے۔ ہاں یہ شخص کچھ سمجھدار معلوم ہوتا ہے جو اس کے ساتھ ہے اور جس کا نام اس نے ہیرک لیا۔"

"میں تیری رگ رگ سے واقف ہوں۔ کہاں بھٹکتا پھر رہا ہے؟"

"اگر تو میری رگ رگ سے واقف ہے تو پھر یہ بھی جانتا ہو گا کہ تو صرف کلہاڑا ہلاتا رہ جاتا ہے اور میں بال کی کھال نکال لاتا ہوں چنانچہ اس وقت بھی میں ایسے ہی ایک مقصد سے بستی شالہ جا رہا تھا۔"

پھر انہوں نے ایک جگہ منتخب کر لی تھی اور وہاں بیٹھ گئے تھے۔ روتھن نے کہا۔

"شالہ کی روحیں آج بھی بستی کے دروازے بند کر دیتی ہوں گی لیکن انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کے درمیان روتھن جیسا انسان آنے والا ہے۔ ایک غلطی ہوئی تھی ان سے اور اس کا نتیجہ انہوں نے اپنی تباہی کی شکل میں بھگتنے کا انتظام کر لیا۔ فاتح اعظم روتھن اب ان کی سرکوبی کے لیے تمام منصوبوں کی تکمیل کر چکا ہے۔"

زیراس نے چونک کر روتھن کو دیکھا اور روتھن نے سینہ پھلائے ہوئے کہا۔

"ہاں! یہ بستی شالہ کے لوگ پہلے کی مانند آرام کی نیندیں سوئیں گے اور ان کے ہاں روتھن کی پوجا ہو گی۔"

"بکواس ہی کیے جائے گا یا کچھ بتائے گا بھی؟"

"میں ایک ایسی آبادی سے آ رہا ہوں جہاں انسان جانوروں کی شکل میں رہتے ہیں۔ چیستانہ ایک خونخوار بلی ہے لیکن اب یہ میرا ساتھ دے گی۔"

"خوب خوب، مگر تو مارا گیا۔ اب تیری نئی زندگی کا آغاز ہو گا لیکن کوئی بات نہیں ہیرک میرے ساتھ ہے۔"

روتھن نے جھلائے ہوئے انداز میں زیراس کو دیکھا پھر بولا۔ "تو ان دنوں کہاں تیر مارتا پھر رہا ہے؟"

"چھوڑ نوجوان ان باتوں کو، تو جس بستی کا تذکرہ کر رہا ہے اس کی کیا حیثیت ہے اور شالہ میں جا کر تو کیا کرنا چاہتا ہے؟"

جواب میں روتھن نے وہ ساری کہانی سنا دی تھی جس کا تعلق اس پراسرار بستی سے تھا اور اس نے دریا کے کنارے سفید دھات کے پہاڑوں کا تذکرہ بھی کیا تھا جسے سن کر زیراس دنگ رہ گیا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زمین پر رینگنے والے تیری حیثیت ذرا مختلف ہے اپنی منحنی سی شخصیت سے فائدہ اٹھا کر تو ایسے سراغ لگا لیتا ہے۔"

ہیرک نے کہا۔ "یقیناً وہ آبادی گل خارا ہے لیکن کیا بدبخت جیراس وہاں موجود نہیں ہے؟" جیراس کے نام پر چیستانہ چونک پڑی تھی۔

ہیرک نے چیستانہ کو دیکھا اور پھر وہ جیراس کے بارے میں مفصل معلومات حاصل کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"رب عظیم کی قسم، میں اس بستی کے ایک ایک جانور کو بھون ڈالوں گا۔ میں اب انتظار نہیں کر سکتا۔ اٹھو۔ وہ وقت آ گیا ہے جب ہم اپنا انتقام لیں اور جیسا کہ اس شخص نے کہا میں ان پہاڑوں، وادیوں میں دشمن ساحروں کے منصوبے ناکام بنا دوں گا۔" ہیرک بے حد پرجوش ہو گیا تھا اور اس کے جوش کو روکا نہ جا سکا۔

لیکن جب وہ ایک طویل سفر کر کے بستی گل خارا پہنچے تو انہیں احساس ہوا کہ سارے جانور زیر زمین چلے گئے ہیں۔ گل خارا کے بدہیئت درختوں کے درمیان انہیں کوئی انسانی وجود نہیں ملا تھا یہاں تک کہ پتھر کا سیلان بھی اپنی جگہ موجود نہیں تھا۔ وہ کہاں گئے اور اچانک ہی انہوں نے یہ بستی کیوں چھوڑ دی؟ اس کا راز کوئی نہ پا سکا۔ غالباً اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس کا مصنوعی روحانی نظام ختم ہو گیا ہے جو انہوں نے پیالہ نما وادی میں قائم کیا تھا یا پھر انہیں ان چاروں افراد کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ جن میں ایک ان کی ساتھی ہی تھی۔

اس پریشانی اور بے بسی میں روتھن نے کہا۔ ''اگر تم سب میری برتری تسلیم کرو تو میں ان لوگوں کو دوبارہ زمین پر لا سکتا ہوں جو پوشیدہ ہو گئے ہیں۔''

ہیرک نے روتھن کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''میں تیرے بارے میں اندازہ لگا چکا ہوں جوان کہ تو زیرک ہے، بتا تیرے ذہن میں کیا ہے؟ میں نے اس منصوبے کی کمان تیرے ہاتھ میں دی اور ہم سب تیری ہدایت کے مطابق عمل کریں گے۔''

روتھن نے مسکراتی نگاہوں سے زیراس کو دیکھا اور پھر وہ ہیرک کو ہدایات دینے لگا اور بلاشبہ روتھن کا منصوبہ اتنا مکمل تھا کہ ہیرک جیسا وحشی بھی کانپ کر رہ گیا تاہم انہوں نے روتھن کی ہدایت پر کام کیا تھا۔ روتھن نے انہیں اپنے مخصوص کردہ راستوں پر کھڑا کر دیا اور ان سے کہا کہ وہ بھاگنے والوں کو نشانہ بنائیں۔ سو یہی ہوا۔ روتھن نے اچانک ہی پتھر کے دو ٹکڑوں کو رگڑ کر ان سے چنگاریاں پیدا کیں اور بدنما نظر آنے والے درختوں میں سے ایک کی شاخ روشن کر کے اس پر اچھال دیا۔ درخت نے ایسے آگ پکڑی جیسے بارود آگ پکڑتا ہے شعلے لپکے اور پھر بعد کا منظر دیکھنے کے قابل تھا۔ ایک سے دوسرا درخت آگ پکڑتا جا رہا تھا اور وہ اس طرح بھک بھک کر کے جل رہے تھے جیسے بارود جل رہی ہو۔

ان لوگوں کو خوف سے پیچھے ہٹ جانا پڑا تھا لیکن اس کے بعد جو شور برپا ہوا وہ قابل دید تھا۔ درختوں کے درمیان سے انسانی چیخوں کی آوازیں ابھریں اور بھاگنے والے شعلوں میں گھرے ہوئے درختوں کے تنوں کے اندر سے باہر بھاگنے لگے لیکن

بندوق سے نکلنے والی گولیوں نے ان میں سے بیشتر کو ڈھیر کر دیا۔ آگ کے جنگل میں وہ واپس نہیں جا سکتے تھے۔ باہر موت تیار تھی لیکن ہیرک نے ان سب کو ہلاک نہ کیا بلکہ ان میں سے چند کو ہلاک کرنے کے بعد اس نے پرزور آواز میں اعلان کیا کہ پناہ کے متلاشی زمین پر اوندھے لیٹ سکتے ہیں۔ تب انہوں نے ان سب کو دیکھا جو جانوروں کی نقلیں اتارتے تھے کہ سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے ان کی تعداد ڈیڑھ سو کے لگ بھگ تھی۔ جنگل جل کر راکھ ہو گیا تھا۔

زیراس نے متحیرانہ انداز میں روتھن کو دیکھا اور بولا۔ ''یہ تدبیر تو نے کیسے سوچی؟''

روتھن مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا۔ یہ تدبیر اسے اس وقت معلوم ہوئی تھی جب اس نے ایک خرگوش کو ہلاک کر کے بھوننے کی کوشش کی تھی اور جو شاخیں اس نے جمع کیں تھیں وہ آگ دیکھتے ہی شعلے کی طرح لپک کر بھسم ہو گئی تھیں۔ یہ شاخیں انہی درختوں کی تھیں اور یہ درخت دنیا کے عجیب و غریب درخت تھے جن کے موٹے موٹے تنے صرف آگ کی جھلک دیکھ کر اس طرح آگ پکڑ لیتے تھے جیسے بارود سلگ اٹھتا ہے اور روتھن کو یہ بات یاد رہی تھی لیکن اس نے یہ سب کچھ زیراس کو نہیں بتایا۔

ڈیڑھ سو افراد باہر آ گئے جن میں سیلان یا جیراس بھی تھا اور یہی ہیرک کا اصل دشمن تھا۔ ہیرک نے اس کی مشکیں کس لیں اور کہا۔ ''سیلان! ان لوگوں کے مقدس دیوتا، تجھے تو میں بستی شالہ کے چوک میں لے جا کر الٹا لٹکاؤں گا لیکن ان لوگوں کے بارے میں، میں سوچ رہا ہوں کہ کیا کیا جائے؟''

''ابھی سفید دھات کی وہ وادیاں باقی ہیں جہاں سے ذی آنا کا قیمتی اثاثہ نکال کر لے جایا جا رہا ہے۔''

''اس کے خلاف بھی ہم ہی منصوبہ بندی کریں گے۔ سفید دھات ساحروں کی تحویل میں نہیں جانی چاہیے لیکن اگر اس سلسلے میں ہم بستی شالہ جا کر سیمون سے مدد لانے کی کوشش کریں تو وقت بہت زیادہ گزر جائے گا اور یہ لوگ فرار ہو جائیں گے۔ چنانچہ ان کے سلسلے میں صرف ہم ہی لوگوں کو انتظام کرنا پڑے گا۔''

اور یہاں ہیرک نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا تھا۔اس نے ان تمام لوگوں کو اپنا قیدی بنالیا جن میں سے ستر ساحر تھے اور باقی ذی آنا کے جوان جنہوں نے عجیب عجیب سوانگ رچا رکھے تھے۔ بہر حال ابھی ان کی جانب توجہ دینا ممکن نہیں تھا۔ وادی تلد بہ کی طرف رخ کر کے انہیں اپنا آخری کارنامہ انجام دینا تھا۔

لیکن وادی تلد بہ میں ایک اور ہی دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ جب یہ لوگ اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے وہاں پہنچے تو انہوں نے وادی تلد بہ کو خالی پایا۔سب کچھ جوں کا توں دھرا رہ گیا تھا اور چالاک ساحر وہاں موجود نہیں تھے۔

چالاک ساحروں کو حقیقت حال کا احساس ہو گیا تھا اور انہوں نے فرار ہی میں عافیت سمجھی تھی۔اب ان کا کوئی بھی آدمی وادی میں موجود نہیں تھا۔ چنانچہ اس کے بعد شالہ ہی کا رخ کیا جاسکتا تھا اور شالہ والے یہ عجیب وغریب منظر دیکھ کر حیران رہ گئے۔

گرفتار کرنے والے صرف ایک عورت اور تین مرد تھے جبکہ گرفتار شدہ لوگوں کی تعداد ناقابل یقین تھی۔ ان سب کو سردار سیمون کے سامنے پیش کیا گیا اور بستی والوں کو بتایا گیا کہ یہی وہ روحیں ہیں جو شالہ کے اطراف میں تباہی پھیلائے ہوئے تھیں۔

سیمون ساری کہانی سن کر ششدر رہ گئی تھی لیکن اس نے دربار عام میں اپنا وعدہ ایفا کرتے ہوئے اپنا تاج زریں زیراس کے سر پر رکھتے ہوئے اعلان کیا کہ میں نے اس جوان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ شالہ کو ان روحوں سے نجات دلا دے تو میں سرداری کا تاج اس کے حوالے کر دوں گی سو میں اپنا وعدہ پورا کرتی ہوں۔

زیراس کا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا اس نے تاج اپنے سر سے اتار کر واپس سیمون کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔''اور میں عظیم سردار سیمون کو اس کے وعدے کے ایفا پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے سرداری کا یہ تحفہ واپس کرتا ہوں۔''

ہیرک کو ان تمام باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے شالہ کے چوک میں ایک پھانسی گھر تیار کیا تھا اور اس کا پسندیدہ مشغلہ یہ تھا کہ ایک ایک کر کے وہ جیراس کے ساتھیوں کو پھانسی پر لٹکا رہا تھا اور جیراس کو ان کی موت کا نظارہ کرنے کی دعوت دیتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے جیراس سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ جب اس کے تمام ساتھی ہلاک

ہو جائیں گے تو آخری پھانسی وہ جیراس کو دے گا اور اس نے اپنا یہ مقصد پورا کر لیا تھا۔ پھر اچانک نجانے کہاں روپوش ہو گیا تھا۔

سیمون نے بڑے احترام سے زیراس اور روتھن کو واپسی کی اجازت دی تھی اور یہ دونوں وہاں سے چل پڑے لیکن ابھی وہ بستی شالہ سے زیادہ دور نہیں آئے تھے کہ عقب سے ایک اور گھڑ سوار ان کے پاس پہنچ گیا۔ یہ چیستانہ تھی۔اس نے روتھن سے کہا۔

''شاید مصروفیت کی وجہ سے تمہارے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ تم مجھے وادی لے جاؤ گے۔''

روتھن نے خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور زیراس کا قہقہہ پوری گھن گرج سے فضا میں بلند ہو گیا۔

پھر چیستانہ سے نجات حاصل کرنا بھلا کس مائی کے لال کا کام تھا۔روتھن اور زیراس منافع میں چیستانہ کو لے کر اپنی بستی میں واپس آئے لیکن روتھن کو یہاں آ کر ایک بدترین صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔اس کی بہن ایک جادوگر کی جادوگری کا شکار ہو گئی تھی اور اس کے لیے پیشین گوئی کی گئی تھی کہ ایک اجنبی دنیا کا اجنبی ان علاقوں میں بھٹکتا ہوا آئے گا اور اس وقت یہ اصل حالت میں آئے گی۔

بوڑھا خاموش ہو گیا۔ میرے تو اوسان خطا ہو گئے تھے۔اس انوکھی داستان نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا اور میرا ذہن اب تک ان واقعات کے سحر میں گرفتار تھا۔ بہر حال خود کو سنبھال کر میں نے پوچھا لیکن معزز شخص اس کے اصل حالت میں آنے کے بعد کیا ہو گا؟

''وہی جو روتھن کے ساتھ ہوا تھا۔''

''یعنی؟''

''وہ اس اجنبی کی ملکیت ہو گی۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔

❁ ››› ❁ ››› ❁

کہانی نگاری اپنی جگہ، حسین اور پراسرار کرداروں کی تخلیق کا عمل ایک طرف عملی زندگی اس سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ بھلا ایک ایسے پرسحر اور پراسرار وجود کو اپنی ذات سے منسوب کیسے کیا جا سکتا ہے؟ کہاں میں اور کہاں یہ ناقابل یقین زندگی؟ بہر حال حسن وعشق اور عورت کی دلکشی سے کبھی منکر نہیں رہا ہوں لیکن کبھی یہ سب کچھ بہت مہنگا پڑتا ہے۔

''کیا فیصلہ کیا تم نے؟'' آخر کار بوڑھے شی وش نے مجھ سے سوال کیا۔

''آں...... جو واقعات تم نے بیان کیے ہیں بھلا میں ان سے منحرف کیسے ہو سکتا ہوں؟''

''ہاں یہ ضروری ہے۔'' بوڑھے نے کہا۔

''اب میں کیا کروں؟'' میں نے سوال کیا۔

''انتظار۔''

''کس بات کا؟''

''وقت خود حالات کی ترتیب دے گا۔''

''میں ان علاقوں میں گھوم سکتا ہوں؟''

''تم ایک با اعتبار شخص ہو۔''

''شکریہ.........'' میں نے کہا۔

''جس شے کی ضرورت ہو بتا دینا، فراہم کر دی جائے گی۔''

اور جو شے مجھے درکار تھی وہ ایک گھوڑا تھا جو مانگنے پر مجھے مل گیا۔ میں

برفزاروں میں آباد اس جہان کی سیر کرنے لگا۔ میں اس علاقے کے نشیب وفراز سے اچھی طرح واقفیت حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ یہ معلومات آگے چل کر میرے لئے کارآمد ثابت ہو سکتی تھیں۔

دوسری طرف ان لوگوں کے عمل بھی جاری تھے۔ روزانہ مجھے طرح طرح کی جڑی بوٹیوں سے غسل دیا جاتا۔ نہ جانے کس کس ذات کے کھانے کھلائے جاتے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ مجھے فولادی انسان بنانا چاہتے ہیں اور میں سوچتا تھا کہ فولادی انسان بن کر آخر مجھے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ فولاد لاکھ مضبوط سہی لیکن ہوتا تو بے جان ہی ہے۔ بہر حال یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ سچ بات تو یہ تھی کہ رفتہ رفتہ مجھے بھی یہی محسوس ہونے لگا تھا کہ میرا گوشت پوست کا بنا ہوا یہ جسم آہستہ آہستہ آہنی ہوتا جا رہا ہے۔ میرے رگ وریشے میں ایک عجیب وغریب قوت موجیں مارنے لگی تھی اور اس نئی حاصل کردہ قوت کے زیر اثر میرے دل میں نہ جانے کیسے کیسے خیالات پیدا ہونے لگے تھے۔

ایک روز میں اپنے گھوڑے پر سوار بستی سے کافی دور وزنی پتھروں اور سربلند درختوں میں گھرے ایک حصے میں ٹہل رہا تھا۔ شام ہونے میں کچھ ہی دیر باقی رہ گئی تھی اور سورج تیزی سے مغرب کی طرف بڑھے چلا جا رہا تھا۔ درختوں کے سائے لمبے ہو گئے تھے۔ میں نے گھوڑے کو روکا اور چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ میری نگاہ زمین میں دھنسے ہوئے ایک بھاری پتھر پر پڑی۔ نہ جانے میرے دل میں کیا آئی کہ میں گھوڑے کو ہلکی سی ایڑ لگاتا ہوا اس پتھر کی طرف بڑھ گیا۔

پتھر کے قریب پہنچ کر میں رک گیا۔ میری نگاہیں گویا کسی مقناطیسی قوت کے زیر اثر اس میں گڑی جا رہی تھیں۔ نجانے کیوں مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ پتھر بزبان خاموشی مجھے للکار رہا ہو، چیلنج کر رہا ہو کہ بڑے فولادی بنے پھرتے ہو۔ ہمت ہے تو آگے بڑھے اور مجھ پر اپنی قوت آزماؤ۔ ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تم کتنے پانی میں ہو۔

میں گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ میں نے ایک دفعہ پھر پتھر کا جائزہ لیا اور خود سے سوال کیا کہ آخر میں کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کیا سوچ کر میں اس پتھر کے نزدیک آ رکا ہوں؟ پھر کسی خیال کے زیر اثر میں نے دایاں ہاتھ پتھر پر رکھا اور زور لگانا شروع کیا۔

میرے اندر کوئی پکار رہا تھا کہ رک جاؤ، اس فضول حرکت سے باز آ جاؤ، بھلا یہ چٹان نما پتھر تمہارے ہاتھ کی حقیر سی قوت کو کہاں خاطر میں لائے گا۔ آخر تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟

اور پھر مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ زمین میں دھنسا ہوا وہ چٹانی پتھر میرے ہاتھ کی قوت کے زیر اثر تیز آندھی کی زد میں آئے ہوئے درخت کی طرح جھکتا چلا جا رہا تھا۔ اس کی بنیاد جو نہ جانے کب سے اسی طرح زمین میں دھنسی پڑی تھی، شاید پہلی دفعہ کھلی ہوا کا نظارہ کرنے کو باہر نکلتی چلی آ رہی تھی۔ میں نے دانت بھینچ کر پوری قوت سے دھکا مارا۔ ایک زوردار گڑگڑاہٹ ہوئی اور پتھر الٹ کر ایک پرشور دھماکے کے ساتھ زمین سے جا ٹکرایا۔ اس کے گرنے کے دھمک سے گردوپیش کا ماحول گویا لرز کر رہ گیا۔

لیکن ابھی مزید حیرتیں میری منتظر تھیں۔ پتھر گرا تو اس کا نچلا حصہ تیزی سے اوپر کو آیا تھا اور اوپر اٹھتے ہوئے میری ٹھوڑی سے ٹکرا گیا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو اس ہولناک ضرب سے اس کی ٹھوڑی تو کیا کھوپڑی بھی کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتی لیکن مجھے چوٹ کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہوا تھا۔ میری ٹھوڑی کے ٹکڑے ہونا تو ایک طرف، پتھر کا جو حصہ اس سے ٹکرایا تو وہ خود ٹوٹ کر سنگریزوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔

میں سکتے کے سے عالم میں کھڑا اس پتھر کو دیکھتا رہا۔ کئی ٹن وزنی یہ وجود، جسے اس کے مقام سے ہلانے کے لئے عام حالات میں شاید کسی کرین کی ضرورت پڑتی، میری معمولی سی کوشش سے یوں اکھڑ کر جا پڑا تھا جیسے گرنے کے لئے بہانے کی تلاش میں ہو۔ برفزاروں میں آباد اس بستی کے حکماء کی دواؤں میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ مجھ جیسے معمولی انسان کے وجود میں سینکڑوں گھوڑوں کی قوت سما گئی تھی، اور میرا جسم اتنا مضبوط ہو گیا تھا کہ پہلوان کے گرز جیسی وہ ضرب بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ اور سب سے حیران کن بات یہ تھی کہ ایسی سختی کا حامل ہونے کے باوجود میرے جسم کی قدرتی لچک اپنی جگہ ویسے کی ویسے برقرار تھی بلکہ شاید اس میں کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر پتھر پر گھونسہ مارا۔ میرا ہاتھ اسے توڑتا ہوا اندر تک گھس

کے روپ میں نظر آئی تھی۔ چیستانہ! ہاں یہی نام تھا اس کا۔

بستی واپس پہنچ کر میں نے سید ہاشی وش کے ٹھکانے کا رخ کیا تھا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو چند لوگ اس کے سامنے بیٹھے تھے اور ان کے درمیان کسی موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ سردار ہارلیس بھی اس کے برابر بیٹھا تھا۔ چند روز پہلے میری اس سے ملاقات ہو چکی تھی۔ بلند و بالا قامت کا مالک یہ تنومند بوڑھا ہاشی وش کی مانند ہی باوقار تھا۔

میں دوسروں کی طرف دیکھے بغیر سید ہاشی وش کے سامنے جا رکا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کوئی خاص بات ہے؟'' شی وش نے مجھے استفہامیہ نگاہوں سے گھورا۔

''ہاں۔''

شی وش نے وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں پر ایک نگاہ ڈالی۔ زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ سب خود ہی اٹھ کر وہاں سے چلے گئے۔ صرف شی وش، میں اور ہارلیس وہاں رہ گئے۔

''ہاں بولو، کیا کہنا چاہتے ہو تم؟'' شی وش نے کہا۔

''تم نے مجھے جو کہانی سنائی تھی، اس میں بہت سے پہلو تشنہ طلب رہ گئے ہیں۔ میرے ذہن میں کئی سوالات ابھرے ہیں اور میں ان کے جواب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

''بولتے جاؤ۔''

''سب سے پہلی بات یہ کہ روتھن کے ساتھ شالہ سے چیستانہ نامی ایک لڑکی آئی تھی، وہ کہاں ہے؟''

شی وش کی بھنویں سکڑ گئیں۔ ''واقعی یہ بات مجھے تمہیں پہلے بتا دینی چاہئے تھی۔'' اس نے کہا۔ ''بہرحال چیستانہ یہیں ہے لیکن وہ کسی کے سامنے نہیں آتی۔''

''اس کی وجہ؟''

''روتھن کے جسم اور روح کے الگ ہو جانے کے بعد اس نے یہاں کے بڑے معبد میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ جب تک روتھن اپنی اصلی حالت میں

گیا۔ میں نے ہاتھ باہر نکالے بغیر کھول دیا۔ میری انگلیاں پتھر میں یوں گھس گئیں جیسے مکھن میں گرم چھری۔ میں نے ایک جھٹکا دے کر ہاتھ باہر نکالا تو پتھر میں ایک وسیع شگاف نمودار ہو چکا تھا۔ اس کی سنگلاخی میرے ہاتھ کی قوت کے سامنے ایسی حقیر ہو کر رہ گئی تھی کہ اگر اس پتھر میں انسانی جذبات ڈال دیئے جاتے تو شاید وہ شرم سے ڈوب مرتا۔

میرا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ پر ایک نگاہ ڈالی۔ پتھر کے سنگریزوں اور سرخ چٹانی مٹی میں لتھڑا ہوا ہاتھ۔ دیوؤں کی سی قوت کا حامل ہاتھ۔ وہ ہاتھ جس کی ضرب چٹانوں کو اکھیڑ دے اور جس کی گرفت میں فولاد بھی چرمرا جائے۔ میرے جسم میں وہ قوت ٹھاٹھیں مار رہی تھی جو دریاؤں کے رخ بدل دے اور جو پہاڑوں کے دل چیر دے۔ جو کسی کم ظرف کے ہاتھ لگے تو ایک عالم کو تباہ کر کے رکھ دے اور کسی اعلیٰ ظرف کے ہاتھ آئے تو حالات کے مارے ہوؤں کی تقدیر بدل دے۔

خواب کے سے عالم میں، میں گھوڑے پر سوار ہوا اور بستی کی طرف چل پڑا۔ میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ یہ خوفناک قوت مجھے کس مقصد کے تحت دی گئی ہے، میں اس کا استعمال کب اور کہاں کروں گا؟ وہ کون سے دشمن ہیں اور ان کی طاقت کا عالم کیا ہے، کہ جن پر غالب آنے کی خاطر مجھے یہ جناتی روپ دیا گیا ہے؟ میں تو صرف اتنا جانتا تھا کہ میرا مقابلہ چند ساحروں سے ہے اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو رہا تھا کہ کیا ساحروں پر غالب آنے کے لئے محض میری جسمانی قوت کافی ہوگی؟ جیسے ہیرے کو ہیرا کاٹتا ہے ویسے ہی سحر کا توڑ بھی سحر سے ہی کیا جا سکتا ہے، اور میری تربیت میں ابھی تک ایسی کوئی چیز داخل نہیں ہوئی تھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ بستی واپس پہنچ کر شی وش سے اس بارے میں دریافت کروں گا۔ اس کے علاوہ بھی اس کی کہانی میں بہت سے پہلو تشنہ طلب تھے۔ ابھی تک مجھے یہ علم نہیں ہوا تھا کہ وہ کون سے حالات تھے، جن سے گزر کر پرشیانہ اس حالت کو پہنچی اور پھر اسے آزاد کرانے کی جدوجہد میں روتھن اور زیراس کو بھی اسی عذاب کا شکار ہونا پڑا اور میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ شالہ سے روتھن کے ساتھ آنے والی اس لڑکی پر کیا گزری جو پہلی دفعہ روتھن کو ایک خونخوار بلی

واپس نہیں آ جاتا، وہ کسی کے سامنے نہیں آئے گی اور اسی گوشۂ تنہائی میں ان کے لئے دعا کرتی رہے گی۔"

"روتھن، زیراس اور پرشیانہ کو اس حالت تک کس نے پہنچایا اور کیسے؟"

"ان کے نام میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ فولاس اور زوالا۔ ابتداء میں وہ بھی ذی آنا کے باشندے تھے۔ پھر وہ ایک طویل عرصے کے لئے غائب ہو گئے اور جب واپس آئے تو ساحرانہ قوتوں کے مالک بن چکے تھے۔ وہ ذی آنا کے وسیع و عریض رقبے پر اپنی سلطنت قائم کرنا چاہتے تھے۔ روتھن اور زیراس ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو سکتے تھے کیونکہ زیراس کی جسمانی قوت اور روتھن کی ذہانت کا امتزاج ان کے لئے بے حد خطرناک تھا۔ پہلا وار انہوں نے پرشیانہ پر کیا۔ ظاہر بات ہے کہ اپنی بہن کو مصیبت میں دیکھ کر وہ دونوں غصے میں دیوانے ہو گئے اور اندھا دھند ان کی تلاش میں نکل پڑے۔ اسی چکر میں وہ حفاظتی اقدامات کی طرف سے بھی غافل ہو گئے اور فولاس اور زوالا کو اپنا کام دکھانے کا موقع مل گیا۔"

"اگر فولاس اور زوالا ساحرانہ قوتوں کے مالک ہیں تو میں ان کے مقابلے میں کیا کر سکوں گا؟ تم لوگوں کی کھلائی ہوئی غذاؤں نے بے شک مجھے جسمانی طور پر حیران کن حد تک طاقتور بنا دیا ہے لیکن سحر کا مقابلہ سحر سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ ان کے سحر کا میرے پاس کیا توڑ ہوگا؟"

"اس کا جواب تمہیں ابھی نہیں دیا جا سکتا۔"

"اس کی وجہ؟"

"وجہ یہ ہے کہ ہم خود اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔"

"مطلب؟"

"جہاں سے ہمیں تمہارے آنے کے متعلق بتایا گیا تھا، وہاں سے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ دست قدرت خود ان راستوں پر تمہاری رہنمائی کرے گا، جو تمہیں ان شیطانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل بنانے کی منزل کی جانب لے جائیں گے۔ اب وہ راستے کیا ہیں، وہ نہ ہم جانتے ہیں اور نہ کوئی اور۔ معلوم صرف اسے ہے جس نے تمہیں اس کام

کے لئے منتخب کیا ہے۔“

”اور کس نے منتخب کیا ہے مجھے؟“

”یہ کوئی ایسا معمہ تو نہیں کہ تم سمجھ نہ پاؤ۔“ شی وش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہارلیس اب تک کی گفتگو میں خاموش رہا تھا لیکن اب اچانک بول پڑا۔

”میرے بچے، تم خود جانتے ہو کہ ہر انسان کو اس دنیا میں کسی خاص مقصد کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اس کے مقصد کے تعین کرنے والی ذات کے بارے میں تم اچھی طرح جانتے ہو۔“

”آپ کا مطلب ہے کہ اللہ نے مجھے اس کام کے لئے منتخب کیا ہے؟“

”درست۔“

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کو میرے انتخاب کے متعلق کیسے پتہ چلا؟“

”خدا نے اس دنیا میں اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے جابجا نشانیاں چھوڑی ہیں۔ وہ نشانیاں جب اپنی خاص ترتیب میں سامنے آتی ہیں تو سب کچھ ظاہر کر دیتی ہیں۔ تم خود سوچو کہ تم کہاں تھے اور کن حالات سے گزر کر یہاں تک پہنچ گئے۔ کیا تم نے کبھی سوچا تھا کہ تمہیں اس طرح کے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا؟ کیا تمہارے ذہن میں کبھی یہ خیال آیا تھا کہ ایک روز تم ذی آنا نامی ایک برفستان میں بیٹھے، شی وش اور ہارلیس نامی دو بوڑھوں سے گفتگو کر رہے ہو گے؟ کیا تمہیں کبھی گمان گزرا تھا کہ تمہیں یہ بشارت دی جائے گی کہ اس زمین سے دو شیطانوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے تمہارا انتخاب کیا گیا ہے؟ سوچو گے اور غور کرو گے، تو سب باتیں تمہارے سامنے کھلتی چلی جائیں گی۔ ہزاروں میل کا پرصعوبت سفر طے کر کے تمہارا یہاں پہنچنا بے سبب نہیں تھا۔ یہ سب تمہاری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا۔“

”لیکن پھر بھی اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جس کے متعلق آپ کو بتایا گیا تھا، وہ میں ہی ہوں؟“

”ثبوت ہے ہمارا یقین۔“ شی وش نے کہا۔ ”اور یہ کہ تمہارے علاوہ کسی اور اجنبی کو ذی آنا پہنچنا نصیب نہیں ہوا۔ تمہارے دونوں ساتھی راستے میں ہی موت کا شکار

ہو گئے لیکن تم بچ گئے۔ کیوں؟ کیا تم ان سے زیادہ سخت جان اور باہمت تھے یا تم کسی ایسے منتر سے واقف تھے جو تمہیں تمام خطرات سے بچا لایا؟ کسی وہم کا شکار نہ ہو ناصر، تم یہاں آئے نہیں، تمہیں لایا گیا ہے۔ اور جس مقصد کے لئے لایا گیا ہے، ہمیں یقین ہے کہ وہ ضرور پورا ہو گا۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں اپنے آپ کو حالات کو دھارے پر چھوڑ دوں اور انتظار کروں کہ معاملات کب کس کروٹ بیٹھتے ہیں؟“

”نہیں ایسا بھی نہیں۔ تمہیں یہاں جو کچھ بتایا جا رہا ہے اور جو کچھ دیا جا رہا ہے، اس سے اپنے آپ کو آراستہ کرو۔ اپنے طور پر اس علاقے کے دساتیر کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اپنی ذہنی استعداد میں اضافہ کرو۔ اتنا میں تمہیں ضرور بتا سکتا ہوں کہ فولاس اور زوالا سے مقابلہ کرنے میں تمہارے جسم سے زیادہ تمہارا ذہن کام آئے گا۔“

”ایک آخری بات! کیا کوئی مجھے یہ بتا سکتا ہے کہ میری اس نئی زندگی کا اگلا موڑ کب سامنے آئے گا؟“

”چلتے رہو۔“ ہارلیس مسکرا دیا۔ ”کبھی نہ کبھی تو سامنے آ ہی جائے گا۔“

میں نے الجھی ہوئی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا۔ دونوں بوڑھے مسکرا رہے تھے۔ عجیب اسرار بھری مسکراہٹیں تھیں ان کی۔ میں کچھ سمجھ نہ پایا اور ذہن میں ہزاروں سوال لئے وہاں سے چلا آیا۔

❁ ››› ❁ ››› ❁

پرشیانہ اس روز کے بعد میرے پاس نہیں آئی تھی۔ اس کے آنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ جو کچھ مجھے اس سے سیکھنا تھا میں سیکھ چکا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد بستی کے حکماء نے مجھے وہ مخصوص کھانے کھلانے اور جڑی بوٹیوں کا غسل دینا بھی بند کر دیا تھا۔

”اب تمہیں ان کی کوئی ضرورت نہیں۔“ انہوں نے کہا تھا۔ ”تم جسمانی طاقت و مضبوطی کی آخری حدوں کو چھو چکے ہو۔“

میں نے دوبارہ کبھی اپنی جسمانی طاقت کو آزمانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کبھی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ میں جانتا تھا کہ میں کون ہوں اور کیا کر سکتا ہوں۔ جب میں

اپنے گھوڑے پر سوار بستی کی سیر کے لئے نکلتا تو جہاں جہاں سے میری سواری گزرتی، ذی آنا کے باشندوں کی نگاہیں احترام سے جھک جاتیں، اور میں ان کے درمیان سے یوں گزرتا چلا جاتا جیسے کوئی دیوتا اپنے پجاریوں سے خراج عقیدت وصول کرتا ہوا گزر رہا ہو۔

پہلی بار جب میں یہاں پہنچا تھا تو یہ لوگ مجھے کتنے عجیب، کتنے انوکھے دکھائی دیئے تھے لیکن اب میرے لئے ان کی بوالعجبی ختم ہو چکی تھی۔ میں جان گیا تھا کہ انہیں میری ضرورت ہے، اور نہ جانے کس عذاب سے چھٹکارا پانے کے لئے، نہ جانے کتنے عرصے سے وہ میری راہ تک رہے تھے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اس قدر جسمانی قوت اور شخصی اہمیت حاصل کر لینے کے بعد یہ لوگ مجھے حقیر دکھائی دینے لگے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ غرور وتکبر نے اس حد تک میرے دماغ پر قبضہ نہیں جمایا تھا لیکن اتنا ضرور تھا کہ اب میں خود کو ان کے درمیان سربلند، سرافراز محسوس کرتا۔ یہ احساس ہمہ وقت میرے ذہن پر چھایا رہتا کہ میں ان سے الگ ہوں، ان سے ہٹ کر کچھ ہوں، کیونکہ ایک خاص خدمت کو انجام دینے کے لئے میرا انتخاب کیا گیا ہے۔

کبھی کبھی میں اپنے انتخاب کے متعلق شکوک وشبہات کا شکار بھی ہو جاتا تھا۔ میری اب تک کی زندگی عام سے انداز میں گزری تھی۔ بچپن سے لے کر اب تک میں نے کبھی خود کو دوسروں سے الگ کوئی چیز محسوس نہیں کیا تھا۔ میری ذات بھی دوسروں جیسی ہی تھی۔ اکثر وبیشتر خصوصیات عمومی لیکن بعض خصائل میں دوسروں سے ممتاز اور منفرد۔ میرا سب سے بڑا امتیاز اور انفرادیت تو یہی تھی کہ میں لفظوں سے کھیلنے کا ہنر جانتا تھا۔ میرا ذہن پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیاں تشکیل دینے اور انہیں سلجھانے کی اہلیت رکھتا تھا۔ میری کہانیوں نے ایک عرصہ سے میرے قارئین کو گرفت میں لے رکھا تھا اور میرے پڑھنے والوں کے حلقہ میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا تھا۔ بس اس کے علاوہ اور کوئی بہت زیادہ خاص بات مجھ میں نہ تھی۔

پھر نجانے کیوں مجھے اس کام کے لئے منتخب کر لیا گیا؟ بزرگوں سے سنا تھا اور میں

آج تک یہی سمجھتا تھا کہ بڑے لوگوں کے انداز، غیر معمولی کارنامے انجام دینے والوں کے اطوار بچپن سے ہی دوسروں سے مختلف ہوتے ہیں۔ مجھ میں ایسی کوئی بات تو نہ تھی......... پھر کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ لوگ میرے بارے میں کسی طرح کی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہوں؟ حالات نے ان پر بڑے بڑے ستم توڑے تھے، آلام کے اس بھنور سے نکلنے کی کوئی راہ انہیں نظر نہیں آئی تھی۔ جب آدمی ڈوب رہا ہوتا ہے تو تنکوں کے سہارے بھی تلاش کرنے لگتا ہے، تو پھر کہیں ایسا تو نہیں کہ میں بھی ایک تنکا ہی تھا اور یہ لوگ اپنے اضطراب میں مجھے طوفانوں سے نکال لے جانے والا ناخدا سمجھ بیٹھے تھے۔

بہرحال، کچھ بھی تھا۔ اب میں محض ایک تنکا نہیں رہا تھا۔ مہذب دنیا سے دور آباد اس بستی کے مکینوں نے میرے گوشت پوست سے بنے جسم کو فولاد بنا دیا تھا اور میرے رگ وپے میں وہ قوت دوڑا دی تھی جس کا تصور بھی میں نے کبھی نہ کیا تھا۔

لیل ونہار کی گردش مسلسل جاری تھی۔ میں ابھی تک اس وقت کا انتظار کر رہا تھا جب حالات کا دھارا منزل کے اگلے نشان تک میری رہنمائی کرے۔ میں تو یہ بھی نہ جانتا تھا کہ میری منزل ہے کہاں؟ بس ایک موہوم سا نقشہ، ایک مبہم سا خاکہ میرے سامنے تھا اور مجھے اسی کو رہبر مان کر چلنا تھا۔ میرے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ انتظار کروں، تیل دیکھوں اور تیل کی دھار۔

اس روز بھی میں معمول کے مطابق اپنے گھوڑے پر سوار بستی سے کچھ دور نکل آیا تھا۔ سورج نصف النہار پر تھا۔ اس کی روشنی میں برفزار سیماب کی مانند دمک رہے تھے لیکن اس کی تمازت نہ جانے کہاں جا سوئی تھی۔ ادویات وغذائیات کے عمل سے گزرنے کے بعد مجھے سردی سے بچنے کے لئے کبھی بھاری بھرکم کپڑوں کی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی، اس کے باوجود، جب سے میں یہاں آیا تھا، سورج کی خوشگوار حدت کو اپنے بدن پر محسوس کرنے کے لئے ترس گیا تھا۔

گھوڑا دلکی چال چلا جا رہا تھا۔ مجھے گردوپیش کا کوئی دھیان نہ تھا۔ میں اس کی پشت پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھا سر جھکائے اپنے ہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔

اچانک گھوڑا رک گیا۔ میں نے چونک کر سر اٹھایا۔ اس کے رکنے کی بظاہر کوئی وجہ

میری سمجھ میں نہ آئی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں، کوئی غیر معمولی چیز نظر نہ آئی۔ لیکن میرا گھوڑا نہ صرف رک گیا تھا بلکہ اس کا جسم بھی ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ گھوڑے اور اس جیسے دوسرے جانور اگر کسی سانپ کو دیکھ لیں تو ان کی یہی کیفیت ہوتی ہے لیکن ان برفزاروں میں سانپ کی موجودگی کا کیا سوال؟

مجھے زیادہ دیر سوچنے کی مہلت نہ ملی۔ گھوڑا بے طرح سے ہنہنایا اور سرپٹ بھاگ اٹھا۔ مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ اگر میں فوراً ہی باگیں مضبوطی سے نہ تھام لیتا تو شاید قلابازیاں کھاتا ہوا دور جا گرتا۔ گھوڑے کی رفتار میں مجنونانہ تیزی تھی۔ اس کے سم ایسی شدت سے زمین پر پڑ رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کسی بھی لمحے ان سے چنگاریاں پھوٹنے لگیں گی۔ میں نے لگامیں کھینچیں لیکن اس کی رفتار میں کوئی کمی نہ آئی۔ اگر میں ذرا اور زور لگاتا تو عین ممکن تھا کہ لگام گھوڑے کی باچھیں چیر کر، اس کے سر کے دو ٹکڑے کرتی ہوئی میرے ہاتھ میں آ جاتی۔

اور یہ گھوڑا شاید اس وقت بھی نہ رکتا۔ نہ جانے اس نے کیا دیکھا تھا، کیا محسوس کیا تھا کہ ایسا خوف اس پر چھا گیا تھا۔ میں لگامیں سمیٹ کر اس کی پشت سے جا لگا اور تن بہ تقدیر ہو گیا۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا؟

برفزاروں کا علاقہ گزر گیا اور جنگلاتی خطہ شروع ہو گیا۔ گھوڑے کو بھاگتے ہوئے نجانے کتنی دیر گزر چکی تھی۔ مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہیں رہا تھا۔ بس اتنا جان پایا تھا میں کہ گھوڑا سورج کے مخالف رخ بھاگا تھا اور سورج اس وقت اپنا نصف دائرہ مکمل کر چکا تھا۔ گویا میرا رخ شمال یا شمال مغرب کی سمت تھا۔

ذی آنا کا علاقہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ میرے اردگرد ایستادہ تیزی سے گزرتے درختوں کے سائے لمبے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ گویا سہ پہر ڈھلنے لگی تھی۔ اس برفانی علاقے میں بھی گھوڑے کے جسم سے پسینہ پانی کی دھاروں کی صورت پھوٹ رہا تھا لیکن اس کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ خدا معلوم کیسا آسیب اسے اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھا کہ ایک پل دم لینے کی مہلت بھی نہیں دے رہا تھا۔

یہ سفر جیسے اچانک شروع ہوا تھا، ویسے ہی اچانک ختم ہو گیا۔ گھوڑے کو دوڑتے

دوڑتے ٹھوکر لگی، اس کی دل دہلا دینے والی ہنہناہٹ میں مجھے ہزاروں چیخیں سنائی دیں۔ اس کا دایاں سم زمین سے ابھرے ہوئے ایک پتھر سے ٹکرا گیا تھا۔ گھوڑا میرے سمیت ہوا میں بلند ہوا اور ترچھے رخ پر اڑتا ہوا ایک درخت سے جا ٹکرایا۔

تصادم کی شدت سے میرا پورا جسم جھنجھنا کر رہ گیا۔ گھوڑے اور درخت پر جو گزری، وہ بتانے کی شاید ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ جب میں دونوں کے الجھے ہوئے جسموں کے ڈھیر سے خود کو چھڑا کر باہر نکلا تو ان میں سے کسی ایک کا وجود بھی سلامت نہیں تھا۔

میں نے ایک تاسف آمیز نگاہ گھوڑے پر ڈالی۔ اس کا بدن ساکت تھا، تڑپنے پھڑکنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا غریب کو۔ پہلے ہی بے زبان تھا اور اب تو بے جان بھی ہو گیا تھا۔ میں کس سے پوچھتا کہ آخر میری سواری کے جانور کو کیا دورہ پڑا تھا کہ آہوئے مرگ دیدہ کی مانند بھاگ اٹھا تھا اور اب اس نے مجھے کہاں لا پھینکا تھا؟

جنگلاتی خطہ شروع ہونے کے بعد گھوڑے نہ جانے کن کن پیچ وخم سے گزرا تھا۔ سمت کا کچھ اندازہ نہیں رہا تھا۔ اب ذی آنا واپسی کی صورت کیسے پیدا ہو گی؟ میرا اس جگہ آنے کا مقصد اور مجھے مہذب دنیا میں واپس پہنچانے کا راستہ ان کے سوا یہاں اور کون جانتا تھا؟ اگر میں ذی آنا واپس نہ پہنچ پاتا تو مرتے دم تک اسی علاقے کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا رہتا۔

میں نے ایک دفعہ پھر اردگرد کے علاقے پر نگاہ دوڑائی۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، بلند و بالا درخت اور ان کے درمیان مسطحات کا ایک طویل سلسلہ پھیلا نظر آ رہا تھا۔ اس جنگل میں جانور بھی یقیناً تھے، کیونکہ جابجا سرسراہٹوں اور آہٹوں کا شور بھی تھا۔ میں تھوڑی دیر اپنی جگہ کھڑا سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے، پھر یہی فیصلہ کیا کہ حرکت میں برکت ہے اور ایک سمت کا انتخاب کر کے اس طرف چل پڑا۔ اب قدم جہاں لے جائیں۔

چلتے چلتے رات ہو گئی۔ جنگل کے ختم ہونے کے کوئی آثار پیدا نہیں ہوئے تھے۔ مجھے تھکاوٹ تو محسوس نہیں ہوئی تھی لیکن یہ بھی تھا کہ رات کے وقت چلتے چلے جانا

بھی مناسب نہ تھا۔ اندھیرے میں سمت کا تعین کرنا محال تھا اور عین ممکن تھا کہ میں ان درختوں کے درمیان میں ساری رات ایک ہی دائرے میں گھومتا رہتا اور اپنی طرف سے سمجھتا کہ راستہ طے کرتا چلا جا رہا ہوں۔ چنانچہ ایک جگہ قیام کے لئے منتخب کر کے میں لیٹا اور تھوڑی ہی دیر میں سو گیا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا کہ ایک سرسراہٹ سنائی دی اور میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ سرسراہٹ کی وجہ تو سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن کچھ فاصلے پر روشنی محسوس ہوئی.......... کسی نے شاید آگ جلا رکھی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی۔ اس جنگل میں کسی انسان کی موجودگی بعید از امکان تھی، لیکن انسان کے علاوہ یہاں آگ جلانے والا اور ہے کون۔ ایک خیال یہ بھی ذہن میں آیا کہ یہ شاید غول بیابانی میں سے ایک ہے جو آگ روشن کیے ہوئے ہے لیکن آگ کی روشنی میں مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔ آخر آگ کس نے روشن کی؟ لکڑیاں جمع کر کے آگ روشن کرنے والا تو کوئی انسان ہی ہو سکتا ہے۔ کیا اس جگہ مجھ سے صرف دو گز کے فاصلے پر کوئی انسان موجود ہے، اور موجود ہے تو کون ہو سکتا ہے؟ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟

میں ہچکچاہٹ کے عالم میں اپنی جگہ کھڑا اس روشنی کو دیکھتا رہا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اب میں کوئی معمولی انسان نہیں رہا اور مجھ سے بدرجہا کمزور انسانوں نے بڑی بڑی مہمات سر کیں اور انتہائی خوفناک حالات میں بھی اپنے ہوش و حواس برقرار رکھے۔ آگ میرے سامنے ہے تو اس کا راز جاننے کی کوشش کیوں نہ کروں؟ چنانچہ میں تیز قدموں سے اس جانب چل پڑا۔

آگ کے قریب پہنچنے میں مجھے زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جمع کر کے الاؤ روشن کیا گیا تھا لیکن اطراف میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ آگ روشن کرنے کی لکڑیاں جس انداز میں جمع کی گئی تھیں ان سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کسی انسان کا ہی کارنامہ ہے لیکن وہ انسان کہاں ہے؟ کیا وہ میری گھات میں ہے..........؟

میں چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا اور پھر آگ کے قریب بیٹھ گیا۔ اب جو کوئی

بھی ہے اور جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے کر لے۔ دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا اور پھر واقعی حیرت ہونے لگی۔ آگ مدھم پڑتی جا رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ آگ جلانے والا آگ جلا کر آخر کہاں فرار ہو گیا؟ اور پھر میری نگاہ کچھ فاصلے پر پڑی اور میں اچھل پڑا..........

کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ صاف نظر نہیں آ رہا تھا لیکن تھا کوئی انسان ہی۔ اس سے پہلے بھی میں یہ جگہ دیکھ چکا تھا لیکن وہ یہاں موجود نہیں تھا اور اب اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ میں حیرت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ جب اس کی طرف سے کوئی جنبش نہ ہوئی تو میں خود ہی اپنی جگہ سے اٹھا اور محتاط قدموں سے اس کے قریب گیا۔ ایک بار پھر مجھے ذہنی جھٹکا برداشت کرنا پڑا..........

وہ ایک عورت تھی۔ بلند و بالا قد و قامت کی مالک اور شاید جوان بھی، قریب سے دیکھنے پر اندازہ بخوبی ہو جاتا تھا۔ گھٹنوں میں سر دیئے اور دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد لپیٹے بیٹھی تھی۔ قدموں کی چاپ پر اس نے گردن اٹھائی۔ عجیب پراسرار سا انداز تھا.......... مجھے حیرت سے دو تین قدم پیچھے ہٹ جانا پڑا..........

چند لمحے وہ مجھے دیکھتی رہی اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ وہ بے حد دلکش تھی، مسکراہٹ میں بھی بڑی دلکشی تھی۔ خدوخال بھی بے حد حسین تھے، چمپئی رنگ، کسی قدر موٹے ہونٹ لیکن انتہائی پرکشش، ستواں ناک اور سب سے حسین چیز جو اس کے چہرے پر تھی، وہ اس کی آنکھیں تھیں۔ گہری سیاہ، دل میں اتر جانے والی حسین آنکھیں۔ میں ایک لمحے کے لیے اس کے سحر میں کھو گیا۔ اس ایک لمحے میں مجھے یاد نہ رہا تھا کہ میں کس صورت حال سے گزر رہا ہوں۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکراتی رہی۔ اس طرح بیٹھنے سے اس کے لمبے اور سیاہ بال زمین پر بکھر گئے تھے۔ چند لمحات اسی طرح گزر گئے اور اس کے بعد میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''تم کون ہو؟''

اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ختم ہو گئی اور وہ اب سادہ سی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ کھولے اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کیا قد و قامت تھا.......... وہ ریڈ انڈین طرز کی کسی کھال کی پتلون پہنے ہوئے تھی جس میں

لوہے کے کچھ کڑے جھول رہے تھے۔ لمبے لمبے ہاتھ پاؤں، بلند و بالا قد، انتہائی متناسب بدن......... وہ گھومی اور ایک دو شاخہ درخت کی جانب چل پڑی۔ مجھے اس طرف سے گھوڑے کی کھر کھر کی آواز سنائی دی اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ ویسے بھی ظاہری امر تھا کہ وہ گھوڑے پر ہی یہاں تک آئی ہوگی۔

میں انتظار کرتا رہا۔ وہ چند لمحوں میں واپس آ گئی۔ کچھ چیزیں اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھیں۔ اس نے نیچے بیٹھ کر کسی درخت کے چوڑے چوڑے پتے زمین پر بچھائے اور پھر ایک کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز نکال کر ان پتوں پر رکھ دی۔ میں نے غور سے دیکھا تو کسی جانور کی بھنی ہوئی ران تھی۔ میری بھوک پیاس میرے اختیار میں تھی لیکن ایسا اشتہا انگیز مینو سامنے دیکھ کر میری آنتیں خود بخود قل ہو اللہ پڑھنے لگیں۔ اس نے پانی کا ایک برتن بھی میرے سامنے رکھ دیا جو لکڑی سے بنا ہوا تھا۔ گویا وہ میری ضیافت کرنا چاہتی تھی لیکن بالکل خاموش......... اس کی زبان سے ایک لفظ تک نہیں نکلا تھا۔

میں نے اس کی جانب دیکھا تو اس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی اور ران کی جانب اس طرح اشارہ کیا جیسے مجھ سے کہہ رہی ہو کہ دیر نہ کرو......... میں نے اسے بھی شمولیت کا اشارہ کیا لیکن وہ پھر اپنی جگہ جا کر بیٹھ گئی اور میں دانتوں سے ران کا گوشت ادھیڑنے لگا۔ انتہائی نرم اور خستہ گوشت تھا، بالکل پھیکا۔ نمک وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن بھنا ہوا تھا چنانچہ میں اسے دانتوں سے ادھیڑ کر معدے میں اتارتا رہا۔ وہ مطمئن انداز میں بیٹھی تھی۔ معدے میں کچھ وزن پیدا ہوا اور طبیعت میں بحالی سی آ گئی۔

اب میں اس صورت حال سے لطف اندوز ہونے لگا تھا۔ ایک مصنف کی حیثیت سے میں نے سسپنس اور ایڈونچر کی نہ جانے کتنی کہانیاں لکھی تھیں، لیکن اب میری زندگی خود ایک ایڈونچر کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ میں اپنی آپ بیتی مہذب دنیا کے کسی شخص کو سناتا تو شاید وہ مجھے دنیا کا سب سے بڑا گپ باز سمجھتا۔

اس نے ابھی تک میری کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ وہ انگریزی نہیں سمجھتی۔

معدے کے وزن نے آنکھوں میں نیند لانی شروع کر دی چنانچہ میں وہیں لیٹ گیا اور خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس نے بھی اسی طرح گھٹنوں میں منہ دے کر سر چھپا لیا تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ میں نے جب بھی اسے دیکھا وہ مجھے اسی طرح بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ جانے کیوں ایک بے چینی کا احساس ہونے لگا لیکن پھر نیند نے تمام احساسات چھین لیے اور میں گہری نیند سو گیا.........

دوسری صبح آنکھ کھلی تو چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ لڑکی کہیں نہیں تھی۔ اس کا گھوڑا بھی غائب تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس درخت کے عقب میں پہنچ گیا جہاں کل رات اس کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ موٹے کینوس کا ایک تھیلا وہاں موجود تھا جو انتہائی جدید ساخت کا تھا۔ اس میں زپ لگی ہوئی تھی۔ زپ میں مخصوص نمبروں سے کھلنے والا تالا، اسے دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ اس لڑکی کے پاس اس تھیلے کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے؟ وضع قطع سے تو وہ بالکل ایسی دکھائی نہیں دیتی تھی کہ اس کے پاس ایسی جدید چیزوں کی توقع کی جا سکے۔

میں نے ٹٹول کر تھیلے کو دیکھا۔ جانے کیا کیا الم غلم، اس میں بھرا ہوا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اب کیا کروں؟ ایک لمحے کے لیے سوچا کہ تھیلا اٹھا کر کندھے پر ڈالوں اور یہاں سے نکل لوں......... لیکن ابھی کوئی فیصلہ بھی نہ کر پایا تھا کہ دوڑتے گھوڑے کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں اور اس کے بعد میں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ گھوڑے پر واپس آ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ ایک اور گھوڑا، زین اور لگام سے لیس، دوڑاتی ہوئی لا رہی تھی۔ مجھے بے حد حیرت ہوئی۔ وہ نہ جانے یہ گھوڑا کہاں سے پکڑ لائی تھی اور اس کے ارادے کیا تھے۔ کیا وہ مجھے بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھی یا اس کے ساتھ کوئی دوسرا ساتھی بھی موجود تھا۔

اس کے شانوں پر کوئی چیز لٹکی ہوئی تھی، قریب آئی تو میں نے دیکھا کہ شانوں پر لٹکی ہوئی چیز ہرن ہے جسے اس نے شکار کیا تھا۔ اس نے گھوڑے کی پشت پر بیٹھے بیٹھے ہرن کو اتار کر نیچے پھینک دیا اور پھر خود بھی گھوڑے سے نیچے اتر آئی۔ اس کے انداز میں اتنی پھرتی اور مستعدی تھی کہ مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ انتہائی طاقتور اور پھرتیلی لڑکی ہے۔

اس نے تھیلے کے قریب پہنچ کر اس کا تالا کھولا اور ایک لمبا سا چھرا نکال لیا۔ اس نے چھرا ہرن کی گردن پر پھیر دیا اور ہرن کی گردن سے تازہ تازہ خون بہہ نکلا۔ پھر اس نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑیں اور انہیں اٹھا کر درخت کی ایک شاخ پر لٹکا دیا۔ اوپر سے اس نے دونوں ٹانگوں کو پکڑ کر مروڑا، ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ میں نے اپنے بدن میں ایک پھریری سی محسوس کی تھی۔ اتنی طاقتور لڑکی میں نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے انگلیوں کی مدد سے ہرن کی کھال اتار پھینکی۔ پھر اس نے ایک کپڑا لیا اور ہرن کے اندرونی بدن کو صاف کر دیا۔

میں نے سوچا حرام خوری مناسب نہیں ہے۔ وہ صبح کے ناشتے کا ہی نہیں غالباً دن بھر کے کھانے کا بندوبست کر رہی تھی چنانچہ تھوڑی سی کاروائی میری بھی ضرور ہونی چاہیے۔ میں نے فوراً خشک لکڑیاں کی تک نکیاں تیار کیں اور ان پر ایک ایسی لکڑی رکھی جو ہرن کو آگ پر گھما سکے۔ بے شمار چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جمع کر کے میں نے نیچے رکھ دیں۔ یہ لکڑیاں میں درخت کو توڑ کر بھی حاصل کر سکتا تھا لیکن اس کے سامنے خواہ مخواہ طاقت کا مظاہرہ مناسب نہیں تھا۔ میں اپنی ذات اور مخفی قوتوں کو حتی الوسع چھپائے رکھنا چاہتا تھا۔

وہ مسکراتی نگاہوں سے کئی بار مجھے دیکھ چکی تھی۔ پھر اس نے اپنے تھیلے میں سے ماچس نکال کر میری طرف اچھال دی اور میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ محترمہ تمام انتظامات سے لیس ہیں۔ میں نے لکڑیاں سلگا دیں۔

اس دوران وہ ہرن کو پوری طرح صاف کر چکی تھی۔ پھر اس نے ٹکٹکی پر رکھی ہوئی لکڑی اٹھائی اور ہرن کو اس میں پرو دیا۔ ہرن کافی وزنی تھا لیکن لڑکی نے اس طرح اسے لکڑی میں پرو دیا تھا جیسے وہ بے وزن ہو۔ میرا اندازہ درست تھا۔ وہ واقعی بہت طاقتور تھی۔

وہ پانی سے ہاتھ دھو کر ایک سمت جا بیٹھی گویا اب اس نے باقی ذمے داری میرے سپرد کر دی۔ میں خاموشی سے ہرن بھوننے لگا۔ خاموشی کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ نہ میں اس کی زبان سمجھ سکتا تھا اور نہ وہ میری۔

جب ہرن تیار ہو گیا تو وہ اٹھی۔ چھرا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اسے اپنی

پتلون سے صاف کیا اور اس کا پھل زور سے ہرن کی اگلی ران پر مارا۔ اس کی ضرب میں اتنی قوت تھی کہ ہرن کی ران کی ہڈی تک کٹ گئی تھی۔ اس نے اطمینان سے چھرے کو ہرن کی پسلیوں میں دھنسایا اور اس کی ران ہاتھ میں لیے آگے بڑھ گئی۔ اپنی جگہ بیٹھ کر وہ ران کو دانتوں سے ادھیڑنے لگی۔ یہ گویا اشارہ تھا کہ اب اپنے لیے گوشت حاصل کرنا میرا سر درد ہے۔ میں نے چھرا ہرن کی پسلیوں سے نکال کر اس کی مانند دوسری ران پر نہیں مارا۔ وجہ وہی تھی۔ خواہ مخواہ اس کے سامنے طاقت کا مظاہرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے ہرن کے گوشت کو ہڈی تک کاٹ لیا اور پھر چھرے کو اس جگہ سے گزارنے لگا جہاں جوڑ ہوتا ہے۔ میں اس پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میں اس کے برابر طاقتور نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے ران علیحدہ کرنے کے لئے اس جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ اپنے حصے کی ران لے کر میں اس کے نزدیک ہی بیٹھ گیا اور ہم دونوں پیٹ بھرنے لگے۔ اس کے انداز میں بڑی وحشت تھی۔ ایک ران کھانے کے بعد اس نے دوسری ران اسی انداز میں اٹھائی اور اسے بھی چٹ کر گئی جبکہ میرے لیے ایک ہی ران کافی ثابت ہوئی تھی۔

شکم سیر ہونے کے بعد وہ اٹھ گئی تھی۔ اس کے انداز سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اب وہ یہاں سے آگے کا سفر کرنا چاہتی ہے۔ میں نے ایک بار پھر اس سے دست بستہ عرض کیا کہ میں ایک غریب انسان ہوں اور اس کی ان عنایتوں کا صلہ نہیں دے سکتا چنانچہ مجھے واپس جانے دیا جائے۔ اس کے منہ سے اب بھی کچھ نہیں نکلا تھا۔ میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”محترمہ! اگر آپ میری زبان نہیں سمجھتیں تو اپنی ہی زبان میں کچھ بکواس فرمایئے۔“

اس نے کینوس کا تھیلا گھما کر کندھوں پر باندھا اور سیدھی کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے انگلی سے مجھے دوسرے گھوڑے کی جانب اشارہ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ میں اس پر سوار ہو جاؤں۔ گویا یہ گھوڑا میرے لئے ہی تھا۔ اس کا کوئی دوسرا ساتھی نہ تھا۔

میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی دوسرا گھوڑا سنبھال لیا اور پھر ہمارا سفر شروع ہو گیا۔۔۔۔۔۔۔۔ گھوڑے کی پشت پر وہ اس طرح جمی ہوئی تھی جیسے ساری زندگی گھوڑے کی

سواری ہی میں گزار دی ہو۔ دوپہر کو وہی گوشت کھایا گیا جو صبح کو بھونا گیا تھا لیکن یہاں اس نے باقی ماندہ گوشت محفوظ کرنے کی بجائے ایک طرف پھینک دیا۔ میں نے حیران نگاہوں سے اس کی یہ حرکت دیکھی لیکن اس کے انداز میں اعتماد تھا جیسے اس کے بعد اسے تازہ گوشت کے مل جانے کا یقین ہو۔

دوپہر کا سورج ڈھل گیا۔ گرمی نے پورا بدن پسینہ پسینہ کر دیا تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی لیکن انتہائی گرم تھی اور جسم کے کھلے ہوئے حصے جھلس کر رہ گئے تھے۔ میری حالت تو ٹھیک ٹھاک تھی البتہ لڑکی کی طرف سے میں اگر پہلے تشویش کا شکار تھا تو وہ بھی اب دور ہو گئی تھی۔ میری نگاہ جب بھی اپنے گھوڑے کے ساتھ ساتھ دوڑنے والے دوسرے گھوڑے کی سوار پر پڑتی، میں دل ہی دل میں اس کی قوت برداشت کا معترف ہوئے بغیر نہ رہتا۔ اس کے چہرے پر تھکن کی ایک شکن بھی نہیں تھی۔ وہ بڑے اطمینان سے چاروں طرف کے مناظر دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تھوڑی سی جھلاہٹ بھی محسوس ہوئی۔ اس گونگی ہمسفر کا کیا کیا جائے؟ کاش! وہ بولنا جانتی تو کم از کم زبان کو زنگ نہ لگتا، بہت سے عقدے حل ہو جاتے۔ میں نے دانت پیس کر دوسرے گھوڑے کی طرف دیکھا اور اس وقت وہ بھی میری جانب متوجہ ہو گئی۔ کم بخت کے چہرے پر نگاہ پڑتی تو ایک لمحے کے لیے ذہن بھٹک جاتا۔ بڑی ساحرانہ قوت تھی اس کی نگاہوں اور مسکراہٹ میں، آدمی اس میں کھو کر رہ جاتا تھا۔

شام گہری ہو گئی۔ ایک جگہ قیام کے لیے منتخب کر لی گئی اس علاقے کے بارے میں ظاہر ہے اس سے زیادہ معلومات کس کو ہو سکتی تھیں؟ جس جگہ اس نے قیام کیا تھا وہاں جنگلات تو تھے لیکن نہ ہونے کے برابر البتہ جانور یہاں بھی بھٹک رہے تھے۔ میں نے گھاس کا ایک قطعہ منتخب کیا اور وہاں لمبا لمبا لیٹ گیا۔ ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا چکرا رہا تھا۔ میں اسے سکون دینا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ لڑکی پر یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ میں بہت تھک گیا ہوں۔

کافی دیر اس طرح گزر گئی۔ ذہن کو کچھ سکون محسوس ہوا تو میں نے کہنیوں کے بل ٹک کر اس کی تلاش میں نگاہیں میں دوڑائیں اور اسے دبے قدموں ایک جانب

دوڑتے ہوئے دیکھا۔

ایک اور منظر میری نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ خمیدہ لکڑی کا ایک ٹکڑا اس کے ہاتھ میں تھا جو سنسناتا ہوا اس کے ہاتھ سے نکلا اور سامنے دوڑنے والے ہرن کے ایک بچے کی ٹانگوں میں لگا وہ بری طرح اچھل کر نیچے گرا جبکہ لکڑی کا وہ ٹکڑا واپس اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ میرے ذہن نے فوراً ہی نعرہ لگایا۔ ''بومرینگ۔'' آسٹریلیا کے قدیم باشندوں کا قدیم ہتھیار! یقینی طور پر وہ بومرینگ ہی تھا۔ جس انداز میں اس نے ہرن کے بچے کو گرایا تھا، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کے استعمال میں ماہر ہے۔ میں سوچنے لگا، کیا اس کا تعلق آسٹریلیا کے قدیم قبائل سے ہے، اور اگر ایسا ہے تو پھر وہ اس جگہ کیا کر رہی ہے؟

ہرن کے بچے کو اٹھا کر وہ میری طرف آنے لگی۔ اب ظاہر تھا کہ مجھے سگھڑ گھریلو خواتین کی طرح اس شکار کو بھوننے کا انتظام کرنا تھا۔ ذمے داری ایک بار قبول کر لی تھی تو اب اسے نبھانا ہی چاہیے تھا تاکہ تعاون کا اظہار ہوتا رہے اور یہ ہولناک حسینہ مجھ سے بدظن نہ ہونے پائے چنانچہ میں نے اور اس نے وہی کچھ کیا جو صبح کر چکے تھے۔ شکم سیر ہونے کے بعد بدن پر عجیب سا بوجھل پن سوار ہو گیا اور میں وہیں لیٹ گیا۔ پھر جانے کب آنکھ لگ گئی..........

دوبارہ ہوش و حواس کی دنیا میں لوٹا تو رات کا ہی وقت تھا لیکن پورے دنوں کی چاندنی نے پورے جنگل کو منور کر رکھا تھا۔ میں نے گردن موڑ کر دیکھا وہ میرے قریب ہی بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔ کچھ دیر میں اسے نظروں میں سموتا رہا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بدن میں عجیب سی چپچپاہٹ تھی، پسینے اور گرمی نے بیڑا غرق کر دیا تھا۔ خیال آیا کہ کاش! پانی ہوتا تو نہا لیتا۔ دماغ میں جانے کیا سمائی کہ ایک طرف چل پڑا۔ درندوں کا خوف دامن گیر اسے ہوتا جو ان سے مقابلہ کرنے کی قوت کا مالک نہ ہوتا۔ اوپر والے کی مہربانی سے اب میرے بدن میں ایسی قوت دوڑ رہی تھی کہ شیر تو کیا ہاتھی کو بھی بائیں ہاتھ سے سنبھال سکتا تھا۔

دل میں اچانک اٹھنے والی ہڑک پر حرکت میں آنے کا صلہ مجھے مل گیا۔ میں

اچانک ہی ایک جھیل کے کنارے پر پہنچا تھا جو درختوں نے پوشیدہ کر رکھی تھی۔ کچھ دیر ادھر ادھر کا جائزہ لیتا رہا اور پھر اوپری لباس سے آزادی حاصل کر کے میں نے جھیل میں چھلانگ لگا دی۔

پانی اتنا شفاف تھا کہ چاندنی میں اس کی تہہ تک نظر آتی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا لیکن مجھے کوئی آبی جانور نظر نہ آیا۔ میں اطمینان سے نہاتا رہا اور قدرت کی صناعیوں کی داد دیتا رہا۔ پھر ان صناعیوں میں ایک اور صناعی کا اضافہ ہو گیا........ میری نگاہیں اتفاقیہ طور پر ہی اس طرف اٹھ گئی تھیں۔ ایک لمحے کے لیے تو دل دھک سے رہ گیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے کوئی آبی جانور آ گیا ہو لیکن چاندنی میں، میں نے اسے دیکھا تو میرے پورے بدن میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ میں اس کی آمد کو محسوس نہ کر سکا اور نہ ہی مجھے یہ اندازہ ہو سکا تھا کہ کب وہ پانی میں داخل ہوئی۔ مجھے وہ کوئی جل پری ہی لگی تھی۔ میں ساکت ہو کر اس کو دیکھنے لگا جو کسی جل پری کی مانند پانی میں کلیلیں کر رہی تھی۔ اس کے لمبے سیاہ بال قیامت بنے ہوئے تھے۔ جب بھی وہ کروٹ بدل کر پانی کی تہہ میں ترچھی تیرتی، مجھے محسوس ہوتا جیسے کسی نے کمان سے تیر چھوڑا ہو۔ تیرنے کا انداز بھی میرے لیے بالکل اجنبی اور انوکھا تھا۔ وہ میرے اطراف ہی میں چکرا رہی تھی اور میں شدت حیرت سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ میرے پورے بدن میں چیونٹیاں چلنے لگی تھیں اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ آسمان پر چاند کے بجائے سورج دوبارہ نکل آیا ہو۔

میری آنکھوں میں جلن پیدا ہونے لگی۔ میں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس پر نگاہیں ہی نہ ٹک پا رہی تھیں۔ پھر اچانک یہ احساس ہوا کہ جس طرح میں اسے دیکھ سکتا ہوں اسی طرح وہ بھی مجھے دیکھ سکتی ہے اور جانے کیوں مشرق میرے ذہن میں آ رچا۔ میں نے فوراً کنارے کی جانب تیرنا شروع کر دیا لیکن آفت کی وہ پرکالہ بار بار میرے سامنے آ جاتی جیسے میرا راستہ روکنا چاہتی ہو لیکن ساتھ یہ بھی چاہتی ہو کہ جانے والا خود رکے مگر ان تلوں میں تیل تھا ہی کب۔

کنارے پر آ کر میں ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر اسے دیکھتا رہا اور وہ چاندنی کا ہیولا بنی جھیل گردی کرتی رہی۔ بلاشبہ یہ میری زندگی کا اتنا حسین منظر تھا کہ

میں نے کبھی اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ ایک طرح سے جائز نہیں ہے۔ ذہن پر خواہ مخواہ اخلاقیات کے لبادے آ پڑے اور میں وہاں سے پلٹ آیا۔ یہ الگ بات تھی کہ دل کو قرار نہ تھا۔ آنکھیں بند کیں تو وہ پوری جھیل سمیت آنکھوں میں اتر آئی۔ ایک لمحے کے لیے میں نے دل میں سوچا کہ شاید وہ میرے اس رویئے سے بددل ہو گئی ہو۔ وہ تو اپنے طور پر میرا ساتھ قبول کر چکی تھی لیکن میں نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں اور زمین پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے قدموں کی چاپ محسوس ہوئی۔ وہ آ گئی تھی.......... میں نے آنکھوں میں درز پیدا کر کے اسے دیکھا اور اس دن مجھے پتہ چلا کہ بھیگا حسن کتنا دلفریب اور توبہ شکن ہوتا ہے۔ اس نے میری طرف نہیں دیکھا اور کچھ فاصلے پر جا کر اپنے مخصوص انداز یعنی گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گئی۔ میں نے پوری آنکھیں کھول دیں۔ پتہ نہیں اس کے ذہن میں کیا کیا خیالات گردش کر رہے تھے؟ لیکن میں اپنے خیالات کا اظہار اس پر قطعی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کچھ دیر میں یوں ہی لیٹا رہا۔ پھر نیند کی دیوی آنکھوں میں پیوست ہو گئی اور میں گہری نیند سو گیا۔

دوسری صبح وہ پرسکون تھی۔ ناشتہ رات کے بھنے گوشت کا ہی تھا۔ پتہ نہیں کیوں اس نے نیا شکار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے اسے دیکھا اور رات کا منظر میری نگاہوں کے سامنے آ گیا لیکن میں نے فوراً نگاہیں پھیر لیں۔ وہ بھی اپنے چہرے سے کسی خاص کیفیت کا شکار نظر نہ آ رہی تھی۔ اس کے انداز میں بیزاری تھی نہ روکھا پن، جیسے جو کچھ ہوا ہو وہ اس کے لیے بالکل تعجب خیز نہ ہو۔ میں نے اگر اس کی نسوانیت کو قبول نہیں کیا تھا تو اس نے اس پر ناراضگی کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اپنا تھیلا معمول کے مطابق کندھوں پر باندھا۔ میں جانتا تھا کہ اب گھوڑوں کے سفر کا آغاز ہو جائے گا چنانچہ میں نے بھی تیاریاں کیں اور بالآخر اس کے گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد خود بھی سوار ہو گیا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب میں کیا کروں؟ میں نے دل میں یہ فیصلہ

ضرور کیا تھا کہ اگر مجھے کسی دوسرے انسان کا وجود نظر آ گیا تو یقینی طور پر ان خاتون کو بھی ان کی قسمت پر چھوڑنے کی کوشش کروں گا۔ ظاہر ہے زبان ہی نہیں ہے اس کے پاس جو مجھے یہ پتہ چل سکے کہ آخر وہ کون سے جہنم میں جا رہی ہے۔ اس دن کا سفر بھی دوسرے دن کے سفر سے مختلف نہیں تھا۔ دوپہر کو ہم ایک پتھریلے میدان سے گزرے جس میں پیلے رنگ کی باریک باریک زیت بچھی نظر آ رہی تھی۔ اس کے انتہائی سرے پر ہمیں کچھ کھنڈرات نظر آئے۔

میں حیرت زدہ نگاہوں سے ان کھنڈرات کو دیکھنے لگا۔ اس دور دراز علاقے میں یہ کھنڈرات کیا حیثیت رکھتے تھے۔ یہاں تو اس جدید ترین دور میں بھی باقاعدہ عمارات یا مکانات بنانے کا رواج نہیں تھا۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر خود ہی برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ وہ بھلا مجھے ان کھنڈرات کے بارے میں کیا بتا سکتی تھی؟

میرا رخ بھی ان کھنڈرات کی جانب تھا۔ گھوڑوں کو سفر میں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی لیکن وہ بھی پسینے میں تر تھے۔ جب کچھ اور آگے بڑھے تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ کھنڈرات نہیں بلکہ پہاڑیاں ہیں۔ چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلے جن میں ہواؤں نے سوراخ کر کے انہیں عجیب و غریب شکلیں دے دی تھیں۔ دروازے غلام گردشیں، چھتیں، سائبان سب کے سب ہوا کی تراش کا کمال پیش کر رہے تھے۔ بہت عجیب اور پراسرار جگہ تھی۔ الگ الگ بنے ہوئے ان کھنڈرات کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ غول بیابانی کیا چیز ہوتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد ہم ان کھنڈرات کے قریب پہنچ گئے ایک درمیانے راستے میں پہنچے تو ایسی عمدہ ٹھنڈک محسوس ہوئی جیسے ایئرکنڈیشنڈ عمارت میں آ گئے ہوں۔ اس نے گھوڑا روک دیا اور میں بھی فوراً گھوڑے کو روک کر نیچے کود پڑا وہ بھی شاید یہاں قیام کرنے پر آمادہ نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ دونوں گھوڑوں کو وہیں چھوڑ دیا گیا اور ان کی لگامیں ایک پتھر سے الجھا دی گئیں۔ میں نے ایک صاف و ہموار جگہ دیکھی اور پھر وہیں دراز ہو گیا۔ اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ بھی اس آرام سے

متفق ہو اور پھر خود بھی بے سدھ ہو کر ایک طرف لیٹ گئی۔ تقریباً آدھا گھنٹہ ہمیں اسی طرح لیٹے لیٹے گزر گیا۔ پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور ایک پتھر کے نوک دار ٹکڑے سے پہاڑ کی سل پر کچھ لکیریں کاڑھنے لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ ان لکیروں کا کاڑھنا بے مقصد نہیں ہے۔ اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی تھا جسے وہ بار بار دیکھتی جا رہی تھی۔ میں نے آہستہ سے کھنکارا تو وہ میری جانب متوجہ ہو گئی۔ اس کی حسین آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے پھر چمک لہرائی۔ دوسرے لمحے اس نے اپنا ہاتھ میری جانب اٹھایا اور قریب آنے کا اشارہ کرنے لگی۔

''خیریت............؟'' میں نے بیزاری سے پوچھا۔

اس نے زور زور سے مجھے قریب آنے کا اشارہ کیا اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے کاغذ کا ایک نیلے رنگ کا ٹکڑا میرے سامنے کر دیا۔ اس پر غالباً واٹر کلر سے کچھ تصویریں بنائی گئیں تھیں۔ لکیریں، نشانات اور ایسی ہی دوسری چیزیں............ کاغذ کا یہ ٹکڑا غالباً بڑی احتیاط سے رکھا گیا تھا۔

لڑکی نے پتھر کے نوکیلے ٹکڑے سے ان کھنڈرات کی طرف اشارہ کیا اور کاغذ کو نوک سے کھٹکھٹانے لگی۔ مقصد یہ تھا کہ کیا کاغذ پر بنے ہوئے نقشے میں یہ کھنڈرات نمایاں نظر نہیں آتے؟ اس کی نگاہیں سوالیہ انداز میں میری جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ طوعاً و کرہاً میں نے اس کے مشغلے میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ میں نے اس کی بنائی لکیروں کو دیکھا اور مجھے احساس ہوا کہ جن راستوں سے ہم گزرتے آئے ہیں، ان کی نشاندہی ان لکیروں میں کی گئی ہے۔ میرے دل میں ایک تجسس اور دلچسپی سی جاگ اٹھی۔ میں نے کاغذ کے اس ٹکڑے کو ہاتھ میں لیا اور اسے بغور دیکھنے لگا۔ درمیان سے پھٹا ہوا تھا۔ اس کی لمبائی بتاتی تھی کہ کم از کم اتنا ہی لمبا ٹکڑا اس میں اور شامل ہو گا لیکن اب وہ آدھا تھا۔ وہ غالباً مجھ سے اپنے بنائے ہوئے نقشے کی تصدیق چاہتی تھی چنانچہ میں نے گردن ہلا کر آہستہ سے کہا۔

''بالکل............ تم نے اس کی نقل بالکل ٹھیک کی ہے۔'' میں انگلی سے کھنڈرات کے نشانات کھٹکھٹانے لگا اس کی آنکھوں میں اطمینان کے آثار نظر آئے۔

"باقی آدھا ٹکڑا کہاں ہے؟" میں نے پوچھا لیکن وہ سپاٹ نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔
"تم اپنے مطلب کی تمام باتیں سمجھ لیتی ہو جو میں کہتا ہوں وہ تمہاری سمجھ میں نہیں آتا۔" میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور کاغذ کا ٹکڑا اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے کاغذ کا ٹکڑا لے کر احتیاط سے تہ کیا اور اسے اپنے لباس میں رکھ لیا۔ پھر وہ پتھر کا نوکیلا ٹکڑا لے کر کچھ اور لکیریں کاڑھنے لگی جو ان کھنڈرات سے آگے کی تھیں لیکن پھر میں نے اسے چونکتے ہوئے دیکھا۔ وہ ناگن کی طرح پلٹی اور میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ایک سوالیہ نشان سا تھا لیکن میں اس کا سوال نہیں سمجھ سکا تھا۔ پھر اس نے اوندھے لیٹ کر زمین سے کان لگا دیئے۔ غالباً کوئی نئی افتاد پڑی تھی اس پر............ میں اسے دیکھتا رہا۔ زمین پر کان لگانے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ پھر وہ برق رفتاری سے پلٹی اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے پیروں سے جلدی جلدی وہ نقشہ مٹا دیا۔

میں اس کی بوکھلاہٹ کی وجہ نہیں سمجھ سکا تھا لیکن باہر سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ تب صورتحال کافی حد تک میری سمجھ میں آ گئی۔ اس نے پھرتی سے اپنا تھیلا اٹھایا اور کندھے پر لادنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی کی آمد سے خوفزدہ ہو کر یہاں سے بھاگ جانا چاہتی ہو۔ پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے اس طرف بڑھنے لگی جدھر گھوڑے کھڑے تھے۔ ابھی ہم گھوڑوں کے قریب پہنچے ہی تھے کہ فائر کی آواز سنائی دی اور گولی اس جگہ سے صرف چند گز کے فاصلے پر پتھر کی ایک چٹان سے ٹکرائی جہاں ہم دونوں موجود تھے۔ میرے منہ سے ایک آواز نکل گئی۔ اب دیر کرنا مصیبت کو آواز دینا تھا۔ کوئی آ گیا تھا چنانچہ ہم نے گھوڑوں کو دوڑا کر دوسری طرف چھوڑ دیا............

اب مسلسل گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پہاڑی کھنڈرات کے دوسری جانب کافی دور تک وہی پیلے رنگ کا میدان چلا گیا تھا اور اس کے بعد چھدرے چھدرے درختوں کا سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ گویا لڑکی کی یہی کوشش تھی کہ وہ درختوں میں پہنچ جائے لیکن یہ کون لوگ تھے اور لڑکی ان سے خوفزدہ کیوں تھی؟ یہ نیا سوال ذہن

میں پیدا ہوتا تھا۔ اب تک صرف وہی منظر عام پر رہی تھی لیکن اب کچھ اور لوگ بھی اس میں ملوث ہو گئے تھے۔ اگر اتفاقیہ طور پر ہم دونوں کو کسی نے یہاں دیکھ لیا تھا تو پھر گولیاں چلانے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ یہ سوالات صرف میرے ذہن ہی میں پیدا ہوئے تھے اور یقیناً ذہن ہی میں مر جانے والے تھے کیونکہ ان کا جواب مجھے کہاں سے ملتا؟ ویسے بھی یہ سوال و جواب کا وقت نہیں تھا کیونکہ عقب سے جس انداز میں گولیاں برسائی جا رہی تھیں اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ بمشکل تمام ان لوگوں نے ہمیں...... کم از کم اس لڑکی کو...... پایا ہے اور اب اس کی جان لے لینا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ میری زندگی کو بھی خطرہ لاحق تھا یا نہیں، اس سے میں واقف نہیں تھا۔ میرا جسم بے شک فولادی تھا لیکن یہ فولادی جسم گولیوں کو روکنے میں کامیاب ہوتا ہے، یا نہیں، یہ بات میں نہیں جانتا تھا اور یہ وقت ایسا کوئی تجربہ کرنے کے لئے قطعی موزوں نہیں تھا۔ اس وقت صرف ایک ہی کوشش زیادہ سودمند تھی اور وہ یہ کہ یہاں سے نکل بھاگا جائے۔

کئی گولیاں سنسناتی ہوئی ہمارے پاس سے گزر گئی تھیں۔ لڑکی کے گھوڑے نے اچانک ہی ایک زوردار ٹھوکر کھائی۔ ایک گولی اس کی ران میں لگی تھی۔ گھوڑا ہنہنا کر الٹ گیا اور منہ کے بل زمین پر آ رہا۔ میں نے گھوڑے کی لگامیں کھینچیں۔ میرا خیال تھا کہ لڑکی گئی کام سے لیکن میں نے حیرت انگیز طور پر اسے زمین پر چھلانگ لگاتے ہوئے دیکھا۔ وہ ہاتھوں کے بل زمین پر گری اور الٹی قلابازیاں کھا کر کھڑی ہوگئی لیکن دوسری قلابازی اس نے پھر کھائی اور اس کے نتیجے میں وہ میرے گھوڑے پر پہنچ گئی۔ اس نے گھوڑے کی لگامیں اپنے ہاتھوں میں پکڑ لی تھیں اور میرے بازوؤں کے نیچے سے ہاتھ نکال کر گھوڑے کو دوڑا رہی تھی۔ اتنی برق رفتاری کا مظاہرہ بلاشبہ ناقابل یقین تھا لیکن صورتحال اس وقت یہی تھی کہ ایک لمحے کی تاخیر نہ کی جائے............

ہم نے ایک بار بھی پلٹ کر ان لوگوں کو نہ دیکھا جو ہم پر گولیاں برسا رہے تھے۔ یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کتنے فاصلے پر اور کتنی تعداد میں ہیں............ بالآخر ہم چھدرے درختوں کی آڑ میں آ گئے لیکن یہ درخت ہمارے لیے جائے پناہ نہیں تھے۔ ان میں ہمیں بہت زیادہ تحفظ نہیں مل سکتا تھا۔ گھوڑا بدستور دوڑتا جا رہا تھا۔ اب عقب سے

گولیاں نہیں برسائی جا رہی تھیں۔ غالباً ہم ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے لیکن لڑکی نے گھوڑے کی رفتار کم نہیں کی۔ کافی فاصلے پر پہنچنے کے بعد جنگل گھنا ہونا شروع ہو گیا تھا لیکن لڑکی پناہ لینے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس نے بائیں سمت کا رخ کیا حتیٰ کہ ہم ایک ایسے مقام پر جا نکلے جو کسی قدر محفوظ محسوس ہوتا تھا۔ یہاں بھی جنگل ہی تھا لیکن درخت ایک دوسرے سے تقریباً جڑے ہوئے تھے ہم ان درختوں کے درمیان پہنچ گئے۔

جنگل میں کافی دور تک نکلنے کے بعد ایک جگہ نسبتاً صاف ستھری نظر آئی جہاں پہنچ کر اس نے گھوڑا روک لیا اور پھرتی سے نیچے اتر گئی۔ میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس لڑکی سے دور چلا جاؤں لیکن پھر وہی سوچ دامن گیر ہو گئی کہ میں اس ہولناک جنگل میں جاؤں گا کہاں؟ کسی ٹھکانے کی جگہ تک پہنچنے کے لئے اس لڑکی کا ساتھ بہت ضروری تھا۔

چنانچہ میں بھی مجبوراً گھوڑے سے اتر آیا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی اور اس کے کان مسلسل کھڑے تھے جیسے وہ دور دور کی آوازیں سننے کی کوشش کر رہی ہو۔ گھوڑے کو ایک طرف چھوڑ دیا گیا اور ہم لوگ ایک درخت سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔

”اے خاتون مصیبت جہاں! اب کیا ارادہ ہے؟ کیا ان جنگلوں ہی میں ہماری زندگی بسر ہو جائے گی؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر اس نے میرے بازو کو تھپتھپایا اور ایک سمت بڑھ گئی۔ پتہ نہیں کم بخت نے کیا دیکھ لیا تھا۔ وہ تقریباً پندرہ گز تک مجھے اسی طرح ساتھ لیے آگے بڑھتی رہی۔ اب میں نے بھی وہ چٹانیں دیکھ لیں جو عجیب و غریب تھیں۔ گھاس سے ڈھکی ہوئی دو چٹانیں جن کے نیچے سوراخ نظر آ رہے تھے۔ غالباً یہ غاروں کا کوئی علاقہ تھا۔ ہم ایک غار کے سامنے رک گئے۔ لڑکی نے ایک لمحے کے لیے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اس نے ایک غار کے دہانے کے قریب پہنچ کر اندر قدم رکھ دیا لیکن دوسرے لمحے ایک وحشت ناک قہقہہ سنائی دیا اور لڑکی چونک کر پیچھے ہٹ گئی۔

اندر سے کوئی ہنستا ہوا نکلا اور میرے شانوں کو چھوتا ہوا ایک لمبی زقند لگا کر

سامنے کی سمت بھاگ گیا۔ میں حیرت سے منہ کھولے دیکھتا ہی رہ گیا۔ بھاگتے ہوئے جانور کی پشت نہ دیکھتے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ کوئی انسان ہے جس نے قہقہہ لگایا اور فرار ہو گیا۔ عجیب و غریب جانور تھا، کنگرو کی طرح اچھلتا ہوا بھاگ رہا تھا لیکن اس کا قہقہہ انسانی قہقہے سے کتنا مشابہہ تھا۔ لڑکی نے ایک گہری سانس لی اور پھر اس غار میں داخل ہو گئی۔

چند لمحوں بعد وہ مایوسی سے باہر نکل آئی۔ غار اتنا کشادہ نہیں تھا کہ ہم دونوں اس میں پناہ لے سکتے تاہم اتنا ضرور تھا کہ ہم اس میں چھپ کر بیٹھ سکتے تھے۔ لڑکی نے باہر نکل کر چند لمبی لمبی جھاڑیاں کاٹیں اور انہیں غار کے دہانے پر اس طرح ڈال دیا کہ وہ اسی کا حصہ معلوم ہوں۔ جگہ کیسی بھی تھی لیکن محفوظ تھی اور ہمیں اس میں دشمنوں سے پوشیدہ رہنے میں مدد ملتی۔ گھوڑے کی موجودگی البتہ باعث تشویش تھی اور اس سے یہ اندیشہ تھا کہ وہ لوگ گھوڑے کو دیکھنے کے بعد ہمیں آس پاس ہی تلاش کریں گے۔ بہتر تھا کہ گھوڑے کو کہیں ادھر ادھر کر دیا جائے۔

میں نے اس سے کچھ کہنا چاہا لیکن جھنجھلا کر خاموش ہو گیا۔ وہ سمجھتی تو اس سے کچھ کہتا! جو کچھ کرنا تھا خود ہی آگے بڑھ کر لینا چاہا لیکن اس نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے روک لیا۔ وہ میرا ارادہ سمجھی تھی یا نہیں، یہ میں نہیں جانتا البتہ اتنا ضروری سمجھ گیا تھا کہ وہ اس وقت میرے غار سے باہر نکلنے کے حق میں نہیں ہے۔

کافی دیر گزر گئی اور اس کے بعد غالباً شام جھکنے لگی۔ سورج اپنا سفر طے کر چکا تھا، جھکتی ہوئی شام تیزی سے یہاں کے ماحول پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ ویسے بھی گھنے جنگل تھے اور سورج یہاں بہت کم اپنی حشر سامانیوں کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد چاروں طرف تاریکی پھیل گئی تھی۔ کوئی سرسراہٹ سی ابھری تو میں نے چونک کر گردن باہر نکالی۔ لڑکی نے فوراً ہی مجھے پیچھے کھینچ لیا لیکن اتنی دیر میں، میں باہر کا جائزہ لے چکا تھا۔ کچھ فاصلے پر ایک سیاہ سی چیز نظر آئی جو آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ ذرا دیر میں اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی انسان ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ دشمنوں نے ہماری سمت کا صحیح اندازہ لگا لیا تھا اور یہاں تک پہنچ گئے۔

میں دم سادھے بیٹھا رہا۔ قدموں کی آوازیں آہستہ آہستہ آگے بڑھتی محسوس ہوئیں۔ وہ کئی تھے لیکن ہمیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ ہم سانس روکے بیٹھے رہے۔ لڑکی کی طرف سے بھی کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی جس سے احساس ہوتا تھا کہ وہ بھی پوری طرح محتاط ہے۔ آہٹیں کچھ دیر تک سرسراتی رہیں اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ لڑکی اپنی جگہ سے باہر نکل آئی اور اس نے میرا کالر پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا۔

''اب کیا مصیبت نازل ہو گئی تم پر؟'' میں نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا لیکن اس نے اتنی زور سے مجھے کھینچا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نہ اٹھا تو کالر پھاڑ ڈالے گی۔ میں اٹھ کر اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ عجیب مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔ میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی۔ یہ جگہ تو میرے خیال میں کافی محفوظ تھی۔ اس نے مجھے کھڑا کیا اور اس کے بعد ایک طرف گھسیٹنے لگی گویا وہ یہ جگہ چھوڑ دینا چاہتی تھی۔

ابتدا میں تو میری سمجھ میں کچھ نہ آیا لیکن بعد میں میں نے جب غور کیا تو میری آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ ایک بہترین اقدام تھا وہ لوگ جس راستے پر تلاش کر کے یہاں تک پہنچے تھے لڑکی اسی راستے پر جا رہی تھی۔ اس سے یہ فائدہ ہو سکتا تھا کہ اب وہ لوگ ہمیں اس سمت تلاش نہیں کریں گے۔ ممکن ہے وہ ان چٹانوں کو بھی تلاش کر لیں جن کے درمیان سوراخ بنے ہوئے تھے۔ مجھے احساس ہوا تھا کہ لڑکی اتنی بے وقوف نہیں ہے جتنی میں سمجھ رہا تھا۔

ہم دیر تک سفر کرتے رہے۔ پھر ہمیں کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی جس راستے پر ہم جا رہے تھے وہاں جنگل زیادہ گھنا اور خوفناک ہوتا چلا گیا تھا۔ بعض جگہ زمین پر دلدل بھی محسوس ہو رہی تھی جو گھاس میں چھپی ہوئی تھی لہٰذا سفر میں سخت دشواری پیش آ رہی تھی۔ لڑکی ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی کافی پرسکون تھی۔ خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک بار پھر ہم نے ایک جھنڈ میں پناہ لی۔ درختوں کے درمیان قد آدم گھاس اگی ہوئی تھی۔ میرے کان آہٹوں پر لگے ہوئے تھے اور میں دور دور تک کی آوازیں سننے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اطراف میں کوئی آواز نہیں تھی۔ لڑکی یہاں کافی دیر رکی۔ آہستہ آہستہ چاند نکل آیا تھا اور چاندنی درختوں سے چھن چھن کر پہنچ رہی تھی جس سے بعض حصے اچھے

خاصے روشن ہو گئے تھے۔ درخت یہاں بھی گھنے اور آپس میں جڑے ہوئے تھے اور زمین کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ انسانی قدموں سے نا آشنا ہے۔

کچھ فاصلے پر ہمیں جانوروں کی خشک ہڈیاں بکھری نظر آ رہی تھی۔ کئی منٹ یہاں گزارے اور اس کے بعد پھر یہاں سے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ درختوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر پتھریلا میدان آ رہا تھا۔ لڑکی مقامی جغرافیے سے خوب اچھی طرح واقف تھی اور ایسے راستوں پر جا رہی تھی جو مشکل نہیں تھے یہاں تک کہ آہستہ آہستہ رات ختم ہو گئی۔

ہم تھوڑی دیر رک جاتے اور اس کے بعد پھر سفر کرنے لگتے۔ غالباً لڑکی راتوں رات ان لوگوں سے اتنی دور نکل جانا چاہتی تھی کہ دن کی روشنی میں وہ ہمیں تلاش نہ کر سکیں۔ جب سورج نکلا تو ہم ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں درخت بہت کم تھے اور چھوٹے چھوٹے ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان پہاڑیاں بکثرت موجود تھیں۔ ٹیلے بالکل سنسان اور خاموش تھے۔ اطراف میں جانور وغیرہ بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ لڑکی یہاں دھوکا کھا گئی۔ اگر غذا کا مسئلہ پیش آ گیا تو کیا ہو گا؟ یہاں تو اس کے شکار کرنے کے لیے جانور بھی موجود نہیں تھے۔ دوسرے ہی لمحے مجھے ایک دم احساس ہوا کہ بلاشبہ یہاں ہمارے شکار کرنے کے جانور نہیں تھے لیکن ہمارے شکاری موجود تھے.........

ایک ٹیلے کے عقب سے پانچ چھ افراد نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں دبی ہوئی تھیں اور چہروں پر ایسے تاثرات نظر آ رہے تھے جیسے وہ چھپے ہوئے ہمارا انتظار کر رہے ہوں۔ آن کی آن میں وہ ہمارے چاروں طرف بکھر گئے۔ لڑکی پینترے بدل رہی تھی اس کی نگاہیں ان لوگوں پر جمی ہوئی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس نے ان سے ہار نہ مانی ہو۔ وہ چیختے دھاڑتے ہوئے ہماری جانب لپکے اور ان کا انداز ایسا ہی تھا جیسے ہمیں دانتوں سے چیر کر رکھ دیں گے۔

میں نے کوئی مزاحمت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں ان لوگوں سے واقف ہی نہیں تھا۔ خدا جانے وہ کون تھے اور میرے لئے ان سے الجھنا آگے چل کر کیا نتائج لے کر

آتا۔ اس لڑکی کے ساتھ ان کا کیا جھگڑا تھا، وہ اسے محض گرفتار کرنا چاہتے تھے یا مارنا چاہتے تھے، اس کی موت یا گرفتاری سے ان کے کیا مفادات وابستہ تھے، میں جب کچھ جانتا ہی نہیں تھا تو خواہ مخواہ اپنے لئے مشکلات کیوں پیدا کرتا۔

میں تو آسانی سے ان کی گرفت میں آ گیا لیکن لڑکی اچانک ہی زمین پر ہاتھ رکھ کر اچھلی اور اس کی دونوں ٹانگیں دو افراد کے منہ پر پڑیں۔ ان کے حلق سے بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ لڑکی نے چھلانگ لگائی اور ناقابل یقین برق رفتاری سے ایک ٹیلے پر چڑھ گئی۔

میں دو آدمیوں کی گرفت میں تھا لیکن میری آنکھیں لڑکی کو دیکھ رہی تھیں۔ آن کی آن میں وہ ٹیلے کی بلندی پر نظر آئی اور اس کے بعد دوسری طرف کود گئی۔

”لینا..........“ ان میں سے ایک دہاڑا اور پھر سب اس طرف دوڑ پڑے جو مجھے پکڑے ہوئے تھے۔ وہ مجھے بھی گھسیٹتے ہوئے اسی جانب جا رہے تھے۔ میں نے بلندی پر پہنچ کر دیکھا۔ لڑکی ٹیلوں کے دامن میں بھاگ رہی تھی۔ دو افراد پوری قوت سے اس کے پیچھے دوڑ پڑے لیکن وہ چھلاوا بنی ہوئی تھی۔ ان کے ہاتھ کہاں آتی!

تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر جا کر وہ رکی اور ہماری طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا جیسے الوداع کہہ رہی ہو۔ ایک بار پھر اس نے آگے چھلانگ لگا دی۔ اس کے پیچھے بھاگنے والے افراد پوری قوت سے بھاگ رہے تھے لیکن وہ کچھ ہی دوڑ گئے ہوں گے کہ ان کے قدم ٹھٹھک گئے اور پھر میں نے ان کے چہروں پر دہشت نمایاں دیکھی۔

وہ اچانک ہی دونوں ہاتھ بلند کر کے کھڑے ہو گئے اور پھر زور زور سے چیخنے لگے۔ میرے ساتھ موجود افراد حیران رہ گئے۔ ان دونوں نے بے اختیار مجھے چھوڑ دیا۔ میں بھی حیرت سے ان چیخنے والوں کو دیکھ رہا تھا جبکہ لڑکی دوڑتی ہوئی کافی دور نکل گئی تھی۔ اگر پیچھے والے افراد چاہتے تو اسے رائفلوں کا نشانہ بنا لیتے لیکن وہ ابھی ان چیخنے والوں کی طرف متوجہ تھے جو اپنی جگہ کھڑے چیخ رہے تھے۔

پھر میں نے ایک اور دہشت ناک منظر دیکھا۔ چیخنے والوں کے قد آہستہ آہستہ چھوٹے ہونے لگے..........فوراً ہی صورتحال سمجھ میں آ گئی۔ جس جگہ وہ کھڑے تھے،

وہاں دلدل تھی اور وہ دلدل میں بیس گز دور نکل گئے تھے۔ اب ان کے قدم دلدل میں دھنستے جا رہے تھے..........

خوف و دہشت سے میرے بدن میں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ میں ان لوگوں کے چھوٹے ہوتے ہوئے قد دیکھ رہا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر مدد کے لیے اپنے ساتھیوں کو پکار رہے تھے اور کنارے پر کھڑے آدمی بری طرح ناچ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کی کس طرح مدد کریں۔

دلدل میں ڈوبنے والوں سے بہت آگے، کافی آگے وہ چھلاوہ لڑکی دوڑی چلی جا رہی تھی۔ یہ بات ناقابل یقین تھی کہ اس کے پاؤں ایک لمحے کے لیے بھی دلدل پر نہیں ٹک رہے تھے۔ بس یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے پاؤں دلدل کو چھوتے ہیں اور اس کے بعد وہ آگے چھلانگ لگا دیتی ہے بالآخر دلدلی علاقہ ختم ہو گیا۔

میں اگر چاہتا تو ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر یہاں سے فرار ہو سکتا تھا لیکن میں نے بھی مصلحت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ لڑکی تو نکل ہی گئی تھی اب اگر میں یہاں سے بھاگ جاتا تو بلاوجہ ان کا مجرم قرار پاتا اور پھر بھاگ کر جاتا بھی کہاں؟ اب تک لڑکی میری رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی آئی تھی، اب یہ کام ان سے لیا جا سکتا تھا۔ اگر میں ان پر ثابت کر دیتا کہ میں ان کا دشمن نہیں بلکہ خیر خواہ ہوں تو وہ یقیناً میری مدد کرنے پر آمادہ ہو جاتے۔

اور ان پر خیر خواہی ثابت کرنے کی ایک ترکیب فوراً ہی میرے ذہن میں آ گئی۔ میں نے چیخ کر کہا۔ ”تمہارے پاس رسہ نہیں ہے اگر ہو سکے تو رسے کا انتظام کرو۔ ابھی ان لوگوں کے دلدل میں غرق ہونے میں وقت ہے۔“

میری بات غالباً ان کی سمجھ میں آ گئی۔ ان میں سے ایک آدمی نے برق رفتاری سے چھلانگ لگائی اور ایک جانب دوڑ گیا۔ ایک ڈیڑھ منٹ میں وہ واپس بھی آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں نائیلون کا ایک رسہ تھا جسے اس نے راستے ہی میں کھول لیا تھا۔

”مجھے دو..........“ میں نے کہا اور اس کے ہاتھ سے رسہ لینے کی کوشش کی لیکن جو شخص میری نگرانی کر رہا تھا اس نے مجھے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور رائفل کی نال

میرے سینے سے لگا دی۔ باقی لوگ اپنے ساتھیوں کی مدد میں مصروف ہو گئے۔ رسہ گھما کر
پھینکا جاتا لیکن ہوا کے باعث ہر بار وہ ان سے کچھ فاصلے پر چلا جاتا۔

”کیا تم لوگ ان کو موت کے حوالے کرنے پر تیار ہو بے وقوف لوگو! رسہ مجھے
دو۔“ میں نے اس مرتبہ قدرے سختی سے کہا۔

اس بار پتہ نہیں کیوں ان میں کچھ نرمی پیدا ہو گئی۔ ایک نے رسہ میری جانب
بڑھا دیا۔ میں نے اپنے سامنے کھڑے شخص سے رائفل چھین لی۔ باقی دونوں نے چونک
کر مجھے دیکھا اور رائفلیں میری جانب سیدھی کر دیں لیکن میں نے ان پر توجہ دینے کی
بجائے جلدی سے رسے کا سرا رائفل میں مضبوطی سے باندھا اور اسے گوپھن کے انداز
میں پوری قوت سے گھمانے لگا۔ اسی طرح تیزی سے گردش دیتے ہوئے میں نے رائفل
سے بندھی ہوئی رسی ڈوبنے والوں کی جانب اچھال دی۔ زیادہ قوت استعمال نہیں کی تھی
میں نے، ورنہ عین ممکن تھا کہ رسی میں بندھی ہوئی رائفل اتنے فاصلے پر جا کر گرتی کہ نظر
بھی نہ آتی۔

رائفل ان کے قریب جا گری۔ انہوں نے پھرتی سے رسہ پکڑ کر اپنے بدن کے
گرد کس لیا۔ میری اس کوشش سے رائفل بردار غالباً مطمئن ہو گئے تھے۔

اس رسے کی مدد سے انہیں کھینچا جانے لگا۔ میں اکیلا بھی ان دونوں کو کھینچنے کے
لئے کافی تھا لیکن یہ کام میں نے ان کے ساتھیوں کو کرنے دیا۔ جس طرح اب تک میں
نے اپنی ذات کو لڑکی سے مخفی رکھا تھا، اسی طرح ان سے بھی رکھنا چاہتا تھا۔ میں دیکھ رہا
تھا کہ اپنے ساتھیوں کو دلدل کی مضبوط گرفت سے چھڑانے کی کوشش میں وہ لوگ پسینہ
پسینہ ہوئے جا رہے ہیں۔ اگر مجھے شک گزرتا تو یقیناً یہ کام خود سنبھال لیتا۔ بہر حال میں
دیکھ رہا تھا کہ وہ لوگ اپنی جانب سے پوری کوشش کر رہے ہیں۔

بالآخر ان کی کوششیں رنگ لانے لگیں۔ دلدل سے ان دونوں کے بدن
اکھڑنے لگے یہاں تک کہ وہ دلدل میں ایک لمبی لکیر بناتے ہوئے دور تک آ گئے۔ وہ
لوگ بری طرح پسینہ پسینہ تو ہو گئے لیکن انہیں بچانے میں کامیاب بھی ہو گئے تھے۔ وہ
دلدل سے نکلے تو میں بھاگ کر ان تک پہنچا۔

”پانی ہے؟“ میں نے سوال کیا اور ایک شخص نے حیرت زدہ انداز میں پانی کی
چھاگل میری طرف بڑھا دی۔ میں نے دونوں کو پانی پلایا اور ان کے شانے پر تھپکیاں
دینے لگا۔

بدبودار دلدل سے ان کے بدن لتھڑ گئے تھے۔ انہیں صاف کرنا اتنا آسان
نہیں تھا تاہم میں کوشش کرنے لگا کہ ان کے لتھڑے ہوئے بدن صاف کر دوں۔ وہ
سب متحیرانہ نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں تو ان کے دشمنوں میں سے تھا۔
وہ لوگ مجھے گرفتار کرنے کی کوششوں میں رات بھر مصروف رہے تھے اور میں ان کے
ساتھ یہ دوستانہ سلوک کر رہا تھا۔ وہ یقیناً حیران ہوں گے لیکن وہ میرے رویئے کے پس
پردہ محرکات سے ناواقف تھے، اس لئے ان کی حیرت بجا تھی۔ کافی دیر تک میں ان لوگوں
پر مصروف رہا اور آخر کار انہیں اس گندگی سے نجات دلانے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے
ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہاں کوئی تالاب وغیرہ نہیں ہے؟“

”آؤ.........“ ان میں سے ایک نے کہا اور اپنے دونوں ساتھیوں کو سہارا
دے کر وہ اس طرف چل پڑے جدھر سے میں نے انہیں برآمد ہوتے دیکھا تھا۔ میں نہ
صرف ان کے ساتھ جا رہا تھا بلکہ ان سے زیادہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کر رہا تھا تب میں
نے کافی فاصلے پر ٹیلوں کی آڑ میں دو گاڑیاں کھڑی دیکھیں۔ یہ لینڈ روورز تھیں۔ گاڑیوں
میں کافی سامان موجود تھا۔ آس پاس اور کوئی شخص نہیں تھا۔ غالباً یہی چھ افراد یہاں موجود
تھے۔

میں گاڑیوں کے قریب پہنچ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ لوگ اپنے ساتھیوں کے
لیے لباس کا بندوبست کرنے لگے۔ دو آدمی مسلسل مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے تھے لیکن اب
مجھے کسی چیز کی پروا نہیں تھی۔ چند لمحوں بعد ایک آدمی نے مجھے ایک پیالی میں کافی پیش
کی۔ کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو میری ناک سے ٹکرائی تو میں نے جلدی سے پیالی تھام
کر چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے شروع کر دیئے۔ میرے نگران بھی ہاتھوں میں کافی کے
مگ لیے میرے قریب بیٹھ گئے۔

"تم نے ہمیں پاگل کر کے رکھ دیا ہے۔" ایک نے شکوے کے سے انداز میں کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم یہ بات کیوں سوچ رہے ہو؟" میں نے کافی کا ایک بڑا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"کیا تم اس کے ساتھ نہیں تھے؟"

"تھا............"

"اور رات کو جب وہ ہمارا گھوڑا لے بھاگی اور ہم اسے تلاش کر رہے تھے تو اس وقت کیا تم نے اسے تحفظ نہیں دیا؟"

گھوڑے کا عقدہ تو حل ہو گیا تھا۔ وہ اس لڑکی نے یقیناً ان کی کمین گاہ سے ہی چرایا ہوگا۔ مجھے اپنے ساتھ رکھنے کے لئے اس نے یہ خطرہ مول لیا تھا۔ نہ جانے اس کے ذہن میں میرے متعلق کیا منصوبے پرورش پا رہے تھے۔ بہرحال، میں نے سوچ کر ذہن کو تھکانے کے بجائے موجودہ صورت حال سے نپٹنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

"دوستو! میرے بارے میں سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں نے اسے تحفظ نہیں دیا بلکہ وہ مسلسل مجھے اپنا قیدی بنائے ہوئے تھی تو کیا تم اس بات پر یقین کرو گے؟"

"ہاں............ اس شیطان کی خالہ کے متعلق ہر بات پر یقین کیا جا سکتا ہے۔ خدا کی پناہ! انسان تو کہا ہی نہیں جا سکتا اسے۔ کیا شے ہے............؟ کس کس طرح اس نے ہم لوگوں کو ڈاج دیا ہے؟"

"میں تو اب بھی سوچتا ہوں تو ششدر رہ جاتا ہوں۔ دلدل پر دوڑنے کا یہ فن کیا بالکل انوکھا نہیں تھا؟"

"اس کم بخت نے اسے چھلاوہ بنا دیا تھا اور یقینی طور پر اس نے اس کے ساتھ کچھ اس قسم کی کاروائیاں کی ہوں گی کہ وہ مافوق الفطرت بن گئی ہے۔"

میں یہ باتیں سن رہا تھا لیکن میں ابھی ان سے کوئی سوال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا تاوقتیکہ وہ مجھ پر مکمل طور پر اعتماد نہ کر لیں۔ وہ اس لڑکی کے متعلق بات کر رہے

تھے، گفتگو میں بار بار صیغہ غائب میں کسی شخص کی طرف اشارہ کیا جا رہا تھا۔ ان کی باتوں سے مجھے صرف اتنا اندازہ ہوا کہ جس شخص کا وہ ذکر کر رہے ہیں، وہ اس لڑکی کا استاد یا گرو ٹائپ کی کوئی چیز ہے۔

پھر ان کی توجہ دوبارہ میری جانب مبذول ہو گئی۔ دوسرے آدمی نے جس کا نام المیس لیا جا رہا تھا، مجھ سے پوچھا۔ "کیا تم اس کے قبضے سے فرار کی فکر میں تھے؟"

"یہ بات بھی نہیں تھی۔ دراصل میری مجبوری مجھے اس کے ساتھ لگائے لگائے پھر رہی تھی۔ میں اس علاقے سے بالکل ناواقف ہوں۔ پھر اس کے قبضے میں پہنچنے کے بعد سے اب تک اس کوشش میں مصروف رہا کہ یا تو کوئی بستی نظر آ جائے یا چند افراد تا کہ میں اس سے جان چھڑا کر ان کا سہارا لے سکوں۔ تنہا ان ویرانوں میں بھٹکنے کی ہمت نہیں تھی۔ میں ان علاقوں سے بالکل ناواقف ہوں۔"

اسی وقت باقی چاروں میں سے ایک شخص ہمارے قریب آ گیا۔ "المیس واپس چلو اب یہاں رکنا بے مقصد ہے۔ یہ دلدل دور تک چلی گئی ہے اور اسے عبور کر کے دوسری طرف جانا بے سود ہے۔ ہمیں فوراً ہی چیف کو اس کے نکل جانے کی اطلاع دینی چاہیے۔"

دونوں کھڑے ہو گئے۔ کافی کے مگ اٹھا کر لینڈ روورز کے عقبی حصے میں رکھے گئے اور پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"دوست! معاف کرنا۔ تمہارے لیے یہ کاروائی یقیناً تکلیف دہ ہو گی لیکن ہمارے لیے ضروری ہے۔ براہ کرم! اپنے ہاتھ بلند کر لو تا کہ تمہاری تلاشی لے لی جائے۔"

میں نے پورے خلوص سے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ "میرے پاس کچھ نہیں ہے جو تمہارے لیے تکلیف دہ ہو۔"

تاہم انہوں نے میری تلاشی لی اور مجھے بڑے دوستانہ انداز میں لینڈ روورز میں بٹھا دیا گیا۔ دلدل سے بچنے والے بھی ساتھ تھے۔ وہ آگے روانہ ہوئے تو ان میں سے ایک نے کہا۔ "ہم تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"گدھا............" میں نے جواب دیا اور وہ میرے نام کا تلفظ ادا کرنے کی

کوشش کرنے لگے۔ تھوڑی ردوقدح کے بعد مجھے گادا کا نام دیا گیا۔ جانے کون سے ملک کے باشندے تھے کہ میرے بتائے ہوئے فرضی نام کا تلفظ ان سے صحیح طور پر نہیں ہو رہا تھا۔ بہرحال وہ میرا بہت بہت شکریہ ادا کر رہے تھے۔ میں نے ان سے آہستہ سے کہا۔ ''حالانکہ پچھلی رات اگر آپ لوگ مجھے پا لیتے تو یقیناً میرا حشر اس لڑکی جیسا ہی کیا جاتا لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں دل سے اس کے ساتھ نہیں تھا۔''

پھر راستے میں ہمارے درمیان کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ سفر تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ پتھریلی زمین پر ان کی رفتار کچھ ہلکی ہی تھی۔ ہم ایک ایسے خطے میں پہنچ گئے جہاں درختوں کی بہتات تھی اور زمین پر مخمل جیسے سبزے کا فرش بچھا ہوا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک آبشار پہاڑوں کی بلندیوں سے گزر رہا تھا اور نیچے ایک ندی بناتا ہوا دور تک نکل جاتا تھا۔

اسی سبزہ زار پر میں نے سفید خیموں کا ایک گاؤں آباد دیکھا۔ خیموں کی تعداد پچیس یا تیس کے درمیان ہوگی جنہیں ایک دائرے کی شکل میں لگایا گیا تھا۔ درمیان میں خالی جگہ چھوڑ دی گئی تھی جس کے ایک گوشے میں بڑی نفاست سے فولڈنگ میزیں اور کرسیاں جمائی گئی تھیں۔

مجھے لانے والے خیموں کے درمیان آ گئے اور پھر ایک طرف بنے ہوئے خیمے کے ایک دروازے میں مجھے داخل کر دیا گیا۔

''مسٹر گادا۔'' میرے ساتھ آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ ''آپ سے درخواست ہے کہ اس وقت تک اس خیمے میں رہیں جب تک آپ سے دوبارہ رابطہ قائم نہ کیا جائے۔ خیمے سے باہر نکلنے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے بدعہدی کی۔ اس طرح آپ کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ چلے گئے۔ میں اطمینان سے خیمے کا جائزہ لینے لگا۔ وہاں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ میں نے جوتے اتارے اور منہ ہاتھ دھو کر پلنگ پر دراز ہو گیا اور اس چھلاوے کے بارے میں سوچنے لگا جو واقعی میری زندگی میں سب سے زیادہ عجیب کردار ثابت ہوا تھا۔ اس سے جدا ہونے کے بعد احساس ہوا کہ میں دنیا

کی حسین ترین شے جدا ہو گیا ہوں۔ اس کا سراپا میری نگاہوں میں تھا۔ خاص طور پر وہ منظر جب وہ چاندنی میں جھیل کے اندر مچھلی کی مانند تیر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات اس بات کے مظہر تھے کہ وہ میری طرف سے کسی پہل کی منتظر ہے لیکن اب اپنی اس شرافت کو کیا کرتا جو ہمیشہ ہی میرے ساتھ رہی تھی۔ بہرحال یہ طے تھا کہ اسے بھلانا مشکل تھا۔

رات کو میرے کانوں میں موسیقی کی مدہم آوازیں ابھریں۔ غالباً وائلن بجایا جا رہا تھا۔ اس کے بعد بینجو بھی سنائی دیا۔ میں حیرانی سے منہ کھول کر رہ گیا۔ ان لوگوں نے جنگل میں منگل بنا ڈالا تھا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک شخص اندر داخل ہوا۔ اس نے دو مومی شمعیں خیمے میں رکھ دیں۔

''آپ اگر باہر آنا چاہیں تو آ سکتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ انداز بڑا مہذب اور شریفانہ تھا۔ مجھے بھلا خیمے میں پڑے رہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اجازت مل گئی تھی چنانچہ میں باہر نکل آیا۔

باہر کا منظر دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ چیزیں جو پہلے ایک گوشے میں سمٹی ہوئی تھیں اب جگہ جگہ بچھا دی گئی تھیں۔ ان پر موم بتیاں ایک خاص انداز میں روشن تھیں۔ بہت سی میزوں پر لوگ شراب کے برتن سجائے بیٹھے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر ایک کاؤنٹر بنا ہوا تھا جس کے پیچھے چند افراد کام کر رہے تھے۔ بوتلیں ایک طرف نفاست سے ایک ٹرالی میں سجی ہوئی تھیں۔ اس طلسمی منظر میں کھو کر میں اتنا حیران ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا۔

میں کچھ دیر تو احمقوں کی طرح ایک طرف کھڑا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک قریبی میز پر جا بیٹھا۔ میرے سامنے کسی نے کوئی چیز لا کر نہیں رکھی تھی البتہ میں نے دیکھا کہ جس شخص کو کسی شے کی ضرورت ہوتی وہ اپنے طور پر ہی اٹھا لیتا۔ گویا سیلف سروس کا رواج تھا۔ لیکن ظاہر ہے شراب سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور فی الحال شراب ہی پی جا رہی تھی۔ چنانچہ میں خاموشی سے بیٹھا ان لوگوں کو دیکھتا رہا۔

پھر ایک شخص میرے قریب آیا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ میں نے چونک کر

اسے دیکھا اور پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔

''میرا نام فالکن ہے اور میں ان دونوں میں سے ایک ہوں جن کی جان بچانے میں آپ نے انتہائی ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''اوہ......مسٹر فالکن! میں آپ کو نئی زندگی کی مبارکباد دیتا ہوں۔''

''شکریہ......کیا آپ ڈرنک نہیں کرتے؟''

''نہیں......'' میں نے جواب دیا۔

''آپ کے لیے کچھ اور لاؤں؟''

''کافی مل جائے تو......''

''ہاں......کیوں نہیں۔ ہر چیز مل سکتی ہے، ایک منٹ، میں ابھی حاضر ہوا۔'' فالکن ممنونیت کے جذبات کا شکار تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے لیے شراب کی بوتل، گلاس اور آئس بکس اور میرے لیے کافی کا ایک کاغذی کپ لے آیا۔

''یہ ماحول آپ کو کیسا لگا؟'' اس نے کپ مجھے تھماتے ہوئے پوچھا۔

''ناقابل یقین۔''

''ہمارے مالکان دراصل شاہی خاندان کے افراد ہیں اور شہنشاہیت کی خوبو کبھی نہیں جاتی خواہ وہ کسی بھی جگہ ہوں۔ میں آپ کو ان کے بارے میں تفصیلات بتاؤں گا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ انہوں نے اپنے لیے اس زمین پر ہی جنت بنا ڈالی ہے۔''

''افسوس! میں ان سے ناواقف ہوں۔''

''آپ ابھی انہیں دیکھ سکیں گے ویسے آپ کے بارے میں انہیں تفصیلات فراہم کر دی گئی ہے۔''

''گڈ......لیکن کیا میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ آپ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

''میں آپ کو تھوڑی بہت تفصیلات تو بتا سکتا ہوں لیکن بہتر یہ ہوگا کہ پہلے چیف سے آپ کا تعارف ہو جائے پھر ہمارے درمیان دوستانہ تعلقات میں آسانی ہوگی۔''

میں گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ مالکان کے سلسلے میں میرے ذہن میں تجسس ضرور جاگا تھا لیکن میں خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ پھر میں نے ایک خیمے سے دو افراد کو برآمد ہوتے دیکھا۔ میزوں کے درمیان پھیلی ہوئی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آوازیں ایک لخت معدوم ہو گئیں۔ میں گہری نگاہوں سے آنے والوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ ان کی عمریں اٹھائیس یا انتیس سال ہوں گی، دونوں کی شکلیں حیرت انگیز طور پر یکساں تھیں۔ بالوں کا سٹائل، آنکھیں، ناک، چہرہ حتیٰ کہ لباس بھی بالکل ایک جیسا تھا۔ ان کے آنے سے ایک تیز خوشبو فضا میں پھیل گئی جو یقیناً کسی اعلیٰ درجے کے سینٹ کی تھی۔

دونوں ایک میز پر آ کر بیٹھ گئے اور ان کے سامنے شراب کے برتن سجا دیئے گئے، بھنبھناہٹیں پھر جاری ہو گئیں۔ غالباً ان لوگوں کی اجازت تھی کہ تفریح کے اوقات میں ان کی موجودگی کی پرواہ نہ کی جائے۔ وہ اپنے طور پر شراب نوشی میں مصروف ہو گئے۔

فالکن میری میز سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ میں خاموش بیٹھا اس ماحول کو دیکھتا رہا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ یہاں لڑکیاں بھی کافی تعداد میں تھیں۔ آٹھ یا نو تو میں گن چکا تھا جبکہ مردوں کی تعداد پچیس تیس کے درمیان ہو گی۔ واقعی اتنا بڑا گروہ لے کر ان ہولناک علاقوں میں داخل ہونا معمولی بات نہیں تھی اور پھر ظاہر ہے ساز و سامان کی منتقلی بھی ایک مسئلہ تھی۔ پتہ نہیں اس کے لیے ان لوگوں نے کیا انتظامات کیے تھے......کیونکہ بیشتر علاقے ایسے تھے جدھر گاڑیوں کا گزرنا ممکن نہ تھا تاہم اس مسئلے پر سر کھپانے کی مجھے کیا ضرورت تھی۔ مجھ سے زیادہ حیرت انگیز تو ان تمام لوگوں میں سے کوئی نہیں تھا اور یہ بات میں اپنی زبان سے کہہ کر شرمندہ بھی نہیں ہوتا تھا۔

موسیقی کی دھنیں تبدیل ہونے لگیں۔ میزوں کو ایک خاص ترتیب سے سمیٹ لیا گیا اور درمیان میں دائرہ سا بن گیا۔ میں نے موسیقی کی ان بدلتی دھنوں کا مطلب بھی سمجھ لیا۔ غالباً رقص کا پروگرام تھا......اور ایسا ہی ہوا۔ جوڑے ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے رقص کرنے لگے۔ بڑی مفاہمت کا ماحول تھا۔ خواتین ہر شخص کی پذیرائی کر رہی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پارٹنر بدل جاتے تھے گویا کوئی کسی کی ملکیت نہیں تھا۔

مالکان نے واقعی ایک بہترین گروہ آرگنائز کیا تھا اور اس کے لیے جو تیاریاں کی گئی تھیں، وہ بھی قابل داد تھیں۔

میری جانب کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ ہاں اتنا میں جانتا تھا کہ اگر میں اٹھ کر کسی سے رقص کی درخواست کروں تو اسے مسترد نہیں کیا جائے گا۔

میری نگاہ ایک بوڑھے شخص پر پڑی۔ وہ بھی کچھ ایسی ہی شخصیت کا مالک تھا کہ ایک نگاہ دیکھ کر اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چوڑے چکلے بدن کا مالک، براق کی طرح سفید بال، چہرہ جاندار اور جھریوں سے پاک تھا۔ بدن کی ساخت بتاتی تھی کہ جوانی کے زمانے میں کڑی مشقت سے گزرتا رہا ہے۔ اس کی چوڑی کلائیاں بھی سفید بالوں سے بھری ہوئی تھیں۔ بوڑھے کے سامنے ایک دبلی پتلی سی لڑکی بیٹھی تھی جس کی آنکھوں کے نیچے ہلکے سے حلقے پڑے ہوئے تھے، ہونٹ بھی خشک تھے۔ یوں لگتا تھا کہ یا تو وہ بیمار ہو یا بہت کمزور۔ اس نے اپنے سامنے سبز رنگ کے کسی سیال کا گلاس رکھا ہوا تھا جو یقینی طور پر شراب نہیں تھی جبکہ بوڑھے کے سامنے بھی کافی کے برتن سجے ہوئے تھے۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ رقص کے کئی راؤنڈ ہوئے اور اس کے بعد موسیقی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ پھر کاؤنٹر پر کھانے پینے کی اشیاء سجائی جانے لگیں۔ یہ اشیاء ٹریز میں رکھی جا رہی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ یہاں بھی سیلف سروس ہوگی۔ بہت سی نفیس چیزیں مجھے کاؤنٹر پر نظر آئیں۔ کھانے پینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک ہلکی سی گھنٹی کی آواز ابھری تھی، گویا یہ کھانے کے لیے اجازت کا وقت تھا۔

دونوں بھائی بھی اپنی جگہ سے اٹھے اور ایک ایک ٹرے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اپنی جگہ واپس آ گئے۔ اب میرا بھی خاموش بیٹھے رہنا حماقت ہی ہوتا۔ چنانچہ میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک ٹرے اپنے سامنے لا کر رکھ لی۔

مجھے اب یہ ماحول پسند آنے لگا تھا۔ ان کے ساتھ اگر کوئی لمبی شمولیت ہو جائے تو کیا حرج ہے؟ ویسے بھی میں نے اپنا رویہ جس طرح کا رکھا ہوا تھا اس سے امکان تھا کہ یہاں میری پذیرائی ہوگی۔ ان کے انداز سے بھی پتہ چلتا تھا کہ جتنے گھنٹے مجھے خیمے میں قید رہنے کی ہدایت کی گئی تھی، اتنے گھنٹے گزارنے کے بعد ان لوگوں نے میرے لیے

مکمل آزادی فراہم کر دی تھی۔

کھانے پینے سے فراغت حاصل کرنے میں تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو گیا۔ اپنی اپنی ٹرے سب نے خود ہی کاؤنٹر پر واپس رکھ دی۔ چند افراد کاموں میں مصروف تھے۔ یہاں ذمے داری شاید تقسیم کر دی گئی تھیں۔ چیزوں کی صفائی ہو گئی اور اس کے بعد پھر موسیقی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایک شخص میرے پاس پہنچا۔

”مسٹر گادا! آپ ہمارے مالکان سے ملاقات کرنا پسند کریں گے؟“

”کیوں......... کیا وہ مجھ سے ملاقات کے خواہش مند ہیں؟“ میں نے سوال کیا۔

”ہاں۔“ اس نے جواب دیا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد میں ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔ دونوں نے انتہائی مہذب انداز میں کھڑے ہو کر مجھ سے مصافحہ کیا اور احترام سے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی۔

”آپ کیا پینا پسند کریں گے مسٹر گادا؟“ ان میں سے ایک نے کہا۔

”نہیں شکریہ۔ میرا خیال ہے میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کر رہا۔“

”گڈ......... آپ کی ہمارے درمیان شمولیت بڑی عجیب و غریب حالات میں ہوئی ہے اور ہم ان حالات کے بارے میں آپ سے گفتگو کرنا چاہیں گے۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ ہمارے پاس پہنچنے کے بعد آپ کو کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہوئی؟“

”نہیں۔ بلکہ میں حیرت انگیز طور پر اس ماحول سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ واقعی آپ لوگوں نے کمال کر دکھایا ہے۔“

”شکریہ مسٹر گادا! ویسے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ آپ کا تعلق کہاں سے ہے۔“

”میں ایک ایشیائی باشندہ ہوں۔“

”ہمارا بھی یہی خیال تھا، ویسے آپ کا مشغلہ کیا ہے؟“

”سیاحت۔“ میں نے جواب دیا۔

”کہاں کہاں کی سیاحت کر چکے ہیں آپ؟“ اس نے پوچھا اور میں اسے تفصیلات بتانے لگا لیکن اپنی کہانی کو میں نے ان سے پوشیدہ رکھا تھا۔ بس اتنی ہی تفصیل

بتائی تھی کہ میں ایک آوارہ گرد انسان ہوں اور مختلف ممالک کی سیر کرتا رہتا ہوں۔ میرے پاس کوئی خاص وسائل نہیں ہیں اور اپنے طور پر مختلف علاقوں میں مختلف طریقوں سے گھومتا پھر رہا ہوں۔ اسی طرح میں اس علاقے میں پہنچ گیا۔

''آپ کافی نفیس انسان معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے ہماری مشکل خود بخود حل کر دی اور لازم ہے کہ یہ تصور آپ کے ذہن میں ہوگا کہ ہم اس کے بارے میں آپ سے سوالات کریں گے۔''

''ہاں۔ میں جانتا ہوں۔''

''اس کی وجہ؟'' ان میں سے ایک نے سوال کیا۔

''وجہ صاف ظاہر ہے۔ آپ کے ساتھی اس لڑکی کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اسے گھیرا لیکن وہ ان کے قبضے سے صاف نکل گئی۔ ظاہر ہے اگر آپ کو اس سے دلچسپی نہ ہوتی تو آپ میری جانب بھی متوجہ نہ ہوتے۔ مجھ سے یقیناً آپ اس کے بارے میں سوال کرتے چنانچہ آپ کے سوالات کرنے سے قبل ہی میں نے اپنے اور اس کے درمیان کی تمام تفصیلات آپ کو بتا دیں۔''

''ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔ بلاشبہ انسانوں پر اعتبار کرنا چاہیے اور اس وقت تک کسی کے سلسلے میں بے اعتمادی کا شبہ نہیں کرنا چاہیے جب تک اس کی طرف سے بے اعتمادی کا مظاہرہ نہ ہو جائے۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ لوگوں کے بہترین رویے کا میں دل سے قائل ہوں۔''

''دراصل ہم آپ کو سو فیصد لڑکی کا ساتھی سمجھتے لیکن ہمارے ساتھیوں نے ہمیں تمام مکمل رپورٹ دے دی ہے اور درحقیقت آپ کا یہ احسان بھی ہے کہ آپ نے ہمارے دو ساتھیوں کی زندگی بچائی اور ہم سے مکمل تعاون کیا۔ اس وقت اگر آپ کسی قسم کے عدم تعاون پر آمادہ ہوتے تو ان دو افراد کی زندگی بچانا ناممکن تھا۔ آپ یہ بات جانتے ہیں کہ زندگی کتنی قیمتی شے ہوتی ہے؟ زندگی ایک بار ملتی ہے بار بار نہیں ملتی۔''

''وہ میرا فرض تھا اور ظاہر ہے ان لوگوں سے براہ راست میری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ لڑکی کا مسئلہ بھی میرے ذہن میں واضح نہیں تھا۔ اگر مجھے اس کا علم ہو جاتا کہ لڑکی

مظلوم ہے اور آپ لوگوں کی وجہ سے اسے نقصان پہنچ سکتا ہے تو پھر شاید میرا رویہ آپ کے ساتھ یہ نہ ہوتا۔ تاہم وہ انفرادی طور پر بھی بہت کچھ تھی اور اس کے اندر خود اعتمادی کے سوا کچھ نہیں پایا جاتا تھا۔ بلکہ میں تو اس کے ساتھ کچھ لمحات گزارنے کے بعد یہ محسوس کر رہا تھا کہ میں تو اس کا محکوم ہوں اور وہ صرف ازراہ کرم مجھے اپنے ساتھ لیے پھر رہی ہے۔''

انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا وہ خاموشی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ ''ہمیں براہ کرم اس کی شخصیت کے بارے میں مکمل تفصیلات بتائیے۔''

''کس سلسلے میں؟''

''اس کی ذہنی اور جسمانی حرکات کے سلسلے میں۔''

''میں سمجھتا ہوں وہ مجھے متاثر کرنا چاہتی تھی۔'' میں نے جواب دیا۔

''چلیے ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے یہ الفاظ کافی ہیں۔ اچھا، کوئی ایسی خاص بات آپ نے اس کے ساتھ رہ کر محسوس کی جس پر آپ کو تعجب ہوا ہو؟''

''جن کھنڈرات میں آپ کے آدمی اس کی تلاش میں پہنچے تھے وہاں میں اور وہ الگ الگ لیٹ گئے تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ لیٹی رہی پھر وہ اٹھی اور پتھر کے نوکیلے ٹکڑے سے ایک نقش بنانے لگی۔ اس میں ان کھنڈرات کی نشاندہی بھی کی گئی تھی جن میں ہم اس وقت موجود تھے۔ لڑکی کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پھٹا ہوا ٹکڑا تھا جس پر ویسے ہی نقوش بنے ہوئے تھے یعنی جن راستوں سے گزر کر ہم لوگ وہاں تک پہنچے تھے، وہی راستے اس کاغذ کے ٹکڑے پر بنے ہوئے تھے۔''

ان کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے عجیب سے تاثرات نظر آئے وہ گہری اور چمکدار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ ''پھر کیا ہوا؟''

''بس جب اس نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی تو جلدی سے نقشہ زمین پر سے مٹا دیا۔''

''کیا آپ کے خیال میں اس نقشے کے تھوڑے بہت آثار اس جگہ باقی ہوں

گے؟''

''میں نہیں کہہ سکتا۔ ہوسکتا ہے پتھر پر نوکیلے پتھر سے بنائے ہوئے نقش تازہ ہوں۔''

''اوہ.........کاغذ کا وہ ٹکڑا آپ نے دیکھا؟''

''جی ہاں۔''

''کیسا تھا وہ؟'' ان میں سے ایک نے پوچھا اور میں انہیں کاغذ کے اس ٹکڑے کے بارے میں تفصیلات بتانے لگا۔ وہ مجھے خاموشی سے دیکھتے رہے۔ کافی دیر بعد دونوں ہی نے بیک وقت کہا۔

''بلاشبہ مسٹر! ہم نے آپ کے ایک ایک لفظ پر یقین کیا ہے۔ ہم سو فیصد اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے جو کچھ کہا اس میں ایک لفظ بھی غلط نہ ہوگا۔ ہم آپ کو یہ بھی پیشکش کرتے ہیں کہ آپ اگر چاہیں تو کچھ عرصے ہمارے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے آپ کی دلچسپی کے اور بھی سامان پیدا ہو جائیں لیکن اگر آپ یہاں نہ رہنا چاہیں تو ہم آپ کو وہ تمام لوازمات مہیا کر سکتے ہیں جن کی آپ کو واپسی کے سفر میں ضرورت پڑے گی۔ مثلاً واپسی کے راستوں کے نقشے، گھوڑا اور ایسا سامان جو راستے میں آپ کے کام آ سکے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں آپ جلدی نہ کریں۔ چند روز ہمارے ساتھ گزاریں اس کے بعد یہ فیصلہ کریں کہ آپ کو کہیں جانا ہے یا مزید کچھ عرصہ ہمارے ساتھ گزارنا ہے۔''

میں نے خاموشی سے گردن ہلائی اور اس کے بعد وہ دونوں اٹھ گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

''افسوس! آپ نے جو اس نقشے کے بارے میں بتایا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے کچھ نشانات کا ملنا شاید ممکن نہیں۔ وہ نقشہ ہمارے لیے ازحد ضروری ہے۔ نقشہ کیا ہے اور کیسا ہے، اس کے بارے میں آپ کو دوسری ملاقات میں تفصیل بتا دی جائے گی۔ آپ ان لوگوں کے درمیان اطمینان سے رہیں۔ کسی شخص کو آپ سے کوئی تعرض نہیں ہوگا۔ میں ہدایات دے دوں گا کہ آپ کو ایک معزز ساتھی کی حیثیت سے رکھا

جائے۔ یہاں کے تمام اصولوں سے بھی آگاہ کر دیا جائے گا۔'' انہوں نے مجھ سے ہاتھ ملائے اور ایک جیسی چال چلتے ہوئے وہاں سے ہٹ کر ایک خیمے میں داخل ہو گئے۔

دوسری صبح میں انسانی آوازیں سن کر ہی جاگا تھا۔ لوگ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ پانی کا ذخیرہ کہاں ہے۔ چنانچہ میں آبشار سے بہنے والی ندی کے کنارے پہنچ گیا لیکن پانی برف کی طرح سرد تھا۔ غالباً برف پگھل پگھل کر نیچے آ رہی تھی۔ ماحول بھی اسی وجہ سے سرد تھا۔ میں نہانا چاہتا تھا، اس لئے کپڑے اتار کر پانی میں گھس گیا۔ پگھلی ہوئی برف کا یہ پانی یقیناً بہت سرد رہا ہوگا لیکن میرے فولادی جسم پر یہ سردی بے اثر ہو گئی تھی۔ اگر اس وقت کوئی اور وہاں موجود ہوتا تو کبھی نہانے کی کوشش نہ کرتا۔ ان میں سے کسی نے بھی نمونیہ ہو جانے کے ڈر سے اس پانی میں کودنے کی کوشش نہ کی ہوگی اور اگر وہ مجھے ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیتے تو یقیناً میرے بارے الٹی سیدھی باتیں سوچنے لگتے اور ایسا ہونا قطعاً میرے مفاد میں نہ تھا۔ میں خود کو ایک عام شخص کی حیثیت سے ہی ان کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔

نہانے کے بعد باہر نکل کر میں کافی دیر تک چشمے کے کنارے ہی بیٹھا رہا۔ جب جسم کا پانی اچھی طرح نچڑ گیا تو میں نے کپڑے پہن کر منہ ہاتھ ازسرنو دھوئے، تاکہ دیکھنے والے کو یہی محسوس ہو کہ میں صرف منہ ہاتھ دھو کر ہی واپس آیا ہوں۔

واپس پہنچا تو دیکھا کہ کاؤنٹر پر معمول کے مطابق ناشتے کی ٹریز لگا دی گئی ہیں۔ میں نے اپنی ٹرے اٹھائی اور اپنے خیمے میں چلا آیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں نے سوچا کہ کم از کم کیمپ کے بارے میں مکمل معلومات تو حاصل کروں چنانچہ میں خیموں کی اس چھوٹی سی آبادی سے باہر نکل آیا۔ مجھ پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ سب لوگ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے۔ عقبی حصے میں، میں نے درختوں کے ایک جھنڈ کے پیچھے کچھ گاڑیاں کھڑی دیکھیں۔ ان میں دو بڑے بڑے ٹرک، تین لینڈ رووررز اور باقی دوسری چھوٹی گاڑیاں تھیں سب کی سب نئی تھیں۔ ٹرکوں پر کینوس سے ہر قسم کی پردہ داری کر دی گئی تھی۔ ان میں کیا تھا، یہ کسی اور کو معلوم ہو تو ہو لیکن مجھے ہرگز معلوم نہیں تھا اور میں نے کسی سے پوچھنے کی کوشش نہیں کی۔ میں خواہ مخواہ کے تجسس کا اظہار کر کے شبہات کو دعوت

دینا نہیں چاہتا تھا۔

✿ ‹‹‹ ✿ ‹‹‹ ✿

ڈبل باس کا کارخانہ عجائب دیکھتا ہوا میں واپس اپنے خیمے میں آ گیا۔ دوپہر کو دو بجے کے قریب کھانا خیمے میں ہی ملا۔ کھانے سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو دیکھا کہ دو جیپیں کسی لمبے سفر سے آئی تھیں مگر یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں سے؟ بہرحال ابھی یہاں شناسائی بھی نہیں تھی۔ ہاں شام کو چار بجے فالکن سے ملاقات ہوگئی۔

"ہیلو مسٹر گادا۔"

"ہیلو فالکن۔"

"بور ہو رہے ہوں گے؟"

"ہاں شاید بور ہونے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔"

"آپ نے کیا فیصلہ کیا.......... واپس جائیں گے یا ہمارے ساتھ رہیں گے؟"

"میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا۔"

"ایک بات کا اطمینان رکھیں۔ ڈبل باس آپ کو ہر طرح مطمئن کر دیں گے۔" فالکن نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔

شام کا ماحول پچھلے دن کے مطابق تھا۔ تمام لوگ اپنے کاموں سے فارغ ہو چکے تھے اور اب احاطے میں اپنے اپنے مشاغل کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ سورج چھپ گیا اور وہاں موسیقی کی آوازیں ابھرنے لگیں گویا ان کا شغل شروع ہو گیا۔ میں نے بھی لباس تبدیل کیا جو مجھے یہاں مہیا کر دیا گیا تھا اور باہر نکل کر ان لوگوں کی تفریحات کا جائزہ لینے لگا۔ یہ بات غور کرنے کی تھی کہ ڈبل باس اور ان کا یہ گروہ صرف سیاحت کے لیے ہی یہاں نہیں آیا تھا بلکہ اس کے پس پردہ کچھ اور بھی تھا۔ کیونکہ جس طرح ڈبل باس نے نقشے کے بارے میں گفتگو کی تھی وہ کچھ اور ہی ظاہر کرتا تھا۔ وہ پراسرار لڑکی ان لوگوں کے لیے انتہائی دلچسپی کا باعث تھی اور میرے لیے بھی کیونکہ لڑکی کا کردار ان سب میں، سب سے زیادہ عجیب وغریب تھا۔ نقشہ کیا حیثیت رکھتا ہے اور اس کا آدھا ٹکڑا لڑکی کے

پاس کیوں تھا؟ یہ سب باتیں ذہن میں گڈمڈ ہوتیں تو دماغ اڑنے لگتا تھا۔ میں نے وہی طریقہ اختیار کیا یعنی جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دو۔ تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو۔ پھر اونٹ جس کروٹ بیٹھے گا، دیکھا جائے گا۔ بوڑھے شی وش اور ہارلیس نے کہا تھا کہ دست قدرت خود میری رہنمائی کرے گا۔ شاید ان کی بات درست ہی تھی۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میرا گھوڑا مجھے یوں لے کر بھاگے گا اور پھر حالات کے دوش پر اڑتا میں یہاں تک پہنچ جاؤں گا۔ یہ عقدہ میں ابھی تک حل نہ کر سکا تھا کہ آخر میرا گھوڑا یوں بدک کر وہاں سے کیوں بھاگا۔ کون سی ایسی چیز تھی جو اسے اس طرح خوفزدہ کرنے کا باعث بنی؟

اسی وقت ایک شخص میرے پاس پہنچ گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "ڈبل باس آپ کو طلب کر رہے ہیں مسٹر گادا!"

میں نے اس طرف دیکھا جہاں وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے مشروبِ مستی کے برتن سجے ہوئے تھے۔ میں ان کے قریب پہنچ گیا۔ دونوں نے معمول کے مطابق ایک ہی آواز اور ایک ہی انداز میں میرا خیر مقدم کرتے ہوئے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی تھی۔ پھر ان میں سے ایک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مسٹر گادا! یقینی طور پر اتنا وقت گزر جانے کے بعد آپ نے ہمارے ساتھ قیام کرنے کا یا جانے کا فیصلہ کر لیا ہوگا۔ ہماری پیشکش ابھی تک برقرار ہے اور یہ پورے خلوص پر مبنی ہے۔ ہم بغیر کسی لالچ کے آپ کو واپسی کے لیے وسائل فراہم کر سکتے ہیں۔"

"لیکن میں آپ کی رائے پوچھنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تو پھر سن لیجئے۔ ہم دونوں بھائی کسی بھی طور پر آپ کو اس طرح واپس بھیجنے کے حق میں نہیں ہیں۔ تاہم آپ پر کوئی پابندی اور دباؤ بھی عائد نہیں کیا جا سکتا۔ بس! ہمیں اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے آپ کی ضرورت ہے۔"

"اور اگر میں آپ سے آپ کا مقصد پوچھوں تو؟"

"آپ کو اس کا حق ہے۔" ڈبل باس میں سے ایک نے کہا۔

"تو پھر پہلی بات تو میں آپ سے یہ پوچھوں گا کہ آپ کی آمد کا مقصد کیا ہے؟"

''شاید آپ نے ہمارے بارے میں یہاں معلومات حاصل کی ہوں۔ ہمارا تعلق شاہی خاندان سے ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ ہمارے وسائل اب بھی لامحدود ہیں لیکن ہماری دلچسپی اور مشاغل ذرا مختلف ہیں۔ ہمارے پاس اس نقشے کا آدھا ٹکڑا موجود ہے جس کا بقیہ آدھا آپ نے اس لڑکی کے پاس دیکھا تھا۔ اس نقشے میں ایک عظیم الشان خزانے کا راز چھپا ہوا ہے اور ہم وہ خزانہ حاصل کرنے کے لیے ہی اس علاقے میں داخل ہوئے ہیں۔ یقینی طور پر آپ کے ذہن میں اس خزانے کے متعلق سوالات بھی ابھر رہے ہوں گے لیکن بہتر ہے ابھی اس کے بارے میں کوئی سوال نہ کریں۔ اس لڑکی کا مسئلہ بھی آپ کے ذہن میں الجھ رہا ہوگا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ دوسری پارٹی وہ لڑکی ہے جو اس خزانے کے بارے میں تفصیلات جاننا چاہتی ہے اور ہم اس کے ہاتھوں کافی نقصان اٹھا چکے ہیں۔ خزانے کے نقشے کا آدھا ٹکڑا اس نے اپنی حیرت انگیز صلاحیتوں کی بنیاد پر ہم سے حاصل کیا ہے۔ اس نقشے کے متعلق ایک کہانی ہے جسے ہم نے اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھا ہے اور کوئی ہمیں وہ کہانی سنانے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ مسٹر گادا! تمام تفصیلات آپ کو بتا دی گئی ہیں۔ ہمیں اس پر ذرہ برابر اعتراض نہیں ہوگا اگر آپ بھی اس خزانے کے حصے داروں میں شامل ہو جائیں اور اگر خزانہ دستیاب ہو جائے تو اس میں سے اپنا حصہ لے کر دنیا کے کسی بھی گوشے میں آباد ہو جائیں۔ خزانے کے بارے میں تفصیلات بھی آپ کو آہستہ آہستہ بتا دی جائیں گی کہ وہ کتنی بڑی مالیت کا ہے؟ اس کے علاوہ، ہمیں آپ کی ضرورت یوں بھی درپیش ہے کہ اس لڑکی نے حیرت انگیز طور پر آپ کو اپنا ساتھی منتخب کرنے کی کوشش کی تھی جبکہ اس سے قبل ایسی کوئی بات دیکھنے میں نہیں آئی۔ ان وجوہات کا جائزہ بھی لینا پڑے گا جن حالات میں آپ اس سے جدا ہوئے ہیں اور جو کہانی ہمارے علم میں آئی ہے، اس سے ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر کبھی آپ دوبارہ اس لڑکی تک پہنچ سکے تو وہ معمول کے مطابق آپ کی پذیرائی کرے گی اور اگر آپ ہمارے ساتھی ہوں گے تو پھر ہماری مشکلات حل ہوسکتی ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے مسٹر گادا کہ آپ اچانک ہمارے لیے ایک کارآمد ساتھی بن گئے ہیں لیکن اس کے باوجود شاید آپ اسے ہماری نسلی برتری یا خاندانی برتری سمجھیں کہ ہم کسی بھی شخص کو اس کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں

کرتے۔ ہم نے اپنی ضرورت کا اظہار کر دیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی آپ کے لیے پھر وہی بات دہرائی جاتی ہے کہ اگر آپ اپنے طور پر پسند نہیں کریں گے تو ہم آپ کی واپسی کا بندوبست کر دیں گے۔''

بڑی صاف ستھری اور عمدہ گفتگو تھی اور پہلی مرتبہ مجھے برے لوگوں کی اچھی بات پسند آئی تھی۔ میں تو پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا کہ اکیلا یہاں سے واپسی کا تصور بھی نہ کروں گا۔ چنانچہ میں نے آہستہ سے کہا۔

''آپ کے انداز میں بڑی اپنائیت جھلکتی ہے اور نجانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کا ساتھ دوں۔ مجھے بھی دوسرے لوگوں کی مانند، میری ذمہ داریاں سمجھا دی جائیں۔ میں یہاں عام لوگوں کی طرح تمام کام کروں گا اور جہاں تک اس لڑکی کا تعلق ہے تو میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں تو خود بھی اس سے پیچھا چھڑانے کی فکر میں تھا۔ ایسی خوفناک لڑکی کے ساتھ بھلا کوئی انسان کس طرح رہ سکتا ہے۔''

''ہم آپ کو اپنے اس گروہ میں خوش آمدید کہتے ہیں مسٹر گادا! جہاں تک آپ کے مشغلے کا تعلق ہے تو ابھی چند روز آپ مہمان کی حیثیت سے گزاریں۔ اس کے بعد کوئی ذمے داری آپ کے سپرد کر دی جائے گی۔ ویسے یہاں کوئی شخص کسی ذمے داری کے اپنے سپرد ہونے کا انتظار نہیں کرتا کیونکہ ہم کسی کو کسی کی مرضی کے خلاف احکامات نہیں دیتے۔ ہاں مشورے کے طور پر ہر طرح کی گفتگو کی جاسکتی ہے۔ یعنی کوئی ایسا کام جو آپ کی پسند کے مطابق نہ ہو لیکن ہم یہ محسوس کریں کہ آپ سے وہ کام لینا ضروری ہے تو آپ کو اس سلسلے میں مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اس کے بعد وہ ذمے داری آپ کے سپرد کر دی جائے گی۔''

''بہت بہت شکریہ آپ لوگوں نے جس طرح یہ گفتگو کی ہے اس نے میرے اندر نہ صرف اعتماد بلکہ دوستی کا تصور بھی پیدا کر دیا ہے۔ میں اس دوستی کی دل سے قدر کرتا ہوں اور جو کام دل سے کیے جاتے ہیں ان میں اپنے جذبات بھی شامل ہوتے ہیں۔''

''یہاں کا ماحول انتہائی دوستانہ ہے اور ہر شخص آپ کا دوست ہے۔ ہر طرح کی آزادی آپ کو حاصل ہے۔ خواہ آپ کے دوست مرد ہوں یا خواتین، آپ پر کسی قسم کا

اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ ہاں ایک اطلاع آپ کو ضرور دی جائے گی، وہ یہ کہ آپ کے بیان کے مطابق ہم نے ان کھنڈرات یا پہاڑی چٹانوں میں وہ نقش تلاش کرانے کی کوشش کی تھی جو لڑکی نے پتھر کے ٹکڑے سے ترتیب دیا تھا۔ وہاں ایسے نقوش مل گئے ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہاں نقش بنائے گئے تھے لیکن جس طرح اس لڑکی نے اسے مٹادیا، اس سے ہمیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔ چند افراد کو وہاں بھیجا گیا تھا۔ وہ اس جگہ کی تصویریں بنا کر لائے ہیں لیکن بے سود، ان سے ہمیں کوئی کارآمد بات نہیں معلوم ہوسکی۔ بہرحال، آپ کی باتوں کی سچائی ضرور ثابت ہوگئی، اور اس کے بعد ہی ہم نے آپ کو اس مہم میں شامل ہونے کی دعوت دی۔''

میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور ان کا شکریہ ادا کر کے واپس اپنی میز پر جا بیٹھا۔ موسیقی دھنیں تبدیل کر رہی تھی اور لوگ بالکل اسی انداز میں بیٹھے ہوئے تھے جیسے کسی اعلیٰ درجے کے اوپن ائیر ہوٹل میں تفریحات میں مشغول ہوں۔ میں اب پہلے سے زیادہ اطمینان محسوس کر رہا تھا کیونکہ ذہن سے بہت سے تفکرات مٹ چکے تھے اور میں نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس کے لیے تیار کرلیا تھا کہ تقدیر کے لکھے ہوئے وہ لمحات پورے کروں جو میرے لیے مخصوص کر دیئے گئے ہیں۔ پھر میری نگاہ ایک میز کی جانب اٹھ گئی اس میز پر میں نے اس برفانی بوڑھے کو دیکھا تھا۔ برفانی بوڑھا میرے ذہن میں اس لیے ابھرتا تھا کیونکہ وہ واقعی برف کی طرح سفید تھا۔ بوڑھے کے ساتھ وہی لڑکی موجود تھی جس کے چہرے پر زندگی ذرا کم ہی نظر آتی تھی۔ سوکھا سوکھا سا انداز ...... حالانکہ وہ اتنی دبلی پتلی بھی نہیں تھی بس متناسب تھی۔ نقوش میں ایک سپاٹ کیفیت جیسے وہ ہر تاثر سے بے نیاز ہو۔ مجموعی طور پر اس کی صورت دیکھ کر آج یہ اندازہ ہوا کہ اگر وہ اپنے آپ کو سنوارے تو بلاشبہ حسین کہلائے لیکن اس کا لٹا پٹا سا انداز اور خاموشی کی کیفیت اس کی جاذبیت اس سے چھین لیتی تھی۔ پتہ نہیں بوڑھے کی کون ہے؟ پچھلے دن کی طرح میں نے اسے آج بھی خاموش اور اداس بیٹھے ہوئے محسوس کیا۔ نجانے کیوں میرے ذہن میں ان دونوں کے لیے ایک بے کلی سی پیدا ہوگئی۔ میں نے سوچا کہ فالکن سے اس لڑکی اور اس شخص کے بارے میں پوچھوں گا ضرور لیکن اس وقت فالکن

اپنے آپ میں نہیں تھا۔ میں دلچسپی سے ان تمام مناظر میں کھویا رہا۔

پھر دفعتہً ہی کوئی مجھ پر نازل ہوگیا۔ شراب کے برتنوں کی ایک چھوٹی سی ٹرے میری میز پر آ ٹکی اور کرسی گھسیٹ کر ایک خوبصورت سی لڑکی میرے پاس آ بیٹھی۔ اس سارے ماحول میں اب تک اگر کوئی اجنبی بات تھی تو وہ یہی تھی کہ کوئی لڑکی مجھ تک نہیں پہنچی تھی۔ ساری کہانی ہی بیکار ہوئی جا رہی تھی۔ بھلا منظر میں کوئی خوبصورت لڑکی شامل نہ ہو اور خاص طور سے کہانی کے مرکزی کردار کے ساتھ، تو کہانی میں جاذبیت کہاں رہتی ہے؟ چنانچہ میرے مرکزی کردار میں ابھی تک کوئی لڑکی شامل نہیں ہوئی تھی اور شاید میں بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا چنانچہ معزز قارئین! لڑکی آگئی۔ میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرادی اور اس کی دلکش آواز ابھری۔

''اس بے تکلفی کے لیے معذرت خواہ ہوں لیکن اگر کچھ لوگ خود کو ضرورت سے زیادہ ہی لئے دیئے رکھیں تو کہاں تک ان کے ساتھ رعایت برتی جاسکتی ہے۔''

''شاید..........'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میرا نام ریلزے ہے۔'' اس نے کہا۔ اس وقت عقب سے ایک آواز ابھری۔

''ریلزے۔'' ایک دراز قامت آدمی اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

''ہیلو۔'' اس نے پلٹ کر سوالیہ نگاہوں سے اس شخص کی طرف دیکھا۔

''میں تمہارے ساتھ رقص کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں تمہارے ساتھ رقص کرنا نہیں چاہتی۔'' اس نے اس شخص کے سے انداز میں جواب دیا اور وہ جھینپ سا گیا۔

''مم..........میرا مطلب ہے..........''

''مطلبی لوگوں سے مجھے سخت چڑ ہے۔ پلیز! میں باتیں کر رہی ہوں اور اپنی گفتگو میں تمہاری مداخلت کو میں نے ناپسند کیا ہے۔'' وہ شخص اپنا سا منہ لیے وہاں سے واپس چلا گیا تھا۔ لڑکی کی تیز طرار گفتگو نے میرے دل میں اس کے لیے دلچسپی پیدا کردی۔ وہ پھر میری طرف دیکھنے لگی اور اس نے مجھ سے کہا۔

''اگر کوئی اپنے نئے دوست کے لیے کسی پرانے دوست کو مسترد کرے تو نئے

دوست پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی پذیرائی کرے۔ میں نے تمہارے لیے اسے مسترد کر کے اپنی طرف سے پہل کا ثبوت دیا ہے۔ کیا تم اب بھی خاموشی اختیار کرو گے؟''

وہ اتنی بے تکلفی سے گفتگو کر رہی تھی کہ مجھے اس کا گمان نہیں تھا تاہم اب میں لڑکیوں کی دنیا کا احمق آدمی نہیں تھا، بہت کچھ سیکھ چکا تھا اس دنیا میں چنانچہ میں نے اسی انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں تمہاری پذیرائی کرتا ہوں ریلز ے۔''

''اور میں تمہیں کس نام سے مخاطب کروں؟''

''گدھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''دیکھو! میری یہاں آمد بلا مقصد نہیں ہے۔ میں کل بھی تمہیں دیکھتی رہی تھی لیکن کل تمہارا یہاں پہلا دن تھا اور تمہیں غالباً کہیں اور سے پکڑ کر لایا گیا تھا چنانچہ میں ہمت نہ کر سکی لیکن تمہیں دیکھنے کے بعد یہ تصور ضرور میرے ذہن میں ابھرا تھا کہ اگر موقع ملا تو تم سے شناسائی ضرور حاصل کروں گی۔''

''اس کی کوئی خاص وجہ؟''

''ہاں! میں یہی چاہتی تھی کہ تم وجہ پوچھو۔''

''تو میں پوچھ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تم ایشیائی ہو؟''

''ہاں..........سو فیصد۔''

''تو پھر میرے بارے میں بھی سنو، میں نصف ایشیائی ہوں۔''

''کس طرح؟''

''میری ماں یورپین تھی اور میرا باپ ایشیا کا باشندہ تھا۔ اس کا نام فیصل تھا اور اس کا تعلق انڈیا سے تھا۔ میرا پورا نام ریلز ے فیصل ہے۔ اس لحاظ سے میرے بدن میں ایشیائی خون دوڑ رہا ہے اور مجھے ایشیائیوں سے خاص محبت اور رغبت ہے۔ جب مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ تم اب ہمارے ساتھی ہو تو میں نے تم سے دوستی کا فیصلہ کر لیا گو یہ دوستی ابھی

زبردستی ہے یعنی میں تمہارے پاس آئی ہوں لیکن ظاہر ہے مجھے ہی تمہارے پاس آنا چاہیے تھا۔''

''تھینک یو ریلز ے! میں بھی تم سے متاثر ہوں کیونکہ تم آدھی ایشیائی ہو۔''

''کیا صرف اس بناء پر مجھ سے متاثر ہونا مناسب ہے؟''

''اس تاثر کو برقرار رکھنا تمہاری ذمہ داری ہے۔''

''فرض کرو ایسا نہ ہو سکا تو؟''

''یہ آنے والے وقت پر منحصر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میرے ساتھ رقص کرو گے؟''

''کیونکہ تم ایشیائی ہو۔ میرا مطلب ہے نصف ایشیائی چنانچہ اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو ٹھیک ہے۔''

''اوہ! بے حد شکریہ مجھے ضدی لوگ پسند نہیں آتے۔ کیونکہ میں خود ضدی نہیں ہوں اگر تم کبھی مجھ سے کوئی بات منوانا چاہو گے تو میں ذرا بھی ضد نہیں کروں گی۔'' اس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی۔ دل ہی دل میں، میں نے سوچا تھا کہ محترمہ ریلز ے! آپ جو کچھ فرما رہی ہیں اس کا مفہوم میں سمجھ رہا ہوں.......... پھر ہم بھی رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں آ شامل ہوئے اور اس کے بعد ہم دیر تک رقص کرتے رہے۔ کسی نے ہماری جانب توجہ نہیں دی تھی لیکن تیسرے راؤنڈ میں جب میں اور ریلز ے رقص کے لیے اٹھنے والے تھے، ایک لحیم شحیم آدمی ریلز ے کے قریب پہنچ گیا۔

''ہیلو ریلز ے! آؤ رقص کریں۔''

ریلز ے نے ٹیڑھا منہ کر کے اس کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔

''نو..........سوری میک مین! میں اپنے پارٹنر کے ساتھ ہوں۔''

''کیا لائف پارٹنر کے ساتھ؟''

''اگرچہ تم نے یہ جملہ بدتمیزی کے انداز میں کہا ہے۔ تب بھی میں نے اس کا برا نہیں مانا۔ کیا سمجھے؟'' ریلز ے نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور میک مین ہنسنے لگا۔

میں اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ بے حد قوی' ہیکل اور پہلوان ٹائپ کا آدمی تھا۔ شانے چوڑے' کمر پتلی' ویٹ لفٹر سا لگتا تھا۔ دل ہی دل میں، میں نے سوچا کہ کہیں یہ حضرت میرے رقیب نہ بن جائیں۔ ہڈی پسلی توڑنے میں بزعم خود مہارت رکھتے ہوں گے۔ مجھ سے الجھ کر میرا تو کیا بگاڑ پائیں گے لیکن خواہ مخواہ مجھے اپنا وہ روپ دکھانا پڑے گا جو میں ابھی تک بڑی کامیابی سے پوشیدہ رکھے ہوئے تھا۔ یہ بلاوجہ کا عشق کہیں مصیبت میں نہ پھنسا دے۔

وہ ہونٹ چباتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔ ریلزے نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

''خود کو کچھ سمجھنے والے مجھے ہمیشہ سے ناپسند ہیں۔''

رقص کے بعد ریلزے نے کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھایا اور پھر جب تمام لوگ وہاں سے اٹھے تو وہ میرے ساتھ ہی میرے خیمے میں آ گئی۔ میرے انداز میں اب کچھ بوکھلاہٹ سی پیدا ہو گئی تھی.......... ریلزے اب ایک سمت بیٹھ گئی اور پھر اس نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''نیند آ رہی ہے تو میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گی لیکن ہماری دوستی کا آغاز ہو گیا ہے اور ہمارے درمیان ایشیا کا رشتہ ہے۔ کیا سمجھے؟''

''یقیناً..........'' میں نے احمقانہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''تو میں جاؤں؟'' اس نے کہا۔

''بہت بہت شکریہ.......... تم نے مجھے بہترین کمپنی دی ہے۔'' میں نے جان چھڑاتے ہوئے کہا اور ریلزے ایک پراسراری مسکراہٹ کے ساتھ باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد میں نے گہری سانس لی تھی کیونکہ وہ قوی ہیکل میک مین مجھے یاد آ رہا تھا۔ اگر گروہ میں میرا ایک دشمن پیدا ہو جائے تو بہر طور یہ میرے لیے سود مند نہیں تھا لیکن میڈم ریلزے سود وزیاں سے آگے کی چیز معلوم ہوتی تھیں۔

دوسری صبح ناشتے سے فارغ ہوا تھا کہ میڈم ریلزے اندر آ گئی۔ اسے دیکھ کر میں نے ایک گہری سانس لی۔ ریلزے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر گادا! آؤ باہر چلیں۔ تم تو خیمے ہی میں قید رہتے ہو۔''

''یہاں کی زندگی سے مجھے کوئی واقفیت نہیں ہے اس لیے میں اپنے آپ کو محدود رکھتا ہوں۔''

''اونو.......... ڈبل باس اپنے ساتھیوں پر کوئی بھی پابندی نہیں لگاتے اگر تمہیں اچھے باس کی تلاش ہو تو ان سے اچھے لوگ تمہیں روئے زمین پر نہیں ملیں گے۔'' میں نے گردن ہلائی پھر ریلزے کے ساتھ کیمپ کے حصار سے باہر آ گیا۔

اطراف میں وہی لاتعداد مناظر بکھرے ہوئے تھے جن سے میں یہاں آنے کے بعد اچھی طرح روشناس ہو چکا تھا۔ ہم ان کے درمیان میں سے گزرتے ہوئے آبشار کے کنارے آ بیٹھے اور ریلزے مجھے برق پاش نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔

''ڈیئر گادا! دوران سیاحت تمہاری ملاقات تو بہت سے ایسے لوگوں سے ہوئی ہو گی جنہوں نے تمہیں متاثر کیا ہو گا۔ میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''بہت اچھی.......... بہت عمدہ۔'' میں نے بادل نخواستہ جواب دیا۔

''کیا تم مستقل ہمارے ساتھ رہنے پر رضامند ہو گئے ہو؟''

''فی الحال تو ارادہ ایسا ہی ہے۔''

''اوہ ڈیئر، اگر ڈبل باس سے تمہاری ملاقات ہوئی ہے تو تمہیں تفصیلات بھی معلوم ہو گئی ہوں گی۔ میں اس دنیا میں تنہا ہوں۔''

اچانک میری نگاہ میک مین پر پڑی جو ایک درخت کے نیچے کھڑا ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔ اس کے گھورنے کا انداز بے حد خطرناک تھا۔ اسی وقت اس نے درخت کی ایک موٹی شاخ پر ہاتھ رکھا اور پھر بازوؤں کی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شاخ کو درمیان سے توڑ دیا۔ یہ میرے لیے ایک چیلنج تھا۔ ریلزے نے بھی اس کی آہٹ محسوس کر لی تھی۔ پھر اس کا سریلا قہقہہ گونج اٹھا اور اس نے کافی زور سے کہا۔

"میک مین ایک لکڑہارا ہے۔"

میک غصے سے پاؤں پٹختا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس کے بعد میں نے ریلزے سے ایک جملہ بھی نہ کہا جبکہ اس نے بہت ساری باتیں مجھ سے کر ڈالی تھیں۔ میں بلاوجہ اس کی پذیرائی کر کے گلے میں کوئی طوق نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ وجہ کچھ بھی ہو، اس کیمپ کے کسی بھی فرد سے الجھنا میرے لئے کسی طور مناسب نہ تھا۔

پھر ہم نے کیمپ میں کچھ سرگرمیاں دیکھیں اور ریلزے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اوہو.......... شاید ڈبل باس کی جانب سے آگے بڑھنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ آؤ چلیں۔"

ہمارا اندازہ درست نکلا۔ لوگ خیمے اکھاڑنے میں مصروف تھے۔ میں نے بھی ان لوگوں کا ساتھ دیا۔ ریلزے مسلسل میرے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ میک کے علاوہ ابھی کسی اور نے ہم دونوں کی جانب توجہ نہیں دی تھی۔ نہایت برق رفتاری سے کام کیا گیا تھا اور اس کے بعد تمام لوگ ٹرکوں اور جیپوں میں سوار ہو گئے۔ ریلزے نے یہاں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ جس لینڈ روور میں ہم سوار تھے اسی میں ریلزے بھی تھی لیکن دوسرے کئی افراد بھی تھے۔ البتہ میک نہیں تھا۔ ریلزے نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"اب سے پہلے وہ میرے ساتھ سفر کرتا تھا۔"

"میک مین؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے کہا اور میں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک یہ خاموشی طاری رہی۔ باہر کے مناظر ہماری نگاہوں سے روپوش تھے۔ میں نے دوسرے لوگوں پر توجہ دی۔ تین نوجوان اور پانچ لڑکیاں مزید ہمارے ساتھ لینڈ روور میں سوار تھے

مگر سب کے سب خاموش بیٹھے تھے۔ صرف ریلزے ہی تھی جو بار بار میرے کان میں سرگوشیاں کر رہی تھی۔ دفعتہً مجھے خیال آیا اور میں نے ریلزے سے پوچھا۔

"ریلزے! ایک بات بتاؤ۔ ہمارے درمیان ایک شخص موجود ہے جس کے بال برف کی طرح سفید ہیں۔ میری مراد اس سفید بوڑھے سے ہے جس کے ساتھ ایک دبلی پتلی سی لڑکی رہتی ہے۔"

"مسٹر الکانڈر۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"شاید اس کا نام الکانڈر ہو۔ تمہارے گروہ میں ایک ہی شخص ہے جس کی داڑھی مونچھیں، بھوئیں اور سر کے بال سفید ہیں۔"

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔ وہ مسٹر الکانڈر ہیں اور اس کے ساتھ لیشی ہے۔"

"لیشی۔"

"ڈبل باس اس کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ویسے بھی مسٹر الکانڈر نفیس انسان ہیں۔ نرم خو، خوش مزاج اور بزرگانہ شفقت کے مالک۔"

"ہاں.......... بس! مجھے ان کی شخصیت میں ایسی ہی کچھ کیفیت نظر آئی تھی جس کی وجہ سے میں نے ان کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔"

"ان سے ملاقات کرنا چاہو تو جب جی چاہے پہل کر دینا۔" ریلزے نے کہا۔

"وہ بہت خوش اخلاق آدمی ہیں۔ یقیناً تمہاری پذیرائی کریں گے۔"

"ضرور!" میں نے مختصراً کہا۔

ریلزے خاموش ہو گئی۔ ہمارا سفر شام تک جاری رہا۔ جس جگہ ڈبل باس نے قیام کیا تھا وہ اونچے نیچے بھورے ٹیلوں سے بھری ہوئی تھی۔ درمیان میں کہیں کہیں تھوڑی بہت جگہ موجود تھی لیکن اس رات خیمے نہیں لگائے گئے بلکہ پہلے کی مانند گاڑیوں کا ایک دائرہ بنا کر ان کے درمیان رہنے کے لیے جگہ صاف کر لی گئی۔ رات کا کھانا بھی سفری قسم کا تھا اور آج رات یہاں رقص و سرور کی محفل بھی نہ جمی۔ یہ تھا ڈبل باس کے سفر کرنے کا انداز۔ یہاں کے مختلف علاقوں کی کیفیت میں اب اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ یہاں جگہ جگہ خطرناک دلدلیں، خوفناک جنگل اور وحشی قبیلوں کی بھرمار تھی۔ ڈبل باس ہر سلسلے میں

ہوشیار نظر آتے تھے۔ ویسے میں ان کی تنظیم کا دل سے قائل ہوتا جارہا تھا۔ بلاشبہ وہ جو کوئی بھی تھے بہترین ذہانت کے مالک تھے اور اپنا کام بڑی خوش اسلوبی سے کر رہے تھے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اس گروہ میں جتنے افراد شامل تھے وہ سب ہی جانتے تھے کہ ان کا یہ سفر کس حیثیت کا حامل ہے اور سب کے سب اپنے طور پر اس سے دلچسپی رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ خواتین بھی خزانے کی تلاش میں دوڑی دوڑی چلی جارہی تھیں۔ یہ ایک دلچسپ مرحلہ تھا اور بہرطور اب تک مجھے ایسے واقعات سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ یوں تو زندگی میں بے شمار کردار آئے تھے اور ہر کردار اپنی جگہ ایک الگ حیثیت کا مالک تھا لیکن ڈبل باس مجھے بھی کافی پسند آئے تھے۔

سفر کا دوسرا دن بھی پہلے دن کی مانند تھا البتہ چونکہ راستے دشوار گزار تھے، اس لیے یہ سفر تکلیف دہ رہا۔ خاص طور سے پہلے ایسے راستوں کا تعین کیا جاتا تھا جہاں سفر کیا جائے۔ دوسری رات کا قیام بھی تقریباً ایسا ہی تھا البتہ میری دلچسپی کے لیے ریلزے موجود تھی۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ لڑکی بہت آگے کی چیز ہے اور اس کے ساتھ ربط بڑھانا مشکل نہیں ہے لیکن کیا کرتا، میک درمیان میں موجود تھا۔ وہ بہانے بہانے سے میرے گرد چکرا رہا تھا۔ ریلزے بھی اس سے الجھتی نہیں تھی بلکہ اس کی موجودگی میں مجھ پر زیادہ التفات کا اظہار کر کے وہ غالباً میک مین کو جلانا چاہتی تھی اور میں میک مین کے چہرے پر طیش کے آثار دیکھ کر پریشان ہونے لگتا تھا۔

تیسرے دن کا سفر دھوپ اور گرمی کی وجہ سے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ پتہ نہیں ڈبل باس کون سی لائن پر آگے بڑھ رہے تھے؟ یہ معلومات حاصل کرنا میرا کام نہیں تھا۔ ابھی تک میں نے اپنے کام سے کام رکھا تھا۔ سفر کیسا بھی گزرا ہو لیکن اس رات ہم ایک نخلستان میں پہنچے۔ ناریل اور کھجوروں کے جھنڈ بکھرے ہوئے تھے اور ان کے درمیان پانی موجود تھا۔ ڈبل باس نے یہاں خیمہ زنی کا اعلان کر دیا اور مجھے ان کے سفر کے انداز کا احساس ہوا۔ وہ ایسی جگہ قیام کرتے تھے جہاں زندگی کی سہولتیں موجود ہوں یعنی پانی، درخت وغیرہ وغیرہ۔ یہاں راتوں رات خیمہ زنی کر لی گئی اور بالکل اسی انداز میں خیموں کا یہ شہر آباد ہو گیا۔ ریلزے نے مجھے بتایا کہ ڈبل باس اب یہاں دو تین دن تک قیام کریں گے

کیونکہ اب تک جو مسلسل سفر کیا ہے اس نے سب کو تھکا مارا ہے۔ چنانچہ ایک طویل قیام کا فیصلہ کیا گیا ہے تاکہ سب تازہ دم ہو کر سفر کا ازسرنو آغاز کر سکیں۔ میں نے سمجھنے والے انداز میں گردن ہلا دی تھی۔ اس رات کوئی تفریحی پروگرام نہیں بنایا گیا لیکن دوسرے دن پکنک کا سا سماں تھا۔ رائفلیں نکل آئی تھیں اور بہت سے لوگوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔ ٹولیاں شکار کے لیے نکل گئیں۔ غالباً گوشت جمع کرنے اور اضافی خوراک حاصل کرنے کا یہی طریقہ تھا۔ ریلزے نے مجھ سے شکار کے بارے میں پوچھا تو میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں تو خود شکار ہوں اور عموماً شکاری مجھے شکار کرتے رہے ہیں۔ میں کسی معصوم جانور کو شکار کر کے کیا کروں گا؟''

ریلزے ہنسنے لگی پھر بولی۔ ''میرا خیال تم سے مختلف ہے۔ تم درحقیقت شکار کے انداز کے شکاری ہو اور یقینی طور پر دھوکے سے شکار کرتے ہو۔''

''تم نے اس کا اندازہ کیسے لگایا؟''

''اپنے آپ کو دیکھ کر کیونکہ میں تمہاری شکار ہو گئی ہوں اور تم مستقل مجھے تڑپا رہے ہو۔''

میں نے گہری نگاہوں سے ریلزے کو دیکھا اور اس کا چہرہ دیکھ کر میرے دل میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ دل ہی دل میں، میں نے کہا کہ محترمہ! میں ایک باکردار آدمی ہوں۔ خواہ مخواہ مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش نہ کیجئے، ورنہ منہ کی کھائیے گا۔

وہ میرے ذہن میں ابھرنے والی سوچوں کو پڑھنے پر قادر ہوتی تو شاید برا منا جاتی لیکن فی الحال تو وہ میرے سر پر سوار تھی۔ میں ریلزے کے ساتھ بہت دیر تک رہا۔ پھر کسی طرح اس سے جان چھوٹ گئی اور میں اپنے طور پر آگے بڑھ گیا۔

شکاری جنگلوں میں پھیلے شکار کھیل رہے تھے۔ بعض ہرن اور نیل گائے اٹھائے واپس آگئے تھے اور دوسرا گروہ ان جانوروں کی کھال اتارنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ میں آگے بڑھتا رہا اور پھر ایک درخت سے ٹک کر اطراف کے مناظر دیکھنے لگا۔ اس سفر کے دوران میں نے کئی بار گینڈوں کے غول دیکھے تھے۔ ایک دو بار شیر کی دھاڑ بھی سنائی

دی تھی لیکن وہ سامنے نہیں آیا تھا۔ ہوسکتا ہے یہاں بھی ایسے وحشی جانور موجود ہوں۔ اس احساس کے تحت میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں اور دفعتہً ہی مجھے حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔

مجھ سے کوئی سو گز کے فاصلے پر میک کھڑا تھا........ چوڑے چکلے بدن کا یہ آدمی ہاتھ میں رائفل لیے میرا نشانہ لے رہا تھا۔ رائفل کی نال میری ہی جانب اٹھی ہوئی تھی اور اس کی آنکھ دوربین سے لگی ہوئی تھی۔ میرے دیوتا کوچ کر گئے۔ ایک لمحے کے لئے میں اپنے فولادی بدن کو بھول گیا۔ مجھے اپنے بدن کے مختلف حصوں میں لاتعداد سوراخ خون اگلتے نظر آنے لگے تھے۔ میں نے وہاں سے ہٹنے کی کوشش کی لیکن پاؤں من من بھر کے ہو گئے تھے۔ میک مین رائفل کے ٹریگر پر ہاتھ رکھے ہوئے میرا نشانہ لیے رہا اور پھر چند لمحات کے بعد رائفل کی نال نیچی کر لی۔ میری طرف دیکھ کر دانت نکوسے اور گردن جھکا کر ایک طرف بڑھ گیا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔ یہ مذاق تھا کہ اپنے غصے کا مظاہرہ؟ یا پھر ایک وارننگ........ بلاشبہ میک مین اگر اس وقت چاہتا تو مجھے نشانہ بنا سکتا تھا۔ اس کے پاس بڑا عمدہ بہانہ بھی موجود تھا۔ وہ کہہ سکتا تھا کہ اس نے ایک شکار پر گولی چلائی تھی جو غلطی سے میرے جا لگی۔ اس بات پر اس سے باز پرس بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ میرا کام تمام ہوتا یا نہ ہوتا یہ بعد کی بات تھی لیکن پتہ نہیں کیوں اس کم بخت نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

اس بات کا مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ میک مین مجھ سے سخت نفرت کرنے لگا ہے اور کسی بھی وقت میرے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ میں جان بوجھ کر کسی ایسی الجھن میں نہیں پڑنا چاہتا تھا چنانچہ یہی فیصلہ کیا کہ آہستہ آہستہ جس طرح ممکن ہو سکا ریلزے سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی کوشش کروں گا اور اس کا آغاز میں نے دوسرے ہی دن سے کر دیا۔

شام کو معمول کے مطابق باہر محفل جمی، وہی بزم، وہی انداز، موسیقی کی ہلکی ہلکی دھنیں اور ڈبل باس کی تفریحات........ میں نے ریلزے کو خیمے کے درمیان آتے دیکھا۔ عین اسی وقت مسٹر الکانڈر بھی باہر آ کر ایک میز پر بیٹھے تھے اور اتفاق سے میں ان کے

قریب تھا۔ میری ان کی آنکھیں چار ہوئیں تو میں نے مسکراتے ہوئے انہیں ہیلو کہا۔ مسٹر الکانڈر بھی مسکرانے لگے اور پھر شفیق لہجے میں بولے۔ ”آیئے۔ کچھ دیر میرے ساتھ بیٹھیے۔“

انہوں نے پیشکش کی اور میں جلدی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ ریلزے کے قدم رک گئے تھے۔ وہ چند لمحات کھڑی مجھے دیکھتی رہی اور اس کے بعد پاؤں پٹختی ہوئے آگے بڑھ گئی۔ میں نے اس کی طرف بالکل دھیان نہیں دیا تھا۔

مسٹر الکانڈر کی ساتھی لڑکی کو آج پہلی بار میں اتنے قریب سے دیکھا تھا۔ کچھ عجیب سے خدوخال کی مالک تھی۔ اس میں بے پناہ دلکشی تھی لیکن نجانے کیوں اس کے چہرے پر ایک اجنبی اجنبی سا انداز پایا جاتا تھا۔ میں بیٹھ گیا تو مسٹر الکانڈر بولے۔

”کئی دن سے آپ ہمارے ساتھی ہیں لیکن نجانے کیوں آپ نے ہم دونوں سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔“

”اوہ........ نہیں مسٹر الکانڈر! اس میں میری کوشش کا دخل نہیں ہے۔ بس! یوں سمجھیے جرأت نہیں کر سکا۔“

”نہیں بھئی۔ انسانوں کو ایک دوسرے سے مل لینا چاہیے۔ اگر آپ ایک آدھ دن اور ہم سے دور رہتے تو پھر میں خود ہی آگے بڑھتا۔ دراصل لیشی کی نگہداشت کے سلسلے میں میرا تمام وقت صرف ہو جاتا ہے۔ میں آپ کو اس سے ملاؤں۔ یہ میری بیٹی لیشی ہے اور میرا نام الکانڈر ہے۔ آپ کے بارے میں مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کا نام گادا ہے اور آپ ایشیائی ہیں۔“

”مسٹر الکانڈر! آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی اور حقیقت یہی ہے کہ میں آپ کی شخصیت سے متاثر ہوں۔“

”ارے بھئی واہ! یعنی مجھ سے ملاقات کیے بغیر ہی آپ میری شخصیت سے متاثر ہو گئے۔“

”جی ہاں۔ کچھ شخصیتیں براہ راست ذہن کو متاثر کرتی ہیں اور آپ بھی انہی میں سے ایک ہیں۔ میں نے مس ریلزے سے آپ کے بارے میں معلومات حاصل کی

تھیں۔''

''اوہ.........اچھا' تعجب ہے۔ میں نے تو اپنی شخصیت میں کوئی ایسی بات نہیں پائی۔'' انہوں نے کہا۔

میں ہنسنے لگا تھا۔ مسٹر الکانڈر پھر بولے۔ ''اب جبکہ آپ نے یہ قدم اٹھالیا ہے تو ہمارے درمیان اجنبیت نہیں رہنی چاہیے۔ آپ کا تعلق کون سے ملک سے ہے؟''

میں نے مسٹر الکانڈر کو اپنے بارے میں مختصر تفصیلات بتا ڈالیں۔ بلاشبہ ان کا انداز گفتگو بہت اچھا تھا اور اس میں اپنائیت جھلکتی تھی۔ وہ کہنے لگے۔ ''مسٹر گادا! جیسا کہ میرے علم میں ہے کہ آپ اتفاقاً بلکہ حادثتاً اس گروہ میں آ شامل ہوئے ہیں۔ میں نے تو یہ بھی سنا تھا کہ آپ مونٹینا کے ساتھ رہ چکے ہیں۔''

''مونٹینا؟'' میں نے سوالیہ انداز میں مسٹر الکانڈر کو دیکھا۔

''ہاں! ایک لڑکی جوان سب کے لیے عذاب بنی ہوئی ہے۔''

''اوہ.........اس کا نام پہلی بار میرے علم میں آیا ہے۔ پہلے مجھے اس نام کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔''

''ہوسکتا ہے انہوں نے اس کا نام آپ کو کچھ اور بتایا ہو لیکن درحقیقت اس کا نام مونٹینا ہی ہے۔ کیا واقعی آپ اس لڑکی کے ساتھ رہ چکے ہیں؟''

''جی! مجھے اس عذاب میں پھنسانے والی وہی شخصیت ہے لیکن مسٹر الکانڈر، میں نے محسوس کیا ہے کہ لوگ اس کے بارے میں تفصیلات بتاتے ہوئے کتراتے ہیں۔ ایسا کیوں؟''

''میرے خیال میں ایسی کوئی بات نہیں۔ یا تو آپ نے اس سلسلے میں صحیح طور پر تفتیش نہیں کی ہوگی اور اس کے بارے میں جاننا نہیں چاہا ہوگا یا پھر ہوسکتا ہے کہ کوئی خاص وجہ ہو اس کی۔'' مسٹر الکانڈر نے کہا۔

''نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ ڈبل باس سے دو ملاقاتوں میں، میں تمام تفصیلات نہیں معلوم کرسکا اور اس کے بعد اس کا موقع بھی نہیں ملا۔''

''اس کا نام مونٹینا ہے اور وہ مونٹی قبیلے کی لڑکی ہے۔ یہ پورا گروہ یعنی ڈبل باس اسی

قبیلے کی تلاش میں نکلے ہیں۔''

''کیا میں اس قبیلے کی تلاش کا مقصد جان سکتا ہوں؟''

''مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس لڑکی تک رسائی حاصل کی جائے۔ جس خزانے کی تلاش ڈبل باس کو ہے، اس کے نقشے کا آدھا حصہ اسی لڑکی کے پاس ہے۔''

''لیکن اب تک کے حالات سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ لڑکی اپنے قبیلے سے الگ ہوکر ہمارے آس پاس ہی کہیں چکراتی پھر رہی ہے۔ پھر اس قبیلے تک پہنچ کر ہمیں کیا فائدہ حاصل ہوگا جب وہ ہمیں وہاں ملے گی ہی نہیں؟''

''آپ کا اعتراض بلاشبہ درست ہے لیکن میں اس کا کوئی مناسب جواب دینے سے قاصر ہوں۔ اس سفر کا آغاز ڈبل باس نے ہی کیا تھا اور وہی اس سلسلے میں آپ کی معلومات میں کوئی معقول اضافہ کرسکتے ہیں۔ ہم لوگ تو بس ایک پرانے رشتے کی ڈور سے بندھے ہوئے ان کے ساتھ چلے جارہے ہیں۔''

''پرانا رشتہ؟''

''جی ہاں۔ دراصل جنہیں یہ سب لوگ ڈبل باس کہتے ہیں، میرے لئے یہ میرے بچوں کی مانند ہیں۔ میں بچپن سے ہی ان کا اتالیق رہا ہوں۔ اتنے عرصے کا ساتھ ہے اور ان سے ایسی انسیت پیدا ہوگئی ہے کہ میں انہیں چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اسی لئے جب انہوں نے اس سفر پر جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا کہ ممکن ہے کسی موڑ پر انہیں میری ضرورت پڑ جائے۔ لیشی کو تنہا چھوڑنا چونکہ ممکن نہ تھا، اس لئے اسے بھی ساتھ لے لیا۔''

''میری بدقسمتی ہے مسٹر الکانڈر کہ اس سے پہلے میں آپ سے ملاقات نہیں کرسکا۔ آپ کے ذریعے میری معلومات میں کافی اضافہ ہوا ہے۔''

''یہ وہ عام معلومات ہیں جو آپ کسی بھی شخص سے حاصل کرسکتے ہیں۔''

''ہاں۔ مجھے تھوڑی بہت تفصیلات معلوم ہوچکی ہیں.........مس لیشی بالکل خاموش ہیں، کیا یہ کچھ بیمار ہیں؟'' میں نے مسٹر الکانڈر کی بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ ہاں.........لیشی ذہنی طور پر معذور ہے اور خاموش رہتی ہے۔ طویل عرصے

سے یہ کچھ نہیں بولی۔ دیکھتی ہے، عمل کرتی ہے لیکن کچھ بولتی نہیں۔''

میں نے ہمدردانہ نگاہوں سے لیشی کی طرف دیکھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھی دوسری جانب دیکھ رہی تھی۔ مجھے اس کا یہ انداز بھی بے حد پرکشش لگا۔ مسٹر الکانڈر کے ساتھ بیٹھ کر میں نے کافی پی اور مسٹر الکانڈر بہت دیر تک مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ ریلزے سے برداشت نہ ہوسکا تو وہ خود اٹھ کر میرے پاس آ گئی۔

''رقص شروع ہو چکا ہے۔ کیا آج تم میرا ساتھ نہ دو گے؟'' اس نے کچھ اس انداز میں میرا بازو پکڑا کہ مجھے اٹھنا ہی پڑا۔ میں اس کے ساتھ رقص کرنے میں مصروف ہو گیا۔ عجیب وغریب لڑکی تھی کسی طرح جان ہی نہیں چھوڑتی تھی۔ میں اس سے اتنا منحرف نہ ہوتا اگر میک مین درمیان میں موجود نہ ہوتا۔ وہ کم بخت ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتا رہتا تھا۔ اس وقت بھی رقص کے دوران وہ خاموش بیٹھا ہم دونوں کو گھور رہا تھا اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔ میرے قدم ڈگمگا گئے اور ریلزے چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

''کیوں.........کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں.........رقص کرتی رہو۔'' میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا اور وہ مسکرا کر خاموش ہو گئی۔ میرے حواس اب برقرار نہیں رہے تھے۔ رقص میں مجھے ذرا بھی لطف نہیں آ رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔

''اوہ.........یہ کیا کر رہے ہو؟'' دفعتہً ریلزے کسمسائی اور میں چونک پڑا۔

''کیا بات ہے؟''

''بار بار میرا پاؤں کچل رہے ہو۔''

''سوری۔''

''تم کچھ الجھے ہوئے ہو؟''

''ہاں شاید۔''

''کیا اس کی وجہ وہ لڑکی ہے؟''

''کون؟'' میں چونک کر بولا۔

''لیشی کی بات کر رہی ہوں۔'' ریلزے کے لہجے میں جلن ابھر آئی اور میں نے

ایک گہری سانس لے کر گردن ہلا دی۔

''جی نہیں محترمہ! اس کی وجہ وہ لڑکی نہیں بلکہ وہ دیوزاد ہے جو آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے کئی بار ہڑپ کر چکا ہے۔''

''تم اس کی طرف غور ہی نہ کیا کرو۔''

''میں صرف اپنی طرف غور کرتا ہوں اور میں.........آپ خود میرا جائزہ لے سکتی ہیں۔''

''وہ دنیا کا سب سے بزدل انسان ہے کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

''بزدل انسان سب سے خطرناک ہوتا ہے یہ میرا عمر بھر کا تجربہ ہے۔'' میں نے کہا اور ریلزے خاموش ہو گئی۔ میں گردن جھکا کر سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر کسی نے میرا شانہ ہلا کر مجھے جھنجھوڑ دیا اور میں چونک پڑا۔

میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ میرے سامنے لیشی کھڑی تھی۔ بوڑھے الکانڈر کی بیٹی لیشی، جسے شروع سے لے کر اب تک میں نے بولتے چالتے تو کیا اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بھی نہ دیکھا تھا، جس کے متعلق اس کے باپ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ذہنی طور پر معذور ہے اور کسی بات میں اپنے طور پر حصہ نہیں لیتی، بس دیکھتی ہے، سن لیتی ہے اور کچھ کہا جائے تو عمل کر لیتی ہے۔ وہی لیشی، میرے سامنے کھڑی تھی۔

ریلزے کا منہ بھی حیرت سے کھلا ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ اسی لڑکی کے سلسلے میں شک وحسد کا شکار ہو رہی تھی۔ شاید اس کا خیال تھا کہ میں اسے پسند کرنے لگا ہوں، لیکن یہ توقع تو اسے بھی نہ رہی ہوگی کہ لیشی یوں اٹھ کر میرے سامنے آ کھڑی ہوگی۔

میں نے بمشکل تمام اپنی حیرت پر قابو پایا اور کہا۔ ''فرمائیے مس لیشی، میں آپ کے کس کام آ سکتا ہوں؟''

جواب وہی ملا جس کی مجھے توقع تھی یعنی خاموشی۔ اس نے ایک دفعہ پھر مجھے زور سے ہلایا اور اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''کیا مسٹر الکانڈر مجھے یاد کر رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہ دیا اور بدستور مجھے اٹھنے کا اشارہ کرتی رہی۔

''کیا بات ہے لیشی؟'' اس مرتبہ ریلزے بولی تھی۔ وہ بھی اپنی حیرت پر قابو پانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ ''تم مسٹر گادا کو کہاں لے جانا چاہتی ہو؟''

لیشی نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ پہلے کی طرح خاموش تھی لیکن اب اس کی آنکھوں میں ایسی چمک در آئی تھی کہ ریلزے کی نگاہیں خود بخود جھک گئیں۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں مجھ پر مرکوز ہوئیں اور مجھے یوں لگا جیسے ان کی لو ایک دم بڑھ گئی ہو۔ مزید کوئی سوال کئے بغیر میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

لیشی نے میرا ہاتھ تھام لیا اور میری رہنمائی کرتی ہوئے ایک طرف لے جانے لگی۔ اس کی رفتار کسی قسم کی عجلت یا غیر ہمواری نہیں تھی۔ وہ یوں چلتی چلی جا رہی تھی جیسے کوئی بڑا کسی چھوٹے سے بچے کو انگلی سے لگائے پارک میں گھوم رہا ہو۔ پہلے میں سمجھا کہ وہ مجھے مسٹر الکانڈر کے پاس لے جانا چاہتی ہے لیکن اس کا رخ کیمپ کی بیرونی سمت تھا۔ ویسے بھی ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے پر مجھے اندازہ ہوا تھا کہ مسٹر الکانڈر کہیں نظر نہیں آ رہے۔

میں نے سوچا کہ شاید مسٹر الکانڈر کیمپ سے باہر کسی جگہ مجھ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس ملاقات کا مقصد کیا ہوگا؟ مسٹر الکانڈر سے میری شناسائی نہ صرف مختصر تھی بلکہ بے حد رسمی بھی تھی۔ مجھ جیسے راہ چلتے آدمی سے یوں دوسروں سے ہٹ کر ملاقات کرنا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا تھا۔

لیشی مجھے لئے ہوئے اس چشمے تک پہنچ گئی جس کے کنارے ہمارے کارواں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہاں پہنچ کر بھی وہ رکی نہیں تھی بلکہ چشمے کا چکر کاٹنے لگی۔ ایک طویل چکر کاٹ کر ہم چشمے کے دوسری سمت پہنچ گئے۔ یہاں درختوں کے جھنڈ کچھ زیادہ ہی گھنے تھے۔ لیشی مجھے لئے آگے بڑھتی چلی گئی۔ ہم درختوں کے ایک جھنڈ کے عین وسط میں پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر لیشی رک گئی۔ اس نے میرا ہاتھ چھوڑا اور میری طرف مڑی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

پھر میرے سر پر بم پھٹا۔

بلکہ شاید اسے بم پھٹنے سے بھی تشبیہ نہیں دی جانی چاہئے۔ بم بھی آ پھٹتا تو میں اتنا حیران نہ ہوتا!

''تم نے ان لوگوں کو خوب بیوقوف بنایا ہے ناصر شاہ!'' لیشی نے کہا تھا۔

اس ہمیشہ چپ رہنے والی لڑکی کو بولتے دیکھ کر اور وہ بھی ایسی بات جس سے صرف میں واقف تھا، آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ مارے حیرت کے میرا کیا حال ہوا ہوگا۔ اگر اس وقت میرے سامنے آئینہ رکھ دیا جاتا تو شاید میں خود اپنی پھیلی ہوئی آنکھیں دیکھ کر ڈر جاتا۔

میرے تاثرات دیکھ کر لیشی کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر میرے گال کو چھوا اور مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ اس بظاہر روکھی پھیکی سی نظر آنے والی لڑکی کے ہاتھ میں زندگی کی حدت کیسے موجیں مار رہی ہے۔

''میری بات کا جواب نہیں دو گے ناصر شاہ!'' اس نے ایک دفعہ پھر کہا۔

میں لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ میرے ہونٹ جیسے خود بخود ہلے۔ ''تم کون ہو لیشی؟''

''کیا نظر آتی ہوں تمہیں؟'' اس نے شوخی سے کہا۔

''تم کیا.........کیا چیز.........ہو؟'' الفاظ میرے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔

''تمہیں کیسے علم ہوا کہ میں..................''

''تم نے خود مجھے بتایا'' اس نے کہا اور میری حیرت دو چند ہوگئی۔

''میں نے؟.........کب.........کیا بتایا؟''

''تمہارے دل نے مجھے پکارا تھا'' لیشی کی شوخی مزید جاندار ہوگئی۔ اس کی آنکھوں کی چمک پر نگاہیں جمانا دشوار ہوگیا تھا۔ ''میں نے اس کی صدا پر کان دھرا اور تمہاری ساری کہانی سن لی۔''

''کیسی کہانی؟''

''یہی کہ تم ایک لکھاری ہو، نت نئی کہانیوں کی تلاش میں گھر سے نکلے تھے کہ برفزاروں میں جا پھنسے، وہاں تمہاری ملاقات منور سے ہوئی۔ تم نے اس کی کہانی سنی، پھر

تم منور اور ایک اور آدمی کے ساتھ مل کر برفزاروں سے نکلنے کی راہ تلاش کرنے نکلے۔ وہ دونوں راستے میں ہی موت کا شکار ہو گئے لیکن تم بچ نکلے۔ پھر تم ذی آنا پہنچ گئے، وہاں تمہاری ملاقات شی وش اور ہارلیس سے ہوئی، پرشیانہ، روتھن اور زیراس سے ہوئی، اور تم وہاں سے ان لوگوں کو ڈھونڈنے کے لئے نکلے ہو جو ذی آنا پر قبضے کے خواہشمند ہیں، لیکن تم خود نہیں جانتے کہ منزل کہاں ملے گی۔''

''کیا کہہ رہی ہو لیشی؟'' میں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ ''خدا کے لئے کوئی سمجھ آنے والی بات کرو۔ تم تو مجھے پاگل کر دو گی۔''

''پاگل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' اس نے کہا۔ ''اور نہ ہی پریشان ہونے کی۔ تمہارا راز میرے سینے میں اسی طرح محفوظ رہے گا جیسے تمہارے اپنے دل میں۔''

''لیکن.........لیکن.........آخر تمہیں یہ سب معلوم کیسے ہوا؟'' میں نے متوحش ہو کر پوچھا۔

''کہا نا، تمہارے دل نے مجھے پکارا تھا۔'' اس نے کہا۔ ''لوگوں کے دل اکثر مجھے آواز دیتے رہتے ہیں لیکن میں ہر کسی کی صدا پر متوجہ نہیں ہوتی۔ کوئی کوئی ایسا ہوتا ہے جو مجھے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور تمہارے دل میں کی پکار میں ایسی کشش تھی کہ میں خود بخود کھنچی چلی آئی۔''

اس مرتبہ کچھ کہنے کے بجائے میں نے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔ میں اپنے ذہن کو پرسکون کرنا چاہتا تھا تاکہ کوئی ڈھنگ کی بات سوچ سکوں۔ اس لڑکی نے مجھے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ جو باتیں صرف مجھے معلوم تھیں، وہ اسے کیسے پتہ چل گئی تھیں؟ میں کچھ سمجھنے سے قاصر تھا۔

''ذہن پر خواہ مخواہ زور مت ڈالو۔'' اس مرتبہ لیشی نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ ''بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں سمجھنے کی کوشش نہیں کی جانی چاہئے، بس ایک حقیقت سمجھ کر قبول کر لینا چاہئے۔ اتنا اطمینان رکھو کہ مجھے یہ باتیں معلوم ہونے کا تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ ممکن ہے کوئی فائدہ ہی ہو جائے۔''

''فائدہ؟'' میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ ''کیسا فائدہ؟''

''تم میرے ڈیڈی سے واقف نہیں ہو۔'' اس نے کہا۔ ''ڈبل باس نے انہیں ایسے ہی اپنے ساتھ نہیں رکھا۔ وہ اگر چاہیں تو تمہاری مشکل حل کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔''

''لیکن کیسے؟''

''یہ تم براہ راست ان سے بات کر کے معلوم کر سکتے ہو۔'' لیشی نے کہا۔ ''لیکن اتنا یاد رکھنا کہ انہیں یہ مت بتانا کہ یہ مشورہ تمہیں میری طرف سے ملا ہے۔ دنیا کے سامنے میں گونگی اور ذہنی معذور ہوں۔ میں چاہوں گی کہ یہ تاثر برقرار رہے۔''

میں نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ لیشی واپسی کے راستے پر چلنے لگی اور میں اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم کیمپ واپس پہنچ گئے۔ کیمپ واپسی کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں نے لیشی سے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ مسٹر الکانڈر مجھے ملیں گے کہاں؟ اب پوچھنا بیکار تھا کیونکہ سب کے سامنے لیشی کبھی نہ بولتی۔

میں مسٹر الکانڈر سے فوراً ملنا چاہتا تھا۔ لیشی کی باتوں نے مجھے ایک بے چینی میں مبتلا کر دیا تھا۔ جس مقصد کے لئے میں ان ویرانوں میں بھٹکتا پھر رہا تھا، اسے پورا کرنا ہی میرے لئے سب کچھ تھا اور اگر مسٹر الکانڈر اس ضمن میں میرے مددگار ثابت ہو سکتے تھے تو میں جلد از جلد ان کی مدد حاصل کر لینا چاہتا تھا۔

میں تھوڑی دیر انہیں ادھر ادھر ڈھونڈتا رہا۔ پھر میری نگاہ فالکن پر پڑی۔ وہ ایک لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ میں فوراً اس کی طرف لپکا۔ مجھے یوں اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ چونک گیا۔ ''خیریت مسٹر گادا؟''

''میں مسٹر الکانڈر سے ملنا چاہتا ہوں۔'' میں نے اپنے اضطراب پر قابو رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''کہاں ملیں گے وہ؟''

''یہیں کہیں ہوں گے۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن آپ کی کیفیت کچھ عجیب سی ہو رہی ہے، خیریت تو ہے؟''

فالکن کی نگاہ بہت تیکھی معلوم ہوتی تھی۔ میری پوری کوشش کے باوجود وہ میرے اندرونی تغیر کو بھانپ لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے

ہوئے کہا۔ ''بس ایسے ہی ان سے ملنے کو جی چاہ رہا تھا۔''

''آپ یہاں بیٹھئے۔'' اس نے کہا۔ ''میں انہیں ڈھونڈ کر لاتا ہوں۔''

''نہیں نہیں شکریہ۔'' میں نے اسے روک دیا۔ ''ایسی بھی کوئی خاص بات نہیں کہ آپ ان کی تلاش میں بھاگ اٹھیں۔ ان سے ملاقات ہو ہی جائے گی۔''

فالکن نے کچھ نہیں کہا تھا۔ بس گہری گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا تھا۔ میں اس کے شک کو مزید تقویت نہیں دینا چاہتا تھا، اس لئے اس کے سامنے سے ہٹ کر اپنے خیمے میں جا گھسا اور بستر پر لیٹ گیا۔ ذہن طوفانوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ لیشی نے مجھ پر حیرتوں کے جو پہاڑ گرائے تھے، اس کے بعد میری کیفیت ایسی ہونا بالکل بجا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ چپ چاپ، گم صم، اپنے آپ میں مگن لڑکی اندھیرے کا ایسا تیر ثابت ہوگی کہ سیدھا دل میں ترازو ہو جائے گی۔

مسٹر الکانڈر کی ذات میں مجھے پہلے ہی ایک نامعلوم سی کشش محسوس ہوئی تھی اور اب سمجھ آ رہا تھا کہ میرا ان کی طرف یوں کھنچے چلے جانا بلاوجہ نہیں تھا۔ ان کی ذات میرے مقصد سے کسی نہ کسی طور وابستہ تھی، اس لئے میرا دل مجھے ان کی طرف بڑھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ مسٹر الکانڈر میرے لئے کیا کر سکتے ہیں۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ آخری تاریخوں کا چاند آسمان پر جگمگانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کی کمزور روشنی خیمے کے پردے کی درزوں سے چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔ میں اپنے ہی خیالوں میں مگن تھا کہ اچانک چاند کی روشنی نمایاں ہوگئی اور میں چونک پڑا۔

میرے خیمے کا پردہ ہٹا تھا اور ریلزے اندر سرک آئی تھی۔ اسے دیکھ کر میرا جی چاہا کہ سر پیٹ لوں۔ کم بخت تنہائی کے دو لمحے دینے پر بھی تیار نہ تھی۔ اس وقت میں سب سے الگ ہو کر کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ پھر میرے سر پر آ سوار ہوئی تھی۔ ایک دفعہ تو جی میں آئی کہ اسے اٹھا کر باہر پھینک دوں لیکن پھر میں نے خود پر قابو پا لیا۔

''تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟'' اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

''میں کہاں غائب ہوتا؟'' میں نے اپنے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہیں تو تھا۔ بس جی چاہ رہا تھا کہ تھوڑی دیر کے لئے دوسروں سے ہٹ کر تنہائی میں بیٹھا جائے،

سو یہاں آ گیا۔''

''میں یہ نہیں پوچھ رہی۔'' اس نے قدرے چڑچڑے پن سے کہا اور میرا غصہ ایک دفعہ پھر ابل پڑا۔

''پھر کیا پوچھ رہی ہو؟'' میں نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

''میں پوچھتی ہوں کہ آخر تم اس حرافہ کے ساتھ کہاں غائب ہو گئے تھے؟''

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ آخر یہ ہوتی کون تھی مجھ سے اس طرح باز پرس کرنے والی۔ ذرا سی لفٹ کیا دے دی، سر پر چڑھنے لگی۔ یکدم ہی میں نے فیصلہ کیا کہ ریلزے کو اس کی حدود میں رہنے کا سبق پڑھا دیا جائے۔

''میں کہاں جاتا ہوں اور کیا کرتا ہوں.........'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''اس سے تمہیں کوئی مطلب نہیں ہونا چاہئے۔ دوستی کا مطلب یہ نہیں کہ تم وقت بے وقت میرے سر پر سوار ہوتی رہو۔''

خیمے کی نیم تاریکی میں ریلزے کی آنکھوں میں پہلے حیرت نظر آئی پھر غصے کی چمک۔ ''تو ایک ہی ملاقات میں دماغ عرش پر پہنچ گیا جناب کا۔''

''فضول باتیں مت کرو۔'' میں نے سختی سے کہا۔ ''جو تم سمجھ رہی ہو، ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''تو پھر کیا ہے؟''

''تمہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔''

''میرے غصے کو آواز مت دو، میرے ایشیائی دوست۔'' ریلزے پھنکاری۔ ''اگر میں بھڑک گئی تو تمہاری اس لیشی کی خیریت نہیں۔''

''اس کی خیریت یا عدم خیریت سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔'' میرا لہجہ مزید سرد ہو گیا۔ ''اگر تم اس سے الجھنا چاہتی ہو تو میری طرف سے ہر طرح سے اجازت ہے لیکن خواہ مخواہ میرے راستے میں آنے کی کوشش نہ کرو، تمہارے لئے اچھا نہ ہوگا۔''

''کس کے لئے کیا اچھا نہ ہوگا، اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا مسٹر گادا۔'' ریلزے نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''میں نے تمہیں پسند کیا ہے اور میری پسند کی طرف کسی

اور کی نگاہ اٹھے، یہ میں برداشت نہیں کرسکتی۔ اس لیشی سے تو خیر میں نمٹ ہی لوں گی، لیکن تم بھی یاد رکھنا کہ میری چاہت کو ٹھکرانا تمہیں بہت مہنگا پڑ سکتا ہے۔"

"میں سستی چیزوں کو ویسے بھی پسند نہیں کرتا۔" اس بار میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔ "دیکھتا ہوں کہ تم میرے اس فعل کی کیا قیمت لگاتی ہو۔"

ریلزے تھوڑی دیر مجھے گھورتی رہی پھر جس طرح آئی تھی، اسی طرح باہر نکل گئی۔

میں ایک گہری سانس لے کر بستر پر دراز ہو گیا۔ یہ ایک اور مصیبت گلے پڑی۔ پہلے کیا کم جنجال تھے جو راہ چلتے ایک اور بلا سر پر سوار ہو گئی۔ خیر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

ریلزے سے جھک جھک کر کے گویا میرے اندر سے کوئی غبار نکل گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید ساری رات پلک جھپکانے کا موقع نہ مل سکے گا لیکن اس کے جانے کے بعد آہستہ آہستہ نیند کی پریاں میری آنکھوں میں اترنا شروع ہو گئیں اور آہستہ آہستہ میں خوابوں کی وادیوں میں پہنچ گیا۔

❁ ››› ❁ ››› ❁

اگلی صبح میری آنکھ ذرا دیر سے ہی کھلی تھی۔ پرانا دور ہوتا تو یقیناً اس وقت بدن ٹوٹتا اور کسلمندی بے طرح غلبہ پاتی لیکن ذی آنا کے حکماء کی ادویات کا تختہ مشق بننے کے بعد تھکن، کسلمندی اور بدن ٹوٹنے جیسی شکایات میری زندگی سے یکسر خارج ہو چکی تھیں۔ میں ہمیشہ تازہ دم اور ہشاش بشاش رہتا تھا۔

اٹھتے ہی پہلا خیال جو میرے دل میں آیا وہ لیشی کا تھا۔ اس کے حوالے سے مسٹر الکانڈر یاد آئے اور پھر ریلزے ذہن میں آ گئی۔ رات جانے سے پہلے وہ مجھے دھمکی دے کر گئی تھی۔ خیر جہنم میں جائے، اس کی دھمکیوں کی یہاں کسے پرواہ ہے! رہی لیشی کی بات، تو وہ پراسرار لڑکی اپنی حفاظت کرنا خوب جانتی ہو گی۔ اگر باہر نکل کر کہیں نظر آ گئی تو ریلزے کی طرف سے خبردار کر دوں گا۔ پھر وہ جانے اور اس کا کام۔

باہر نکل کر میں چشمے پر پہنچا۔ نہا دھو کر واپس آیا۔ کیمپ میں ناشتہ تقسیم کیا جا رہا تھا۔ گذشتہ روز کے شکار کئے ہوئے جانور ابھی تک کام آ رہے تھے۔ میں نے ناشتہ کرنے والے افراد کا جائزہ لیا۔ ریلزے موجود نہیں تھی، البتہ اور کئی شناسا چہرے موجود تھے جن

میں میک مین بھی شامل تھا۔ اس کی توجہ اس وقت میری طرف نہیں تھی۔ وہ ناشتے کے خالی برتن سامنے رکھے، ٹھوڑی ہتھیلی پر ٹکائے کسی سوچ میں غرق تھا۔

اسے دیکھ کر نہ جانے کیوں میرے دل میں آئی کہ اس سے ذرا کھل کر بات کی جائے۔ میں آگے بڑھا اور اس کے سامنے پہنچ گیا۔ "معاف کیجئے مسٹر میک مین، کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" میں نے بے حد مہذبانہ لہجے میں کہا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔ پھر وہ خود پر قابو پا کر بولا۔ "ہاں ہاں، کیوں نہیں، تشریف رکھئے مسٹر گادا۔"

"شکریہ۔" میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"ناشتہ لاؤں آپ کے لئے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی بھوک نہیں۔ ضرورت محسوس ہو گی تو خود لے آؤں گا۔ بہر حال پیشکش کا شکریہ۔" میں نے کہا۔

"اور کیا خدمت کر سکتا ہوں میں آپ کی؟"

"آپ میری ایک الجھن دور کر سکتے ہیں۔"

"الجھن!"

"جی ہاں۔"

"کیسی الجھن؟"

"میں جب سے آپ لوگوں کی پارٹی میں شامل ہوا ہوں، آپ مجھ سے کچھ ناراض ناراض سے، کچھ کھنچے کھنچے سے دکھائی دیتے ہیں۔ کیا میں اس کی وجہ جان سکتا ہوں؟"

"ایسی تو کوئی بات نہیں مسٹر گادا۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے شاید۔"

"کاش غلط فہمی ہی ہوئی ہوتی، لیکن بدقسمتی سے میں اس بارے میں پریقین ہوں۔ پہلی نگاہ میں آپ مجھے ایک گرمجوش اور محبت کرنے والے انسان لگے تھے۔" میں نے اس تھوڑا سا مکھن لگایا۔ "لیکن آپ کی طرف سے ایسے ردعمل کے اظہار پر مجھے بے حد افسوس ہوا، مزید افسوس اس بات کا ہے کہ میں ابھی تک اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں کھل کر بات کروں مسٹر گادا؟"

"جی جی پلیز۔" میں نے کہا۔ "میں نے اسی لئے آپ کو ڈسٹرب کیا ہے کہ کھل کر بات کی جا سکے۔"

"تو کھلی بات یہ ہے کہ مسٹر گادا کہ میں ریلزے سے محبت کرتا ہوں اور آپ کی طرف اس کا التفات مجھے بالکل پسند نہیں۔"

میں مسکرا دیا۔ "میں آپ کے جذبات اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں مسٹر میک، لیکن یقین کیجئے کہ میرے اور ریلزے کے درمیان ایسی کوئی بات نہیں، جیسی آپ سمجھ رہے ہیں۔"

"تو پھر آپ دونوں کا ہر دم ساتھ ساتھ گھومنا اور رقص کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟"

"یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ میں نے کبھی ریلزے کو مجبور نہیں کیا کہ وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہے یا میرے ساتھ رقص کرے۔ وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ نہ آپ اس پر کوئی پابندی لگا سکتے ہیں نہ میں۔"

"لیکن آپ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جو رنگ مچلتے ہیں، میں ان سے اچھی طرح واقف ہوں مسٹر گادا۔ کبھی یہ رنگ میرے لئے مچلا کرتے تھے۔"

"ریلزے کے دل کی بات تو میں نہیں جانتا لیکن اپنے دل کی بات بتا سکتا ہوں۔ میں نے کبھی اسے اس نگاہ سے دیکھا ہی نہیں، بلکہ یوں کہئے کہ دیکھ ہی نہیں سکتا۔ میں تو پہلے ہی کسی اور کی نگاہ کے تیر کا گھائل ہوں، ریلزے سے آنکھیں کیسے لڑا سکتا ہوں۔"

"پھر بھی آپ کا وجود ہم دونوں کے درمیان حائل ہو گیا ہے۔"

"تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ یہ دیوار ہٹ جائے؟"

"اگر اچھے طریقے سے ہٹ جائے تو بہت بہتر ہے۔"

"بصورت دیگر؟"

"بصورت دیگر میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کب کیا کر بیٹھوں۔ جب مجھے غصہ آتا ہے تو کچھ ہوش نہیں رہتا، بالکل باؤلا ہو جاتا ہوں میں۔"

"اطمینان رکھئے مسٹر میک، ایسی نوبت کبھی نہیں آئے گی۔ میں ریلزے کو سمجھا

دوں گا کہ وہ آپ کی محبت کی قدر کرنا سیکھے۔ آپ جیسا شاندار نوجوان اسے اور کہاں ملے گا۔"

میک مین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "کیا آپ وعدہ کرتے ہیں؟"

"اگر میرا وعدہ آپ کے لئے قابل اعتبار ہو تو چلئے وعدہ ہی سہی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ "آج سے ہم دونوں کے درمیان مخاصمت ختم اور پکی دوستی قائم۔"

اور میں نے ہنس کر اس سے ہاتھ ملا لیا۔

تھوڑی دیر میں اس کے پاس بیٹھا ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ پھر یہ احساس لئے وہاں سے اٹھ آیا کہ چلو ایک دشمن تو کم ہوا۔ اس نے مجھے دھمکی ضرور دی تھی لیکن میں نے اس کی بات کا کوئی اثر نہیں لیا تھا۔ اس جیسے دس ہاتھیوں سے نمٹنا میرے لئے معمولی بات تھی لیکن جو گڑ سے مرے اسے زہر کیوں دیا جائے۔ جب میں اسے دوست بنا کر بھی کام چلا سکتا تھا، تو خواہ مخواہ کی مارا ماری کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

رہا جہاں تک ریلزے کا سوال، تو مجھے یقین تھا کہ رات کے تجربے کے بعد وہ اب خود ہی میری راہ میں آنے سے کترائے گی۔

اور میرا یہ یقین فوراً ہی جھوٹا ثابت ہو گیا۔ مجھے پتہ بھی نہ چلا اور نہ جانے کس طرف سے ریلزے مجھ پر نازل ہو گئی۔ "ہیلو گادا!" اس کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی اور میں کراہ کر رہ گیا۔ یہ مصیبت پھر آ مری۔

"ہیلو!" میں نے بادل نخواستہ کہا۔

"اگر تم آج کا سارا دن میرے ساتھ رہنے کا وعدہ کرو تو میں تمہارا رات کا قصور معاف کر سکتی ہوں۔"

میں اس وقت ایک درخت کے قریب کھڑا تھا۔ جی چاہا یہی کھردرا سا درخت اکھیڑ کر اس کے سر پر دے ماروں۔ میں اپنی مصیبتیں کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور یہ گلے کا ہار بنی جا رہی تھی۔ نہ جانے کس مٹی کی بنی ہوئی تھی کہ رات کو میرے منہ سے اتنی سخت باتیں سننے کے باوجود مسکرا رہی تھی۔

"کیسا قصور؟" میں نے ضبط کر کے کہا۔

"جو تم نے رات کو مجھے غصہ دلا کر کیا تھا۔" اس نے کہا۔ "ویسے مجھے احساس ہے کہ میرے منہ سے بھی کچھ سخت باتیں نکل گئی تھیں، ان کے لئے میں معذرت خواہ ہوں.......... دیکھو میں نے معافی مانگ لی ہے۔ اب تمہیں بھی معذرت کر لینی چاہئے۔"

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس کے لئے معذرت طلب کروں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"توبہ ہے، مزاج ہی نہیں مل رہے جناب کے۔" اس نے اٹھلا کر کہا۔ "دوستی میں تو ایسی چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہو ہی جایا کرتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ انسان ایسی باتوں کو دل پر لگا لے۔"

"تم بے حد شدید غلط فہمی کی شکار ہو مس ریلزے!" میرے لہجے میں کھردراہٹ اتر آئی۔ "تم سمجھ رہی ہو کہ جلد یا بدیر میں بھی تمہارے حسن و جمال کا دیوانہ ہو کر تمہارے گرد طواف کرتا نظر آؤں گا لیکن یہ تمہاری بھول ہے۔ اگر تم مزید تلخی سہنا نہیں چاہتیں تو بہتر ہوگا مجھے میری ذات تک محدود رہنے دو۔"

ریلزے کے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگ گئی تھی۔ اس کی روشن بڑی بڑی آنکھیں کچھ اور بھی بڑی ہو گئی تھیں اور ان کی چمک میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں نہ جانے کیا کیا طوفان اٹھ رہے تھے۔ وہ تھوڑی دیر کھڑی ہونٹ کاٹتی رہی پھر پلٹ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

میں نے ایک گہرا سانس بھرا اور ناشتے کے سٹال کی طرف بڑھ گیا۔ ارادہ تھا کہ پیٹ پوجا کرنے کے بعد مسٹر الکانڈر سے ملاقات کرنے کی کوشش کی جائے۔ ویسے ابھی تک وہ مجھے نظر نہیں آئے تھے۔ عجیب بات تھی۔ جب تک مجھے ان کی اہمیت کا علم نہیں ہوا تھا، وہ ہر روز نظر آتے رہے تھے اور اب جبکہ میں انہیں تلاش کر رہا تھا، مل کر ہی نہیں دے رہے تھے۔ نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔

ناشتے کے بعد میں پھر انہیں ڈھونڈنے کے لئے نکلا۔ ابھی تک وہ کہیں دکھائی نہیں

دیئے تھے اور مجھ پر جھنجھلاہٹ طاری ہوتی جا رہی تھی۔ ایک دفعہ خیال آیا کہ کسی سے ان کے متعلق پوچھ لوں لیکن پھر میں نے خود ہی یہ ارادہ ترک کر دیا۔ رات کو فالکن میرے انداز کی وجہ سے پہلے ہی شک میں مبتلا ہو چکا تھا۔ ممکن ہے اس نے اور لوگوں سے بھی اس بات کا تذکرہ کیا ہو۔ اب اگر میں دوبارہ اس طرح مسٹر الکانڈر کے متعلق پوچھتا ہوا نظر آتا تو یقیناً ان کے شبہات مزید قوت پکڑ جاتے۔ یہ میرے لئے کسی طور سودمند نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر مجھے لیشی نظر آئی۔ مسٹر الکانڈر اس کے ساتھ نہیں تھے۔ وہ تنہا ایک میز پر بیٹھی خلا میں گھور رہی تھی۔ میز خالی تھی۔ شاید وہ ناشتہ کر چکی تھی یا کرنے والی تھی۔ میں کچھ دیر اپنی جگہ کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ بظاہر گونگی بہری لڑکی ایسی حیرت انگیز صلاحیتوں کی مالک ہوگی۔ میرے دل کی بات میرے منہ پر کر کے اس نے مجھے اس بری طرح چونکایا تھا کہ پناہ بخدا.......... اور اب یوں بیٹھی تھی جیسے اس جیسی مجبور اور قابل رحم ہستی دنیا میں نہ ہو۔

کچھ سوچ کر میں اس کی طرف بڑھ گیا۔ نہ جانے اسے معلوم تھا یا نہیں کہ مسٹر الکانڈر اس وقت کہاں ہوں گے اور معلوم تھا بھی تو وہ میری بات کا جواب دیتی یا نہیں۔ بہر حال اسی طرح امید و بیم کی کشمکش میں مبتلا میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

"ہیلو لیشی!" میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

اس نے میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تک نہیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میری آواز اس کے کانوں تک پہنچی نہیں۔ مجھے یوں لگا جیسے میں کسی پتھر کے مجسمے سے مخاطب ہوں۔

"کیا میں تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟" میں نے ایک دفعہ پھر کہا۔ اس کی طرف سے پھر کوئی جواب نہ ملا اور میں خود کو بے حد ہونق محسوس کرنے لگا۔ جی کڑا کر کے میں نے ایک دفعہ پھر اس سے کہا۔ "تمہارے ڈیڈی کہاں ہیں لیشی؟"

اس مرتبہ جواب ملا اور اس طریقے سے ملا کہ میں اچھل پڑا۔ لیشی کے لب نہیں ہلے تھے، لیکن میرے کانوں میں اس کی آواز گونجی تھی۔ "بے صبری کا مظاہرہ مت کرو۔"

میں بدک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔لیشی کی نگاہیں بدستور خلا میں مرکوز تھیں۔ وہ بولی نہیں تھی لیکن اس کی آواز میرے کانوں میں پڑی تھی اور وہی آواز ایک دفعہ پھر آئی۔

''کسی طرح کی تشویش میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ ڈیڈی تمہارے بارے میں جان چکے ہیں۔ وہ جلد ہی خود تم سے ملیں گے۔ اب تم جاؤ۔''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی انجانی قوت نے میرے شانے پکڑ کر مجھے گھما دیا ہو۔ میرے قدم خود بخود اٹھنے لگے۔لیشی کی ہدایت کے مطابق میں اس سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ آج اس لڑکی نے ایک دفعہ پھر مجھے گھما کر رکھ دیا تھا۔ نہ صرف ذہنی طور پر بلکہ جسمانی طور پر بھی۔ نہ جانے اس کے اندر کون سی قوت سمائی ہوئی تھی۔

میں کہیں رکے بغیر سیدھا اپنے خیمے میں پہنچ گیا۔ بوڑھے ہارلیس نے مجھ سے کہا تھا کہ چلتے رہو، کہیں نہ کہیں منزل کی طرف رہنمائی کرنے والا موڑ سامنے آ ہی جائے گا اور مجھے لگ رہا تھا جیسے وہ موڑ سامنے آ گیا ہو۔ اس عجیب و غریب لڑکی سے میری ملاقات کوئی نہ کوئی رنگ لانے والی تھی۔

شام تک میں اسی طرح اپنے خیمے میں موجود رہا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے وقت بھی میں باہر نکلا۔ سہ پہر کو ڈبل باس کا ہرکارہ میری خیریت معلوم کرنے آیا تھا۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ میں کھانا کھانے کیوں نہیں آیا۔ میں نے بھوک نہ ہونے کا بہانہ بنا کر اسے واپس بھیج دیا لیکن تھوڑی دیر بعد وہ پھر واپس آ گیا۔ یہ پیغام لے کر کہ اگر میری طبیعت ٹھیک نہیں تو کیمپ کے ڈاکٹر کو یہاں بھیجا جا سکتا ہے۔ میں نے اسے تسلی دی کہ ڈاکٹر وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ویسے ہی طبیعت کچھ ست سی ہو رہی ہے۔ میں بس آرام کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد وہ واپس نہیں آیا تھا۔

شام کو جب ایک دفعہ پھر رقص و موسیقی اور طعام و بادہ نوشی کے ہنگاموں کا آغاز ہوا تو میں اپنے خیمے سے باہر نکلا۔ ذہنی اضطراب کے باعث بھوک تو خیر اڑ ہی گئی تھی، کسی کی شکل دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہ رہا تھا۔ میں صرف اس امید پر باہر نکلا تھا کہ الکانڈر سے ملاقات ہو جائے تو ان سے کوئی بات کرنے کا موقع مل سکے۔

لیکن الکانڈر سے ملاقات ہونے سے پہلے میک مین سے ٹکراؤ ہو گیا۔ ''میں آپ

ہی کی طرف آ رہا تھا، مسٹر گادا!'' اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''خیریت؟'' میں نے الکانڈر کی تلاش میں نگاہ دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کی ملاقات ریلزے سے ہوئی تھی؟''

''ہاں صبح ہوئی تھی۔''

''کیا آپ دونوں کے درمیان کوئی تلخی ہو گئی ہے؟''

''آپ کو یہ خیال کیسے آیا؟''

''وہ میں بعد میں بتاؤں گا، پہلے آپ میرے سوال کا جواب دیجئے۔''

''تلخی وغیرہ تو خیر کوئی نہیں ہوئی تھی، البتہ میں نے اسے یہ سمجھانے کی کوشش ضرور کی تھی کہ میں اس کے کام کا آدمی نہیں ہوں، اس لئے بلاوجہ مجھ سے ربط ضبط بڑھانے کی کوشش نہ کرے۔ اب اگر اس نے میرے سمجھانے کو دل پر لے لیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟''

''وہ بھری بیٹھی ہے آپ کے خلاف۔''

''آپ سے کوئی بات ہوئی ہے اس کی اس موضوع پر؟''

''اسی لئے تو میں آپ کی طرف آ رہا تھا۔ اگر صبح میری آپ سے بات نہ ہو چکی ہوتی تو شاید میرا ردعمل کچھ اور ہوتا لیکن اب میرے دل میں آپ کے خلاف کوئی بدگمانی نہیں۔''

میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ ساری بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ ریلزے نے یقیناً اس کے جذبہ رقابت کو ہوا دے کر میرے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ اگر میں اس سے پہلے ہی بات نہ کر چکا ہوتا تو ممکنہ طور پر اس وقت ہمارے درمیان فری سٹائل ریسلنگ ہو رہی ہوتی۔

پھر میں نے کہا۔ ''دیکھئے مسٹر میک مین۔ میری آپ سے کوئی مخاصمت نہیں، میں آپ کا برا نہیں چاہتا، دوست سمجھ کر ایک مشورہ دے رہا ہوں، اگر آپ اس پر غور کر سکیں تو۔''

''کہئے، میں سن رہا ہوں۔''

"ریلزے کے ساتھ تھوڑا بہت وقت گزارنے کے بعد میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ نہایت دل پھینک اور ہرجائی قسم کی لڑکی ہے۔ زندگی ملنے والے ہر مرد سے اس کی دلچسپی محض وقتی ہوتی ہے۔ مجھ سے پہلے وہ آپ کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھا رہی تھی اور جب میں سامنے آیا تو اس نے آپ کو نظرانداز کرنا شروع کر دیا۔ اور جب میری طرف سے مثبت جواب نہ ملا تو اس نے دوبارہ آپ پر الفت کے جال پھینک دیا۔ صرف اس لئے کہ آپ کے ذریعے وہ مجھ سے انتقام لے سکے، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں، میں آپ کی بات سے پورا اتفاق کرتا ہوں۔"

"تو کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ جب آپ کی ذات سے وابستہ مقصد پورا ہو جائے گا تو وہ پہلے کی طرح آپ کو دھتکار کر کوئی اور ساتھی ڈھونڈ لے گی؟ اگر میری بات آپ کو بری لگے تو میں معذرت چاہتا ہوں، لیکن مسٹر میک مین، حقیقت یہی ہے کہ آپ کی محبت محض یکطرفہ ہے، اور میری نگاہ میں یکطرفہ محبت، محبت کی بدترین شکل ہے۔ میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ ریلزے کا پیچھا چھوڑ کر کسی باوفا سے دل لگائیے۔ وگرنہ بعد میں کف افسوس ملتے رہ جائیں گے۔ مردانہ وجاہت کی آپ میں کمی نہیں، آپ کے سینے میں محبت کرنے والا دل بھی ہے، میرا تجربہ ہے کہ ایسے شخص کو بہت سے چاہنے والے مل جاتے ہیں۔"

میک مین خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں اداسی اتر آئی تھی۔ قدرے توقف کے بعد اس نے کہا۔ "آپ درست کہتے ہیں مسٹر گادا! کاش، آپ سے پہلے کوئی اس طرح سمجھانے والا مل جاتا تو مجھے اس تکلیف سے دوچار نہ ہونا پڑتا جو ریلزے کی بے رخی کی دین ہے۔ بہرحال آپ کی باتوں نے میری آنکھیں کھول دی ہیں اور مجھے خوشی ہے کہ بات حد سے آگے بڑھنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔ آپ کے مشورے کا بہت بہت شکریہ۔"

"شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں، یہ میرا فرض تھا۔"

"لیکن اب ایک مشورہ آپ میرا بھی پلے باندھ لیجئے۔"

"وہ کیا؟"

"ریلزے کی محبت کا دم بھرنے والا اس کارواں میں، میں اکیلا نہیں ہوں۔ اور بھی بہت سے اس کی زلف کے اسیر ہیں۔ وہ آپ سے انتقام لینا چاہتی ہے، اور اگر میں اس کی خواہش پوری نہیں کرتا تو وہ کسی اور کو آلہ کار بنا سکتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی دوسرا میری طرح آپ سے آ کر پہلے بات نہیں کرے گا۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ آئندہ سے محتاط رہیئے گا۔ میں بھی اپنی آنکھیں کھلی رکھوں گا، اور جہاں میرے علم میں کوئی ایسی بات آئی، آپ کو آگاہ کر دوں گا۔"

"آپ کے مشورے اور تنبیہ کا بہت بہت شکریہ۔"

"شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں، یہ میرا فرض تھا۔" اس نے میری کہی ہوئی بات مجھے لوٹا دی اور ہم دونوں ہنس پڑے۔ پھر میک مین نے کہا۔ "آپ نے کھانا کھا لیا؟"

"نہیں، اسی سوچ میں خیمے سے نکلا تھا کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔"

"تو پھر چلئے دونوں اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔ ہمیں اکٹھے دیکھ کر ریلزے کو علم بھی ہو جائے گا کہ اس کی کوشش ناکام ہو گئی ہے۔"

اگرچہ کھانے کو طبیعت بالکل نہیں کر رہی تھی لیکن پھر بھی میں نے اس کی بات مان لی۔ چند لقمے زہر مار کر کے میں پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ مسٹر الکانڈرا اب تک نظر نہیں آئے تھے۔ میرے اضطراب میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ لیشی نے کہا تھا کہ کسی طرح کی تشویش میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں، لیکن اس دل کو میں کیا کرتا جسے کسی کل چین نہیں تھا۔

بہرحال، کھانا کھا کر کچھ وقت میں نے محو رقص جوڑوں کا نظارہ کرنے میں گزارا اور دوبارہ اپنے خیمے میں واپس آ گیا۔

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

رات گہری ہو چکی تھی۔ سب لوگ سو چکے تھے۔ پورے کیمپ پر سکوت طاری تھا۔ درختوں میں سرسراتی ہوا اور پتوں کی ہلکی ہلکی تالیوں کے سوا کوئی آواز نہ تھی۔ جنگل کے جانور بھی شاید کہیں دور نکل گئے تھے کہ ان کی طرف سے بھی خاموشی ہی خاموشی تھی۔ میں اپنے بستر پر دراز سوچوں کے گرداب میں غوطے کھا رہا تھا۔ ایک خیال رہ رہ کر ذہن میں گونجتا تھا۔ مسٹر الکانڈر کو خود مجھ سے رابطہ کرنا تھا اور نہ جانے یہ رابطہ کب ہوگا۔

اور بالآخر اس سوال کا جواب ملنے کا وقت آ گیا۔

ہوا کے ہلکے ہلکے شور میں تھوڑا سا اضافہ ہوا، یوں لگا جیسے ہوا پہلے کے مقابلے میں کچھ زیادہ سرد، کچھ زیادہ وزنی ہو گئی ہے۔ کسی انجانی قوت کی لہریں اس میں شامل ہونے لگی ہیں، یہ لہریں مجھ تک پہنچنے لگیں، میرے دل کے دروازے پر دستک دینے لگیں، یوں لگا جیسے ان لہروں کے دوش پر کوئی صدا مجھ تک پہنچ رہی ہے، مجھے اٹھنے کو کہہ رہی ہے، باہر آنے کی ہدایت کر رہی ہے۔

میں اٹھا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ میرے قدم خود بخود حرکت میں تھے۔ کوئی ان دیکھی قوت میری رہنمائی کر رہی تھی۔ میں چلتا چلا جا رہا تھا۔ چاند کی پھیکی سی بے جان سی روشنی، اردگرد محو خواب نفوس، نخلستان کی ٹھنڈی زمین، درختوں سے ٹکرا کر آتی ہوئی ہوا............ مجھے کسی چیز کا احساس نہ تھا۔ بس اتنا معلوم تھا کہ مجھے کہیں پہنچنا ہے، بہت جلد پہنچنا ہے، لیکن کہاں............ یہ معلوم نہ تھا اور معلوم کرنے کی کوئی ضرورت بھی محسوس نہ ہو رہی تھی۔

نہ جانے کتنی راہ طے کرنے کے بعد یہ سفر ختم ہوا۔ چاند کے سیمیں نور میں ایک جگہ

آگ کی زرد روشنی نظر آئی تھی اور اس آگ کے سامنے پہنچ کر میں رک گیا تھا۔ میرے گھٹنے آہستہ آہستہ خمیدہ ہوئے اور میں ان کے بل الاؤ کے سامنے بیٹھ گیا۔

الاؤ کے اس پار سفید براق بالوں والا وہ بوڑھا بیٹھا تھا جسے میں الکانڈر کے نام سے جانتا تھا۔ اس کی نگاہیں الاؤ پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے وجود پر طاری سکوت دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گوشت پوست کا انسان نہیں پتھر سے تراشا مجسمہ ہو، ان بے روح مجسموں جیسا جن سے میری ملاقات ذی آنا میں ہوئی تھی۔

میں خاموش بیٹھا رہا۔ مجھے انتظار تھا کہ الکانڈر کچھ کہے۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ابلتے تمام سوالات دبک کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ اضطراب، جو اس سے پہلے مجھے گھیرے ہوئے تھا، ہوا ہو گیا تھا۔ اب میں پرسکون تھا۔ شاید اس لئے کہ میری منزل کی طرف جانے والا موڑ آخر کار سامنے آ گیا تھا۔

تب الکانڈر کی آواز ابھری۔ ''منزل پر پہنچنے کی خواہش رکھتے ہو؟''

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا۔

''جانتے بھی ہو کہ تمہاری منزل کیا ہے؟''

''شاید۔''

''اور یہ بھی کہ اس کی راہ میں کیسے کیسے کٹھن مقام آئیں گے؟''

''یقیناً۔''

''ان کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو؟''

''دل و جان کے ساتھ۔''

''تمہیں علم ہے کہ تمہارا مقابلہ کن شیطانوں کے ساتھ ہے؟''

''نام کی حد تک۔''

''اور ان کی قوت کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''یہی کہ وہ کالی قوتوں کے مالک ہیں اور ان سے ٹکرانے کے لئے مجھے بھی ایسی ہی قوتوں کی ضرورت ہوگی۔''

''اس لئے کہ لوہا، لوہے کو کاٹتا ہے؟''

''ہاں۔''

''لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جسے ہم لوہا سمجھتے ہیں، وہ لکڑی نکلتا ہے۔''

''اس کے بعد کیا کیا جاتا ہے؟''

''لکڑی کو لکڑی سے نہیں کاٹا جا سکتا، وہ لوہے سے کٹتی ہے یا آگ سے خاکستر ہوتی ہے۔''

''یہ لوہا، یہ آگ میں کہاں سے لاؤں گا؟''

''آگ تمہارے سامنے ہے۔ ہاتھ بڑھاؤ اور جتنی چاہے سمیٹ لو۔''

میرے ہاتھ حرکت میں آئے اور آگ کے الاؤ میں داخل ہو گئے۔ جھلسنے کے لئے نہیں، اس آگ کو جذب کرنے کے لئے۔ شعلے میرے ہاتھوں میں اترنے لگے، میرے مسامات میں جذب ہونے لگے، میری نس نس میں دوڑنے لگے۔ میرا فولادی جسم، آتشی ہونے لگا۔

لیکن اس آتش میں تلخی کے بجائے سکون تھا، تپش کے بجائے ٹھنڈک تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے ذہن کی گرہیں کھلتی جا رہی ہوں، میری روح تک سکون پا رہی تھی۔

الاؤ مدہم پڑنے لگا۔ اس کی ساری آگ میرے خون میں شامل ہو چکی تھی۔

بوڑھے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔ ''تمہاری طلب، تمہاری ضرورت سے زیادہ ہے۔'' اس نے کہا۔

اور میں نے ہاتھ باہر نکال لیا۔ الاؤ ایک دفعہ پھر دہک اٹھا۔

''پھر کبھی ایسا ہوگا کہ دنیا کے کسی گوشے میں کالی طاقتیں اپنا جال پھیلانا شروع کریں گی اور خدا پھر کبھی کسی کو ان کا سر کچلنے پر مامور کرے گا۔ تب یہ الاؤ اس کے لئے روشن ہوگا، تب تک کے لئے اس کی آگ پوشیدہ رہے گی۔''

اور وہ الاؤ آہستہ آہستہ زمین میں اترنے لگا جیسے زمین سے اگنے والے پودے کی ویڈیو فلم کو ریورس میں چلا دیا جائے۔ تھوڑی دیر میں اس کا نشان تک باقی نہ رہا تھا۔

''تمہارے ذہن میں بہت سے سوال مچل رہے ہیں۔'' بوڑھے نے کہا۔

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا۔

''جو پوچھنا چاہو، پوچھ سکتے ہو۔''

''فولاس اور زوالہ کون ہیں؟''

''طاغوت کے ہرکارے۔''

''ان کا مقصد کیا ہے؟''

''ان کا ابتدائی مقصد وہ ہے جو تم شی وش اور ہارلیس کی زبان سے سن چکے ہو۔ ان کا حقیقی مقصد اس کے بعد سامنے آئے گا۔''

''اور وہ حقیقی مقصد کیا ہے؟''

''اس سرزمین پر ایک ایسا قید خانہ قائم کرنا جس میں وہ اپنے دشمنوں کو مرنے کے بعد بھی مقید رکھ سکیں۔''

''کیا وہ کوئی مقبرہ بنانا چاہتے ہیں؟''

''کیا روحیں مقبروں میں قید کی جاتی ہیں؟''

اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر کوئی ہتھوڑا آن پڑا ہو۔ ''روحیں؟''

بوڑھا مسکرایا۔ ''ہاں، روحیں۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ..............''

''تم درست سمجھے ہو۔ وہ ذی آنا کی سرزمین پر روحوں کا قید خانہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔''

''لیکن کس لئے؟''

''تاکہ بعد میں انہیں استعمال کیا جا سکے۔''

''کس سلسلے میں؟ کس وقت؟''

''اس وقت جب نیکی اور بدی کی قوتوں کے درمیان کھلی جنگ ہوگی۔ وہ ان روحوں کو اپنی فوج کے سپاہیوں کے طور پر استعمال کریں گے۔''

''یہ جنگ کب ہوگی؟''

''جب وہ محسوس کریں گے کہ ان کی قوت اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ رحمانی قوتوں کو للکار سکیں۔''

''لیکن ایسا ہونا ناممکن ہے۔ شیطان کی قوت، رحمان کی قوت سے کبھی بڑھ نہیں سکتی۔''

''ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو لیکن خواب دیکھنے پر کوئی پابندی تو نہیں ہے۔ اگر وہ اپنی قوت کو اس حد تک بڑھانے کا خواب دیکھتے ہیں تو رحمان کو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ وہ تو وقتاً فوقتاً ان کے ارادوں کو ناکامی سے دوچار کر کے انہیں ان کی اوقات یاد دلاتا ہے اور بس۔''

''اس کھیل میں میری حیثیت کیا ہے؟''

''اس مرتبہ انہیں ناکام بنانے کا فریضہ تمہارے حصے میں آیا ہے۔''

''اس فریضے کو پورا کرنے کے لئے مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''زوالہ اور فولاس کو شکست دینا ہوگی۔''

''کیا میں اس میں کامیاب ہو پاؤں گا؟''

''اگر خدا پر تمہارا ایمان کامل ہے، تو کوئی طاقت تمہارے راستے کی دیوار نہیں بن سکتی۔ آگے بڑھو اور ان سے ٹکرا جاؤ۔''

جوش سے خون میری رگوں میں ٹکریں مارنے لگا۔ میری مٹھیاں خود بخود بھینچ گئیں۔

''زوالہ اور فولاس کہاں ملیں گے؟''

''بہت جلد تمہاری ملاقات ان سے ہوگی۔ تب تک انتظار کرو۔ ابھی وہ اپنا کام کر رہے ہیں، تمہارا کام بعد میں شروع ہوگا۔''

''وہ کیا کام کر رہے ہیں؟''

''وہ روحیں اکٹھی کر رہے ہیں۔ پرشیانہ، روتھن اور زیراس کو انہوں نے دوسروں کو عبرت دینے کے لئے نشانہ بنایا تھا تاکہ ذی آنا کے لوگ ڈر کر ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ان کے پاس موجود روحوں کی تعداد ان کی گنجائش سے بڑھتی جا رہی ہے۔ بہت جلد وہ دوبارہ ذی آنا کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ ان کے پلٹنے سے پہلے تمہارا ان سے ٹکراؤ ہوگا۔ اگر تم انہیں ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے، تو ان کے قبضے میں موجود روحیں آزاد ہو کر اپنے حقیقی مستقر کی طرف لوٹ جائیں گی۔ پرشیانہ،

روتھن اور زیراس کو اپنے جسم نصیب ہو جائیں گے اور ذی آنا پر منڈلاتے تباہی و بربادی کے سائے دور ہو جائیں گے۔''

''اب میرے لئے کیا حکم ہے؟''

''کیمپ واپس چلے جاؤ، یہاں تم نے جو کچھ دیکھا، اسے ذہن سے اتار دو۔ کارواں کے ساتھ سفر کرتے رہو۔ یہ لوگ اپنی منزل پر پہنچنے ہی والے ہیں۔ تمہاری منزل بھی وہیں ہوگی۔''

میں اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں آنے کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ میرے ہر سوال کا جواب مل چکا تھا، اب مجھے انتظار کرنا تھا.........صرف انتظار!

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

کارواں ایک دن مزید وہاں رکا رہا۔ تین دن کا قیام مکمل کرنے کے بعد، چوتھے روز انہوں نے پڑاؤ اٹھا دیا۔ سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ ان لوگوں کی منزل کہاں تھی، یہ میں نہیں جانتا تھا بلکہ شاید یہ خود بھی نہیں جانتے تھے۔ جس خزانے تک یہ پہنچنا چاہتے تھے، اس کا صرف آدھا نقشہ ان کے پاس تھا اور آدھا مونٹینا نامی اس لڑکی کے قبضے میں تھا جو چند روز پہلے میری رفیق رہ چکی تھی۔ بہر حال، وہ آگے بڑھ رہے تھے تو اس کا مطلب یہی تھا کہ منزل کا نہ سہی، منزل کو جانے والی سمت کا کچھ نہ کچھ اندازہ انہیں ضرور ہے۔

کسی کسی وقت مجھے مونٹینا یاد آنے لگتی تھی۔ میں نے ایسی لڑکی اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھی تھی۔ ایسی قوت، ایسی پھرتی کہ چیتے کو بھی مات کر دے۔ دلدل پر بھی وہ یوں دوڑتی چلی گئی تھی جیسے کسی پارک کے رنگ ٹریک پر دوڑ رہی ہو۔ ڈبل باس کے گروہ میں بھی بڑی بڑی توپ چیزیں شامل تھیں لیکن اگر وہ اکیلی لڑکی ابھی تک ان کے قابو میں نہیں آئی تھی تو اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ ان سب سے آگے کی چیز ہے۔

یہ علاقہ، جس میں ہم سفر کر رہے تھے، دنیا کے عجوبہ خطوں میں شامل تھا۔ یہاں مناظر بار بار رنگ بدلتے تھے۔ کبھی صحرا شروع ہو جاتا اور کبھی چٹانیں نظر آنے لگتیں، کبھی ہم خود کو فلک بوس پہاڑوں کے بیچ پاتے اور کبھی جنگلات میں۔ کارواں کی رہنمائی کا فریضہ ڈبل باس کی مناسبت سے ان کے دو نائبین کے ہاتھ میں تھا۔ فالکن ان میں سے ایک تھا۔ دوسرے نائب کا نام طاہر مصری تھا۔ نام کے برعکس اس کا تعلق عراق سے تھا اور نسلاً وہ کرد تھا۔

ڈبل باس ہر روز شام کو ان دونوں کے ساتھ کچھ دیر کو اپنے خیمے میں بند ہو جاتے

تھے۔ اس دوران کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ میں نے کبھی پوچھنے کی کوشش تو نہیں کی تھی لیکن اتنا جانتا تھا کہ وہ آپس میں آئندہ سفر کے متعلق تبادلہ خیال ہی کرتے ہوں گے۔

مسٹر الکانڈر اب پھر باقاعدگی سے نظر آنے لگے تھے۔ شام کو ان سے گپ شپ بھی ہو جاتی تھی لیکن انہوں نے کبھی اس رات کے واقعات کا اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا تھا اور ان کی ہدایت کے بموجب میں بھی اس سلسلے میں خاموش ہی رہا تھا۔

ریلزے کی طرف سے بھی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میری طرف سے اس کی پیش قدمیاں ایسے کھرے انداز میں مسترد کر دیئے جانے کے بعد وہ مجھ سے کترانے لگی تھی۔ میک مین نے مجھے اس کی طرف سے خبردار کیا تھا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے وہ مجھ پر ہزار جان سے لعنت بھیج کر اپنے کام سے کام رکھنے کا فیصلہ کر چکی ہو۔ میک مین نے بھی میرے مشورے پر عمل کیا تھا۔ وہ بھی اب اس کے ساتھ نظر نہیں آتا تھا۔ اس نے اپنے لئے کوئی اور دلچسپی تلاش کر لی تھی اور جہاں تک میری ناقص فہم تخمینہ کرتی تھی، اس کی نئی دلچسپی رنگین ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ کسی حد تک مخلص بھی تھی۔

اس شام، حسب معمول میں مسٹر الکانڈر کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ گفتگو کا رخ مونٹی قبیلے کی طرف مڑ گیا۔ میں نے ان سے پوچھا تھا۔ ”آپ کے اندازے میں ہمیں اس قبیلے تک پہنچنے میں اور کتنا وقت لگے گا؟“

”یقین سے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا۔“ انہوں نے جواب دیا۔ ”لیکن میرے اندازے کے مطابق ان سے ہمارا ٹکراؤ بہت جلد ہونے والا ہے۔“

”یہ اندازہ صرف آپ ہی کا ہے، یہ کوئی اور بھی اس میں شامل ہے؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”جب میرا دل کسی بات کی گواہی دے تو میں کسی دوسرے کی رائے لینا ضروری نہیں سمجھتا۔“ انہوں نے کہا۔

”اور آپ کے دل کی گواہی کیا ہے؟“ میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

ان کے انداز میں پراسراری سنجیدگی اتر آئی۔ ”میرا دل کہتا ہے کہ مونٹی قبیلے سے

ہماری ملاقات آئندہ ایک دو روز میں ہو جائے گی اور یہ ملاقات کچھ زیادہ خوشگوار حالات میں نہیں ہوگی۔''

''گویا ہمیں کسی طرح کے بھی غیر متوقع حالات کے لئے تیار رہنا چاہئے۔'' میں نے گویا خود سے کہا۔

''ہاں .... اور میں یہ بات ڈبل باس سے بھی کہہ چکا ہوں۔ وہ پوری طرح تیار ہیں۔'' مسٹر الکانڈر نے میری بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''ویسے آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا ہم ان پر غالب آنے کی اہلیت رکھتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''اگر بات صرف جسمانی اہلیت اور مادی ساز و سامان کے حوالے کی ہوتی تو میں یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ ہمارے مقابلے پر ٹک نہیں پائیں گے۔'' مسٹر الکانڈر نے کہا۔ ''لیکن اس قبیلے کی آستین میں کچھ ایسے خنجر چھپے ہوئے ہیں جو کسی بھی وقت پانسہ ان کے حق میں پلٹ سکتے ہیں۔''

''مثلاً؟''

''مثلاً مونٹینا، جو یقیناً ان کے پاس پہنچ چکی ہے اور ہماری منتظر ہے کہ کب ہم ان تک پہنچیں اور کب وہ ہم پر حملہ کر کے خزانے کا بقیہ آدھا نقشہ حاصل کر سکے۔ اس کے علاوہ مونٹینا کو ناقابل تسخیر بنانے والا، اس کا اتالیق، سربیان۔ حقیقت میں اگر ہمیں کوئی خطرہ ہے تو انہی دونوں کی طرف سے ہے۔ یوں سمجھو کہ مونٹی قبیلے کے لئے یہ دونوں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

''ویسے یہ قبیلہ ہے کیا چیز؟ ان کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟ کون لوگ ہیں یہ؟'' مجھے آج تک یہ سوال پوچھنے کا خیال نہیں آیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ میں نے کبھی ان کے متعلق سنجیدگی سے سوچا ہی نہیں تھا۔ شعوری طور پر مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ میں اس کارواں کے مشن کو اپنے بنیادی مقصد سے الگ تھلگ تصور کرتا رہا تھا لیکن آج نجانے کیوں خود بخود یہ سوال میرے منہ سے نکل گئے تھے۔

''اس کی تفصیل کچھ خاص نہیں۔'' مسٹر الکانڈر نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''یہ قبیلہ عہد قدیم کی چند بچی کھچی یادگاروں میں سے ایک ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن تک سچائی کی روشنی آج تک نہیں پہنچ سکی۔ زمانہ قبل از مسیح سے لے کر آج تک کسی الہامی مذہب کا پیروکار ان تک رسائی نہیں حاصل کر پایا اور یوں یہ الوہیت کے نور سے آج تک بے خبر ہیں۔ شیطان کی پوجا کرتے ہیں لیکن اس کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ گناہ ان کے نزدیک نیکی ہے اور نیکی گناہ۔ یوں سمجھ لو کہ جسے ہم شیطان سمجھتے ہیں، وہ ان کے نزدیک خدا ہے اور جس کی ہم پرستش کرتے ہیں، وہ ان کے لئے ....'' مسٹر الکانڈر نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ ''میرا خیال ہے تم میرا مطلب سمجھ گئے ہوگے!''

''جی، میں سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ لوگ بذات خود قصوروار نہیں۔ جب وہ نورِ حق کے وجود سے ہی باخبر نہیں تو ان پر کسی طرح کی فرد جرم عائد کرنا کسی طور مناسب نہیں۔''

''دنیاوی قانون کا کہنا تو اس کا برعکس ہے۔'' مسٹر الکانڈر نے مسکرا کر کہا۔ ''یہاں تو کہتے ہیں کہ قانون سے بے خبر ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اسے بہانہ بنا کر آپ قانون شکنی کرتے پھریں۔''

''اس کی اپنی وجوہات ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اگر کوئی شخص کسی دنیاوی قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو یہ اس کا اور دنیا والوں کا معاملہ ہے۔ وہ ان کے سامنے آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ وہ تو اس قانون سے واقف ہی نہیں تھا جسے توڑنے کا الزام اس پر عائد کیا جا رہا ہے۔ دنیا والے اس کے دل میں جھانک کر تو نہیں دیکھ سکتے۔ سچ ہو یا جھوٹ، وہ اس کی بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے لیکن جہاں بات خدائی قانون کی آ جائے، وہ بندے اور خدا کا معاملہ بن جاتا ہے، اور خدا دلوں میں جھانکنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی ناواقفیت کا بہانہ نہیں بنا سکتا۔ اس کا انصاف اندھا نہیں۔ وہ سب دیکھتا ہے اور ہر چیز کی حقیقت سے باخبر ہے۔''

لیشی کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ہلکی سی تحریر نظر آ رہی تھی۔ سب لوگوں کے بیچ میں نے اسے پہلی مرتبہ مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

"تمہارا کہنا درست ہے۔" مسٹر الکانڈر نے اتفاق کیا۔ "اور تمہاری یہ بات بھی درست ہے کہ قبیلہ مونٹی پر کسی طرح کی فرد جرم عائد کرنا درست نہ ہوگا۔ دیکھو، ڈبل باس اور ان کے ساتھی اس قبیلے تک خزانے کا نقشہ حاصل کرنے کے لئے پہنچنا چاہتے ہیں لیکن میرا ان کے ساتھ آنے کا مقصد یہی ہے کہ اس قبیلے کو ان باتوں کے متعلق بتایا جائے جن سے وہ آج تک بے خبر ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس معاملے میں تم بھی میرے مددگار ثابت ہوگے۔"

"ایسے کسی مقصد کی راہ میں آپ کی مدد کر کے مجھے دلی خوشی حاصل ہوگی۔" میں نے کہا۔ "خزانے کے نقشے کا تذکرہ ہوا تو مجھے پھر یاد آیا کہ اس نقشے کا آدھا حصہ مونٹینا کے قبضے میں ہے اور اس سفر کے دوران وہ آپ لوگوں کے اردگرد ہی موجود رہی ہے۔ آخر اس کا مقصد کیا تھا؟"

"اس سلسلے میں ڈبل باس ہی تمہاری بہتر رہنمائی کرسکیں گے۔" مسٹر الکانڈر نے کہا۔ "میں نے کبھی ان معاملات میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔"

اور اسی وقت جیسے ان کی بات کی تاثیر ظاہر ہوگئی۔ ڈبل باس کا نائب طاہر مصری ہماری میز کے نزدیک آ رکا تھا۔ "مسٹر گادا!" اس نے مجھے مخاطب کیا اور لیشی نے منہ دوسری سمت پھیر لیا۔ پہلے مجھے اس کی اس حرکت کی وجہ سمجھ نہ آئی لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ وہ مسکراہٹ چھپا رہی تھی۔

"یس؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ڈبل باس آپ کو یاد کر رہے ہیں۔"

"کیا ابھی؟"

"جی.........اگر ممکن ہو سکے تو۔"

"چلو۔" میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"ڈبل باس آپ کو اپنے خیمے میں ہی ملیں گے۔" اس نے کہا۔

"تم ساتھ نہیں چلو گے؟" میں نے تھوڑا سا حیران ہو کر پوچھا۔

"نہیں، وہ آپ سے تنہائی میں ملنا چاہتے ہیں۔" اس نے کہا۔

میں نے استفہامیہ نگاہوں سے مسٹر الکانڈر کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کوئی جواب دینے کے بجائے مسکرا کر کندھے اچکا دیئے۔ یہ سیدھا سیدھا لاعلمی کا اظہار تھا۔ سر جھٹک کر میں تیز قدموں سے ڈبل باس کے خیمے کی جانب بڑھ گیا۔

وہ دونوں وہاں اکیلے ہی تھے۔ دو افراد کے لئے اکیلا ہونے کی ترکیب استعمال کرنا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان دونوں کو دیکھ کر دوئی کا تصور ابھرتا ضرور ہوگا لیکن ان کے ساتھ چند دن گزارنے کے بعد یہ تصور یکسر ختم ہو جاتا تھا۔ ان سے گفتگو کرتے ہوئے لگتا ایسے ہی تھا جیسے ایک ہی آدمی سے بات کی جا رہی ہے۔ یکساں لہجے اور یکساں انداز میں یکساں جواب ملتا تھا۔ اس اعتبار سے تو انہیں ڈبل باس کہنا بھی غلط تھا کیونکہ ڈبل کا مطلب دوہرا ہوتا ہے لیکن دوسرے اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کے لئے یہی نام مناسب تھا کیونکہ وہ ایک ہوتے ہوئے بھی دو تھے اور دو ہو کر بھی ایک تھے۔

"آپ نے مجھے یاد کیا؟" میں نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"تشریف لائیے مسٹر گادا!" ڈبل باس نے کہا۔ "ہمیں آپ سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔"

"جی فرمائیے۔"

"مسٹر گادا، بات یہ ہے کہ ہمارے سفر کا یہ مرحلہ اختتام کے قریب ہے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ کل شام تک ہم مونٹی قبیلے تک پہنچ جائیں گے۔ یہ تو آپ جان ہی چکے ہوں گے کہ مونٹی قبیلہ کیا چیز ہے اور اس تک رسائی حاصل کرنا ہمارے لئے کیوں ضروری ہے۔"

"جی ہاں۔"

"یہ قبیلہ جدید تہذیب وتمدن سے قطعی ناواقف ہے۔ ہم یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے وہاں پہنچنے پر ان کا ردعمل کیا ہوگا لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ وہ جو کچھ کریں گے، اپنے روحانی پیشوا سربیان کے اشارے اور اس کی مرضی کے تحت کریں گے۔ اس قبیلے کی حدود تک پہنچنے کے بعد ہم ان کی سرحد سے باہر پڑاؤ ڈالیں گے اور اپنے دو

نمائندوں کو مذاکرات کے لئے ان تک بھیجیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان دو نمائندوں میں سے ایک آپ ہوں۔ کیا آپ یہ ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ ہیں؟''

''میں..........'' میں نے حیران ہو کر کہا۔ ''لیکن میں یہ ذمہ داری کس بناء پر قبول کر سکتا ہوں بلکہ آپ مجھے یہ ذمہ داری کیا سوچ کر دے رہے ہیں؟''

وہ مسکرائے۔ ''ہم سوچے سمجھے بغیر کبھی کوئی فیصلہ نہیں کرتے، مسٹر گادا۔ ہماری نظر میں آپ اس کام کے لئے مناسب ترین فرد ہیں۔''

''لیکن آپ لوگ سمجھتے کیوں نہیں۔'' میں قدرے پریشان ہو کر کہا۔ ''میں اس قبیلے کے رسم رواج، عادات و خصائل کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ مجھے ان کی زبان سے کوئی واقفیت حاصل نہیں۔ میں ان مذاکرات میں حصہ کیسے لوں گا؟''

''جہاں تک رسم و رواج اور عادات و خصائل کا تعلق ہے تو اس کے متعلق تھوڑی بہت معلومات آپ کو مسٹر الکانڈر سے مل سکتی ہیں بلکہ عین ممکن ہے کہ وہ آپ کو اس سلسلے میں کافی کچھ بتا چکے ہوں۔ مہذب دنیا کا کوئی بھی شخص ان کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ اور رہا زبان کا سوال تو آپ کے ساتھ جانے والا دوسرا شخص طاہر ہوگا، اور وہ ان کی زبان سے واقف ہے۔ آپ کو ان سے بات چیت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔''

''لیکن اپنے پرانے ساتھیوں کو چھوڑ کر آپ نے مجھے ہی اس ذمہ داری کا اہل کیوں سمجھا؟''

''سیدھی سی بات ہے مسٹر گادا!'' انہوں نے کہا۔ ''جو بات ہمیں آپ میں نظر آئی، وہ ہمارے کسی دوسرے ساتھی میں موجود نہیں۔ ہم اتنے دنوں سے مسلسل آپ کا مشاہدہ کر رہے ہیں، آپ کا شخصی اعتماد، رکھ رکھاؤ اور اطوار ہم سب سے الگ ہیں۔ آپ کی ذات میں وہ قوت جھلکتی نظر آتی ہے جو پتھروں کو بھی موم کر دے۔ آپ اپنی زبان استعمال کرنے کے ہنر سے اچھی طرح واقف ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ کسی بھی مرحلے پر آپے سے باہر نہیں ہوتے۔ قبیلہ مونٹی کے سرکردگان سے بات کرنے کے لئے ہمیں ایسے ہی کسی شخص کی ضرورت ہے۔''

میں تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ اچانک ہی مجھ پر ایسی پہاڑ سی ذمہ داری لاد دی جائے گی۔ اپنی بات کے حق میں انہوں نے جو دلائل دیئے تھے، مجھے وہ کچھ ایسے وزن دار معلوم نہیں ہوئے تھے۔ میری اور ان کی رفاقت کو ابھی دن ہی کتنے ہوئے تھے کہ وہ اتنے وثوق سے میرے متعلق کوئی بات کہہ سکتے۔ محض چند روزہ مشاہدے کی بناء پر میری ذات کے بارے میں اتنے بڑے بڑے اندازے قائم کر لینا میرے نزدیک ناانصافی تھی۔ وہ لوگ اتنے طویل سفر کی صعوبتیں جھیل کر یہاں تک پہنچے تھے۔ قبیلہ مونٹی سے ہونے والے مذاکرات ان کے سفر کا اہم ترین سنگ میل تھے اور مجھ سے ناواقف پر ان کا بوجھ ڈالنا نامناسب ہی نہیں، ناقابل فہم بھی تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ انکار کر دوں کہ اسی وقت میرے کانوں میں لیشی کی آواز پڑی۔ ''ان کی بات مان لو، ناصر۔ یہ کام تمہیں ہی کرنا ہوگا۔''

میں نے بڑی مشکل سے خود کو اچھل پڑنے سے باز رکھا تھا، لیکن میرے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی یقیناً رونما ہوئی ہوگی۔ ڈبل باس نے اس کا مطلب کچھ اور لیا۔

''زیادہ پریشان مت ہوں مسٹر گادا'' انہوں نے کہا۔ ''ہمیں یقین ہے کہ اس ذمہ داری کو آپ سے بہتر کوئی اور نہیں نبھا پائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اپنا لہجہ نارمل رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''تو پھر بات طے ہوگئی۔'' انہوں نے کہا۔ ''کل شام تک ہم قبیلہ مونٹی کی حدود تک پہنچ جائیں گے۔ وہاں پہنچتے ہی ہم قبیلہ مونٹی کے بڑوں کو ملاقات کا پیغام بھجوا دیں گے۔ ان کی طرف سے کوئی مثبت جواب موصول ہوتے ہی آپ طاہر کو ساتھ لے کر ان سے ملنے کے لئے چل پڑیں گے۔''

''بہت بہتر!''

''اگر آپ کے ذہن میں کوئی سوال ہے تو آپ پوچھ سکتے ہیں۔''

”فی الحال تو کوئی نہیں۔“

”تو پھر ٹھیک ہے۔“

ملاقات ختم ہو چکی تھی۔ میں اٹھ کر وہاں سے نکل آیا۔

❁ ››› ❁ ››› ❁

اگلے دن ہمارا سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ اونچے نیچے، ناہموار راستوں پر لینڈ روورز اور سفری ٹریلر بھاگ رہے تھے۔ یہ راستے عام گاڑیوں کے بس کے تھے ہی نہیں، ان پر یہ گاڑیاں ہی چل سکتی تھیں کیونکہ انہیں خصوصی طور پر انہی راستوں کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

اب تک راستے کے منظر تیزی سے چہرہ بدلتے آئے تھے۔ اس کا تذکرہ میں پہلے بھی کر چکا ہوں لیکن آج صبح سے ہم ایک ہی طرح کے خطے میں سفر کر رہے تھے۔ جنگلاتی خطہ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جنگل گھنے ہوتے جا رہے تھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ گاڑیاں زیادہ دور تک ہمارا ساتھ نہیں دے پائیں گی۔

اور ایسا ہی ہوا۔ دوپہر کے وقت گاڑیاں رک گئیں۔ اب یہاں سے گاڑیوں پر آگے جانا ممکن نہیں رہا تھا۔ دو ہی طریقے تھے۔ گھوڑوں پر سفر کیا جاتا یا پیدل۔ گھوڑے کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ حالانکہ اس سے پہلے مونٹینا انہی کا گھوڑا چرا کر لائی تھی اور اس کی معیت میں، میں اسی گھوڑے پر سفر کرتا رہا تھا۔ میں نے فالکن سے اس کے متعلق استفسار کیا تو اس نے بتایا کہ وہ گھوڑے کارواں کی ملکیت نہیں تھے بلکہ انہیں راستے میں ایک بستی سے کرائے پر لیا گیا تھا۔ خیال تھا کہ شاید راستے میں ان کی ضرورت پڑ جائے لیکن اب تک کا راستہ چونکہ گاڑیوں پر سفر کرنے کے لئے مناسب رہا تھا اس لئے انہیں بیکار بوجھ سمجھتے ہوئے واپس بھجوا دیا گیا۔ جلد بازی میں کئے گئے اس فیصلے کے نقصانات اب سامنے آ رہے تھے۔ مطلب یہی تھا کہ اب ہمیں پیدل آگے بڑھنا ہو گا۔ مرد تو خیر کسی نہ کسی طرح یہ صعوبت جھیل ہی لیتے لیکن مجھے لڑکیوں پر رحم آ رہا تھا۔ ان بیچاریوں کے نازک قدم اس قابل کہاں کہ ان پر خار راستوں پر چار قدم بھی چل پاتے۔ اقبال نے کہا

ہے کہ

حسن بے پرواہ کو اپنی بے نقابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

قدرت کا حسن تہذیب سے دور آباد، پسماندہ کہلائے جانے والے ان علاقوں میں ہر طرف بکھرا پڑا تھا۔ اس حسن بے پرواہ کے ہوتے ہوئے شہروں کا یہ خودبین وخود آراء حسن اپنے جلوے کہاں تک دکھاتا! سچ بات تو یہ ہے کہ ابھی تک مجھے اس قافلے کے ساتھ ان لڑکیوں کی موجودگی کی کوئی معقول وجہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی تھی سوائے اس کے کہ قافلے کے مردوں کے لئے دل بستگی کا سامان پیدا کئے رکھیں۔ میرا ذاتی اندازہ تھا کہ وہ محض ایڈونچر کی تلاش میں ہم لوگوں کے ساتھ ماری ماری پھر رہی تھیں۔ اب تک یہ ایڈونچر ان کے لئے بہت اچھا رہا ہوگا، خوب انجوائے کیا ہوگا انہوں نے لیکن گاڑیوں کے بیکار ہوتے ہی سارا نشہ ہوا ہوگیا ہوگا۔ اب گھر یاد آ رہا ہوگا بیچاریوں کو۔

بہر حال، ان لڑکیوں کو سنبھالنا میرا مسئلہ نہیں تھا۔ میرے کرنے کو اور بھی بہت سے کام تھے اور اس سے کہیں زیادہ اہم۔ میں اپنے ہمسفروں کی سرگرمیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ صلاح مشورے ہو رہے تھے، طرح طرح کی تجاویز پیش کی جارہی تھیں لیکن بات کسی کنارے لگتی نظر آ نہیں رہی تھی۔ گاڑیوں کے یوں تھم جانے کا خیال شاید ان میں سے کسی کو نہیں آیا تھا۔

پھر ڈبل باس نے مجھے طلب کرلیا۔ جب میں ان کے عظیم الشان سفری ٹریلر میں پہنچا تو وہ ایک سنٹر ٹیبل پر ایک بڑا سا نقشہ پھیلائے اس پر جھکے ہوئے تھے۔ فالکن اور طاہر بھی وہاں موجود تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ڈبل باس نے بلاتمہید کہا۔ ''آپ کی ضرورت آ پڑی ہے، مسٹر گادا!''

''میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔'' میں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

''آپ ایک عرصے سے دنیا کی سیر کرتے پھر رہے ہیں۔'' انہوں نے کہا۔ ''ایسے علاقوں میں سفر کرنے کے معاملے میں آپ کا تجربہ یقیناً ہم سے کہیں زیادہ ہے۔ اب جو افتاد ہم پر آ پڑی ہے، وہ آپ بھی دیکھ ہی رہے ہیں۔ یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ ہمارا رکنا

ممکن نہیں، آگے بڑھنا بہت ضروری ہے۔ منزل یوں سمجھ لیجئے کہ دو چار قدم کے فاصلے پر ہی رہ گئی ہے، لیکن گاڑیوں کے بیکار ہو جانے سے سارا مسئلہ کھٹائی میں پڑتا نظر آ رہا ہے۔ اب آپ ہی کچھ بتائیے کہ کیا کیا جائے، ہماری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔''

''ہمیں وہ گھوڑے واپس نہیں بھجوانے چاہئیں تھے۔'' فالکن نے متاسفانہ انداز میں کہا۔

''ایسی باتیں کرنے سے اب کچھ حاصل نہیں۔'' طاہر نے کہا۔ ''جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ اب تو یہ دیکھنا ہے کہ اس مسئلے سے نجات کیسے حاصل کی جاسکتی ہے۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' میں نے تائید کی۔ ''اور میری نظر میں اس مسئلے کا صرف ایک ہی حل ہے۔ ضروری سامان ساتھ لیا جائے اور گاڑیوں کو یہیں چھوڑ کر آگے بڑھا جائے۔''

''لیکن گاڑیوں کو یہاں کس کے آسرے پر چھوڑا جائے؟'' طاہر نے کہا۔

''اس جنگل میں کوئی ہماری گاڑیاں چرا لے جانے سے تو رہا۔'' میں نے کہا۔ ''پھر بھی اگر آپ کو خدشہ ہے کہ کسی وجہ سے ان گاڑیوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے تو اس کے لئے میرے پاس ایک اور تجویز ہے۔''

''وہ کیا؟''

''ہم اس جگہ کو اپنے بیس کیمپ کی شکل دے دیتے ہیں۔ خواتین اور ان کی حفاظت کے لئے چند مردوں کو یہیں چھوڑا جائے اور باقی سب آگے بڑھ جائیں۔''

''آپ کی تجویز بہترین ہے مسٹر گادا!'' ڈبل باس نے کہا۔ ''لیکن کل ہمارا اندازہ تھا کہ ہم شام تک مونٹی قبیلے کی حدود تک پہنچ جائیں گے۔ وہ اندازہ گاڑیوں پر سفر کرنے کے نکتہ نظر سے لگایا گیا تھا۔ اگر ہم پیدل آگے بڑھیں گے تو بہت وقت لگ جائے گا۔ شام تو کیا ہم شاید کل صبح تک بھی وہاں نہ پہنچ سکیں۔ رات کے وقت اس جنگل میں سفر کرنا ویسے بھی خطرناک ہوگا۔ ہم راستہ بھٹک بھی سکتے ہیں۔''

''میرے خیال میں ایسا نہیں ہوگا۔'' میں آگے بڑھ کر نقشے کا جائزہ لینے لگا۔ ''اس نقشے کے مطابق ہم اس وقت کس مقام پر ہیں؟''

''یہاں!'' طاہر نے نقشے پر لگے ایک دائرے پر انگلی رکھ دی۔

''اور مونٹی قبیلے کی حدود کہاں سے شروع ہوتی ہیں؟''

''اس جگہ سے۔'' اس نے ایک اور مقام کی نشاندہی کی۔

''یہ موٹی لکیر یقیناً بائی روڈ راستے کی نشاندہی کر رہی ہے۔'' میں نے نقشے پر دوڑتی ایک لکیر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''جی ہاں۔''

''کیا یہ نقشہ بنانے والے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس قبیلے تک کوئی سڑک نہیں جاتی؟''

وہ سب چونک پڑے۔ فالکن اور طاہر ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔ ڈبل باس کے چہرے پر بھی حیرت تھی۔

''کمال ہے!'' وہ بڑبڑائے۔ ''ہم میں سے کسی کے ذہن میں یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا؟''

''اس کی وجہ ایک ہی ہو سکتی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''جس نے بھی آپ کو یہ نقشہ تیار کر کے دیا تھا، وہ یقیناً آپ کے لئے بہت قابل اعتماد رہا ہوگا۔''

''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔'' ڈبل باس نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔ ''بات کچھ ایسی ہی تھی۔ یہ نقشہ ہمیں ایک پیشہ ور مہم جو نے تیار کر کے دیا تھا اور ہم اس کی قابلیت اور تجربے پر مکمل اعتماد رکھتے تھے۔''

''کیا آپ لوگوں نے پہلے کبھی اس قسم کا سفر نہیں کیا؟''

''کیا ہے۔ لیکن ایسے کسی علاقے کی طرف پہلے کبھی نہیں آئے۔''

''تو پھر آپ کو یہ بات اپنے مہم جو کو بتا دینی چاہئے تھی۔ وہ بیچارہ یہی سمجھا ہوگا کہ آپ لوگ بھی اس طرح کی مہمات کا تجربہ رکھتے ہیں اور آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ ایسے سفروں میں گاڑیاں ہمیشہ کام نہیں آیا کرتیں۔ اس نے آپ کو بالکل صحیح نقشہ تیار کر کے دیا ہے۔ بس وہ یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ یہ سفر کس طرح طے کریں گے، اور آپ یہ پوچھنا بھول گئے کہ اس سفر کے لئے کس طرح کی سواریوں کی ضرورت ہوگی۔ یہاں سے آگے

کا راستہ انسانی قدموں پر طے ہو سکتا ہے یا گھوڑے کی پشت پر۔ یہ بات وہ بھی جانتا ہوگا لیکن اس نے بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ آپ نے اس کی قابلیت پر اعتماد کیا اور اس نے آپ کی قابلیت پر۔ دونوں دھوکا کھا گئے۔ بلا سوچے سمجھے اندھا اعتماد کرنے کا نتیجہ عموماً یہی نکلتا ہے۔''

''آپ نے ہم سب کو شرمندہ کر کے رکھ دیا ہے، مسٹر گادا۔'' فالکن نے شرمندگی آمیز لہجے میں ان سب کی آنکھوں سے جھلکتے احساس کی ترجمانی کی۔ ''آپ کی باتیں سن کر یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم سب دودھ پیتے بچے ہیں۔ بے شک آپ کا تجربہ ہم سب سے کہیں زیادہ ہے۔''

میرا جی چاہا کہ ایک زوردار قہقہہ لگاؤں۔ وہ میرے تجربے کو اپنے تجربے سے کہیں زیادہ قرار دے رہا تھا اور حقیقت یہ تھی کہ میرا تجربہ خاک بھی نہیں تھا۔ میں نے جتنی باتیں کی تھیں، وہ سیدھی سیدھی کامن سنس کی تھیں۔ ذرا سی سوچ سیدھی رکھتے تو وہ خود بھی انہیں دیکھ سکتے تھے۔

''اب اس مسئلے کا حل کیا ہے؟'' ڈبل باس نے پوچھا۔

''حل وہی ہے جو میں بتا چکا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''جہاں تک رہا جنگل میں بھٹکنے کا سوال تو اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ آپ کو نقشہ تیار کر کے دینے والے نے ہی آپ کو بتایا ہوگا کہ اپنی منزل تک پہنچنے میں آپ کو کتنے دن درکار ہوں گے۔ اس نے اس مدت میں وہ وقت بھی شامل کیا ہوگا جو گھوڑوں پر یا پیدل فاصلہ طے کرنے میں صرف ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم ابھی تیاری کر کے نکل چلیں تو شام ڈھلنے سے پہلے وہاں پہنچ سکتے ہیں۔''

''آپ کا تجزیہ واقعی بہت عمدہ ہے مسٹر گادا!'' طاہر نے کہا۔ ''لیکن ایک سوال تو پھر بھی رہ جاتا ہے؟''

''وہ کیا؟''

''ہمیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ ہمارے رہنما نے آگے کی مسافت گھوڑے کے سفر کے حساب سے بتائی ہے یا پیدل سفر کے حساب سے؟ ظاہر بات ہے کہ گھوڑے پر سفر کی

رفتار پیدل سفر کی رفتار سے زیادہ ہوگی۔ وقت میں فرق آ جائے گا۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔''

''وہ کیسے؟''

''آگے کا راستہ دیکھا ہے آپ نے؟'' میں نے سوال کیا۔

''جی!''

''اور آپ کو یہ اندازہ بھی ہوگا کہ آگے چل کر جنگل گھنا ہوتا جائے گا!''

''بے شک۔''

''تو پھر آپ خود ہی سوچیں کہ اس راستے پر گھوڑے دوڑائے تو نہیں جا سکیں گے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ راستہ اتنی گنجائش نہیں رکھتا۔ دوسری بات یہ کہ گھنے جنگل میں گھوڑا دوڑانا خطرے سے خالی نہیں۔ درختوں کی جھکی ہوئی شاخیں گھڑسواروں کے لئے ہمیشہ خطرناک ثابت ہوتی آئی ہیں۔ اگر کوئی یہاں سے گھوڑے پر بھی آگے بڑھے گا تو گھوڑے کی ہلکی رفتار رکھنے کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ گھوڑے کے استعمال کا مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے پیروں کو تھکنے کی زحمت سے محفوظ رکھا جائے اور بس۔ بصورت دیگر اس راستے پر ایک پیدل انسان اور گھوڑے کی رفتار میں کوئی فرق نہیں ہوگا بلکہ ممکن ہے پیدل چلنے والے کی رفتار گھڑسوار سے کچھ زیادہ ہی ہو۔''

وہ لوگ ایک دفعہ پھر خاموش ہو گئے۔ پھر فالکن نے کہا۔ ''آپ کے پاس تو ہر سوال کا جواب موجود ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے آپ پہلے ہی سے اس کے متعلق سوچتے رہے ہیں۔''

''یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس پر زیادہ سوچ بچار کی ضرورت ہو۔'' میں نے کہا۔ ''تمام سوالوں کے جواب اس نقشے اور سامنے نظر آنے والے راستے سے ظاہر ہیں۔ میں نے کسی کمال کا مظاہرہ نہیں کیا۔''

''یہ آپ کی کسرنفسی ہے۔'' ڈبل باس نے کہا۔ ''بہرحال ہمیں خوشی ہے کہ اس سفر میں ہمیں آپ جیسے نابغہ روزگار کا ساتھ حاصل ہے۔''

دوسروں کی طرف سے بھی کچھ اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا گیا تھا۔ ڈبل باس نے

کہا۔ ''اب یہ بھی طے کر لیا جائے کہ یہاں سے آگے کون بڑھے گا۔''

''مجھے اور طاہر کو چونکہ مونٹی قبیلے سے مذاکرات کے لئے منتخب کیا گیا تھا، اس لئے ہم دونوں کا جانا تو لازم ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس کے علاوہ دو مزید افراد ساتھ لئے جائیں گے، جن کا انتخاب آپ خود کر سکتے ہیں۔ آپ لوگ یہاں رکیں گے تاکہ بعد میں جب دیگر افراد کو لے کر آگے بڑھا جائے تو آپ ان کی قیادت اور رہنمائی کر سکیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ لوگ روانہ ہو جائیں۔'' ڈبل باس نے کہا۔ ''شام تک آپ مونٹی قبیلے کی حدود تک پہنچ جائیں گے۔ وہاں پہنچ کر آپ صبح تک انتظار کریں گے۔ صبح پو پھٹے طاہر قبیلے کے بڑوں کو ملاقات کا پیغام بھجوائے گا۔ پیغام بھیجنے کا طریقہ اسے معلوم ہے۔ اگر ان کی طرف سے اثبات میں جواب ملتا ہے تو آپ دونوں ملاقات کے لئے آگے بڑھ جائیں گے۔ باقی دونوں افراد پیچھے رکیں گے۔ خیر سگالی کے اظہار کے لئے آپ چند تحفے بھی ساتھ لیتے جائیں گے۔''

''اور اگر جواب اثبات میں نہ ملا تو؟'' میں نے سوال کیا۔

''ایسی صورت میں آپ لوگ مزید کوئی پیش رفت کرنے کے بجائے وہیں رک کر ہمارا انتظار کریں گے۔ ہم لوگ صبح ہوتے ہی یہاں سے چل دیں گے اور دوپہر ہونے تک آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔ جواب نفی میں ملنے کی صورت میں آئندہ لائحہ عمل اسی وقت طے کر لیا جائے گا۔''

''تحفے کیا ہوں گے؟''

''وہی جو اس پسماندہ علاقے میں رہنے والے جنگلیوں کو پسند آ سکتے ہیں۔'' اس مرتبہ فالکن نے جواب دیا۔ ''عمدہ کپڑے کے چند تھان، دو تین معمولی بندوقیں، چند تھیلیاں تمباکو کی اور کچھ بوتلیں شراب کی۔''

''کیا یہ کافی ہوں گے؟''

''آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے۔ ان کے لوگوں کے لئے سونا اتنا قیمتی نہیں جتنی یہ چیزیں۔ بلکہ سونے کے ساتھ ان کا موازنہ کرنا ہی غلط ہوگا۔ سونا ان کے کس کام کا۔ یہاں سونے کا نہیں اجناس کا سکہ چلتا ہے۔ آپ انہیں ہیرے جواہرات کے ڈھیر سے

لا د دیجئے، یہ قطعی متاثر نہیں ہوں گے لیکن ایسی چند اجناس اور اشیائے صرف پا کر خوشی سے نہال ہو جائیں گے۔''

''تو آپ لوگ صبح یہاں سے نکلیں گے؟'' میں نے استفسار کیا۔

''ہاں۔''

''میرا ایک مشورہ ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ کیا؟''

''آپ لوگ خواتین کو دو تین مردوں کی حفاظت میں یہیں چھوڑ دیجئے گا۔ آگے چل کر نہ جانے کس قسم کے حالات سے واسطہ پڑے۔ ایسی صورت میں خواتین کو سنبھالنا مسئلہ بن جائے گا۔ میرے اب تک کے مشاہدے کے مطابق ان میں سے کوئی ان صعوبتوں کو سہنے کے قابل نہیں ہے، ان کے ساتھ ہونے کی صورت میں ہماری مشکلات میں اضافہ ہو سکتا ہے۔''

''آپ کا یہ مشورہ بھی نہایت صائب ہے اور ہم اسے دل و جان سے قبول کرتے ہیں۔'' ڈبل باس نے کہا۔ ''یہاں سے آگے خواتین ہمارے ساتھ سفر نہیں کریں گی۔ ہمارے لوٹنے پر وہ یہیں سے واپس جائیں گی۔''

''ایک دوسرے پہلو کو بھی نظر انداز مت کیجئے۔'' میں نے قدرے سرد مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''دوسرا پہلو؟''

''آپ نے خواتین کی واپسی اپنی واپسی کے ساتھ مشروط کی ہے۔ اس خوفناک جنگل میں زندگی قدم قدم پر موت کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتی ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہمیں واپس آنا نصیب ہی نہ ہو۔''

''اوہ!'' ان کے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔

''میری رائے میں خواتین کو ہدایت کر دی جائے کہ وہ صرف تین دن ہماری واپسی کا انتظار کریں۔ اس کے بعد اپنے ساتھ موجود مردوں کو لے کر واپسی کا سفر شروع کر دیں۔''

''آپ واقعی تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے ہیں۔ ایسا ہی کیا جائے گا۔''

''میرا خیال ہے اب تمام باتیں طے ہو چکیں۔ اب ہمیں روانہ ہونے کی تیاری کرنی چاہئے۔ کیوں طاہر؟''

''جی بالکل درست کہا آپ نے۔ چلئے۔''

ہم دونوں وہاں سے باہر نکل آئے۔ مجھے تو خیر کسی تیاری کی ضرورت نہ تھی۔ کون سا کسی فائیو سٹار ہوٹل میں منعقدہ تقریب میں جانا تھا۔ سفر کے لئے مناسب کپڑے اور جوتے میں پہلے ہی پہنے ہوئے تھا البتہ احتیاطاً میں نے ایک خودکار رائفل اور چند ایمونیشن کلپ ساتھ لے لئے تھے۔ مونٹینا کے ساتھ میں ان کی چپقلش دیکھ چکا تھا۔ وہ یقیناً وہیں موجود تھی اور اس کی طرف سے کسی متشددانہ ردعمل کا اظہار غیر متوقع نہ تھا۔ ممکن تھا کہ مونٹی قبیلہ ہم پر حملہ آور ہی ہو جاتا۔ دوبدو مقابلے میں تو خیر میں ان کے بس کا نہیں تھا لیکن دور مار ہتھیاروں کی لڑائی میں حصہ لینے کے لئے ایسی کسی چیز کا ہونا ضروری تھا۔

اب مجھے طاہر کا انتظار تھا لیکن طاہر سے پہلے مسٹر الکانڈر سے ملاقات ہو گئی۔

''میں تمہیں ہی تلاش کر رہا تھا۔'' انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''اور شاید میرے دل میں بھی آپ سے ملاقات کی خواہش تھی۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم مونٹی قبیلے کی حدود کی طرف سفر کا آغاز کرنے والے ہو۔''

''جی ہاں۔''

''اور وہاں پہنچ کر تم قبیلے کے بڑوں سے ملاقات کرو گے؟''

''یہ بھی درست ہے۔''

''جانتے ہو اس قبیلے کا سب سے بڑا بزرگ کون ہے؟''

''آپ بتا دیجئے۔''

''سربیان۔ ان کا روحانی پیشوا اور مونٹینا کا اتالیق۔ قبیلے کے بڑوں میں اس شخص کی بات سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہوگی۔ یہ بات یاد رکھنا۔''

''جی بہتر۔''

"اور یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ شخص دیکھنے میں انسان لگتا ہے لیکن اس کی خصلت انسانوں والی نہیں ہے۔ وہ کسی زہریلے سانپ کی طرح موذی اور خطرناک ہے۔ اس سے گفتگو کرتے ہوئے نہایت احتیاط سے کام لینا۔ بے حد مکار شخص ہے وہ۔"

"میں خیال رکھوں گا۔"

"ممکن ہے وہاں تمہاری ملاقات مونٹینا سے بھی ہو۔ تم نے جو واقعات سنائے ہیں، ان سے ایسا لگتا ہے جیسے وہ تمہیں پسند کرتی ہے لیکن پھر بھی اس لڑکی کی طرف سے بھی ہوشیار رہنا۔ کوئی پتہ نہیں کہ کس وقت وہ کس روپ میں سامنے آئے۔ بس اتنا ہی کہنا تھا مجھے۔"

"آپ کے مشوروں کا بہت بہت شکریہ مسٹر الکانڈر۔ میں ان پر پورے دل سے عمل کروں گا۔"

اپنی بات مکمل کر کے مسٹر الکانڈر رکے نہیں۔ میں انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد طاہر میرے پاس پہنچ گیا اور اس کے ساتھ وہ دونوں آدمی بھی تھے جنہیں اس سفر میں ہمارا ساتھی بننا تھا۔ ان میں سے ایک میک مین تھا اور دوسرا کرسٹوفر نامی ایک حبشی جو قد و قامت میں میک مین سے بھی نکلتا ہوا تھا۔ سفر کے دوران میری چند مرتبہ اس سے گفتگو ہو چکی تھی اور میں نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ شخص اپنے جسم کے ساتھ ساتھ اپنی عقل کا استعمال کرنا بھی جانتا ہے۔

"میں نے اس سفر کے لئے اپنا نام خود پیش کیا ہے مسٹر گادا!" میک مین نے کہا۔ "جب مجھے پتہ چلا کہ آپ بھی اس سفر میں شامل ہوں گے تو میں رہ نہیں سکا۔ آپ کا ساتھ چھوڑنا اب مجھے ممکن محسوس نہیں ہوتا۔ آپ نے میری زندگی بدل دی ہے، میں ہمیشہ کے لئے آپ کا احسان مند ہوں۔" اس کے انداز میں جذباتیت اتر آئی تھی۔

"خواہ مخواہ مجھے شرمندہ مت کیجئے، مسٹر میک۔" میں نے سچ مچ خجل سا ہو کر کہا۔ "میں نے محض انسانی خلوص کے پیش نظر آپ کو چند مشورے دیئے تھے اور مجھے خوشی ہے کہ آپ نے انہیں عمل کے قابل جانا۔"

"آپ کی صلاحیتوں کے قائل ہم سب ہیں، مسٹر گادا!" کرسٹوفر نے کہا۔ "آپ

کی سربراہی میں سفر کرنا ہمارے لئے ایک اعزاز ہوگا۔"

"سربراہی؟" میں نے حیرت اور استفہام کے ملے جلے انداز میں کہا۔

"جی ہاں، سربراہی۔" طاہر نے کہا۔ "ہم سب کی متفقہ رائے کے مطابق اس چھوٹی سی ٹولی کا سربراہ آپ کو چنا گیا ہے۔"

"آپ لوگ جانے مجھے کیا سے کیا بنا کر چھوڑیں گے۔" میں نے آہ بھر کر کہا اور وہ سب ہنس پڑے۔

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

ہمارا سفر تیزی سے جاری تھا۔ گھنے جنگل کے بلند و بالا درختوں، ان کی لٹکی ہوئی شاخوں اور جابجا راہ میں آ جانے والی گنجان جھاڑیوں کے درمیان راستہ بناتے ہوئے ہم حتی الوسع تیز رفتار سے آگے بڑھ رہے تھے۔

میں اور طاہر آگے تھے۔ ہمارے پاس تیز دھار لمبے چھرے تھے اور ان کی مدد سے ہم راہ میں آنے والی جھاڑیاں اور شاخیں وغیرہ کاٹتے جا رہے تھے۔ یوں ہمارے راستے کے آثار خود بخود متعین ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اب بعد میں آنے والوں کے لئے ہمارے نقش قدم پر چلنا بہت آسان تھا۔ اگر ہم منزل پر پہنچ جاتے تو ان کا پہنچنا بھی یقینی ہوتا۔

نقشہ میرے پاس تھا۔ آگے بڑھنے سے پہلے میں نے اس کا اچھی طرح مطالعہ کر کے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہمیں کس سمت کو مدنظر رکھنا ہے۔

ابھی تک کوئی خاص مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ راستے میں ایک ندی آئی تھی۔ پانی خاصا گہرا تھا لیکن جس مقام سے ہم گزرے تھے، وہاں پاٹ چوڑا ہونے کی وجہ سے بہاؤ کچھ زیادہ تیز نہیں تھا۔ ہم اسے آسانی سے عبور کر گئے تھے۔ جہاں تک جانوروں کا سوال ہے، درختوں کی شاخوں سے چند سانپ لٹکتے نظر آئے تھے، جن میں سے ایک دو اژدہے کی سی جسامت کے حامل تھے لیکن ہم ان پر توجہ دیئے بغیر آگے بڑھ گئے۔ سانپوں سے انسان کو عموماً اسی وقت خطرہ ہوتا ہے، جب وہ انسان سے خطرہ محسوس کریں۔ ایسے میں وہ اپنے تحفظ کے لئے حملہ کر دیتے ہیں۔ غالباً ان سانپوں کو ہماری طرف سے کسی قسم کا خطرہ

محسوس نہیں ہوا تھا، اس لئے انہوں نے ہمارے لئے خطرہ بننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کسی خطرناک جانور سے ابھی تک ہمارا ٹکراؤ نہیں ہوا تھا۔

لیکن جنگل بہر حال جنگل ہے اور قدرتی جنگل میں جانوروں سے یکسر ٹکرائے بغیر آگے بڑھنا ناممکن ہے۔ ہماری دعا تو یہی تھی کہ کوئی خردماغ راستے میں نہ آئے لیکن وہ وقت شاید قبولیت کا نہیں تھا۔ بالآخر ایک خطرناک مصیبت ہمارے سامنے آ ہی گئی۔

وہ ایک جنگلی بھینسا تھا۔ اس گھاس پات کھانے والے جانور کو خونخوار تو قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن خطرناکی کے اعتبار سے وہ کسی خونخوار جانور سے کم بھی نہیں ہوتا۔ اس کی وحشت عدیم المثال ہے اور اس کی طاقت ہولناک۔ اس کی ٹکر ہاتھی کو بھی الٹا کر دیتی ہے اور اس کے سینگ شیر کا پیٹ چاک کر دیتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ موصوف کینہ توز بھی ہوتے ہیں۔ شکاری کی گولی کھا کر اگر بچ نکلیں تو اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور جان بچانے کے لئے وہ اگر درخت پر بھی چڑھ جائے تو یہ ٹکر مار کر درخت ہی گرا دیتے ہیں اور اگر نہ گر سکے تو نیچے بیٹھ کر شکاری کے اترنے کا انتظار کرتے ہیں.......... اور اب یہ بلا ہمارے راستے میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

بھینسا عموماً خود سے کسی پر حملہ آور نہیں ہوتا لیکن اس بھینسے کے سر پر نہ جانے کیا بھوت سوار تھا۔ اس کا حملہ بالکل غیر متوقع تھا اور وہ اتنی تیزی سے ہماری طرف آیا کہ کسی کو بھی رائفل سنبھالنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس کے نتھنوں سے گویا آگ کے مرغولے چھوٹ رہے تھے اور اس کے سموں کی دھمک سے دھرتی ہلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

سب سے آگے چونکہ میں تھا، اس لئے پہلے حملہ مجھی پر ہوا۔

''بچ کے۔'' میں نے چیخ کے کہا اور تیزی سے ایک طرف ہو گیا۔ میرے پیچھے آنے والوں نے ادھر ادھر چھلانگیں مار کر اپنی جانیں بچائیں۔ بھینسا اپنے زور میں آگے نکلتا چلا گیا۔ تھوڑی دیر نکل کر اس نے قدم جمائے، واپس پلٹا اور سر جھکا کر ایک دفعہ پھر حملہ آور ہوا۔ اتنی بھاری جسامت کے باوجود اس کی پھرتی ناقابل یقین تھی۔ دوسرے لوگ پھر جان بچانے کے لئے بھاگے۔ میک مین تو ایک ہی چھلانگ میں ایک قریبی درخت پر جا چڑھا۔ کرسٹوفر بھینسے کی پیش قدمی کی لائن میں نہیں آیا، اس لئے وہ بھی بچ

نکلا لیکن طاہر اس کے سامنے آ گیا۔ بھینسا پھنکارتا ہوا اس پر چڑھ دوڑا۔

وہ پلٹ کر بھاگا۔ بھینسا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ میں نے تیزی سے رائفل سیدھی کی لیکن اس بھاگ دوڑ میں صحیح نشانہ لگانا ممکن نہ تھا اور میں کون سا ماہر نشانے باز تھا۔ رائفل جھکا کر میں بھینسے کے پیچھے بھاگا۔

''مسٹر گادا!'' میک مین درخت پر چڑھے ہوئے چلایا۔ ''کیا کر رہے ہیں آپ؟ کسی درخت پر پناہ حاصل کر لیجئے، یہ جانور بہت خطرناک ہے۔''

طاہر کی زندگی خطرے میں تھی۔ میرے پاس میک مین کی بات پر دھیان دینے کی فرصت تھی نہ موقع۔ میں نے بھاگتے بھاگتے چھلانگ لگائی اور بھینسے کی پیٹھ پر جا گرا۔

دیکھنے والوں کے منہ حیرت سے کھل گئے ہوں گے۔ جس بلا سے جان بچانے کے لئے وہ ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے، میں اس پر جا سوار ہوا تھا۔

بھینسے نے میرے آ چڑھنے پر مطلق توجہ نہ دیتے ہوئے طاہر کا تعاقب جاری رکھا۔ طاہر کے دوڑنے کی رفتار حالانکہ خاصی تیز تھی اور وہ درختوں کے درمیان بھینسے کو چکر دیتا پھر رہا تھا لیکن بدقسمتی سے اس کے پاس بھینسے کی طرح چار پائے نہ تھے، صرف دو تھے۔ ان کے درمیان فاصلہ تیزی سے کم ہوتا جا رہا تھا۔ میرے پہنچنے تک طاہر بھینسے کی ٹکر کی رینج میں آ چکا تھا۔ میرے اس کے سینگوں پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے بھینسے نے سر جھکا کر طاہر کے ٹکر رسید کر دی۔

لیکن وہ پھرتیلا شخص اتنی سرعت سے ٹکر کے راستے سے نکلا کہ میں بھی حیران رہ گیا۔ اس وقت وہ ایک چھوٹے درخت کے بالکل سامنے تھا۔ بھینسے کی ٹکر طاہر کے بجائے درخت پر پڑی اور بظاہر مضبوطی سے زمین میں گڑا نظر آنے والا وہ درخت اکھڑ کر جا پڑا۔ اگر یہ ٹکر طاہر کو پڑ جاتی تو اس کا کیا حشر ہوتا، یہ سوچ کر میں تھرا کے رہ گیا۔

ٹکر کا اثر یہ ہوا کہ مجھے شدید جھٹکا لگا۔ چونکہ بھینسے کی پشت پر میں ایسے پڑا ہوا تھا جیسے کوئی بستر پر اوندھے منہ لیٹا ہوا ہو، اور کوئی سہارا میری گرفت میں نہ تھا، اس لئے جھٹکا لگنے سے میں زمین میں جا پڑا۔ زمین سے ٹکراتے ہی میں نے دائیں ٹانگ چلائی۔ میرا نشانہ بھینسے کی پچھلی ٹانگ تھی۔ اگر یہ ضرب اسے پڑ جاتی تو یہ یقیناً بھینسے کی ٹانگ

پچاک سے ٹوٹ جاتی اور وہ حرکت سے معذور ہو جاتا لیکن میری ضرب کے ہدف تک پہنچنے تک بھینسا اس کی زد سے آگے نکل چکا تھا۔ میری ٹانگ ہوا میں افقی دائرہ بنا کر رہ گئی۔

میں تیزی سے اٹھا۔ بھینسا پھر واپس پلٹا۔ طاہر اتنی دیر میں پرے نکل چکا تھا اور اب ایک بھاری بھرکم درخت پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میک مین اور کرسٹوفر پہلے ہی پناہ حاصل کر چکے تھے چنانچہ اس مرتبہ بھینسا پلٹا تو میں اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔

ہم دونوں کے درمیان بمشکل تمام دس قدم کا فاصلہ ہوگا۔ بھینسے کی باچھوں سے جھاگ پھوٹ رہا تھا۔ وہ صرف ایک لمحے کے لئے رکا اور اس ایک لمحے میں ہم دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں۔ مجھے اس جانور کی آنکھوں میں خون کی سی سرخی نظر آئی اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ شاید یہ جانور کسی زہریلی چیز کے کاٹنے یا کوئی انتہائی گرم چیز کھا لینے سے باؤلا ہو چکا ہے۔ اب اس وقت تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا جب تک ہم سب یا وہ خود موت کے گھاٹ نہیں اتر جاتا۔

میں قدم جما کر کھڑا ہو گیا۔ بھینسے کا سنگ خارا کی چٹان ایسا جسم حرکت میں آیا، اس کے قدموں کی دھمک گونجنے لگی، چند سیکنڈ بھی نہیں لگے ہوں گے کہ وہ میرے سر پر آ چڑھا۔ میں پوری طرح تیار تھا۔ بھینسے کے زد میں آتے ہی میں نے پوری قوت سے کراس پنچ مارا، میرا گھونسہ اس کی لحیم شحیم گردن سے ذرا پیچھے پڑا۔ میرے ہاتھ کو ایک دھمک سی محسوس ہوئی، اور اگلے ہی پل یہ دھمک تیز دھار گونج بن کر بھینسے جسم کے دوسرے سرے تک اتر گئی۔ ایک ہی ضرب نے اسے نہ صرف پورے جسم سے گھما دیا تھا بلکہ جہاں میرا ہاتھ پڑا تھا، اس حصے کے تمام عضلات اور ہڈیاں پچک کے رہ گئی تھیں۔

بس اتنی سی بات تھی۔ وہ بھینسا جو ایک سیکنڈ پہلے خوف و وحشت کا مجسم استعارہ نظر آ رہا تھا، اب زمین پر پڑا تھا۔ اس کا جسم جانکنی کے کرب میں ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ایک ٹھوکر رسید کی اور اسے اس کرب سے نجات دلا دی۔

''آ جاؤ۔ کھیل ختم ہو گیا ہے۔'' میں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ وہ مختلف

کونوں سے نکل کر میرے پاس پہنچ گئے۔ ان کے چہرے ایسی شدید حیرت کے آماجگاہ تھے کہ بیان سے باہر۔

''یہ سب کیسے ہو گیا؟'' میک مین نے حیرت سے پھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ ''یہ بھینسا ایسے کیسے.......... مسٹر گادا، آپ نے اس پتھر کو کیسے توڑ لیا؟''

''پتھر کو توڑنے کی ایک خاص تیکنیک ہوتی ہے۔'' میں نے مسکرا کر ان کی حیرت دور کرنے کی کوشش کی۔ ''میں نے اسی تیکنیک سے کام لیا تھا۔''

''لعنت ہے ہر تیکنیک پر!'' کرسٹوفر نے کہا۔ ''میں سب دیکھ رہا تھا۔ میرے سامنے آپ نے اس کے گردن سے پیچھے گھونسہ مارا ہے۔ یہ دیکھو۔'' اس نے دوسروں کو دکھایا۔ بھینسے کی گردن پر لوتھڑے کی طرح پچلی ہوئی کھال کی صورت میری لگائی ہوئی چوٹ کا نشان صاف نظر آ رہا تھا۔ ''یہ تیکنیک ہے یا ہرکولیس کے گرز کی ضرب! مجھے پہلے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ آپ یوں اس کے سامنے تن کر کھڑے ہو گئے تھے کہ مجھے لگا جیسے آپ خودکشی کا ارادہ کر چکے ہیں۔ پھر آپ کا ہاتھ چلا اور یہ پہاڑ زمین بوس ہو گیا۔ میں نے ایک ایک چیز دیکھی ہے، حیرت کے مارے میں پلکیں جھپکنا بھی بھول گیا تھا۔ آپ کے ایک گھونسے نے اس خوفناک جانور کو زمین چٹا دی، اور پھر ٹھوکر مار کر آپ نے اس کا قصہ تمام کر دیا۔ مسٹر گادا، آخر آپ کیا چیز ہیں؟ انسان ہیں یا آسمان سے اترے ہوئے کوئی دیوتا؟''

''مجھے انسان ہی رہنے دو کرسٹوفر، دیوتا بنانے کی کوشش نہ کرو۔'' میں نے اسے گھور کر کہا۔ ''اور جہاں تک رہی اس بھینسے کی بات، تو تم سب کی حفاظت کے لئے میں نے جو ضروری سمجھا، وہی کیا۔ اب اس تذکرے پر خاک ڈالو اور آگے بڑھنے کی سوچو۔''

ہم دوبارہ چل پڑے۔ ان سب کے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگ گئی تھی۔ میرے معاملے میں ان کا رویہ پہلے ہی محکومانہ سا تھا، اور اب تو وہ میری طرف یوں دیکھ رہے تھے جیسے وہ پجاری ہوں اور میں مقدس گائے۔ مجھے جھنجھلاہٹ سی محسوس ہوئی تھی لیکن پھر میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

❁ ››› ❁ ››› ❁

باقی کا سفر بخیر و خوبی کٹ گیا۔ ہم نقشے کے مطابق سفر کرتے رہے۔ سہ پہر ڈھلنے سے پہلے ہم اس خطے سے باہر نکل آئے تھے، جس میں اب تک سفر کرتے رہے۔ ہمارے اردگرد اب بھی جنگل تھا، لیکن اس کے گھنے پن میں کافی کمی واقع ہوگئی تھی۔ سہ پہر ڈھلتے ڈھلتے جنگل ایک طرح سے بالکل ہی ختم ہوگیا۔ اب کہیں کہیں درختوں کے چھوٹے چھوٹے جھنڈ دکھائی پڑ رہے تھے۔ بقیہ علاقہ ایک وسیع، قدرے ڈھلوان، میدان کی طرح تھا اور اس میدان میں جابجا اونچے نیچے ٹیلے ابھرے ہوئے تھے۔

سورج مغرب کی طرف جھکتا گیا۔ آہستہ آہستہ شام کی کجلاہٹیں دامن پھیلانے لگیں۔ مجھے پہلے پانی کا شور سنائی دیا، پھر ایک چمکیلی سی سطح نظر آئی جس پر دم توڑتے سورج کی آخری شعاعیں رنگین انعکاس پیدا کررہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں ہم ایک دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ دریا کا پاٹ وسیع تھا، لیکن اس کی موجوں کی اچھل کود ظاہر کررہی تھی کہ یہاں سے اس کی گہرائی کچھ زیادہ نہیں ہے۔ یہاں پہنچ کر ہم رک گئے۔ نقشے کے مطابق اس دریا کے دوسری طرف سے مونٹی قبیلے کی حدود شروع ہوتی تھیں۔ وہاں درختوں کے جھنڈ تھے اور جھنڈوں کے پار کافی فاصلے پر ایک پہاڑی کی نیلی چوٹی ابھری ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

"آپ کا اندازہ بالکل درست نکلا، مسٹر گادا!" طاہر نے خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "بالآخر ہم منزلِ مقصود پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔"

"صرف منزل پر پہنچے ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "مقصود کے ملنے نہ ملنے کا تعین بعد میں ہوگا۔"

"اوہ ہاں، آپ درست کہتے ہیں۔" اس نے خفت سے سر کھجایا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" میک مین نے پوچھا۔

"وہی جو پہلے طے کیا گیا تھا۔" طاہر نے جواب دیا۔ "ہم یہیں رک کر صبح ہونے کا انتظار کریں گے۔ صبح کے وقت میں انہیں پیغام بھجواؤں گا اور پیغام کا اثبات یا نفی میں جواب ملنے پر اگلے قدم کا دارومدار ہوگا۔"

"تو گویا آرام کا وقت آگیا۔" کرسٹوفر نے اپنے شانوں سے لٹکا ہوا ہولڈال

اتارتے ہوئے کہا۔ اس ہولڈال میں مونٹی قبیلے کے بڑوں کے لئے لائے گئے تحفے بند تھے۔ اسی طرح کا ایک ہولڈال طاہر کے کندھوں پر بھی تھا جس میں ہمارے لئے شب بسری کا سامان تھا۔ سلیپنگ بیگ اور خوردنی اشیاء وغیرہ۔ دونوں ہولڈال ہم نے راستے میں باری باری اٹھائے تھے۔ بھینسے والا واقعہ رونما ہونے کے بعد وہ مجھے ہولڈال اٹھانے کی زحمت دینے پر آمادہ نہ تھے لیکن میں نے بہ اصرار اپنے حصے کا کام انجام دیا تھا۔

"ہاں، اب ہم میں سے تین آرام کریں گے اور ایک جاگتا رہے گا۔" طاہر نے کہا۔ "پو پھٹنے سے کچھ دیر پہلے وہ مجھے اور مسٹر گادا کو جگا کر خود سو جائے گا کیونکہ آگے کے معاملات ہم دونوں کو ہی ہینڈل کرنے ہیں۔ اگر ہم ملاقات کے لئے جاتے ہیں تو تم دونوں یہیں رکو گے۔"

"اور یہ جاگنے کی خدمت کون سرانجام دے گا؟" میک مین نے کہا۔

"ظاہر ہے مجھے ہی انجام دینا پڑے گی۔" کرسٹوفر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری حالت دیکھ کر تو یوں لگ رہا ہے کہ اگر تھوڑی دیر اور بیٹھے نہیں تو گر پڑو گے۔"

وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ تھکن کے مارے میک مین کی حالت واقعی خراب ہو رہی تھی۔ لیکن کرسٹوفر نے بھی اس کے برابر ہی سفر کیا تھا اور یقیناً وہ بھی تھکا ہوا تھا۔ اسے ساری رات یوں جگائے رکھنا قرین انصاف نہیں تھا۔

چنانچہ میں نے کہا۔ "میرے خیال میں ایسا کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ تم دونوں ایسا کرو کہ ابھی آرام کے لئے لیٹ جاؤ۔ میں اور طاہر دو تین گھنٹے بعد سوئیں گے۔ سونے سے پہلے میں کرسٹوفر کو جگا دوں گا۔ اس وقت تک اس کی تھکن کافی حد تک دور ہو چکی ہوگی۔ رہی سہی کسر صبح کے وقت کے آرام سے نکال لینا۔"

کرسٹوفر نے متشکر نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور ہولڈال کھول کر سلیپنگ بیگ نکالنے لگا۔ دونوں بری طرح تھکے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر میں سو گئے۔ میں اور طاہر پاؤں پھیلا کر زمین پر دراز ہوگئے تھے۔

تھوڑی دیر ہم دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی پھر طاہر نے کہا۔ "کیا سوچ رہے ہیں آپ؟"

''ہم.........'' میں چونک گیا۔ ''کوئی خاص بات نہیں۔''

''آپ کی ذات میرے لئے بڑی پراسرار ہوگئی ہے مسٹر گادا۔''

''وہ کیسے؟''

''ایک تو وہ حالات جن میں آپ ہم سے ٹکرائے۔ ظاہر ہوتے ہی آپ نے ہمارے دو ساتھیوں کی جان بچائی۔ شاید آپ کو علم نہ ہو کہ فالکن میرا بہترین دوست ہے۔ اس کی جان بچا کر آپ نے ہمیشہ کے لئے مجھے احسان مند کر لیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے خود کو بڑھا چڑھا کر ظاہر کرنے کے بجائے ایسا رویہ اختیار کیا جیسے آپ بھی ہم سب کی طرح ایک عام انسان ہیں۔ میں ہر شام آپ کو دیکھا کرتا تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اتنی ساری لڑکیاں اپنی دسترس میں دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتا لیکن آپ نے ان میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ میک مین کی زبانی میں آپ کے ہاتھوں ریلزے کی جھاڑ کا قصہ بھی سن چکا ہوں۔ اس واقعے کے بعد آپ کی عزت میرے دل میں اور بڑھ گئی تھی۔ ریلزے ایسی لڑکی نہیں جسے ٹھکرانا آسان ہو۔ وہ تو خود پکے پھل کی طرح ہر پسندیدہ شخص کی جھولی میں ٹپکنے کو تیار رہتی ہے۔ پھر جب گاڑیاں بیکار ہو گئیں اور ہم سب مشکل میں پھنسے ہوئے تھے، آپ نے آ کر چٹکی بجاتے میں سارے مسئلے حل کر دیئے۔ اس کے بعد اس بھینسے کی موت۔ میں ابھی تک اندازہ نہیں کر پایا کہ آپ کے ہاتھوں میں کیسی قوت بھری ہوئی ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ آپ کو سمجھنے کی کوشش میں، میں چکرا کر رہ گیا ہوں۔''

''ذہن کو تھکانے کی کوشش مت کرو طاہر۔'' میں نے آسمان پر یکے بعد دیگرے نمودار ہونے والے ستاروں کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''بعض باتیں پوشیدہ ہی رہیں تو اچھا ہوتا ہے۔''

''مزید پراسراریاں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''چلئے چھوڑیئے۔ اگر آپ بتانا نہیں چاہتے تو میں بھی اصرار نہیں کرتا۔ کوئی اور بات کرتے ہیں۔''

''یہ مناسب رہے گا۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ مونٹی قبیلے کی زبان سے تمہیں واقفیت کیسے حاصل ہوئی؟ میری معلومات کے مطابق اس قبیلے تک بہت کم لوگ پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔''

''یہ بات درست ہے۔'' طاہر نے تائید کی۔ ''لیکن اس کے باوجود اس قبیلے کی زبان کوئی عجوبہ نہیں۔ ان کے اجداد کا تعلق مشرقی افریقہ کے ساحلی علاقوں سے ہے۔ جب اسلام وہاں پہنچا تو یہ لوگ وہاں سے ہجرت کر گئے کیونکہ ان کے عقائد اسلام سے متصادم تھے اور انہیں خدشہ تھا کہ اسلامی حکومت میں انہیں پنپنے کا موقع نہ مل سکے گا۔ انہوں نے اپنی رہائش کے لئے یہ خطہ منتخب کیا۔ میرا بچپن اور لڑکپن صومالیہ، کینیا اور تنزانیہ میں گزرا ہے۔ مجھے سواحلی زبان میں مہارت حاصل ہے۔ مونٹی قبیلے کی زبان سواحلی کی ہی ایک قدیم شکل ہے۔''

''خوب! شاید ڈبل باس نے اسی لئے تمہیں اپنے ہمرکابی کے لئے منتخب کیا ہے۔''

''شاید۔ ویسے ان کا اور میرا ساتھ کافی پرانا ہے۔''

''صبح کیا کیا جائے گا؟''

''سب سے پہلے تو انہیں ملاقات کا پیغام دیا جائے گا۔ بعد کے اقدامات کا انحصار ان کے جواب پر ہوگا۔''

''پیغام کیسے دو گے؟''

''یہ آپ خود دیکھ لیجئے گا۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

ہم اسی طرح ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ جب آنکھوں میں نیند اترنے لگی تو کرسٹوفر کو جگا کر ہم دونوں سو گئے۔

❁ ››› ❁ ››› ❁

پو پھٹنے سے کچھ دیر پہلے کرسٹوفر نے ہمیں جگا دیا۔ پورے جنگل پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ چڑیوں کا چہچہا بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ یہ خاصی حیرت کی بات تھی کیونکہ پرندے عموماً سورج نکلنے سے کچھ پہلے شور مچانا شروع کر دیتے ہیں اور جب تک سورج مشرق سے سر نہیں ابھارتا، اسی کام میں لگے رہتے ہیں۔ ماحول کا یہ سکوت کچھ عجیب، کچھ غیر فطری سا لگ رہا تھا۔

کرسٹوفر ہمیں جگا کر خود آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا تھا۔ طاہر نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ ”پہلے ہاتھ منہ دھولیا جائے۔ تب تک پو بھی پھٹ جائے گی۔“

میں نے اس کی بات سے اتفاق کیا اور ہم دونوں دریا کی سمت چل پڑے تاکہ منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہوسکیں۔ میرا ارادہ تھا کہ منہ دھونے کے بجائے سیدھے دریا میں ایک ڈبکی لگالی جائے تاکہ پورا جسم تازگی کا ذائقہ چکھ سکے۔

طاہر میرے آگے آگے چل رہا تھا۔ دریا تک پہلے وہی پہنچا۔ عموماً دریا یا نہر کے کنارے پانی سے خاصے اونچے ہوتے ہیں اور سیلاب کے دنوں میں ہی مونہا منہ بھرے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن اس دریا کی لہریں کناروں سے اچھل رہی تھیں کیونکہ دریا کی گہرائی یہاں کم تھی۔ طاہر نے کنارے پر بیٹھ کر پانی میں دونوں ہاتھ ڈال دیئے۔

اور اس کے ساتھ ہی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ حلق سے نکلنے والی چیخ کو اس نے بڑی مشکل سے دبایا ہے۔ وہ دونوں ہاتھوں کو زور زور سے جھٹک رہا تھا۔

”کیا ہوا؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”عجیب بات ہے۔“ اس نے جیسے خود سے کہا پھر میری طرف متوجہ ہوا۔ ”ہاتھ ڈالتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے پانی میں ہزار وولٹ کا کرنٹ دوڑ رہا ہو۔“

”کیا بات کرتے ہو، دوست؟“ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”لگتا ہے تمہاری حسیات نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔ اس دریا کے پانی میں کرنٹ کہاں سے آیا! البتہ کبھی کبھی پانی بہت زیادہ ٹھنڈا ہونے کی وجہ ہاتھ ڈالتے ہی جھٹکا سا لگتا ہے۔ شاید سردی کے جھٹکے کو تم کرنٹ کا جھٹکا سمجھ بیٹھے۔“

”پانی اتنا ٹھنڈا تو نہیں تھا۔“ وہ اپنے تر ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ پانی پر نگاہ ڈال کر وہ ایک دفعہ پھر جھکا اور بڑی احتیاط سے آہستہ آہستہ دایاں ہاتھ بڑھا کر پانی کی سطح کو چھوا۔

اس مرتبہ بھی اس کے ساتھ وہی ہوا تھا۔ اب کے اس نے اپنا ہاتھ بغل میں دبا لیا تھا۔ ”میں آپ سے ٹھیک کہہ رہا ہوں مسٹر گادا!“ اس نے ضبط کی کوشش میں نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے کہا۔ ”یہ پانی واقعی جھٹکا مارتا ہے۔“

میری بھنویں سکڑ گئیں۔ عجیب سی بات کر رہا تھا وہ۔ ”ہٹو میں دیکھتا ہوں۔“

میرے کہنے پر وہ ایک طرف ہوگیا۔ میں پانی کی طرف بڑھا۔ میری نگاہیں اس کی سطح کا جائزہ لے رہی تھیں۔ سرسری نظر میں تو کوئی غیر معمولی بات دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے ایک دفعہ آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ ایسا میں نے کسی شعوری ارادے کے تحت نہیں کیا تھا، میری آنکھوں نے یہ فعل گویا اپنے طور پر انجام دیا تھا۔

اور اب آنکھیں کھلیں تو گویا ایک نئی روشنی ان میں اتر آئی تھی۔ اب پانی کی سطح پہلے کی طرح شفاف نہیں تھی۔ اس پر پھیلا، اس کے اندر لہریں لیتا گہرے مٹیالے رنگ کا غبار صاف دکھائی دے رہا تھا۔

مجھے یہ سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ کیا ہوا ہے۔ پانی یقیناً کسی سحر کے زیر اثر تھا چنانچہ وہ قوت جو مجھے بوڑھے الکانڈر کے توسط سے حاصل ہوئی تھی، حرکت میں آ گئی تھی اور سحر زدہ پانی کی حقیقت مجھ پر کھل گئی تھی۔

لیکن یہ سحر کیا کس نے؟ قبیلے والوں کی طرف سے ایسی کسی حرکت کی توقع نہیں کی

جاسکتی تھی۔ ہم نے اب تک کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم ان کے متعلق کوئی بری نیت رکھتے ہیں بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ ہم نے ابھی تک کوئی حرکت ہی نہیں کی تھی۔ پھر یہ سحر کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟

''کیا تم اپنے حریفوں کو اتنی جلدی بھول گئے، ناصر؟'' لیشی کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

اس مرتبہ میں حیران نہیں ہوا۔ کل رات جب میں نے طاہر سے کہا تھا کہ بعض باتیں پوشیدہ ہی رہیں تو بہتر ہوتا ہے، تو اس وقت میرے ذہن میں لیشی کا ہی تصور تھا۔ اس لڑکی کی ذات میرے لئے اسی طرح پراسرار تھی جس طرح کہ میری ذات طاہر کے لئے پراسرار بن گئی تھی۔ میں نے بھی اسے ذہن کو نہ تھکانے کی ہدایت کی تھی اور خود بھی اسی ہدایت پر عمل کر رہا تھا۔ اگرچہ لیشی کی آواز میری توقع کے خلاف آئی تھی لیکن اب میں ایسی غیر متوقع باتوں کا عادی ہوگیا تھا۔

''میرے حریف!'' میں نے سوچا۔ ''یعنی زوالا اور فولاس۔ تو گویا وہ حرکت میں آ گئے۔ بہت خوب! اب دیکھتے ہیں وہ مزید کیا حربہ آزماتے ہیں۔''

میں پانی کے قریب اکڑوں بیٹھا اور میں نے دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھائے۔ اس وقت مجھے اپنے ہاتھوں میں برق کی ہلکی ہلکی لہروں کا ارتعاش محسوس ہو رہا تھا۔ میرے ہاتھ پانی کی سطح پر پھیلے اس غبار کے قریب پہنچے، ان میں ہلکی سی چمک پیدا ہوئی، چھوٹے چھوٹے چمکیلے ذرے میرے ہاتھ سے پھوٹ کر غبار سے ٹکرائے.............. اور ایک جھماکے کے ساتھ غبار ہوا میں تحلیل ہوگیا۔ اب پانی بالکل شفاف نظر آ رہا تھا۔ میرے دونوں ہاتھ اس میں ڈوب گئے تھے۔

''کیا مذاق کرتے ہو یار۔'' میں نے طاہر سے کہا۔ ''یہ دیکھو۔ مجھے تو کوئی جھٹکا نہیں مارا اس نے۔''

اس نے مجھے ایک حیران نگاہ سے نوازا پھر کندھے جھٹک کر بولا۔ ''مجھے یہ توقع تھی بھی نہیں کہ یہ آپ کو جھٹکا مارے گا۔ بہرحال آپ نے اس کا کرنٹ ختم کر دیا، اچھا کیا۔ اب کم از کم منہ تو دھویا جاسکے گا۔''

مزید کسی حیرت کا اظہار کئے بغیر وہ بیٹھ کر منہ ہاتھ دھونے لگا اور میں قہقہہ لگا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ جسم کو اوپرے لباس کی قید سے آزاد کرانے کے بعد میں نے پانی میں چھلانگ لگا دی تھی۔

میرے پانی سے نکلنے تک طاہر پیغام بھیجنے کی تیاریاں شروع کر چکا تھا۔ اس نے ادھر ادھر سے درختوں کی چند گری پڑی شاخیں ڈھونڈ نکالی تھیں اور اب چاقو کی مدد سے ان کا فالتو جھاڑ جھنکاڑ صاف کر رہا تھا۔ میں دلچسپی سے اس کا کام دیکھتا رہا پھر میں نے پوچھا۔ ''ان شاخوں کا کیا کرو گے؟''

''ان کی مدد سے پیغام بھیجا جائے گا۔'' اس نے شاخوں پر سے نظر ہٹائے بغیر جواب دیا۔

تین شاخوں کو صاف کر کے اس نے دو شاخوں کو دریا کے کنارے قدرے نرم زمین میں گاڑ دیا۔ تیسری شاخ ان کے اوپر اس طرح رکھ دی کہ ایک سہ پہلو مستطیل سی بن گئی۔ شاخیں رات کو پڑنے والی اوس کے باعث بری طرح گیلی ہو رہی تھیں۔ جب طاہر نے ایک چھوٹی سی بوتل نکال کر ان کے سروں پر پٹرول چھڑکا تو مجھے کچھ کچھ سمجھ آنے لگا کہ پیغام کیسے بھیجا جائے گا۔ براعظم امریکہ کے ریڈ انڈینز کے ''سموک سگنلز'' کے بارے میں، میں نے بہت کچھ پڑھا اور سنا تھا۔ وہ آگ جلا کر دھوئیں کے ذریعے ایک دوسرے تک پیغام رسانی کیا کرتے تھے۔ یہاں بھی غالباً ایسا ہی کوئی طریقہ استعمال کیا جانے والا تھا۔ آگ لگانے کا طریقہ البتہ مختلف تھا۔

میرے اندازے کی تصدیق تقریباً فوراً ہی ہوگئی۔ پٹرول چھڑک کر طاہر نے بوتل کو بند کیا اور ایک واٹر پروف ماچس نکال لی۔ اوپر والی شاخ کے سروں کے علاوہ اس کے وسط میں بھی پٹرول چھڑکا تھا اس نے۔ ماچس کو کھول کر اس نے دیا سلائی مصالحے پر رگڑی، ننھا سا شعلہ 'بھپ' سے جل اٹھا۔ طاہر نے اس شعلے کو کھڑی شاخ کے سرے پر لگا دیا۔

پٹرول میں بھیگے ہوئے اس سرے کو بھی 'بھپ' سے جل اٹھنا چاہئے تھا لیکن ہوا اس کے الٹ۔ دیا سلائی جل کر آدھی ہوگئی لیکن شاخیں ویسے کی ویسے کھڑی رہیں۔

دیا سلائی کی آگ نے ان پر ذرا اثر نہیں کیا تھا۔

طاہر نے دیا سلائی ایک طرف پھینک کر سر کھجایا اور میری طرف دیکھا۔ میں خاموشی سے بیٹھا دیکھ رہا تھا اور مجھے نظر آ رہا تھا کہ طاہر کے دیا سلائی روشن کرتے ہی شاخوں سے وہی مٹیالا غبار اٹھنے لگا تھا۔

تو حریفوں کی طرف سے اگلا وار اس طرح کیا گیا تھا۔ نہ جانے یہ لوگ ایسے بچگانہ حربوں سے ہمیں تنگ کرنے کی کوشش کیوں کر رہے تھے۔ ہم یہاں مونٹی قبیلے سے رابطہ کرنے کے لئے آئے تھے، اب تک کی ان کی تمام کوششیں ہمیں رابطہ کرنے سے روکنے کی تھیں اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہمیں رابطے سے روک کر آخر وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی خیال آیا کہ عین ممکن ہے جنگل میں ہم پر حملہ آور ہونے والے بھینسے کا باؤلا پن بھی انہی کا کیا دھرا ہو۔

''میرا خیال ہے آپ کی ضرورت پھر پڑ گئی ہے، مسٹر.............''

''میرا نام ناصر ہے۔'' میں اس کی بات کاٹتے ہوئے ایک جھٹکے سے اٹھا اور اس کی طرف بڑھنے لگا۔ طاہر نے خاموشی سے ماچس میری طرف بڑھا دی۔ ''شکر ہے، آپ نے مجھے اتنے اعتبار کے قابل تو جانا کہ اپنا اصلی نام بتا دیا۔ ویسے میں آپ کو زحمت دینے کے بجائے ایک ٹرائی اور کر لیتا لیکن پو پھٹ چکی ہے اور ہمارے پاس وقت کم ہے۔ مونٹی قبیلے کے ہرکارے اس وقت دریا کے اس پار اس پہاڑی پر موجود ہوں گے۔ سورج کے روشن اور بلند ہونے تک وہ وہاں موجود رہیں گے۔ ان تک پیغام پہنچانے اور ان کا پیغام وصول کرنے کا وقت یہی ہوتا ہے۔''

میں نے ماچس لے کر کھول لی۔ میرے ہاتھوں میں وہی برقی رو مرتعش ہو گئی تھی۔ جیسے ستار کے ساز کو چھیڑا جائے تو وہ دیر تک جھنجھناتا رہتا ہے، کچھ ایسی ہی جھنجھناہٹ کی مانند۔ میں نے دیا سلائی نکال کر مصالحے پر رگڑی اور پھر اس کا شعلہ دونوں شاخوں کے کناروں پر باری باری لگایا۔ وہ جیسے بہانے کے منتظر بیٹھے تھے۔ فوراً جل اٹھے۔

''یہاں بھی۔'' طاہر نے اوپر نیچی شاخ کے وسط کی طرف اشارہ کیا اور میں نے وہاں بھی شعلہ لگا دیا۔

شاخوں سے نکلنے والے دھوئیں کی مقدار پہلے بہت معمولی سی تھی لیکن تھوڑی دیر جلنے کے بعد اس میں ایک دم اضافہ ہو گیا۔ اب دھوئیں کی تین گہری اور گھنی لکیریں آسمان کی طرف اٹھ رہی تھیں اور اوپر جا کر یکجا ہو جاتی تھیں۔ طاہر پہاڑی کی چوٹی کی طرف نظر جمائے ہوئے تھا۔ وہ قبیلے والوں کی طرف سے پیغام کے جواب کا منتظر تھا۔

کچھ وقت اسی طرح گزر گیا۔ میں نے بھی اس کی نگاہوں کے تعاقب میں پہاڑی کی چوٹی پر نگاہیں جما دی تھیں۔ ہم دونوں امید و بیم کے ملے جلے جذبات لئے قبیلے والوں کی طرف سے کسی اشارے کا انتظار کر رہے تھے۔

پھر چوٹی پر ایک شرارہ سا چمکا جیسے کوئی پھلجھڑی چھوٹی ہو۔ چمک بس ایک سیکنڈ کے لئے نظر آئی تھی پھر معدوم ہو گئی۔ پہلے تو میں یہ سمجھا کہ شاید میری نظروں نے مجھے دھوکا دیا ہے لیکن پھر طاہر کا رد عمل دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ مونٹی قبیلے کی طرف سے جواب موصول ہو گیا ہے۔ میں نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے گھورا تو وہ مسکرا دیا۔

''قبیلے والوں کا جواب موصول ہو گیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''ہمیں آگے بڑھنے کی دعوت دے دی گئی ہے۔''

''تو پھر فوری پیش قدمی کی جائے؟'' میں نے استفسار کیا۔

''جی ہاں۔'' اس نے تصدیق کی۔ ''فوری پیش قدمی۔''

سب سے پہلے میک مین اور کرسٹوفر کو جگایا گیا پھر ہم تحائف والا ہولڈال لے کر دریا کی طرف چل پڑے۔ ہمیں دریا عبور کر کے مونٹی قبیلے کی حدود میں داخل ہونا تھا۔ چلتے چلتے میں نے پوچھا۔ ''کیا کپڑے بھگونا پڑیں گے؟''

''کیا مطلب؟'' طاہر تھوڑا سا حیران ہوا۔

''بھائی دریا کے دوسری طرف جانا ہے۔ کیا سیدھے سبھاؤ کود کر جانا پڑے گا یا کوئی اور راستہ ہے؟''

''راستہ ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اگر آپ غور کریں تو آپ کو بھی نظر آ جائے گا۔''

اس کے کہنے پر میں نے دریا کی طرف دیکھا۔ کچھ نہ پا کر ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ نتیجہ وہی نکلا۔ کم از کم مجھے تو کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ادھر ادھر دیکھنے کے بجائے میری انگلی کی سیدھ میں دیکھئے۔" طاہر نے کہا۔

میں نے اس کی انگلی کی سیدھ میں دیکھا اور ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ میں اپنے تئیں کوئی پل یا پلی وغیرہ ڈھونڈ رہا تھا اور جس طرف طاہر نے اشارہ کیا تھا، وہاں پانی میں ابھرے ہوئے پتھر نظر آ رہے تھے۔

"بہت پسماندہ معلوم ہوتے ہیں یہ لوگ!" میں نے پتھروں کی طرف بڑھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"وہ کیسے؟"

"ایک پل تک تعمیر نہیں کر پائے دریا پر۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" طاہر نے کہا۔ "دراصل ان کا عقیدہ ہے کہ اگر وہ اپنے قبیلے کی حدود کے علاقے میں دریا پر کوئی پل تعمیر کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ باہر کی دنیا میں جانے اور باہر والوں کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دے رہے ہیں، اور وہ نہ تو کسی کو اپنے یہاں بلانا چاہتے ہیں اور نہ ہی باہر کی دنیا سے کوئی مستقل رابطہ رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ ان کے مذہبی عقائد کے خلاف ہے۔"

"ان کا کوئی مذہب بھی ہے؟"

"چند بے سروپا رسوم وعقائد کا ایک مجموعہ ہے۔ آپ چاہیں تو اسے ان کا مذہب سمجھ لیں یا پھر ان کا مذہبی رویہ۔"

اس وقت تک ہم پتھروں پر قدم رکھ چکے تھے اور سنبھل سنبھل کر آگے بڑھ رہے تھے۔ طاہر مجھ سے آگے تھا۔ تحائف والا ہولڈال وہی سنبھالے ہوئے تھا اس لئے کچھ زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

ہولڈال کو دیکھ کر مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ اس احساس کا تعلق اس ہولڈال میں موجود تحائف سے تھا۔ ایک سوال پہلی دفعہ میرے ذہن میں گونجا اور پھر فوراً ہی ہونٹوں پر آ گیا۔

"طاہر، ایک بات بتاؤ۔"

"پوچھئے۔"

"کل ٹریلر میں جب ہم آئندہ سفر کا لائحہ عمل طے کر رہے تھے تو فالکن نے بتایا تھا کہ ان لوگوں کے نزدیک سونے چاندی، ہیرے جواہرات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"جی ہاں۔ یہ سچ ہے۔"

"اور اسی لئے انہیں تحفے میں دینے کے لئے ان چیزوں کا انتخاب کیا گیا ہے جنہیں ہمارے نزدیک کچھ زیادہ اہمیت حاصل نہیں۔"

"جی بالکل۔"

"تو پھر اس خزانے سے انہیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے جس کا آدھا نقشہ وہ اپنے قبضے میں رکھے ہوئے ہیں اور جس کے سلسلے میں بات چیت کرنے ہم ان کے پاس جا رہے ہیں؟"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم براہ راست نقشے کے سلسلے میں بات چیت کرنے نہیں جا رہے۔ ہماری بات چیت مونٹینا کے حوالے سے ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ خزانے سے قبیلے والوں کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دلچسپی صرف مونٹینا اور اس کے اتالیق سربیان کو ہے اور وہی لوگ اب تک ہماری راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔"

"مونٹینا نے یہ نقشہ تمہی لوگوں سے حاصل کیا تھا، یہ بات تو میں ڈبل باس کے منہ سے سن چکا ہوں، لیکن کیا تم جانتے ہو کہ ڈبل باس کے پاس یہ نقشہ کہاں سے آیا تھا؟"

"کوئی اور یہ سوال پوچھتا تو میں ہرگز نہ بتاتا لیکن آپ سے کچھ چھپانا ممکن نہیں۔ یہ ایک طویل کہانی ہے بہرحال میں مختصر کر کے آپ کو سنائے دیتا ہوں۔ خزانے کا یہ نقشہ ڈبل باس کو دراصل اپنے والد کی طرف سے ملا تھا۔ یہ نقشہ گذشتہ کئی نسلوں سے ان کے خاندان میں محفوظ چلا آ رہا ہے۔ ڈبل باس سے پہلے کسی نے اس کے مطابق چلتے ہوئے خزانے تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے خاندان کے ایک بزرگ نے پیش گوئی کی تھی کہ اس خزانے کو حاصل کرنے والا فرد چند مخصوص خوبیوں کا مالک ہوگا، اس کے علاوہ کوئی اور اس خزانے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر ان خوبیوں سے محروم کوئی شخص ایسی کوشش کرے گا تو سخت نقصان اٹھائے گا۔ کئی نسلوں کے بعد ڈبل باس کی صورت میں اس خاندان میں ایسے دو افراد پیدا ہوئے جن میں وہ مخصوص خوبیاں موجود

تھیں۔ اس لئے ان کے والد نے یہ نقشہ ان کے حوالے کر کے معاملہ ان کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔ ویسے انہیں خزانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ شاہی خاندان کے لوگ ہیں اور ساری عمر بیٹھ کر کھا بھی سکتے ہیں اور کھلا بھی سکتے ہیں لیکن چونکہ ایڈونچر کے دلدادہ ہیں، اس لئے انہوں نے سوچا کہ یہ ایک ایڈونچر ہی سہی۔ اگر خزانہ مل گیا تو پو بارہ ورنہ کوئی بات نہیں۔ آپ دیکھ لیجئے گا۔ اگر خزانہ مل گیا تو وہ اسے صرف اپنے تصرف کے لئے نہیں رکھیں گے بلکہ پارٹی کے تمام ارکان میں اسے برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ہم لوگوں کو کسی طے شدہ معاوضے پر ٹرخا دیتا۔“

”اس خزانے کی نوعیت کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟“

”میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اس کا حجم ہماری سوچوں سے کہیں زیادہ ہے، اور کچھ نہیں۔“

”یہ بھی نہیں کہ وہ خزانہ کس شکل میں ہوگا؟“

”نہیں۔“

میں خاموش ہو گیا۔ اب ہم دریا پار کر کے درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد میں نے سوال کیا۔ ”ہم مونٹی قبیلے کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں؟“

”جی ہاں۔“

”اس کے باشندوں تک پہنچنے کے لئے اور کتنا سفر کرنا پڑے گا؟“

”زیادہ نہیں۔ بس ان درختوں کے پار تک جانا ہوگا۔“

”اجنبیوں کے ساتھ یہ لوگ کیسا برتاؤ رکھتے ہیں؟“

”ویسے تو اجنبیوں کو یہاں پہنچنے کا موقع کم ہی نصیب ہوتا ہے۔ بہر حال اگر کوئی بھولا بھٹکا آ بھی نکلے تو وہ اسے خواہ مخواہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔ اسے مدد کی ضرورت ہو تو مدد بھی دیتے ہیں لیکن ان کے رویئے میں سرد مہری ہوتی ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ باہر سے آنے والوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔“

”ہمارے ساتھ ان کا رویہ کیسا ہوگا؟“

”اس کا بہت زیادہ انحصار ہمارے اپنے رویئے پر ہے۔ چونکہ ہم خیر سگالی کے اظہار کے لئے تحائف لے کر جا رہے ہیں اور ویسے بھی ہمارا براہ راست ان سے کوئی تصادم نہیں ہے، اس لئے میرا اندازہ ہے کہ ان کا رویہ ٹھیک ہی ہوگا۔“

میں ایک دفعہ پھر خاموش ہو گیا۔ چلتے چلتے ہم درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو گئے۔ اب تک میں اطمینان سے چلتا آیا تھا لیکن یہاں پہنچ کر اچانک میری چھٹی حس نے الارم بجانا شروع کر دیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کچھ ہونے والا ہے، اور یہ احساس بے بنیاد بھی نہ تھا۔ ہم پر پہلے دو وار کئے جا چکے تھے۔ ممکن تھا کہ تیسرا اب ہونے والا ہو۔ میں چوکنا ہو گیا۔ میری چھٹی حس کا اشارہ غلط نہیں نکلا۔

جب ہم جھنڈ کے وسط میں پہنچے تو ایک طرف سے ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور میرے بالکل نزدیک سے گزرتا ہوا قریبی درخت میں ترازو ہو گیا۔ میں نے تیر کی آمد کی سمت دیکھا۔ کوئی نظر نہ آیا۔ طاہر چونک کر رک گیا تھا۔ ”یہ کیا؟“ اس کے منہ سے نکلا۔

میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کو کہا اور چلتے رہنے کا اشارہ کیا۔ میرا اشارہ سمجھ کر وہ دوبارہ چلنے لگا۔ میں وہیں رک گیا تھا۔

ہوا میں ایک دفعہ پھر سنسناہٹ ابھری۔ لیکن اس مرتبہ میں نے سستی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ تیر میری پشت کی سمت سے چلایا گیا تھا۔ میں بجلی کی تیزی سے گھوما اور تیر میرے بدن تک پہنچنے سے پہلے میرے ہاتھ میں آ گیا۔ تیر چلانے والا کا منہ یقیناً حیرت سے کھل گیا ہوگا۔

میری آنکھیں ایک دفعہ بند ہو کر کھلیں۔ گرد و پیش کا ماحول اس طرح شفاف ہو گیا جیسے میری آنکھوں میں ایکسرے لینز لگ گئے ہوں۔ مجھ پر تیر چلانے والا فوراً ہی میری نگاہوں میں آ گیا۔

اور اسے دیکھ کر مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ وہ مونٹینا تھی۔ وہی عجوبہ لڑکی جو چند روز پہلے تک میری ہمسفر رہ چکی تھی۔ اس وقت وہ اپنے مخصوص لباس میں ملبوس، ہاتھ میں ایک صلیب نما کمان لئے، درختوں کے درمیان چکرا رہی تھی۔ میں اس کمان سے اچھی طرح واقف تھا۔ ”کراس بو“ کہلائی جانے والی یہ کمان ایک زمانے میں یورپی فوجوں کا

خاص ہتھیار رہی تھی۔ اس کی مار عام کمان سے زیادہ تھی، استعمال میں آسان اور عمدہ نشانہ لگانے کی اہلیت سے مالا مال۔ اس میں استعمال ہونے والے تیر عام تیروں سے چھوٹے ہوتے ہیں اور عموماً زہر میں بجھے ہوئے۔

کمان میں تازہ تیر لگا ہوا تھا اور مونٹینا ادھر ادھر گھوم کر اگلا تیر چلانے کے لئے مناسب جگہ تلاش کر رہی تھی۔ میں شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ میرا اگلا ردعمل کیا ہونا چاہئے۔ یہ تو واضح ہو گیا تھا کہ اس کا ہدف میں ہی ہوں۔ طاہر آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا لیکن مونٹینا نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ مجھے روکنا چاہتی ہو۔ میں اس کے فعل کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ کچھ وقت جو اس کی ہمرکابی میں گزرا تھا، اس میں اس کا رویہ میرے ساتھ بے حد خوشگوار رہا تھا بلکہ اس کی طرف سے مجھے کچھ ایسے اشارے بھی ملے تھے جیسے وہ میری انتہائی قربت کی متمنی ہے، وہ علیحدہ بات ہے کہ میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ پھر وہ ہر جگہ مجھے ساتھ لئے لئے پھرتی رہی تھی۔ میرے لئے نئے گھوڑے کا انتظام بھی اسی نے کیا تھا۔ اب اس کے رویئے میں یہ تبدیلی میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ جو تیر اس نے مجھ پر چلائے تھے، وہ محض خبردار کرنے کے لئے نہیں تھے۔ قسمت ساتھ نہ دیتی اور میں بروقت حرکت میں نہ آتا تو اس نے اپنی طرف سے مجھے اڑا ہی دیا تھا۔ تیر میرے جسم پر لگ کر کیا اثر دکھاتے، وہ بعد کی بات تھی۔

پھر مجھے مسٹر الکانڈر کی بات یاد آئی۔ انہوں نے کہا تھا کہ مونٹینا کے گذشتہ رویئے سے بے شک میرے لئے اس کی پسندیدگی ظاہر ہوتی تھی، لیکن پھر بھی مجھے اس کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ کوئی پتہ نہیں کس وقت وہ کس روپ میں سامنے آئے۔ ان کی بات صحیح ثابت ہوئی تھی اور میں مونٹینا کا یہ نیا روپ دیکھ رہا تھا۔

اس نے ایک دفعہ پھر میرا نشانہ لیا۔ اس دفعہ میرا رخ اس کی طرف تھا، وہ اپنے تئیں ابھی تک میری نگاہوں سے پوشیدہ تھی اور اس نے میرے سینے کا نشانہ لیا تھا۔ میں نے کچھ سوچا اور پھر تن کر کھڑا ہو گیا۔

تیر کمان سے نکلا اور اپنی مخصوص سرعت سے میری طرف آیا۔ اس مرتبہ میں نے

ہوا میں ہی اسے تھپڑ مارا اور تیر پرے جا گرا۔ مونٹینا نے دانت پیس کر سر جھٹکا تھا۔ وہ یقیناً سوچ رہی ہوگی کہ نہ جانے میرے اعضاء میں یہ غیر انسانی پھرتی کیسے آ گئی۔ اس کمان سے نکلنے والے تیروں سے بچنا کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔

• لیکن وہ بے چاری بے خبر تھی۔ میں عام انسان رہا ہی کب تھا!

مونٹینا پیچھے ہٹنے لگی۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ اس وقت اسے چھاپ لینا میرے لئے بہت آسان تھا۔ قبیلے والوں سے بات کرنے کی ضرورت بھی پیش نہ آتی اور ہماری مطلوبہ چیز ہمارے ہاتھ آ جاتی۔ لیکن میں نے اسے جانے دیا۔ میں فی الحال اسے چھیڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس سے میری ملاقات اس کے استاد سربیان کے سامنے ہو۔

اور میں یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ اس کے رویئے میں اس تبدیلی کا سبب کیا ہے؟ زوالا اور فولاس کی طرف سے اگر کوئی طلسمی حملہ مجھ پر کیا جاتا تو میں قطعی حیران نہ ہوتا۔ لیکن مونٹینا کو میری جان کا دشمن ہونے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟ میرا، اس کا کیا مقابلہ کیا تھا؟ کیا اسے ڈر تھا کہ میں قبیلے والوں سے بات کر کے ان سے نقشے کا وہ ٹکڑا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا؟ شاید یہی بات رہی ہوگی۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ سربیان نے ہی اسے مجھ پر حملہ کرنے کا حکم دیا ہو۔ خزانے سے اس کی دلچسپی بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔

میں پھر آگے بڑھنے لگا اور تھوڑی دیر میں جھنڈ سے باہر نکل آیا۔ طاہر یہاں میرا منتظر تھا۔ اس کے چہرے پر بے چینی اور اضطراب کے تاثرات تھے۔

"آپ خیریت سے تو ہیں نا؟" مجھ پر نظر پڑتے ہی اس نے پوچھا۔

"ابھی تک تو ہوں۔" میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "آگے کا حال خدا جانے۔"

"تیر چلانے والا کون تھا؟ کچھ پتہ چلا؟"

"چل جائے گا۔ کیا ضرورت ہے ذہن کھپانے کی۔ اہمیت صرف اس بات کی ہے کہ ہم بخیر و عافیت اس کی زد سے باہر نکل آئے ہیں اور اب اطمینان سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔"

طاہر تھوڑی دیر مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے کندھے جھٹک دیئے۔ ''ٹھیک ہے۔ چلئے۔''

بلند و بالا نیلی پہاڑی ہمارے سامنے کھڑی تھی۔ طاہر نے مجھے چلتے چلتے بتایا کہ مونٹی قبیلہ اسی پہاڑی کے دامن میں آباد ہے۔ ہمیں زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔ کچھ ہی دیر بعد قبیلے کے باشندوں کا ایک گروہ ہمارے سامنے آ گیا۔

یہ لوگ ان جنگلیوں سے یکسر مختلف تھے جو اکثر ٹیلی ویژن اور فلموں میں دکھائے جاتے۔ ان کے چہروں الٹے سیدھے نقش ونگار سے پاک تھے اور سروں پر پرندوں کے پروں سے بنے ہوئے تاج بھی نہ تھے۔ کپڑے بھی پہنے ہوئے تھے گو قمیضوں کی آستینیں غائب تھیں اور پتلونیں گھٹنوں سے ذرا نیچے تک ہی پہنچ پائی تھیں۔ نیزوں کے بجائے انہوں نے پرانی وضع کی بندوقیں سنبھال رکھی تھیں۔ ایک دو کے پاس ویسی ہی صلیب نما کمانیں بھی تھیں جیسی کہ میں نے مونٹینا کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔

ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر اپنی زبان میں کوئی سوال کیا۔ لہجہ استفہامیہ تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ہماری آمد کی غرض و غایت کے متعلق پوچھ رہا ہے۔ طاہر نے جواب دیا۔ سر ہلا کر اس نے ہمیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ ان کی رہنمائی میں ہم دونوں پھر چل پڑے۔

''اب ہمیں سیدھا قبیلے کے بڑوں کے پاس لے جایا جائے گا۔'' طاہر نے کہا۔

''بات چیت آپ ہی کیجئے گا۔ میں صرف ترجمانی کے فرائض انجام دوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔''

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

مونٹی قبیلے کی بستی دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ لوگ اتنے بھی پسماندہ نہیں تھے جتنا ہم تصور کئے بیٹھے تھے۔ عام جنگلی قبائل کے برعکس وہ لوگ جھونپڑیوں کے بجائے کچے مکانوں میں رہائش پذیر تھے اور یہ باقاعدہ ایک ترتیب کے تحت تعمیر کئے گئے تھے، یہ نہیں کہ جس کا جہاں جی چاہا، گھر کھڑا کر لیا۔ ان مکانوں میں کھڑکیاں بھی تھیں اور روشندان بھی۔ بستی کے افراد ہماری آمد کی اطلاع سن کر باہر نکل آئے تھے۔ عورتیں اور بچے چھتوں

پر چڑھے ہوئے تھے۔ ان کی نگاہوں میں دلچسپی تھی اور تجسس۔ شاید بہت عرصے بعد کوئی اجنبی ان کی بستی میں پہنچا تھا۔ کسی کسی طرف سے کوئی آواز سنائی دیتی اور قہقہے بکھر جاتے۔

طاہر نے بتایا کہ وہ لوگ ہمارے حلیئے پر تبصرے کر رہے ہیں۔

مونٹینا کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

بڑوں کو ہماری آمد کی اطلاع مل چکی تھی، وہ ہمارے منتظر تھے۔ ان کی تعداد گیارہ تھی۔ زیادہ تر ضعیف العمر تھے، ایک دو ایسے تھے جو ادھیڑ عمری کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ وہ لوگ بستی کے وسط میں ایک میدان میں مسطح پتھروں پر نشستیں لگائے بیٹھے تھے۔ ہمیں ان کے سامنے لے جایا گیا۔ تھوڑی دیر کھڑا رہنا پڑا۔ پھر دو پتھر لا کر وہاں رکھ دیئے گئے اور ان میں سب سے ضعیف العمر بوڑھے نے کچھ کہا۔

''میرا نام شوارب ہے۔ مہذب دنیا سے آنے والے اجنبیوں کو ہم اپنی بستی میں خوش آمدید کہتے ہیں اور بیٹھنے کے لئے کہتے ہیں۔'' طاہر نے ترجمہ کیا۔

اتنی دیر میں محتاط نگاہوں سے ان کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ان میں سے سربراہ کون ہو سکتا ہے۔ مجھے کامیابی نہ ہوئی بہر حال بیٹھنے سے پہلے میں نے طاہر سے تحائف پر مشتمل ہولڈال لیا اور آگے بڑھ کر اسے شوارب کے قدموں میں رکھ دیا۔

''ہم اپنی دنیا سے اپنے معزز میزبانوں کے لئے چند حقیر تحائف لے کر آئے ہیں اور ان کی قبولیت کی درخواست کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ طاہر نے ترجمہ کیا۔

بوڑھے نے اثبات میں سر کو جنبش دی اور اپنے پیچھے کھڑے ایک معاون کو اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور ہولڈال کھولنے لگا۔ میں اور طاہر بیٹھ گئے تھے۔

ہولڈال سے برآمد ہونے والی اشیاء دیکھ کر ان کے چہروں کے تاثرات بدل گئے تھے۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ ہمارے تحائف نے ان پر مثبت اثرات مرتب کئے ہیں۔

''اجنبیوں کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے اور پوچھا جاتا ہے کہ کیا وجہ ہے جو انہوں نے اپنی آسائش بھری اور آرام دہ دنیا چھوڑ کر اتنی دور آنے کی زحمت گوارا کی؟''

''ہم یہاں آپ کا تعاون حاصل کرنے کی امید لے کر آئے ہیں۔''

"تعاون؟ کس سلسلے میں؟"

"ایک ایسی چیز کے حصول کے سلسلے میں جو ہماری ملکیت تھی لیکن آپ کے قبیلے کے ایک فرد نے اسے ہم سے چرالیا۔"

"کیا بات کرتے ہو اجنبی، مونٹی قبیلے کا کوئی فرد کبھی چوری کا مرتکب نہیں ہوا۔"

"لیکن ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کی روایات کو دھبہ لگانے والا آپ ہی کے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔"

"اس کی نشاندہی کرو۔ ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ اگر تم اپنی بات ثابت کرنے میں کامیاب رہے تو تمہارے نقصان اور زحمت کا ازالہ کیا جائے گا۔"

میں نے اپنے اردگرد پھیلے مجمع پر نظر دوڑائی۔ مونٹینا غائب تھی۔ میں نے کہا۔ "وہ فرد اس وقت یہاں موجود نہیں ہے۔"

"کیا تم اس کے نام سے واقف ہو؟"

"جی ہاں۔"

"بیان کرو۔"

"آپ کے قبیلے کے نام اور ساکھ کو داغدار کرنے والی اس ہستی کا نام مونٹینا ہے۔" میں نے کہا۔

بوڑھا تڑپ کر کھڑا ہوگیا۔ دوسرے بڑوں کا بھی یہی حال ہوا تھا۔ میری بات یقیناً انہیں دھچکا پہنچانے کا سبب بنی تھی۔ تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی پھر ایک بوڑھے نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "جانتے ہو اجنبی کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" بعد میں مجھے پتہ چلا تھا کہ مونٹینا اس کی بیٹی تھی۔ اس کا نام موران تھا۔

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اچھی طرح سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ آپ لوگوں کے ردعمل سے اندازہ ہوتا ہے کہ مونٹینا آپ کے لئے اجنبی نہیں۔ ہماری وہ چیز اسی کے قبضے میں ہے۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ ہماری چیز واپس دلوادی جائے۔"

"وہ چیز کیا ہے؟" موران نے پوچھا۔

"ایک نقشے کا آدھا ٹکڑا۔ مونٹینا نے ہمارے کارواں پر حملہ کر کے اسے حاصل کیا

ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر تم اپنی بات ثابت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو جانتے ہو اس کی سزا کیا ہوگی؟" شوارب نے کہا۔

"میں نہیں جانتا اور مجھے اس کی کوئی پروا بھی نہیں۔ میں جو کہہ رہا ہوں، سچ کہہ رہا ہوں۔ اگر آپ تصدیق کرنا چاہیں تو مونٹینا کو یہاں بلوا سکتے ہیں۔"

بوڑھے تھوڑی دیر ہمیں گھورتے رہے پھر چند افراد کو بلا کر ہدایات دی گئیں اور وہ مختلف سمتوں میں نکل گئے۔

"آدمی روانہ کردیئے گئے ہیں۔" موران نے کہا۔ "کچھ ہی دیر میں مونٹینا یہاں پہنچ جائے گی۔"

"اسے آنے دیجئے۔ سچ اور جھوٹ آپ کے سامنے خود ہی کھل جائے گا۔"

اسی وقت مجمعے میں ہلچل سی ہوئی۔ لوگ دائیں بائیں ہٹ کر کسی کے آنے کا راستہ بنا رہے تھے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا اور میری نگاہ مونٹینا پر پڑی۔ مجھے حیرت ہوئی۔ کیا اس کی تلاش میں روانہ کئے جانے والے ہرکارے اتنی جلد اسے ڈھونڈ لینے میں کامیاب ہوگئے تھے؟ پھر میری نظر اس کے پیچھے پیچھے آنے والی ہستی پر پڑی۔ میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور میری حیرت دور ہوگئی۔

میں نے اس شخص کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ چہرہ میری نگاہوں کے سامنے پہلی دفعہ آیا تھا لیکن اس کا انداز، اس کے اطوار پکار پکار کر اس کی شخصیت کا اعلان کر رہے تھے۔ بلند و بالا قد، مضبوط توانا جسم، ہاتھ میں اپنے کندھے برابر اونچی لاٹھی جو بالائی کنارے سے سانپ کے پھن کی طرح مڑی اور پھیلی ہوئی تھی۔ وہ چلتے ہوئے اسے زمین پر سہارا لینے کے انداز میں ٹیک رہا تھا لیکن اسے سہارے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ محض اس کے "سٹائل" کا ایک حصہ تھا۔ اس کے سیاہ چہرے پر درشتی تھی اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں بلا کی چمک۔ اس سے ناواقف ہونے کے باوجود پہلی نظر میں ہی میں اسے پہچان گیا تھا۔

وہ سربیان تھا۔ مونٹی قبیلے کا روحانی پیشوا۔ مونٹینا کا اتالیق۔

مونٹینا کو یہاں لے کر آنے والا یقیناً وہی تھا۔ بستی کے بڑے اسے دیکھ کر احتراماً کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کی طرف توجہ دیئے بغیر وہ سیدھا میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ میں پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔ مونٹینا اس کے پیچھے ہو گئی تھی۔

کچھ دیر ہمارے درمیان اسی طرح مقابلہ ہوتا رہا۔ پھر وہ ایک جھٹکے سے مڑا اور شوارب کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے قریب پہنچ کر وہ ہولے ہولے کچھ کہنے لگا۔ بوڑھے کا سر ہل رہا تھا۔ سربیان جو کچھ بھی کہہ رہا تھا، وہ اس سے اتفاق کرتا نظر آ رہا تھا۔

تھوڑی دیر اس سے باتیں کرنے کے بعد سربیان ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ مونٹینا اس کے پہلو میں تھی۔ شوارب نے کہا۔ ''ہمارے معزز روحانی پیشوا کا کہنا ہے کہ تم لوگوں کو اپنی بات کی سچائی ثابت کرنے کا ایک منصفانہ موقع دیا جائے گا اور اس کے لئے تمہیں ایک امتحان سے گزرنا ہوگا۔''

''کیسا امتحان؟''

''اگر تم لوگ اپنی [illegible] کی سچائی کے دعوے دار ہو تو تم میں سے ایک کو اپنی چیز حاصل کرنے کے لئے مونٹینا سے دست بدست مقابلہ کرنا ہوگا۔''

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ سربیان نے یہ نیا چکر چلا دیا تھا۔ مونٹینا اس کی تربیت یافتہ تھی اور وہ جانتا تھا کہ دست بدست لڑائی میں اس پر قابو پانا کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔ ہم دونوں دیکھنے میں عام سے آدمی ہی نظر آتے تھے۔ اسے غالباً توقع تھی کہ ہم میں سے جو کوئی بھی مونٹینا سے مقابلہ کرے گا، مات کھا جائے گا۔ بستی کے بڑوں کے سامنے ہم ناکام ہی نہیں بلکہ جھوٹے بھی ٹھہریں گے، سزا وغیرہ جو ہمیں دی جاتی وہ بعد کی بات تھی لیکن بڑی بات یہ تھی کہ اس کے بعد نقشے کا آدھا ٹکڑا اس کے قبضے میں ہی رہتا۔

میں نے کہا۔ ''میں سمجھ نہیں پایا کہ اپنا جائز حق لینے کے لئے ہمیں کسی طرح کی آزمائش سے گزرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ اتنی دور سے ہم لوگ آپ کو صرف ایک جھوٹ سنانے کے لئے آئے تھے؟''

''اس مسئلے کو ہمارے نکتہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کرو اجنبی۔ تم آج اچانک اس بستی میں داخل ہوئے، اور آتے ہی تم نے ہمارے قبیلے کے ایک اہم فرد پر اتنا بڑا الزام لگا دیا۔ کم از کم ہمیں اتنا موقع تو دو کہ ہم تمہاری بات کو ہضم کر پائیں۔ اگر تم سچے ہو تو تمہیں ایک چھوٹا سا مقابلہ کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔''

''لیکن کسی لڑکی سے مقابلہ کرنا بڑی عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے! میرا دل اس پر آمادہ نہیں ہوتا۔'' میں نے پہلو کترانے کی کوشش کی۔

''ایک بات یاد رکھو کہ مونٹینا کوئی عام سی لڑکی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ الزام چونکہ اس پر لگایا گیا ہے، اس لئے مقابلہ بھی اسے ہی کرنا پڑے گا۔ اگر تم کسی مرد پر الزام لگاتے تو وہ ہی تم سے مقابلہ کرتا۔''

میں جانتا تھا کہ اس مقابلے سے مفر ممکن نہیں اور یہ بھی جانتا تھا کہ مونٹینا کو شکست دینے میرے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل ثابت ہوگا چنانچہ تھوڑی دیر سوچنے کی اداکاری کرنے کے بعد میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے، ہمیں منظور ہے۔ لیکن اتنا تو بتا دیجئے کہ اگر مقابلے کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوتا ہے تو کیا کیا جائے گا؟ کیا اس کے بعد مونٹینا ہماری چیز واپس کرنے پر رضامند ہو جائے گی؟ ابھی تک تو وہ اپنے جرم کو قبول کرنے سے ہی انکاری نظر آتی ہے۔''

''تم ہمارے عقائد سے واقف نہیں ہو اجنبی، اس لئے ایسا کہہ رہے ہو۔ یہ مقابلہ محض رسمی چیز نہیں ہے۔ اس پر دیوتاؤں کی نظر ہوگی۔ وہ انصاف کریں گے۔ فتح اسی کو نصیب ہوگی جو سچا ہوگا۔ تمہاری سچائی ثابت ہونے کے بعد ہمارا یہ فرض ہوگا کہ مونٹینا کے قبضے سے تمہاری چیز لے کر تمہارے حوالے کریں۔''

میں نے کندھے جھٹک دیئے۔ ''جیسے آپ کی مرضی۔ میں مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔''

''نہیں۔'' اس مرتبہ سربیان بولا تھا۔ اس کی آواز میں گھنے بادلوں کی سی گرج تھی۔ ''یہ فیصلہ مونٹینا کرے گی کہ اسے تم میں سے کس کا مقابلہ کرنا ہے۔''

میں چونک گیا۔ سربیان نے عین موقعے پر چال چلی تھی۔ مونٹینا یقیناً اسے میری

پھرتی کے متعلق بتا چکی تھی۔ طاقت کا مظاہرہ تو خیر میں نے اس کے سامنے کوئی نہیں کیا تھا لیکن اس نے اپنے حملے ناکامی سے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ مجھ پر قابو پانا اس کے لئے آسان نہ ہوگا۔ اب وہ یقینی طور پر اپنے لئے آسان شکار کا انتخاب کرتی یعنی طاہر کو مقابلے کی دعوت دی جاتی۔

''لیکن ایسا کیوں؟'' میں نے اعتراض کیا۔ ''کیا ہم میں سے کسی ایک کا مقابلے پر رضامند ہو جانا کافی نہیں؟''

''نہیں۔'' سربیان نے کہا۔ ''تم اپنا استغاثہ پیش کر چکے ہو۔ یہ تمہارا حق تھا۔ اب مونٹینا کو اس کا حق استعمال کرنے کا موقع دیا جائے گا۔''

صورت حال گھمبیر ہو گئی تھی۔ مونٹینا کی طاقت اور طراری میں دیکھ چکا تھا۔ وہ طاہر کے بس کا روگ نہیں تھی۔ طاہر شکست کھا جاتا تو ہم قبیلے والوں کے سامنے جھوٹے ٹھہرتے اور نہ صرف اپنے مقصد میں ناکام رہتے بلکہ ''جھوٹ'' بولنے کی سزا بھی بھگتتے۔ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس مرحلے پر مجھے کیا کرنا چاہئے؟

مونٹینا آگے بڑھی۔ اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔ اتنے دنوں میں پہلی دفعہ میں نے اس کی آواز سنی۔ اس نے طاہر سے کہا۔ ''میں تمہیں مقابلے کی دعوت دیتی ہوں۔''

طاہر کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ مونٹینا سے وہ بھی اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا لیکن میں بھلا اسے کیا جواب دیتا۔ میری اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ مسٹر الکانڈر کی بتائی ہوئی بات حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی تھی۔ سربیان واقعی بے حد مکار اور خطرناک تھا۔

طاہر کو خاموش کھڑے دیکھ کر سربیان پھر بولا۔ ''آگے بڑھو اجنبی۔ تھوڑی دیر پہلے تو تم بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے تھے۔ کیا اب تمہاری ہمت جواب دے گئی ہے؟ آگے بڑھو اور اپنی سچائی ثابت کرو۔''

طاہر نے بے بسی کے عالم میں ایک دفعہ پھر میری طرف دیکھا۔ میرے جسم کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا۔ میرے بدن میں برقی رو کی لہریں دوڑنے لگیں۔ میری خفیہ قوت متحرک ہو

رہی تھی۔ درپیش مسئلے کا حل مل گیا تھا۔

میں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں اسے اطمینان دلایا اور آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ تھوڑا سا ہچکچایا۔ میں نے کہا۔ ''گھبراؤ مت طاہر۔ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ پائے گی۔ آگے بڑھو اور مقابلہ کرو۔''

''لیکن ناصر صاحب..............''

''کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں رہا؟''

اس مرتبہ اس کے چہرے کی بدلی ہوئی رنگت معمول پر آ گئی۔ میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس نے مونٹینا کی طرف دیکھا۔ وہ پیچھے ہٹ گئی تھی اور میدان کے وسط میں تنی کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

طاہر حرکت میں آیا اور نپے تلے قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔ میرے بدن میں دوڑتی لہروں کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے اردگرد فضا میں غیر مرئی شعاعیں سی چکرانے لگی ہیں۔ شعاعیں آہستہ آہستہ گہری ہوئیں پھر ان کا رخ طاہر کی جانب ہو گیا۔ تیر کی طرح وہ اس کی سمت بڑھیں اور اس کے جسم میں داخل ہو گئیں۔

طاہر کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔ اس کی گردن تن گئی۔ اس کے انداز میں نمایاں تبدیلی آ گئی تھی۔ وہ چند قدم آگے بڑھا اور قدم جما کر کھڑا ہو گیا۔ ''آگے بڑھو چور لڑکی۔'' اس نے مونٹینا کو بہ آواز بلند للکارا۔ ''میں تمہیں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ آئندہ تم ہمارے قریب پھٹکنے کی جرأت نہیں کرو گی۔''

مونٹینا چونک گئی لیکن اس کے چونکنے سے پہلے میں سربیان کے چہرے کا بدلتا ہوا رنگ دیکھ چکا تھا۔ اس تغیر کی وجہ فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جو اسے شک میں مبتلا کرنے کا باعث بنتی لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے میری ذات سے طاہر کو منتقل ہونے والی توانائی کا علم ہو گیا ہو۔

جی ہاں! منتقل ہونے والی توانائی۔ جب میری قوت متحرک ہوئی تھی، تو اس وقت میرے کانوں میں لیشی کی آواز گونجی تھی۔ اسی نے مجھے طاہر کو آگے بڑھانے کا مشورہ دیا

تھا۔ اسی وقت میں سمجھ گیا تھا کہ میدان میں طاہر لڑے گا لیکن اس کے پس پردہ میری قوت کارفرما ہوگی۔ مقابلہ شروع ہونے سے پہلے میری قوت طاہر کے جسم میں جا داخل ہوئی تھی۔

مونٹینا تیزی سے آگے بڑھی اور طاہر پر جھپٹ پڑی۔ اس کے حملے میں چیتے کی سی پھرتی تھی۔ طاہر قدم جمائے اپنی جگہ کھڑا رہا۔ مونٹینا کے قریب آتے ہی اس کا ہاتھ چلا اور مونٹینا چکرا کر گھوم گئی۔ چٹاخ کی آواز گونج اٹھی۔ طاہر کا تھپڑ پوری قوت سے اس کے چہرے پر پڑا تھا۔

وہ غرا کر پلٹی اور ایک دفعہ پھر گھوم کر رہ گئی۔ دوسرا تھپڑ دوسرے گال پر پڑا تھا۔

مونٹینا اندر ہی اندر بلبلا کر رہ گئی ہوگی۔ دو ہی تھپڑوں میں اس کے چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس مرتبہ اس نے فوری حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ طاہر نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ ''عورتوں پر ہاتھ اٹھا کر مجھے کبھی خوشی نہیں ہوتی۔ لیکن جو اپنی اوقات بھول جائیں انہیں سبق سکھانا میرا فرض ہے۔ ایک دفعہ پھر حملہ کرو۔ دل کے سارے ارمان نکال لو، کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ آؤ، آگے بڑھو۔''

مونٹینا ایک قدم پیچھے ہٹی، پھر وہ اچھلی اور ہوا میں اڑتی ہوئی طاہر کی طرف آئی۔ اس نے فلائنگ کک مارنا چاہی تھی لیکن طاہر نے ہوا میں ہی اس کی ضرب لگانے کو تیار ٹانگ قابو میں کر کے جھٹکا مارا۔ مونٹینا کا جسم پوری رفتار سے زمین سے ٹکرایا۔ پختہ فرش ہوتا تو اس کا کچومر نکل گیا ہوتا لیکن ابھی بھی کچھ کم چوٹ نہیں آئی تھی اسے۔ طاہر نے اس کی ٹانگ کو قابو میں رکھے ہوئے گھومنا شروع کر دیا۔ مونٹینا اس کے ساتھ ساتھ گھومنے لگی۔ طاہر اسے یوں گھما رہا تھا جیسے ہیمر تھرو کے مقابلے میں حصہ لینے والے اتھلیٹ ہیمر کو پھینکنے سے پہلے گھماتے ہیں۔ اس کے گھومنے کی رفتار میں تیزی آتی گئی۔ مونٹینا پھرکی کی طرح گھوم رہی تھی۔ کھوپڑی کے اندر اس کا دماغ بھی گھوم رہا ہوگا۔

اگر طاہر چند چکر دے کر اسے چھوڑ دیتا تو وہ اڑتی ہوئی جاتی اور کسی بڑے سے ٹکرا کر اس کا پٹڑا کر دیتی۔ لیکن طاہر اس کھیل کو جلد سے جلد ختم کرنے کے موڈ میں تھا۔ آٹھ دس چکر کھا کر وہ رکا، اس نے مونٹینا کا بالائی دھڑ زمین پر ٹکایا اور اس کی قابو آئی ہوئی

ٹانگ کو لیگ لاک لگا دیا۔ اس کا شکنجہ مضبوط ہوا تو مونٹینا کے حلق سے کراہیں نکلنے لگیں۔ تکلیف کی شدت سے اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ ساری زندگی دوسروں کو نیچا دکھاتی چلی آنے والی اس لڑکی نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ کبھی اس کا واسطہ سوا سیر سے پڑ جائے گا۔

''بول سچ کیا ہے، ورنہ تیری ٹانگ توڑ دوں گا۔'' طاہر دھاڑا۔ یہ بات اس نے سواحلی زبان میں ہی کہی تھی اور میں نے اندازے سے اپنے لئے اس کا ترجمہ کیا تھا۔ مقابلے کے دوران میں کن اکھیوں سے سربیان کو دیکھتا رہا تھا۔ مقابلہ شروع ہونے سے پہلے اس کے چہرے پر جو تغیر آیا تھا، اب وہ غائب ہو چکا تھا۔ اب شدید جھنجھلاہٹ اور پریشانی کا شکار نظر آ رہا تھا۔ میں اس کی طرف سے پوری طرح چوکنا تھا۔ اس کی طرف سے کسی طرح کا ''فاؤل پلے'' خارج از امکان نہیں تھا۔

''بول!'' طاہر پھر دھاڑا۔

''ہوشیار، ناصر۔'' لیشی کی آواز میرے کانوں میں گونجی اور اسی وقت مٹیالے رنگ کا غبار طاہر اور مونٹینا پر چھانے لگا۔ اس مرتبہ یہ غبار پہلے سے کہیں زیادہ گہرا تھا۔ زوالا اور فولاس کی طرف سے ایک دفعہ پھر کارروائی ہوئی تھی۔ حیران ہونے اور یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا کہ اس مقابلے میں ان دونوں کو دخل دینے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ یہ وقت فوری ردعمل کا تھا۔

میں نے دانت پر دانت جما کر اس غبار پر نگاہیں مرکوز کر دیں۔ میری آنکھوں سے سنہری رنگ کی شعاعیں پھوٹیں اور غبار سے ٹکرائیں۔ غبار پر کوئی اثر نہ ہوا لیکن میں نے کارروائی جاری رکھی۔ میری آنکھوں سے پھوٹنے والی شعاعیں غبار سے یوں ٹکرا رہی تھیں جیسے دیوار پر پانی کی دھار پڑ رہی ہو۔

مونٹینا نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے اور اٹھنے لگی۔ اس کے حلق سے جنگلی بلی کی سی غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ دوسری طرف طاہر کی گرفت میں کمزوری پیدا ہوتی نظر آ رہی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ اس کمزوری کو ابھی تک صرف میں نے ہی محسوس کیا تھا۔ مونٹینا بتدریج اٹھتی چلی آ رہی تھی۔

بازوؤں کے بل سیدھی ہو کر اس نے آزاد ٹانگ چلائی۔ ضرب طاہر کے سینے پر

پڑی تھی۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ مونٹینا نے اپنی مقید ٹانگ کو جھٹکا دیا۔ اس کی کوشش تقریباً کامیاب ہوگئی۔ اس کی ٹانگ طاہر کی گرفت سے پھسل ہی چلی تھی۔

اور اسی وقت غبار کا رنگ بدلنے لگا۔ میری کوشش رنگ لا رہی تھی۔ غبار کی رنگت پھیکی پڑ رہی تھی۔ اس کی دبازت میں کمی آ رہی تھی۔

طاہر نے سنبھل کر دوبارہ گرفت قائم کی اور ایک جھٹکا دیا۔ مونٹینا تڑپ کر رہ گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ پھر پھسل گئے اور وہ منہ کے بل فرشِ خاک پر اوندھی ہوگئی۔

غبار کی رنگت بالکل موہوم سی ہو چکی تھی۔ ہوتے ہوتے وہ غائب ہوگیا۔

مونٹینا کی ہمت ایک دم جواب دے گئی۔ وہ بری طرح کراہنے لگی۔

”فکر مت کر۔ اس کے بعد دوسری ٹانگ کی باری بھی آئے گی۔“ طاہر نے کہا۔ ”تب بھی تیری زبان نہ کھلی تو تیرے جسم کی بہت سی ہڈیاں باقی ہیں۔“

غبار کے غائب ہوتے ہی مونٹینا کی ہمت کا یوں جواب دے جانا میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ زوالا اور فولاس نے دخل اندازی کر کے طاہر کو کمزور کرنے اور مونٹینا کو قوت بخشنے کا عمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ درپردہ مونٹینا کی امداد کر رہے تھے لیکن طاہر کی مدد کرنے کو میں بھی سر پر کھڑا تھا اور اسی پر بس نہیں، میری پشت پناہی کرنے کو لیشی بھی موجود تھی۔ ان کی کوشش ناکام ہوگئی تھی۔

آخر مونٹینا زور زور سے زمین پر ہاتھ مارنے اور چلانے لگی۔ سربیان نے غصے سے سر جھٹک کر پیر زمین پر مارا اور تیزی سے چلتا ہوا ایک طرف غائب ہوگیا۔ قبیلے کے بڑوں کے سر جھک گئے تھے۔

طاہر نے مونٹینا کی ٹانگ چھوڑ دی۔ اس کا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا، سانس پھولی ہوئی تھی لیکن وہ مسکرا رہا تھا۔ ”مبارک ہو ناصر صاحب۔“ اس نے کہا۔ ”ہم جیت گئے۔ مونٹینا نے ہار بھی مان لی ہے اور چوری کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔“

میں بھی مسکرا دیا۔ کم از کم پہلے مرحلے میں تو ہم کامیاب ہو گئے تھے۔

مونٹینا منہ چھپائے زمین پر پڑی تھی۔ زندگی میں شاید پہلی مرتبہ اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا، نہ صرف یہ بلکہ پورے قبیلے کے سامنے ایک جرم قبول کرنے کی ذلت

بھی اٹھانا پڑی تھی۔ اسے منہ چھپانا ہی چاہئے تھا۔

شوارب اٹھا اور مرے مرے قدموں سے چلتا ہماری طرف آیا۔ قریب پہنچ کر اس نے کہا۔ ”تم لوگوں نے اپنی سچائی ثابت کر دی ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ایک کالی بھیڑ کی وجہ سے ہمارے قبیلے کی صدیوں پرانی روایات داغدار ہوئیں، ہم تم سے معذرت خواہ بھی ہیں اور یقین رکھو کہ تمہاری چیز تمہیں واپس مل جائے گی۔“

ایک بوڑھا آگے بڑھا کر اوندھے منہ پڑی مونٹینا کے لباس کی تلاش لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سیدھے ہو کر کہا۔ ”وہ ٹکڑا اس کے پاس نہیں ہے۔“

”اس کے لباس میں نہیں تو اس کے گھر پر ہوگا۔“ شوارب نے کہا پھر اردگرد کھڑے ہرکاروں سے مخاطب ہوا۔ ”جاؤ، وہاں جا کر تلاش کرو۔“

وہ لوگ حکم سن کر تیزی سے روانہ ہو گئے۔ اسی وقت مجھے سربیان کا خیال آیا۔ وہ مقابلہ ختم ہوتے ہی وہاں سے چلا گیا تھا۔ خزانے کے نقشے میں اس کی دلچسپی کا احوال میں اچھی طرح جانتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ ٹکڑا اسی کے پاس ہو۔

”معزز شوارب!“ میں نے کہا۔ ”اگر آپ برا نہ منائیں تو میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔“

”ہم برا منانے کے قابل ہی کہاں رہے ہیں، اجنبی!“ اس نے پژمردگی سے کہا۔ ”اس لڑکی کی کرتوت نے ہمیں تمہارے سامنے شرمندہ کر کے رکھ دیا ہے۔“

”پھر بھی، بات کچھ ایسی ہے۔“ میں نے کہا۔ ”آپ کو ٹھنڈے دل سے سننا ہوگی۔“

”کہو۔“

”ہماری معلومات کے مطابق مونٹینا نے وہ نقشہ محض اپنی صوابدید پر نہیں چرایا تھا۔ اس میں کسی اور کی شہ بھی شامل تھی۔“

”کسی اور کی شہ؟“

”جی ہاں۔“

”کیا وہ بھی ہمارے قبیلے کا کوئی فرد ہے؟“

"مجھے افسوس ہے کہ ایسا ہی ہے۔"

شوارب نے اپنا سر پیٹ لیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر بولا۔ "او نیلے آسمان، آج کے دن اور کتنی رسوائیاں ہمارے نصیب میں لکھ رکھی ہیں۔" پھر وہ میری طرف متوجہ ہوا۔

"کیا نام ہے اس کا؟"

"آپ کا روحانی پیشوا، سربیان۔"

بوڑھے کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی۔ اس کا چہرہ ایک پل کو متغیر ہوا پھر معمول پر آ گیا۔ "دیوتاؤں کا شکر ہے۔"

مجھے تعجب ہوا۔ میرا خیال تھا کہ میری بات سن کر وہ میرا گریبان پکڑ لے گا لیکن اس کے بجائے وہ اپنے دیوتاؤں کا شکر ادا کر رہا تھا۔

"اگر دوسرا مرتکب بھی میرے ہی قبیلے کا کوئی آدمی نکلتا تو شاید میں شرم سے مر جاتا۔" شوارب نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن شکر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے استعجابیہ لہجے میں کہا۔

"سربیان ہمارے قبیلے کا فرد نہیں ہے۔" شوارب نے کہا۔

"کیا؟" مجھے مزید حیرت ہوئی۔ "لیکن وہ تو آپ کا روحانی پیشوا ہے۔"

"ہاں، لیکن اس کا تعلق ہمارے قبیلے سے نہیں ہے۔ وہ چند سال پہلے ہمارے قبیلے میں آیا تھا۔ اس کے آنے سے ایک روز پہلے ہی ہمارے روحانی پیشوا کی موت ہوئی تھی۔ سربیان نے آ کر کہا کہ دیوتاؤں نے اسے پیشوا کی جانشینی کے لئے بھیجا ہے۔ پہلے ہم نے اس کا دعویٰ ماننے سے انکار کر دیا لیکن بعد میں اس نے کچھ ایسے عمل کر کے دکھائے کہ ہمیں اس کی بات تسلیم کرتے ہی بنی۔ بہرحال، قبیلے کے لوگ آج بھی اسے خود سے اتنا قریب تصور نہیں کرتے جتنا کہ پرانے پیشوا کو کرتے تھے۔ مونٹینا پر اس کی خصوصی شفقت تھی۔ دیکھو، آج اس کا نتیجہ کیا نکلا؟"

تو سربیان مونٹی قبیلے کا فرد نہیں تھا۔ بہرحال یہ میرا مسئلہ نہ تھا۔ میں نے کہا۔ "خیر جو کچھ بھی ہو۔ میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ چونکہ وہ نقشہ سربیان کے ایماء پر ہی چرایا گیا تھا، اس لئے ممکن ہے کہ وہ مونٹینا کی رہائش گاہ سے نکلنے کے بجائے سربیان کے قبضے سے برآمد

ہو۔"

"اوہ، اچھا۔" شوارب نے کہا۔ "تم فکر نہ کرو۔ اگر وہ نقشہ مونٹینا کے گھر سے برآمد نہیں ہوتا تو ہم سربیان کے مقام کا لحاظ نہ کرتے ہوئے اس سے بھی جواب طلبی کریں گے۔"

"آپ کو زحمت دے کر مجھے خوشی نہیں ہو رہی لیکن کیا کیا جائے، ہماری بھی مجبوری ہے۔" میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"تمہیں ایسا لہجہ اپنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب قصوروار ہمارے قبیلے سے متعلق ہے تو ہم اس کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے ہچکچائیں گے نہیں۔"

اس کے بھیجے ہوئے ہرکارے تھوڑی دیر میں واپس آ گئے تھے۔ میری توقع کے مطابق نقشہ مونٹینا کے گھر سے برآمد نہیں ہوا تھا۔

"اس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے۔" شوارب نے کہا۔ "تمہارا نقشہ سربیان کے قبضے میں ہے۔"

"تو پھر آپ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"وہی جو تمہیں پہلے بتایا جا چکا ہے۔" اس نے کہا۔ "لیکن سربیان پر اس طرح ہاتھ نہیں ڈالا جائے گا۔ اس جرم میں اس کی شمولیت ثابت ہونے سے اس کا روحانی پیشوا ہونے کا مرتبہ تو خود بخود ختم ہو گیا لیکن پھر بھی عام ہرکارے اس سے بات نہیں کر سکتے۔ اس سے مجھے خود بات کرنا ہوگی۔" وہ اپنے ہرکاروں سے مخاطب ہوا۔ "سربیان، جہاں کہیں بھی ہو، اسے ڈھونڈ کر لاؤ۔ فوراً۔"

"معزز شوارب!" میں نے کہا۔ "ہرکاروں کو روانہ کرنے سے پہلے میری ایک بات سن لیجئے۔"

"کہو۔"

"سربیان یہاں سے مونٹینا کی شکست اور جرم کے اعتراف کا منظر دیکھ کر گیا ہے۔ اسے معلوم ہوگا کہ مونٹینا سے نقشہ نہ برآمد ہونے کی صورت میں آپ کا رخ اسی کی سمت ہوگا۔ کیا ایسے میں توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی رہائش گاہ میں بیٹھ رہا ہوگا؟"

”تمہارا مطلب ہے کہ وہ فرار ہو گیا ہو گا؟“

”جی ہاں۔“

”کہنے کو تم ٹھیک ہو لیکن کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟“ اس نے ہرکاروں کو جانے کا اشارہ کیا۔

دوپہر ہونے والی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق ڈبل باس اپنے ساتھیوں سمیت دریا کے کنارے پہنچنے والے تھے۔ میں نے طاہر سے کہا۔ ”طاہر، ڈبل باس دریا کے دوسرے کنارے پہنچنے والے ہوں گے۔ کرسٹوفر اور میک مین کو ابھی تک ہماری طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ بہتر ہوگا کہ تم وہاں پہنچ جاؤ اور ڈبل باس کے پہنچنے پر انہیں اپنے ساتھ لے کر یہاں آ جاؤ۔ میں تب تک یہیں ٹھہرتا ہوں۔“

”جی بہتر۔“ اس نے کہا۔

”جانے سے پہلے سردار شوارب کو بتا دینا کہ تم کہاں اور کس مقصد کے لئے جا رہے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے ساتھ اتنے سارے آدمیوں کو دیکھ کر وہ غیر ضروری طور پر گھبرا جائے۔“ میں نے ہدایت کی۔

اس نے سر کو تفہیمی جنبش دی اور روانہ ہو گیا۔

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

شوارب کے بھیجے ہوئے آدمی تقریباً ایک گھنٹے کے بعد منہ لٹکائے ہوئے لوٹ آئے تھے۔ ان کا جواب ان کے چہروں سے عیاں تھا۔ ہر جگہ تلاش کرنے کے باوجود سربیان کہیں نہیں ملا تھا۔ ان کی بات سن کر شوارب کے چہرے پر سنگینی ابھر آئی۔ ترجمانی کے فرائض انجام دینے والا طاہر وہاں موجود نہیں تھا، ورنہ وہ اس سلسلے میں ضرور مجھ سے مزید کچھ گفتگو کرتا۔ میرے پاس انتظار کے علاوہ اور کوئی مصروفیت نہ تھی۔ قبیلے والوں کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ اچھی خاصی افراتفری مچی ہوئی تھی۔ لوگ تیزی سے ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے۔ میں نے ان کی حرکات و سکنات پر توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ توجہ دینے کا فائدہ بھی کیا تھا؟ ان کی مصروفیات کا یہ ادھورا سا حصہ کوئی واضح جواب دینے سے قاصر تھا۔ کسی سے کچھ پوچھ کر ہی اصل بات کا پتہ چل سکتا تھا اور طاہر کی عدم موجودگی

میں، میں کچھ پوچھنے سے معذور تھا۔

سہ پہر سے کچھ پہلے طاہر، ڈبل باس اور دیگر ساتھیوں سمیت نمودار ہوا۔ میں بستی کے اسی وسطی میدان میں بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر ڈبل باس کے چہرے کھل اٹھے۔ وہ تیزی سے میری طرف بڑھے۔

”ہمیں طاہر کی زبانی تمام حالات کا علم ہو گیا ہے۔“ انہوں نے کہا۔ ”آخر تم نے اس چھلاوے کو قابو کر ہی لیا۔“

”میں نے کہاں قابو کیا!“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”یہ تو سب طاہر کا کمال ہے۔“

”پھر وہی کسر نفسی!“

”کسر نفسی کا مظاہرہ میں نے نہیں طاہر نے کیا ہے۔ شاید اس نے آپ کو بتایا نہیں کہ دوبدو مقابلے میں مونٹینا کو شکست اسی نے دی تھی۔“

”کیا واقعی؟“ وہ سب حیرت سے طاہر کی طرف دیکھنے لگے۔

طاہر خاموش تھا۔ ظاہر ہے وہ اس بات کو جھٹلا نہیں سکتا تھا اور یہ بھی بتانے سے قاصر تھا کہ مونٹینا کو شکست دینے کی قوت اس میں کہاں سے آئی۔ بس کندھے اچکا کر رہ گیا۔ ہر طرف سے اس پر تعریف و تحسین کی بارش ہو رہی تھی۔

تحسین کا طوفان تھما تو ڈبل باس نے پوچھا۔ ”اب کیا صورت حال ہے؟“

”صورت حال یہ ہے کہ نقشہ مونٹینا کے قبضے سے برآمد نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ سربیان کے قبضے میں ہے، اور سربیان غائب ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ ابھی ہمارا مقصد پورا نہیں ہوا۔“

”نہیں ہوا تو ہو جائے گا۔ سربیان بھاگ کر جائے گا کہاں۔ کہیں نہ کہیں تو قابو آ ہی جائے گا۔“ پھر میں طاہر سے مخاطب ہوا۔ ”تم ذرا سردار شوارب سے مل کر تازہ ترین صورت حال تو معلوم کر لو۔“

طاہر سر ہلاتا ہوا سردار شوارب کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ متعلقہ باتیں پوچھ کر واپس آیا اور ہمیں بتانے لگا۔

مونٹینا کو قید کر دیا گیا تھا۔ اس کے باپ نے اس کے ہر قول وفعل سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کی قسمت کا فیصلہ اب بڑوں کی عدالت میں کیا جانا تھا جو دو روز بعد منعقد ہونا تھی۔ سربیان کی تلاش جاری تھی اور امید ظاہر کی جا رہی تھی کہ جلد یا بدیر وہ پکڑا جائے گا۔ ہمارے لئے پیشکش تھی کہ جب تک سربیان پکڑا نہ جائے، قبیلے کے مہمان بن کر یہیں رہیں۔

''تو پھر کیا ارادہ ہے؟'' میں نے پیشکش سن کر ڈبل باس سے پوچھا۔

''ارادہ کچھ خاص نہیں۔'' انہوں نے جواب دیا۔ ''یہاں سے دو آدمیوں کو واپس بھیجا جائے گا تاکہ وہ جا کر بیس کیمپ سے لڑکیوں اور ان کی نگرانی کرنے والے مردوں کو لے آئیں۔ انہیں تین دن بعد واپسی کی ہدایت تھی اور ہمیں یہاں نہ جانے کتنے دن اور لگ جائیں۔ ظاہر ہے سربیان ہاتھ آئے گا، اس سے نقشہ حاصل کیا جائے گا، پھر ہی آگے بڑھنے کی کوئی صورت ہوگی۔''

''لڑکیوں کی نگرانی پر کسے چھوڑا گیا تھا؟''

''مسٹر الکانڈر اور ان کے ساتھ تین آدمی اور تھے۔''

''ٹھیک ہے۔ تو پھر کل صبح دو آدمیوں کو روانہ کر دیجئے۔''

''نہیں۔ ان آدمیوں کو ابھی روانہ کیا جائے گا۔ رات ہونے تک وہ وہاں پہنچ جائیں گے اور صبح ان لوگوں کو لے کر دوپہر تک یہاں پہنچ جائیں گے۔''

''لیکن آپ لوگ پہلے ہی سفر کر کے آئے ہیں اور یقیناً تھکے ہوئے ہوں گے۔ پھر اس طرح دوبارہ الٹے قدموں کسی کو واپس بھیج دینا زیادتی ہوگی۔''

''زیادتی نہیں ہوگی۔'' میک مین نے کہا۔ ''میں اور کرسٹوفر کل سے یہاں موجود ہیں۔ ہم نے مکمل آرام کیا ہے اور تازہ دم ہیں۔ واپس جا کر ان لوگوں کو لانے کا کام ہم کریں گے۔''

''ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔'' ڈبل باس نے کہا۔ ''تو پھر تم لوگ ابھی روانہ ہو جاؤ تاکہ رات ہونے سے پہلے پہلے وہاں پہنچ سکو۔''

''جو حکم۔'' میک مین نے کہا اور کرسٹوفر کی طرف متوجہ ہوا۔ ''چلیں دوست؟''

''ہاں چلو۔'' کرسٹوفر نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بستی سے باہر نکلنے والے راستے کی جانب جا رہے تھے۔

❁ ››› ❁ ››› ❁

ہم لوگوں کے لئے ایک بڑا سا مکان خالی کر دیا گیا تھا اور ضرورت کی ہر چیز بستر، اشیائے خورد ونوش وغیرہ فراہم کر دی گئی تھیں۔ شام تک ہم لوگ ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ ڈبل باس میری اور طاہر کی کارکردگی سے بہت خوش تھے۔ ہم نے ان کے اندازوں سے بڑھ کر کامیابی حاصل کی تھی۔

''اس وقت ہمارے ساتھیوں کی اکثریت یہاں موجود ہے۔'' ڈبل باس نے کہا۔ ''ہمارا خیال ہے ووٹ لے لیا جائے۔ ہماری سوچ کے مطابق اپنی کارکردگی کی بناء پر طاہر اور مسٹر گادا خزانے میں دوسرے ساتھیوں سے زیادہ حصے کے حقدار ہیں۔ جو کام انہوں نے کر دکھایا وہ ہم میں سے کوئی نہ کر سکا تھا۔''

سب ساتھیوں نے تالیاں بجا کر اور ہاتھ اٹھا کر ان کی تائید کی۔ ڈبل باس نے کہا۔ ''اور آپ لوگوں کا اتفاق رائے دیکھ کر ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہمارے دوسرے ساتھیوں کو بھی اس فیصلے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

میں مسکرا کر چپ ہو رہا۔ اب میں انہیں کیا بتاتا کہ جس خزانے کے پیچھے آپ لوگ گھوم رہے ہیں، میری نگاہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میرا مقصد تو کچھ اور ہے اور میں کسی خزانے کے چکر میں اس راہ سے ہٹنے والا نہیں۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ جب تک ان لوگوں کا ساتھ رہے گا، ٹھیک ہے لیکن آگے چل کر اگر زوالا اور فولاس کے تعاقب کے سلسلے میں مجھے ان سے علیحدہ ہونا پڑا تو میں ذرہ برابر توقف نہ کروں گا۔

پھر سربیان کے متعلق قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ وہ اس وقت کہاں ہوگا؟ اسی علاقے میں موجود ہوگا یا اس نے یہاں سے دور نکلنے کی کوشش کی ہوگی؟ ڈبل باس نے مجھ سے پوچھا۔ ''مسٹر گادا، آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟''

''میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے سربیان سے اتنی اچھی طرح واقف ہونے کا موقع نہیں ملا کہ اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کر

سکوں۔"

"آپ درست کہہ رہے ہیں۔" فالکن نے کہا۔ "معقولیت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم بھی خواہ مخواہ کی قیاس آرائیوں سے گریز کریں۔ بہر حال یہ تو طے ہے کہ اس کے ہاتھ آئے بغیر ہمارا آگے بڑھنا ناممکن ہے۔"

"اس کا آگے بڑھنا بھی ناممکن ہے۔" میں نے کہا۔ "خزانے کا آدھا نقشہ لے کر وہ کیا اس کا اچار ڈالے گا؟"

میری بات پر سب مسکرا دیئے۔ طاہر نے کہا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہم سے زیادہ دور نہیں ہوگا۔"

"بالکل!" میں نے تصدیق کی۔ "پہلے اس نے مونٹینا کو آلہ کار بنا رکھا تھا، اب وہ خود ہمارے مقابلے پر آئے گا۔ اب ہمیں پہلے سے زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ وہ شخص نہ صرف مکار ہے بلکہ مخفی قوتوں کا مالک بھی ہے۔"

"آپ کے ہوتے ہوئے ہمیں کوئی فکر نہیں۔" فالکن نے کہا۔ "مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے ہمیں اس مہم میں کامیابی دلانے کے لئے خدا نے خصوصی طور پر آپ کو بھیجا ہو۔ جن مشکلات سے آپ نے ہمیں نکالا ہے، میں سوچتا ہوں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ہم ان سے ہی گھبرا کر واپس پلٹ گئے ہوتے۔"

میں اس کی بات کا کوئی جواب دینے والا تھا کہ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ میں طاہر کو اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟" ڈبل باس نے پوچھا۔

"ایک بالکل سامنے کی بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔" میں نے کہا۔ "میں اسی کو چیک کرنے جا رہا ہوں۔"

"کون سی بات؟"

"مونٹینا سربیان کی دست راست تھی۔ سربیان کہاں جا سکتا ہے، اور کہاں چھپ سکتا ہے، اس کے متعلق اس سے بہتر اور کوئی نہیں جانتا ہوگا۔ میں اس سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں۔ طاہر کے ذریعے اس سے گفتگو کر کے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں

گا۔"

"ویری گڈ!" فالکن نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "دیکھا باس، یہ آئیڈیا بھی مسٹر گادا کے ذہن میں ہی آیا۔"

"آتا کیوں نہیں۔" ڈبل باس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے ایسے آئیڈیاز کے لئے اپنے ذہن میں خاص مقناطیس فٹ کرا رکھا ہے۔"

اس بات پر ایک زبردست قہقہہ پڑا۔ ان لوگوں کو ہنستا چھوڑ کر ہم باہر نکل آئے۔

❁ ››› ❁ ››› ❁

مونٹی قبیلے کی اس آبادی میں کوئی باقاعدہ قید خانہ نہیں تھا۔ مونٹینا کو اس کے گھر میں ہی قید کیا گیا تھا۔ چونکہ قبیلے والے اس کی حیران کن جسمانی صلاحیتوں کو جانتے تھے، اس لئے انہوں نے بھرپور انتظامات کئے تھے۔ مونٹینا کسی بھی صورت یہاں سے فرار نہیں ہو سکتی تھی۔

اندر داخل ہونے میں ہمیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ ہم مہمان ہی نہیں، مونٹینا کے مقدمے میں فریق استغاثہ بھی تھے۔ پہریداروں نے ہمیں دیکھ کر راستہ چھوڑ دیا تھا۔

مونٹینا مکان کے وسطی کمرے میں اپنے مخصوص انداز میں بیٹھی تھی۔ گھٹنوں میں سر دیئے اور دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد لپیٹے۔ میں نے اسے آواز دی۔ "مونٹینا!"

اس کے جسم میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ میں نے پھر آواز دی۔ کوئی جواب نہ ملا۔

"مونٹینا!" اس مرتبہ میں نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

اس کا جسم دھیرے دھیرے حرکت میں آیا۔ ہاتھ کھلے، سر گھٹنوں سے باہر نکلا اور اس نے میری طرف دیکھا۔

"تم!" اس نے کہا۔ "تم اب کیا لینے آئے ہو؟"

"مجھے اب تم سے کیا غرض ہو سکتی ہے!" میں نے کہا۔ "بس تم سے چند باتیں کرنے کے لئے آیا ہوں۔"

"اب کون سی بات رہ گئی ہے کرنے کے لئے؟" اس نے کہا۔ "جو تم چاہتے تھے ہو گیا۔ اب دو روز بعد عدالت میں میری قسمت کا فیصلہ بھی سنا دیا جائے گا۔"

اس موقع پر نہایت احتیاط کی ضرورت تھی۔ وہ زخم خوردہ بیٹھی تھی۔ میری ذرا سی ترغیب پر بھڑک اٹھتی۔ پھر اس کے منہ سے کچھ نکلوانا ممکن نہ رہتا۔ بہتر یہی تھا کہ میں اسے احساس دلاتا کہ میری اس سے کوئی دشمنی نہیں اور میں اس کا بھلا چاہتا ہوں۔

چنانچہ میں نے کہا۔ ''تمہاری قسمت کا فیصلہ تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے، مونٹینا۔ تم چاہو تو سزا چن سکتی ہو اور چاہو تو رہائی بھی پا سکتی ہو۔''

''تمہاری فضول باتوں کے لئے میرے پاس نہ وقت ہے نہ دماغ۔'' اس نے کہا۔ ''مجھے اس حال تک پہنچا کر اب ہمدردی جتانے چلے آئے ہو۔''

''تمہیں اس حال میں دیکھنا میرا مقصد نہیں تھا مونٹینا۔'' میں نے کہا۔ ''اور اگر تم یہاں تک پہنچی بھی ہو تو اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔''

''تو پھر کس پر ہوتی ہے؟ کیا مجھ پر؟''

''تمہیں بھی مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ تم تو محض کسی کے اشاروں پر چل رہی تھیں۔ اس نے تمہاری ذا سے اپنا مفاد نکالا اور پھر تمہیں پھنسا چھوڑ کر خود غائب ہو گیا۔''

پہلی دفعہ مونٹینا کے چہرے پر کوئی تبدیلی نظر آئی۔

میں نے بولنا جاری رکھا۔ ''ہاں، مونٹینا۔ تم خود ہی سوچو۔ میری تم سے کوئی ذاتی پرخاش تو نہ تھی، اور نہ ہی ان لوگوں نے تمہارا کچھ بگاڑا تھا۔ تم نے انہیں دق کئے رکھا، ان کے پاس سے اس نقشے کا آدھا حصہ چرا کر لے گئیں، اور مونٹی قبیلے کی تاریخ کی پہلی چور بنیں، ان سب کاموں پر تمہیں کس نے اکسایا تھا؟ کس نے تمہیں سبز باغ دکھائے تھے؟ اس نے جسے تم اپنا استاد اپنا گرو سمجھتی رہیں، جس کے نام کی تم مالا جپتی رہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے تمہیں آلہ کار بنا کر استعمال کیا۔ ہر خطرے میں تمہیں آگے کیا اور جب تم اس کے لئے بیکار ہو گئیں تو تمہیں چھوڑ کر خود یوں غائب ہو گیا۔ میری نگاہ میں اصل قصوروار تم نہیں وہ ہے۔ تمہارے بجائے میں اسے اس قید خانے میں دیکھنا پسند کروں گا۔''

مونٹینا کے ہونٹ تھرتھرائے۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے کہا۔ ''لیکن

اب.......... اب کیا ہو سکتا ہے؟ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب اسے واپس لوٹانا ممکن نہیں۔''

''ممکن ہے مونٹینا، ممکن ہے۔'' میں نے بے چین سے لہجے میں کہا۔ ''تم چاہو تو اب بھی ایسا ہو سکتا ہے۔''

''میں.......... میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہو سکتا ہے؟''

''یہی تو تم سمجھتی نہیں۔ دیکھو تم نے اس کے ساتھ ایک عرصہ گزارا ہے۔ تم اس کی ہر عادت، ہر رنگ سے واقف ہو۔ تمہیں اس کی زندگی کے ان گوشوں کا علم ہو گا جن کے متعلق اور کوئی نہیں جانتا۔ صرف تمہی ہمیں بتا سکتی ہو کہ اس وقت وہ پناہ لینے کے لئے کن جگہوں کا انتخاب کر سکتا ہے۔''

مونٹینا کچھ دیر میری شکل دیکھتی رہی پھر ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔ ''اوہ...... اب سمجھی۔ تم مجھ سے اس کا پتہ ٹھکانہ معلوم کرنا چاہتے ہو۔''

''ہاں۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔

''تاکہ تم اس سے نقشے کا وہ ٹکڑا حاصل کر سکو۔''

''یہ بھی درست ہے۔''

''تم بھی اس کی طرح مجھے اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہو۔''

''تم چاہو تو یہ سوچ سکتی ہو۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن ٹھنڈے دل سے میری بات پر غور کرو۔ اس نے تمہیں اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا، بدلے میں تمہیں کیا ملا؟ یہ قید، یہ رسوائی۔ اگر مجھ پر بھی تم یہی الزام لگانا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے لیکن یہ بھی دیکھو کہ بدلے میں تمہیں کیا مل رہا ہے۔ میں تمہیں اس قید خانے سے رہائی دلاؤں گا۔ تمہارے قبیلے والوں کو بتاؤں گا کہ اصل قصوروار کون ہے۔ تمہارے نام پر لگا بدنامی کا یہ دھبہ دھل جائے گا۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ چاہو تو خاموش رہو اور یہ ذلت سہتی رہو۔ چاہو تو زبان کھول دو اور اپنے ساتھ ساتھ اور بہت سوں کی مشکل آسان کر دو۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ خاموشی سے میری شکل دیکھتی رہی۔ میں اس کی باطنی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ سربیان کو ایک عرصے تک محترم سمجھتی رہی تھی، اسے اپنا گرو مانتی رہی تھی۔ ایک دم اس کے خلاف جانا اس کے لئے دشوار تھا۔ میں نے لوہے کو دہکتی انگیٹھی

پر رکھ دیا تھا۔ اسے اپنی سہولت کے مطابق نرم کرنے کے لئے کچھ وقت درکار تھا۔

"تمہارے پاس کل صبح تک کا وقت ہے۔" میں نے کہا۔ "اچھی طرح سوچ لو۔ میں کل صبح پھر آؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ تم جو فیصلہ کرو گی، اپنی بہتری اور بہبود کو مدنظر رکھ کر کرو گی۔"

اتنا کہہ کر میں طاہر کو ساتھ لئے باہر نکل آیا۔ میں نے اسے وقت دے دیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ صبح تک لوہا اتنا گرم ہو چکا ہوگا کہ میں اس پر ضرب لگا سکوں۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ میں نے کانٹا ڈال دیا تھا اور اب مچھلی کے چارے پر منہ مارنے کا انتظار کر رہا تھا۔

❁ ‹‹‹ ❁ ‹‹‹ ❁

اس رات مجھے نیند نہ آئی۔

اور نہ ہی میں نے سونے کی، آرام کرنے کی کوئی ضرورت محسوس کی۔ وہی موہوم سا احساس، جس نے مونٹی قبیلے کی حدود میں شامل درختوں کے ذخیرے سے گزرتے ہوئے مجھے مونٹینا کے حملے کے بارے میں خبردار کیا تھا، رہ رہ کر چبھ رہا تھا۔ کچھ نہ کچھ ہونے والا تھا۔

میرے جسم کا ایک ایک عضو ستار کے تاروں کی طرح کسا ہوا تھا لیکن اعصاب بالکل پرسکون تھے۔ اعصابی کشیدگی اس وقت ہوتی ہے جب انسان اپنے دشمن سے ناواقف ہو یا اس کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔ میں اپنے دشمن سے مقابلہ کرنے کی اہلیت بھی رکھتا اور ان سے واقف تھا۔ زوالا اور فولاس! یہ نام مجھے بھولے نہیں تھے۔ ابھی تک وہ میرے سامنے نہیں آئے تھے۔ بوڑھے شی وش نے بتایا تھا کہ یہ دونوں ذی آنا کے پراسرار ترین کردار ہیں۔ جن کا نام بچے بچے کی زبان پر ہے، لیکن جنہیں کسی نے آج تک دیکھا نہیں۔

جب سے میں نے مونٹی قبیلے کی طرف پیش قدمی شروع کی تھی، وہ مجھ پر کئی حملے کر چکے تھے۔ کبھی بھیلیے، کبھی پانی میں دوڑتے کرنٹ اور کبھی نہ جلنے والی لکڑیوں کی صورت میں ان کے وار مجھ پر ہوئے تھے۔ لیکن ان کا آخری حملہ سب سے زیادہ شدید تھا۔ اس

سے پہلے ان کے کسی حربے کو ناکام بنانے میں مجھے زیادہ دیر نہیں لگی تھی لیکن طاہر اور مونٹینا کے مقابلے کے دوران ان پر چھانے والا مٹیالا غبار بہت گہرا تھا اور اسے ختم کرنے میں مجھے کافی دیر لگ گئی تھی۔ کچھ دیر اور لگتی تو شاید مونٹینا طاہر کے شکنجے سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتی۔

اب ان کا اگلا حملہ کیسا ہوگا؟ اس کی نوعیت کیا ہوگی اور اس کی شدت کیا ہوگی؟ میں ان کی طرف سے اگلے حملے کا منتظر تھا۔

اسی وقت بستی کے کسی کونے سے وحشت ناک چیخوں کی صدائیں اچانک بلند ہوئی کہ میں ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے ساتھی گہری نیند میں کروٹ بدل کر رہ گئے تھے اور میں ایک ہی چھلانگ میں اپنی کمین گاہ سے باہر نکل آیا تھا۔

چیخوں کا سلسلہ جاری تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لئے رک کر ان کی سمت کا اندازہ کیا تو میرے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ چیخیں مونٹینا کے گھر کی سمت سے ابھر رہی تھیں۔ میں پوری جان سے اس سمت بھاگ کھڑا ہوا۔

قریب پہنچا تو ان بے ربط چیخوں اور آوازوں میں کچھ ربط پیدا ہوتا محسوس ہوا۔ ہاں............ یہ مونٹینا ہی کی آواز تھی۔ وہ چیخ چیخ کر مدد کے لئے پکار رہی تھی...... وقفے وقفے سے رحم کی التجائیں کر رہی تھی، گڑگڑا رہی تھی کہ اس کی جان بخش دی جائے۔

صورت حال ایک سیکنڈ میں میری سمجھ میں آ گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں گھر کے اندر تھا۔ پہریداروں کو مجھے روکنے کا تو کیا میری آمد پر حیران ہونے کا موقع بھی نہ ملا تھا۔

اور میں نے بھی یہ سوچنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ مونٹینا کے کمرے سے ایسی ساعت شکن چیخوں کی آواز سن کر بھی ان کے کانوں میں جوں کیوں نہیں رینگ رہی تھی۔ مونٹینا کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ میں رکے بغیر اسے ٹکرایا اور اس کے ٹکڑے اڑاتا ہوا اندر گھستا چلا گیا۔

اندر گھستے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں مٹیالے غبار کے سمندر میں کود گیا ہوں۔ پورا کمرہ اس غبار سے بھرا ہوا تھا اور اس کی دبازت اتنی زیادہ تھی کہ لمحے کے ہزارویں حصے

کے لئے میری آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ پھر میرے ہاتھ پیروں میں وہی سنسناہٹ جاگ
اٹھی اوراس مرتبہ اس کی شدت پہلے سے کہیں زیادہ تھی۔

غبار میرے لئے شفاف ہوگیا اور مجھے مونٹینا نظر آ گئی۔ اس کے حلق سے
خرخراہٹیں نکل رہی تھیں۔ اس کا گلا بری طرح بھنچا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی
غیبی ہاتھ اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ اور پھر وہ غیبی ہاتھ بھی مجھے نظر آ گیا۔ روشن لکیروں سے
بنا ہوا ہاتھ کا ایک خاکہ سا اس کی گردن دبا رہا تھا اور اس کی آنکھیں ابلتی آ رہی تھیں۔

میں نے جھپٹ کر اس خاکے پر ہاتھ ڈال دیا۔ میرا مقصد تھا کہ اسے دبوچ کر
ایک جھٹکے سے مونٹینا کی گردن سے علیحدہ کردوں کیونکہ نظر آ رہا تھا کہ اگر تھوڑی دیر مزید
گزری تو وہ دنیا سے گزر جائے گی۔

لیکن اس وقت مجھے شدید حیرت کا سامنا کرنا پڑا جب میرا ہاتھ خالی ہوا سے گزر کر
رہ گیا۔ وہ ہاتھ بدستور اپنی جگہ پر موجود تھا اور میرا ہاتھ اس میں سے یوں گزر گیا تھا جیسے وہ
ہوا سے بنا ہوا ہو۔

اتنے میں پہریداروں نے بھی اندر داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ وہ شاید میرے
یوں اندر گھسنے ہونے کی وجہ جاننا چاہتے تھے لیکن انہیں دہلیز پار کرنا نصیب نہ ہوئی۔
دروازے میں قدم داخل کرنے سے پہلے وہ اڑ کر ادھر ادھر جا گرے تھے جیسے کسی جناتی
ہاتھ نے انہیں کانچ کی گولیوں کی طرح اچھال دیا ہو۔

میرے رگ وپے میں دوڑتی سنسناہٹ مزید شدید ہوگئی۔ مجھے اپنے کانوں میں
سیٹیاں سی بجتی محسوس ہونے لگیں۔ اس مرتبہ میرا ہاتھ سیدھا ہوا اور بجلی کا ایک کوندا سا نکل
کر اس خاکے سے ٹکرایا۔ خاکہ جھلملایا، مجھے مونٹینا کی گردن پر اس کی گرفت کمزور پڑتی
ہوئی محسوس ہوئی۔ کوندا ایک بار پھر اس سے ٹکرایا............ ایک بار اور............
ایک بار اور۔ اب وہ خاکہ مسلسل جھلملا رہا تھا جیسے مواصلاتی رابطے میں خرابی پیدا ہونے
سے ٹی وی سکرین پر نظر آنے والی تصویر جھٹکے کھاتی ہے۔

کوندا ایک بار پھر اس سے ٹکرایا اور ایک تڑاکے کے ساتھ وہ خاکہ بکھر کر رہ گیا۔
اس کے ساتھ ہی کمرے میں پھیلا ہوا وہ مٹیالا غبار غائب ہوگیا۔ مونٹینا پہلو کے بل گری۔

اس کی گردن آزاد ہو چکی تھی اور سانس لینے کی کوشش میں وہ بری طرح ہانپ رہی تھی۔
میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ مٹیالے غبار کی کوئی جھلک دکھائی نہ دی۔ پھر
میں باہر نکلا۔ پہریدار کراہتے ہوئے اٹھ رہے تھے۔ ان بیچاروں کو خبر بھی نہ ہوئی ہوگی کہ
ان پر کیا مصیبت ٹوٹی ہے۔ اب میں یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ مونٹینا کے اس بری طرح چیخنے
کے باوجود یہ لوگ بے خبر کیوں رہے تھے۔ اس غبار کی موجودگی میں مونٹینا کی آواز کا اس
کمرے سے نکل کر کسی کے کان تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔ اس کی چیخوں کو صرف میں سن سکتا
تھا۔

میں دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔ مونٹینا اوندھے منہ گری سسکیاں لے رہی تھی۔
میں کھڑا ترحم آمیز نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس مرتبہ زوالا اور فولاس نے اسے نشانہ
بنایا تھا۔ ان کی کارروائیاں ابھی تک میرے سر سے گزرتی جا رہی تھیں۔ پہلے انہوں نے
مجھے یہاں تک پہنچنے سے روکنے کی کوشش کی تھی اور اب وہ اس واحد ہستی کو ختم کر دینا
چاہتے تھے جو سربیان کا پتہ جانتی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اگر ان کی دشمنی
میرے ساتھ ہے تو وہ سامنے آ کر مجھ سے مقابلہ کیوں نہیں کرتے۔ یوں غیر متعلق سے
حملے کر کے مجھ پر بالواسطہ اثر انداز ہونے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں۔

مجھے اب واپس جانا چاہئے تھا۔ میں مونٹینا سے کچھ پوچھ نہیں سکتا تھا کیونکہ طاہر
میرے ساتھ نہیں تھا۔ لیکن میں ایسے ہی واپس نہیں جا سکتا تھا۔ مونٹینا پر ایک حملہ ہو چکا
تھا۔ فی الوقت میرے آنے سے حملہ آور پسپا ہو گیا تھا لیکن میرے جانے کے بعد وہ
دوبارہ پلٹ بھی سکتا تھا۔ باہر موجود پہریدار مونٹینا کی حفاظت کرنے سے قاصر تھے۔
مجھے خود ہی اس کی حفاظت کا کوئی بندوبست کرنا تھا۔ بہت تیزی سے سوچ کر میں نے
ایک فیصلہ کیا۔

میں آگے بڑھا اور اسے اٹھا کر اپنے کندھے پر لاد لیا۔ اس نے مزاحمت کرنے کی
کوشش نہیں کی تھی۔ اسے لئے ہوئے میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ پہریدار حیران
نگاہوں سے مجھے دیکھتے رہے لیکن انہوں نے بھی آگے بڑھ کر مجھے روکا نہیں۔ وہ بے
چارے ابھی پہلے سے جھٹکے سے ہی نہیں سنبھلے تھے۔ میں مونٹینا کو اٹھائے ہوئے اپنی

رہائش گاہ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کی حفاظت صرف اسی صورت میں ہوسکتی تھی کہ میں ہر وقت اس کے پاس موجود رہوں۔ اپنے ساتھیوں کو تنہا چھوڑ کر میرا اس کے گھر میں رہنا ممکن نہ تھا، اس لئے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے اپنے ساتھ لے چلوں تا کہ سب لوگ ایک جگہ اکٹھے رہیں اور میں سب پر نگرانی رکھ سکوں۔

میرے ساتھی جوں کے توں سوئے پڑے تھے۔ میں نے مونٹینا کو آہستہ سے ایک طرف لٹا دیا اور خود اس کے قریب دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اب صبح تک کا وقت مجھے اسی طرح گزارنا تھا۔

✿ ››› ✿ ››› ✿

صبح بیدار ہونے پر مونٹینا کو وہاں موجود دیکھ کر میرے ساتھیوں کا چونک جانا فطری ردعمل تھا۔ میں نے گول مول الفاظ میں انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مونٹینا کا وہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا اور چونکہ اس کی زندگی ہمارے لئے ضروری ہے، اس لئے میں رات اسے یہاں لے آیا۔ میری کہانی پر سب نے سر جھکا کر یقین کر لیا سوائے طاہر کے۔ جب دوسرے منہ ہاتھ دھونے اور دیگر ضروریات کے لئے باہر گئے تب اس نے مجھ سے کرید کرید کر ساری باتیں پوچھیں۔ سب کچھ تو میں نے خیر اسے بھی نہیں بتایا تھا لیکن دوسروں سے کچھ زیادہ معلومات ضرور فراہم کر دی تھیں۔ بہرحال، وہ بھی مطمئن ہو گیا۔

مونٹینا اپنے آپ میں آ چکی تھی اور کھوئی کھوئی نگاہوں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر میں مسکرایا تا کہ اس کی ڈھارس بندھے پھر میں نے کہا۔
''اب کیسی ہو مونٹینا؟''

وہ خاموش رہی لیکن اس کے ہاتھ نے لاشعوری طور پر گردن کو مسلنا شروع کر دیا تھا جہاں پچھلی رات کی کشمکش کے آثار ابھی تک لال لکیروں کی صورت نظر آ رہے تھے۔
''اب تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''یہاں تم بالکل محفوظ ہو۔''

''محفوظ!'' بالآخر اس کے لب حرکت میں آئے اور ایک گھٹی گھٹی سی آواز برآمد

ہوئی۔ ''کیا میں اب کہیں بھی محفوظ رہ سکوں گی؟''
''کیا تمہیں اس میں کوئی شک ہے؟'' میں نے کہا۔
''اس کے ہاتھ.......... اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہ مجھے کہیں بھی جا لے گا۔ کہیں بھی۔ میں اب دنیا کے کسی گوشے میں محفوظ نہیں رہی۔''
''کس کی بات کر رہی ہو؟''
''سربیان کی۔'' اس نے سسکی بھری۔ ''اسی منحوس کی جسے میں نے اپنا بزرگ مانا تھا۔ رات اسی نے میری جان لینے کی کوشش کی۔''
میں بری طرح چونک گیا۔ ''تمہیں کیسے علم کہ تم پر حملہ سربیان نے کرایا ہے؟'' میں نے تیزی سے پوچھا۔
''وہ.......... وہ خود آیا تھا میرے پاس.......... اس نے مجھے دھمکانے کی کوشش کی تھی کہ اس کے متعلق کسی کو کوئی بات نہ بتائی جائے.......... ورنہ.......... ورنہ.......... اس کے انداز پر مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے کہہ دیا کہ میں صبح تمہیں سب کچھ بتا دوں گی اور اس کے بعد.......... اس کے بعد..........''
میرا سر گھوم کے رہ گیا۔ مونٹینا کیا کہہ رہی تھی؟ کیا اس پر حملہ کروانے والا سربیان تھا؟ لیکن جو علامات میرے سامنے آئی تھیں وہ تو زوالا اور فولاس کے حملے کی تھیں؟ اس سے پہلے جتنی بار انہوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا، یہی نٹیالے رنگ کا غبار سامنے آیا تھا۔ خود لیشی نے مجھے بتایا تھا کہ مجھ پر ہونے والا حملہ انہی دونوں کی کارستانی ہے۔ اس کا کہا غلط نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن مونٹینا اپنے حملے کا تعلق سربیان سے جوڑ رہی تھی۔ زوالا اور فولاس.......... سربیان.......... سربیان کا ان سے کیا تعلق؟
طاہر کے چہرے پر بھی حیرت تھی۔ وہ بڑبڑایا۔ ''یہ شخص ہمارے اندازے سے زیادہ خطرناک ہے۔''
میں ابھی تک خیالات کے بھنور میں غوطے کھا رہا تھا۔ اسی وقت باہر سے کچھ شور سنائی دیا۔ میں نے طاہر کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اندر داخل ہوا۔ ''بیس کیمپ میں موجود افراد یہاں پہنچ گئے ہیں، ناصر صاحب۔'' اس نے مجھے اطلاع

دی۔

میں تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بیس کیمپ میں موجود افراد یہاں پہنچ گئے تھے یعنی لیشی آ گئی تھی۔ میرے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کے جواب وہی دے سکتی تھی۔ میرا اس سے ملنا بہت ضروری تھا۔ میں تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا اور اسی وقت لیشی کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''پاگل مت بنو ناصر۔ یہیں بیٹھے رہو۔''

اور میں رک گیا۔ میں بھول ہی گیا تھا کہ لیشی سب کے سامنے مجھ سے بات کرنے کی غلطی کبھی نہیں کرے گی۔ میں نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر مونٹینا کے سامنے جا بیٹھا اور طاہر کے توسط سے ایک مرتبہ پھر اس سے گفتگو شروع کر دی۔

''دیکھو مونٹینا، اب تمہیں اچھی طرح پتہ چل چکا ہے کہ سربیان تمہارے لئے کیسے جذبات رکھتا ہے۔ میرا خیال ہے اب تمہیں زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ بتا دو کہ وہ کہاں ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت سے فائدہ اٹھا کر وہ دور نکل جائے۔''

''وہ کہیں نہیں جائے گا۔'' مونٹینا بولی۔ اس نے اب خود پر قابو پا لیا۔ ''اسے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ یہیں ہے اور یہیں رہے گا۔''

''کیا مطلب؟'' میں استفسار کیا۔

''یہاں سے بہتر پناہ گاہ اسے کہیں اور میسر نہیں آ سکتی۔ ویسے بھی تم لوگوں کے قریب رہنا اس کے لئے ضروری ہے۔ جب اس نے پہلی دفعہ مجھ سے اس نقشے کو حاصل کرنے کے لئے کہا تھا تو میں حیران ہوئی تھی کیونکہ میں جانتی تھی کہ وہ کیسی پراسرار قوتوں کا مالک ہے۔ اس نقشے کو حاصل کرنا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا لیکن بعد میں پتہ چلا کہ اس نقشے کو کوئی دوسرا ہی حاصل کر کے لا سکتا ہے، یہ کام اس کے بس کا نہیں۔ جانتے ہو کیوں؟ اس لئے کہ وہ اپنی قوتوں سے کوئی ایسا کام نہیں لے سکتا جس کا تعلق مادی دولت کے حصول سے ہو۔ اسے اس نقشے کے حصول کے لئے میری ضرورت تھی۔ میں نے آدھا نقشہ حاصل کر لیا۔ اب وہ آدھا نقشہ کسی اور طریقے سے حاصل کرے گا۔ اسے دولت کی بڑی ہوس ہے چونکہ اس کی پراسرار قوتیں اس سلسلے میں اس کے کسی کام نہیں آ سکتیں، اس لئے وہ یہ خزانہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

''تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ وہ ہمارے قریب ہی ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں۔''

''کہاں ہے وہ؟''

''یوں سمجھ لو کہ یہاں سے زیادہ دور نہیں لیکن بہت دور بھی ہے۔''

''کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو، مونٹینا؟ سیدھی بات کرو۔''

پہلی دفعہ وہ مسکرائی۔ ''تم نے یہ نیلی پہاڑی دیکھی ہے نا جس کے دامن میں ہماری بستی آباد ہے؟''

''ہاں۔''

''یہ پہاڑی اندر سے کھوکھلی ہے۔ اس کے اندر ایک دوسرے سے منسلک سرنگوں اور غاروں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ ناواقف آدمی اس کے اندر گھس جائے تو ساری عمر ان بھول بھلیوں میں سر پٹک پٹک کر مر جائے اور باہر نکلنے کا راستہ نہ ڈھونڈ سکے لیکن واقف آدمی کے لئے یہ بہترین پناہ گاہ ہیں۔ سربیان اسی پہاڑی کے اندر ہے، انہی بھول بھلیوں کے اندر چھپا ہوا ہے۔''

میں تھوڑی دیر اس کی شکل دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔ ''لیکن کیا قبیلے والوں کی موجودگی میں اس کا اس جگہ پناہ حاصل کرنا خطرے کا حامل نہیں؟''

''وہ کیسے؟''

''تمہارا قبیلہ صدیوں سے یہاں آباد ہے۔ تم لوگ تو اس پہاڑی میں بچھی سرنگوں کی بھول بھلیوں سے اچھی طرح واقف ہو گے۔ کیا تم لوگ اندر گھس کر اسے باہر نہیں نکال سکتے؟''

''نہیں۔'' اس نے کہا۔ ''قبیلے کا کوئی فرد اس پہاڑی کے اندر کبھی نہیں گھستا۔ اسے دیوتاؤں کا مسکن کہا جاتا ہے۔ صرف روحانی پیشوا ہی وہاں جانے کے لئے آزاد ہوتا ہے۔ سربیان اپنا زیادہ وقت وہیں گزارا کرتا تھا۔ وہ ان پیچ در پیچ سرنگوں کے چپے چپے سے واقف ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''اس کا مطلب ہے قبیلے والوں کی طرف سے ہمیں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔''

"ہاں۔ جو کچھ بھی کرنا ہے تم لوگوں کو خود ہی کرنا ہوگا۔"

"لیکن وہ اندر کتنی دیر تک چھپا رہ سکتا ہے۔ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے اسے باہر تو نکلنا ہی ہوگا۔ آخر وہ بھی انسان ہے۔"

"یہی تمہاری بھول ہے۔" مونٹینا نے کہا۔ "وہ انسان نہیں، ایک خبیث روح ہے۔ تم لوگ اگلے سو سال تک بھی یہاں ڈیرے ڈالے رہو گے تو وہ باہر نہیں نکلے گا۔ اسے باہر نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کی ہر ضرورت وہیں بیٹھے بیٹھے پوری ہو سکتی ہے۔"

"لیکن اس کی مادی ضروریات............"

"اس کی مادی ضروریات پوری کرنے کا وافر سامان وہاں موجود ہے۔" مونٹینا نے میری بات کاٹ دی۔ "اس نے خود مجھے اس کے بارے میں بتایا ہے۔ ویسے بھی اگر وہ وہاں سے نکلنا چاہے گا تو کسی کی نظروں میں آئے بغیر نکل جائے گا۔ اس پہاڑی میں ایسے بے شمار چور دروازے موجود ہیں جن کے وجود سے صرف وہی واقف ہے۔"

"پھر اب کیا کیا جائے؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ تم نے مجھ سے سربیان کا پتہ پوچھا تھا سو میں نے بتا دیا۔ اب ہمت ہے تو اسے نکال لو وہاں سے۔"

بے بسی کا احساس مجھے شدت سے ستانے لگا۔ اب میں کیا کروں؟ میں ایک ایسی جنگ کا حصہ بن گیا تھا جو میری تھی ہی نہیں۔ نقشے کے اس ٹکڑے سے میرا کوئی واسطہ نہ تھا لیکن اب میں ان لوگوں کو یہاں چھوڑ کر آگے بڑھ بھی نہیں سکتا تھا۔ آگے بڑھ کر میں جاتا بھی کہاں؟ مجھے خود علم نہ تھا کہ میری منزل کہاں ہے۔ مجھے اس وقت مدد کی ضرورت تھی، رہنمائی کی ضرورت تھی۔

میں اٹھ کر باہر نکل آیا۔ پارٹی کے سارے افراد باہر جمع تھے۔ آپس میں باتیں ہو رہی تھیں، ہنسی مذاق ہو رہے تھے، قہقہے لگائے جا رہے تھے۔ میں ڈبل باس کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اس وقت مسٹر الکانڈر سے گفتگو کر رہے تھے۔ لیشی بھی وہیں موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ لوگ خاموش ہو گئے پھر ڈبل باس نے کہا۔ "آیئے مسٹر گادا! ہم لوگ آپ ہی کے

متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ کہئے اس لڑکی سے کوئی بات چیت ہوئی؟"

"جی ہاں۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "ہوئی۔"

"تو پھر کیا بتایا اس نے؟" انہوں نے جلدی سے پوچھا۔

"اس نے سربیان کا پتہ بتا دیا ہے۔"

"ویری گڈ۔ کہاں ہے وہ خبیث؟"

"وہاں۔" میں نے ان کے عقب میں کھڑی پہاڑی کی طرف اشارہ کیا اور وہ گھوم کر اس کی طرف دیکھنے لگے پھر وہ میری طرف پلٹے۔

"آپ کا مطلب ہے اس پہاڑی پر؟"

"جی نہیں۔ پہاڑی پر نہیں، وہ پہاڑی میں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

اور میں نے ساری تفصیل ان کے گوش گزار کر دی۔ وہ حیرت کے عالم میں میری بات سنتے رہے تھے۔ آخر میں، میں نے کہا۔ "اور اب اسے وہاں سے نکال کر لانا تقریباً ناممکن ہے۔ ہم میں سے کوئی تو اس پہاڑی میں گھسنے کا سوچ بھی نہیں سکتا اور قبیلے والے بھی اس میں داخل ہونے سے قاصر ہیں۔ اس کے راستوں سے واقفیت صرف سربیان ہی رکھتا ہے، اور وہ وہاں چھپا بیٹھا ہے۔ فی الوقت مجھے اس مسئلے کا کوئی حل سمجھ نہیں آ رہا۔ اگر آپ لوگوں کے ذہن میں کوئی تجویز آتی ہو تو ضرور بتایئے۔"

ان سے بات کرتے ہوئے میں ایک معمولی سی غلط بیانی کر گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس مسئلے کا ایک حل میرے ذہن میں موجود تھا۔ میں اس پہاڑی میں داخل ہو کر کوشش کر سکتا تھا کہ اپنی قوت کی مدد سے سربیان کو ڈھونڈ نکالوں لیکن نہ جانے کیوں اس کام کے لئے اپنی قوت استعمال کرنا مجھے کوئی مناسب معلوم نہ ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے بھی میں نے ڈبل باس کے کاموں کے سلسلے میں اپنی قوت استعمال کی تھی لیکن ان کاموں میں کسی نہ کسی حوالے سے کوئی انسانی پہلو بھی پوشیدہ تھا۔ زیادہ تر میں نے وہ قوتیں کسی انسان کو ضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے استعمال کی تھیں............ لیکن اس کام کی نوعیت خالصتاً مادی تھی یہی وجہ تھی کہ میں اپنی قوت کا استعمال کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔

وہ لوگ بھی سوچ میں پڑے ہوئے تھے۔ میری نگاہیں اس نیلی پہاڑی پر جمی ہوئی تھیں جس کے سینے میں سربیان پوشیدہ تھا۔ پھر نہ جانے میرے دل میں کیا آئی کہ میں اس پہاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ دوسرے لوگ مجھے دیکھتے رہ گئے تھے۔ میں آگے بڑھتا گیا یہاں تک کہ سب سے دور نکل آیا۔ اب پہاڑی میرے عین سامنے کھڑی تھی۔ ہمارے درمیان بمشکل تمام سو گز کا فاصلہ باقی ہوگا۔ یہاں سے مجھے پہاڑی کے اندر جانے والے غاروں کے سوراخ نظر آ رہے تھے۔ میں نے سوچا، اندر جانے کے راستے سامنے ہیں، لیکن یہاں سے باہر نکلنے کا راستہ کون تلاش کرے گا؟

"تمہارے لئے یہ کام کچھ زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوگا۔" میرے عقب میں لیشی کی آواز گونجی۔

اس کی اچانک آمد پر حیران ہونا میں نے کب سے ترک کر دیا تھا۔ میں نے گھوم کر دیکھا۔ وہ میرے سامنے کھڑی تھی۔

"تو گویا تم چاہتی ہو کہ میں اس پہاڑی کے اندر داخل ہوں؟" میں نے استفسار کیا۔

"ہاں۔"

"کیا تم نہیں جانتیں کہ میں ایسا کرنے سے احتراز کیوں برت رہا ہوں؟"

"جانتی ہوں لیکن تم بھی یہ جان لو کہ تمہاری یہ ہچکچاہٹ بے بنیاد ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"یہ مت سوچو کہ اس نقشے اور اس کے ذریعے ہاتھ آنے والے خزانے سے صرف مادی مفادات ہی حاصل کئے جائیں گے۔ ان میں سے بہت سے لوگ اس دولت کو اچھے کاموں کے لئے بھی استعمال کریں گے۔ اس نقشے کو حاصل کر کے تم بالواسطہ طور پر ان کاموں میں حصہ دار بنو گے۔"

میں صرف ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

"ایک اور بات بھی ذہن میں رکھنا۔"

"وہ کیا؟"

"تمہاری منزل تمہارے بہت قریب ہے۔ اس کی سمت کا اندازہ کرنا چاہتے ہو تو میری بات مان لو۔"

"میں ابھی تک کچھ سمجھ نہیں سکا۔"

"کیا تم نہیں چاہتے کہ زوالا اور فولاس کو شکست دے کر ذی آنا پر منڈلانے والے نحوست کے سائے دور کر دو۔"

"چاہتا ہوں۔"

"تو پھر آگے بڑھو۔"

"بڑھ تو جاؤں لیکن کوئی راستہ بھی تو دکھائی دے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہیں راستے کی ضرورت ہی نہیں پڑے۔"

"وہ کیسے؟"

"اس کا جواب تو تمہیں پہاڑی میں داخل ہونے کے بعد ہی مل سکے گا۔"

"لیکن مجھے یہ بھی تو پتہ ہو کہ پہاڑی میں داخل ہونے کے بعد مجھے جانا کہاں ہے۔"

"دل میں آنے والا پہلا خیال خدا کی جانب سے ہوتا ہے، اس کے بعد شیطان وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ تم جانتے ہو یہ فرمان کس کا ہے؟"

"کس کا ہے؟"

"تمہارے دین کے ایک بزرگ کا۔ ان کا نام علی ہجویری تھا، دنیا انہیں داتا گنج بخش کے نام سے جانتی ہے۔" اس نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گئی۔ کوئی وضاحت، کوئی تشریح نہیں۔ بس اتنی سی بات کہی اور یہ گئی وہ گئی۔ میری الجھن اور بڑھ گئی تھی۔

لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ میں اپنی الٹی سوچوں کی وجہ سے اپنی الجھنوں میں خود ہی اضافے کرتا چلا جا رہا ہوں۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ میری رہنمائی کر کے ہی گئی ہو اور میری کوتاہ نظر مجھے وہ راستہ دیکھنے سے محروم رکھے ہوئے ہو۔ آخر اس کی بات پر عمل کر لینے میں حرج کیا ہے؟ سربیان سے دو دو ہاتھ کرنا تو ویسے بھی ضروری تھا۔

میں پہاڑی کی طرف بڑھا۔ تھوڑی دیر میں، میں اس کی بلندی طے کر رہا تھا۔ پھر

ایک غار کے ذریعے میں اندر داخل ہو گیا۔

ان بھول بھلیوں میں روشنی کے کسی انتظام کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ جہاں تک سورج کی روشنی نے میرا ساتھ دیا، میں آگے بڑھتا رہا۔ اندھیرے آہستہ آہستہ گہرے ہوتے چلے گئے۔ میرے لئے آگے بڑھنا دشوار ہونے لگا۔ اس سوچ کے سہارے آگے بڑھتا رہا کہ جہاں کوئی راستہ سمجھ میں نہ آئے وہاں راست اقدام سب سے بہتر ہوتا ہے۔ راست اقدام! ڈائریکٹ ایکشن۔ ایک بار جی میں آئی کہ واپس پلٹ چلوں لیکن جب پلٹ کا دیکھا تو واپسی کا راستہ بھی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

عین اسی وقت مجھے ایک چیخ سی سنائی دی۔ میں چونک کر مڑا۔ چیخ نما آواز کی بازگشت بھول بھلیوں کی دیواروں سے ٹکراتی ہوئی گونج رہی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے کئی افراد مل کر چیخ رہے ہوں۔ نہ جانے یہ چیخ کہاں سے اٹھی تھی، اس کا مخرج کہاں تھا؟ کسی انسان کے حلق سے نکلی تھی یا ان سرنگوں میں چکراتی پھرنے والی ہوا کی کارستانی تھی؟

میں اپنی جگہ رکا کھڑا تھا۔ آگے بڑھنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس اندھیرے میں راستہ تلاش کرنا ممکن نہ تھا، بھٹک جانا البتہ بہت آسان تھا۔ لیشی نے مجھے آگے بڑھنے کو کہہ تو دیا تھا لیکن کوئی سراغ، کوئی پتہ نشانی نہیں دی تھی۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ مجھے کس سمت جانا چاہئے۔

پھر مجھے اس کی کہی ہوئی بات یاد آئی۔ دل میں آنے والا پہلا خیال خدا کی جانب سے ہوتا ہے، اس کے بعد شیطان وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ وسوسے ہی شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہیں۔ انہی کے زور پر وہ راہ راست پر چلنے والوں کو شکوک میں مبتلا کرتا ہے اور پھر بھٹکا دیتا ہے۔

لیکن اس پہاڑی میں قدم رکھتے ہوئے، میرے دل میں آنے والا پہلا خیال کون سا تھا؟

میں ذہن پر زور دے کر یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں پہاڑی میں داخل ہوا، کچھ آگے بڑھا۔ اس کے بعد روشنی غائب ہو گئی اور اندھیرے شروع ہو گئے۔ ان

اندھیروں پر قابو پانا تو کچھ دشوار نہ تھا۔ بس ارادہ کرنے کی دیر تھی، میری مخفی قوت حرکت میں آتی تو راستے خود بخود روشن ہو جاتے لیکن مجھے جانا کس طرف تھا۔ میرے دل میں آنے والا پہلا خیال کون سا تھا۔

ہوا کا ایک جھونکا سرسراتا ہوا میرے دائیں رخسار سے ٹکرایا اور ایک جھماکے سے میرا ذہن روشن ہو گیا۔ راست اقدام! ڈائریکٹ ایکشن۔ ہاں میں نے یہی سوچا تھا۔ جہاں کوئی راستہ سمجھ میں نہ آئے وہاں راست اقدام سب سے بہتر ہوتا ہے۔ راست کا ایک معنی سیدھا ہے لیکن راست کا ایک معنی دایاں بھی تو ہے۔ دست راست یعنی دایاں ہاتھ۔

تو کیا مجھے دائیں ہاتھ پر بڑھنا چاہئے؟

اسی وقت میرے بدن میں سنسناہٹ شروع ہو گئی۔ میری آنکھوں میں ہلکی سی جلن ہوئی اور پانی بہنے لگا۔ میں نے آنکھیں مل کر صاف کیں..................اور راستے روشن ہو گئے۔ میری مخفی قوت حرکت میں آ گئی تھی۔ اب میں اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا۔

میرے سامنے ایک تراہا تھا۔ سامنے بھی سرنگ تھی، بائیں بھی اور دائیں بھی۔ میں کسی ہچکچاہٹ کے بغیر آگے بڑھا اور دائیں طرف کی سرنگ میں داخل ہو گیا۔ راست اقدام کے دوسرے معانی پر جاتا تو سامنے کی سرنگ میں بھی داخل ہو سکتا تھا لیکن میرے ذہن میں آنے والا پہلا لفظ دایاں تھا..........اس لئے میں نے دائیں سرنگ کا انتخاب کیا تھا۔

تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد مجھے سمجھ آنا شروع ہو گئی کہ قبیلے کے لوگ اس پہاڑی میں داخل ہونے سے گھبراتے کیوں تھے۔ اندھیرے کا مسئلہ میرے لئے تو حل ہو گیا تھا لیکن ان کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا، اور روشنی کے بغیر ان بھول بھلیوں میں دو قدم چلنا بھی خود کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ یہ راستے بار بار رنگ بدلتے تھے۔ کہیں گہرائیوں میں اترتی گھاٹیاں سامنے آ جاتیں اور کبھی بلندی کو چڑھتی ڈھلوانیں۔ اکثر جگہوں پر راستے ایک بلند پل کی شکل میں چلتے ہوئے نظر آتے۔ دائیں بھی گہرائی اور بائیں بھی۔ ذرا سا پاؤں رپٹے تو چلنے والا نہ جانے کہاں جا کر گرے۔

باہر سے اس پہاڑی کا رقبہ اور احاطہ عام سا محسوس ہوتا تھا لیکن اندر گھسنے پر اس کی وسعت حقیقی معنوں میں کھل کر سامنے آئی تھی۔ ایک اور بات جو میں نے نوٹ کی تھی وہ یہ تھی کہ یہ راستے بالکل صاف تھے۔ کہیں کوئی گرا پڑا پتھر یا کنکر روڑا نظر نہ آتا تھا۔ اور نہ ہی کسی قسم کی حیوانی حیات سے میرا ٹکراؤ ہوا تھا۔ حالانکہ اندھیری جگہیں چمگادڑوں، بچھوؤں اور سانپوں کی مرغوب جائے پناہ ہوتی ہیں لیکن یہاں اس قبیل کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔

جس انداز میں، میں آپ کو یہ بات سنا رہا ہوں، آپ کو یہ سب کچھ بہت آسان معلوم ہو رہا ہوگا، اور آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ایسے کسی کام کو انجام دینا تو کوئی مشکل بات نہیں۔ لیکن میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حقیقت کہانیوں سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ ان بھول بھلیوں کا پرسکوت ماحول جسے کبھی کبھی ہوا کی چیخیں منتشر کر کے کچھ اور بھی پراسرار بنا دیتی تھیں، اپنے اندر ایسی ہیبت سموئے ہوئے تھا کہ میری جگہ کوئی عام آدمی ہوتا تو اس کا پتہ پانی ہو جاتا۔ صدیوں سے موٹی قبیلہ اس پہاڑی کے دامن میں آباد تھا اور آج تک اس کے کسی عام فرد نے اس پہاڑی میں داخل ہونے، اس کے بطون کو کھنگالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وجہ یہی تھی۔ اس پراسرار ماحول میں چلنا پھرنا اور سانس لینا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی۔

میں نے آغاز میں آگے بڑھنے کا جو انداز اپنایا تھا، اس پر قائم رہا۔ جہاں کہیں انتخاب کا مسئلہ درپیش ہوتا، ایک کے بجائے زیادہ راستے سامنے آ جاتے تو میں دائیں ہاتھ کا ہی انتخاب کرتا۔ ایک جگہ ایسا ہوا کہ دائیں ہاتھ پر، ایک دوسری سے ذرا ذرا فاصلے پر دو سرنگیں سامنے آ گئیں۔ میں بلا تامل اس سرنگ میں گھس گیا جو انتہائی دائیں ہاتھ پر تھی۔

مجھے کچھ یاد نہیں کہ میرے قدم اس طرح کتنی دیر چلتے رہے۔ گردش زمان و مکان میرے لئے گویا تھم گئی تھی۔ کوئی ایسی نشانی نظر نہ آتی تھی جس سے ماحول میں کسی تبدیلی کا احساس ہوتا۔ ہاں، یہ درست ہے کہ راستوں کی نوعیت بار بار تبدیل ہوئی تھی لیکن ماحول سب جگہ ایک سا ہی تھا۔ خاموش، تاریک، پراسرار۔

میری آنکھوں کی قوت مجھے آگے بڑھنے کا راستہ دکھا رہی تھی۔ اندھیرا میرے لئے روشن ہو گیا تھا۔ پھر اس روشنی میں آہستہ آہستہ اضافہ ہونے لگا۔ میں سمجھا کہ میری قوت زور مار رہی ہے لیکن اگر ایسا ہوا ہوتا تو میرے جسم میں سنسناہٹ کا احساس شدید ہو جاتا۔ ابھی تک ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میری آنکھوں کی روشنی اپنی جگہ برقرار ہے لیکن اندھیرے میں کمی واقع ہو رہی ہے۔

میں جوں جوں آگے بڑھ رہا تھا، اندھیرا جس طرح بتدریج گہرا ہوا تھا، اسی طرح ہلکا ہوتا جا رہا تھا۔ میرے لئے یہ بات کسی قدر حیرت کا باعث تھی کیونکہ اس وقت میں گہرائی میں اتر رہا تھا۔ میرے حساب سے اس وقت اندھیرے کو بڑھ جانا چاہئے تھا لیکن ہوا اس کے الٹ رہا تھا۔

سرنگ اب کشادہ ہونے لگی تھی۔ اس سے پہلے کسی کسی جگہ سے اس کی چھت اتنی نیچی تھی کہ مجھے سر جھکا کر گزرنا پڑتا تھا لیکن اب چھت سر سے غائب ہو گئی تھی۔ میں نگاہ اٹھا کر دیکھتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے میرے سر پر رات کا تاریک آسمان پھیلا ہوا ہے۔ میں نیلی پہاڑی کے اندر آباد اس پراسرار دنیا کے قلب تک پہنچ رہا تھا۔

سرنگ کشادہ ہوتی چلی گئی اور ہوتے ہوتے ایک وسیع ہال میں تبدیل ہو گئی۔ میرے جسم میں دوڑتی سنسناہٹ مدھم پڑ گئی تھی۔

اور پھر ایک بلند آواز گونجی۔ ''خوش آمدید...... خوش آمدید۔ اس دنیا کے پہلے مہمان کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں۔''

میں ٹھٹک کے رک گیا۔ یہ کون بول رہا تھا؟

''رک کیوں گئے؟'' آواز پھر گونجی۔ ''آگے بڑھو۔ ہم کتنی دیر سے تمہارے منتظر ہیں۔ کیا تم ہمیں مزید انتظار کی زحمت میں مبتلا کئے رکھو گے؟''

میرے جسم کی سنسناہٹ مزید ہلکی ہوئی پھر ایک دم تیز ہو گئی۔ ماحول روشن ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے سامنے تین وسیع، گول، چبوترہ ایستادہ ہیں اور اس چبوترے پر میری جانب پشت کئے کوئی یوں بیٹھا تھا جیسے بادشاہ تخت شاہی پر براجمان ہو۔

''سربیان!'' میں نے کہا۔

"تمہارا یہاں تک پہنچ جانا میرے لئے کسی حیرت کا باعث نہیں۔" آواز پھر گونجی اور اس مرتبہ میں نے اندازہ لگا لیا کہ بولنے والا کون ہے۔ وہ سربیان ہی تھا۔

"میں بہت پہلے سے جانتا تھا کہ کسی نہ کسی موڑ پر تمہارا اور میرا ٹکراؤ ضرور ہوگا۔ بس مجھے یہ توقع نہ تھی کہ یہ گھڑی اتنی جلد آ جائے گی۔"

"جب یہ گھڑی آ ہی گئی ہے تو میری طرف سے منہ موڑے کیوں بیٹھے ہو؟" میں نے کہا۔ "کیا مجھ سے نگاہیں ملانے کی ہمت نہیں کر پا رہے؟"

ایک قہقہہ گونجا۔ "ہمت! میری ہمت ابھی تم نے دیکھی ہی کہاں ہے۔"

چبوترہ آہستہ آہستہ گھومنے لگا۔ تھوڑی دیر میں سربیان کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے تھا۔

"تم یہاں کس سے ملنے آئے تھے؟" اس نے کہا۔

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا لیکن ایسا محسوس ہوا جیسے میرے ہونٹ کسی نے سی دیئے ہیں۔ سربیان کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے ہوتے ہوئے بھی سامنے نہیں تھا۔ روشنی کے باوجود اس کے خدوخال واضح نہیں تھے۔

"کس کی تلاش ہے تمہیں؟" اس نے کہا۔ "میری؟"

اس کا چہرہ جھلملایا۔ خدوخال واضح ہونے لگے۔

"یا زوالا کی؟"

اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے چہرے پر تھپڑ رسید کر دیا ہے۔ دائیں طرف والا چبوترہ کسی کے وجود سے بھر گیا تھا۔

"یا فولاس کی؟"

بائیں طرف کا چبوترہ بھی اب خالی نہیں رہا تھا۔

"بولو!" اس کی مضحکہ اڑاتی آواز سنائی دی۔ "کس سے ٹکر لینے آئے تھے تم یہاں؟"

میری نگاہیں گویا پتھرا گئی تھیں۔ میری نگاہوں کے سامنے تین سربیان تھے۔ ہر چبوترے پر وہی نظر آ رہا تھا۔ وہی چہرہ، وہی نقوش، اور ہونٹوں پر وہی شیطانی مسکراہٹ۔

"کیسا لگ رہا ہے اب؟ تم اتنی دیر اس پہاڑی میں داخل ہونے سے ہچکچاتے رہے، صرف اس لئے کہ تم اس جنگ کو اپنی جنگ نہ سمجھتے تھے۔ تم اپنی دانست میں کسی اور کی تلاش میں تھے۔ ذی آنا کے شی وش نے تمہیں دو نام بتائے تھے۔ اس وقت سے لے کر اب تک تم انہی دونوں کو ڈھونڈتے رہے ہو۔ ہے نا!"

"کون ہو تم؟" میں نے ہونٹ کاٹ کر پوچھا۔

"میں سربیان ہوں۔" اس نے کہا۔

"میں زوالا ہوں۔" دائیں طرف سے آواز آئی۔

"میں فولاس ہوں۔" بایاں وجود بولا۔

"لیکن............"

"ہاں میں جانتا ہوں کہ تم کیا سوچ رہے ہو۔ یہی نا کہ ہم میں سے کون، کیا ہے؟ میں تمہاری مشکل آسان کئے دیتا ہوں۔ میرے کئی روپ ہیں۔ ہر جگہ، میں ضرورت کے مطابق روپ بدل کر سامنے آتا ہوں۔ ذی آنا والوں نے کبھی مجھے دیکھا نہیں۔ وہ مجھے زوالا اور فولاس کے نام سے جانتے ہیں۔ میں ان کی سرزمین کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ میرے ساتھ تعاون کریں اور یہ تعاون دہشت اور خوف کے بل پر ہی حاصل کیا جا سکتا تھا۔ ان کے ذہنوں پر اپنا خوف بٹھانے کے لئے میں نے زوالا اور فولاس کا روپ استعمال کیا۔ ابتدائی مرحلے پر مجھے مونٹی قبیلے والوں کی ضرورت تھی۔ انہیں اپنا تابع بنانے کے لئے میں نے سربیان کا روپ استعمال کیا۔ ان کی روحوں کو مسخر کرنے کے لئے میں ان کا روحانی پیشوا بن گیا۔"

"روحیں!"

"ہاں، میں روحوں کا شکاری ہوں۔ آج تک ذی آنا اور مونٹی میں جتنی غیر طبعی اموات ہوئیں، ان کے پیچھے میرا ہی ہاتھ تھا اور ان سب مرنے والوں کی روحیں میرے قبضے میں ہیں۔ اب میں ذی آنا کی سرزمین پر روحوں کی چھاؤنی آباد کروں گا۔ میرے دشمن اسے قید خانے کا نام دیتے ہیں لیکن میں انہیں وہاں سپاہیوں کی طرح بساؤں گا۔ وہاں انہیں تربیت دی جائے گی۔ پھر آنے والے کل کو وہ ہماری فوج کے سپاہیوں کے

روپ میں ہمارے دشمنوں کا قلع قمع کر دیں گی۔"

"وہ کل کبھی نہیں آئے گا۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

"اتنے یقین سے مت کہو۔" اس نے کہا۔ "ابھی ہماری ہار جیت کا فیصلہ ہونا باقی ہے۔"

"فیصلہ ہو چکا ہے۔" میں نے کہا۔ "بس اس پر عملدرآمد ہونا باقی ہے۔"

"اوہ ہو ہو............تو تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اکیلے اس بربادی کو روک لو گے جو تمہارے خدا کے نام لیواؤں پر ٹوٹنے والی ہے؟ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ تمہاری راہ روکنے کو ہم یہاں موجود ہیں۔ تم اکیلے ہو اور ہم تین۔"

"جب خیر اور شر کے نمائندوں کی پہلی جنگ ہوئی تھی تو تب بھی تناسب ایک اور تین کا ہی تھا۔" میں نے کہا۔ "اس کا نتیجہ کیا نکلا، ساری دنیا جانتی ہے۔"

"لیکن آج کی جنگ کا نتیجہ مختلف ہوگا۔" اس نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔

میں نے بھی قدم جما لئے۔ میرے رگ و پے میں دوڑتی سنسناہٹ میں شدت پیدا ہونے لگی تھی۔

"میرے کس روپ سے ٹکرانا پسند کرو گے؟" اس نے کہا۔ "سربیان سے، زوالا سے یا فولاس سے!"

"اس فیصلے کا اختیار میں تمہیں دیتا ہوں۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ "میرے لئے تم سب ایک ہی ہو۔"

"ٹھیک کہا تم نے۔ ہم سب ایک ہی ہیں۔ اب آغاز ہوتا ہے۔"

وہ ایک دفعہ پھر مسکرایا اور اس کے قدموں سے وہی مٹیالا غبار اٹھنے لگا۔ "اس سے تمہیں خوب واقفیت حاصل ہو گئی ہوگی۔ پہلے بھی تم چند بار اسے شکست دے چکے ہو اور اب اپنے تئیں یہ سمجھنے لگے ہو کہ تم مجھے بھی شکست دے سکتے ہو۔ لیکن تمہیں یہ معلوم نہ تھا کہ اس وقت تم نے جو کچھ دیکھا تھا اور جو کچھ ختم کیا تھا، وہ میری قوت کے ادنیٰ سے کرشمے تھے۔ اب تمہیں علم ہو جائے گا کہ میری راہ میں آ کر تم نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔"

غبار بلند اور گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ سربیان کا وجود اس میں چھپنے لگا۔

"منہ کیوں چھپا رہے ہو، روحوں کے شکاری؟" میں نے کہا۔

"اپنے اپنے زاویئے کی بات ہے۔" اس نے کہا۔ "تمہارے لئے میرا منہ چھپ رہا ہے اور میرے لئے تمہارا۔"

اور اسی وقت مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے چہرے کو جیسے کسی شکنجے میں پکڑ کر کس دیا گیا ہے۔ میں چکرا کر گھوما، میرے دونوں ہاتھ میرے چہرے پر پڑے۔ میں اس شکنجے کو گرفت میں لینا چاہتا تھا جو میرے چہرے کی ہڈیوں کو پیس رہا تھا۔ لیکن وہاں کچھ نہ تھا۔ میرے ہاتھ میرے چہرے کو نوچ کر رہ گئے۔

سربیان کا قہقہہ سنائی دیا۔ "اب رخ کیوں بدل لیا؟"

شکنجے کی گرفت اور سخت ہو گئی۔ میں بری طرح سر ادھر ادھر جھٹک رہا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی عالم مستی میں حال کھیل رہا ہو۔" ایک اور طعنہ سنائی دیا۔

"مستی!" میری نگاہوں کے سامنے گویا کوئی بجلی سی کوند گئی۔ مستی............! مستی کیا ہے؟ کسی ایک کیفیت میں کھو کر باقی سب کچھ بھلا دینا۔ اپنی ساری توانائی، ساری توجہ ایک جگہ مرکوز کر دینا۔ ذہن کو ہر دوسرے خیال سے خالی کر دینا۔

میں سیدھا ہو گیا۔ چہرے پر شکنجے کی گرفت پہلے سے زیادہ سخت ہو گئی تھی لیکن اب مجھے اس کی پرواہ نہ تھی۔ میں نے اپنا ذہن یکسو کیا اور ساری توجہ اس سنسناہٹ پر مرکوز کر دی جو تھوڑی دیر پہلے میرے رگ و پے میں دوڑ رہی تھی اور شکنجے کی اچانک افتاد سے گھبرا کر میں اسے بھول گیا تھا۔

جوں جوں میرے ارتکاز میں یکسوئی پیدا ہوتی گئی۔ سنسناہٹ میں شدت آتی گئی۔ میرا چہرہ گرم ہو کر تپنے لگا۔ میرے عضلات پھڑکے، ایک ہلکی سی آواز ابھری اور شکنجے کی گرفت ختم ہو گئی۔

سربیان کا پہلا وار ناکام ہو گیا تھا۔ نہ صرف ناکام ہو گیا تھا بلکہ اس کے اگلے تمام حربوں کو ناکارہ کرنے کا گر بھی مجھے معلوم ہو گیا تھا۔

یکسوئی.........صرف اور صرف یکسوئی۔

گرفت ختم ہوتے ہی میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ مجھے حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔ چبوترے پر بیٹھے دونوں وجود غائب تھے۔ مٹیالا غبار البتہ موجود تھا۔ پہلے سے کہیں زیادہ گہرا اور دبیز۔ ایک ستون کی شکل میں میرے سامنے ایستادہ۔ یہ ستون تیزی سے گھوم رہا تھا۔ مقناطیسی قوت کی لہریں اس میں سے پھوٹ رہی تھیں، اس کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھیں۔

میں نے اس پر نگاہیں جما دیں۔ آہستہ آہستہ میری تمام قوتیں میری آنکھوں میں مرکوز ہونے لگیں۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری آنکھوں میں چنگاریاں بھرتی جا رہی ہوں۔ جام بھر جائے تو چھلک جاتا ہے۔ جب میری آنکھیں چنگاریوں سے بھر گئیں تو چھلکنے لگیں۔ چنگاریوں شعاعوں کی صورت چھوٹنے لگیں۔

یہ شعاعیں، ستون کی مقناطیسی لہروں کی طرف بڑھیں۔ ان کی طرف سے بھی پیش قدمی ہوئی۔ راستے میں دونوں کا ٹکراؤ ہوا۔ ایک جھماکا ہوا اور بجلی کی کڑک گونجی۔ مجھے اپنے قدموں تلے زمین ہلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

زمین کی لرزش میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بھونچال آ رہا ہو۔ میں اپنی جما کھڑا رہا۔ ہم دونوں کی قوتیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں اور ان کے تصادم کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ''شاک ویوز'' پوری پہاڑی کو ہلا رہی تھیں۔

میرے جسم کی کیفیت اس وقت ایسی تھی جیسے برقی آریاں میرے سر سے پاؤں تک چلتی چلی جا رہی ہوں۔ ان آریوں کے دندانے میرے اعصاب پر خراشیں ڈال رہے تھے، میرے ذہن کو کھرچ رہے تھے، میری روح تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔

یہ مقابلہ ساحرانہ قوتوں کا نہیں تھا۔ یہ قوت ارادی کا مقابلہ تھا۔ ہم دونوں میں سے جس کی قوت ارادی زیادہ مضبوط ہوتی وہی فاتح ٹھہرتا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ مجھ سا نوآموز، ناتجربہ کار سپاہی، جس نے اب سے پہلے زندگی میں قلم گھسانے کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا تھا، کامیاب ٹھہرتا ہے یا تجربے اور عمل کی بھٹی میں پک کر سخت ہونے والا سربیان، جس کے شب و روز نہ جانے کب سے انہی وادیوں میں گزر رہے تھے۔

تجربے کے معاملے میں یقیناً وہ مجھ سے کوسوں آگے رہا ہوگا لیکن ہم دونوں کے درمیان ایک واضح فرق تھا۔ ایک خاصیت ایسی تھی جو صرف مجھ میں تھی، اور وہ تھی بھروسہ۔ مجھے اپنے خدا پر کامل بھروسہ تھا۔ میں جانتا تھا کہ ان مشکل حالات میں، میں تنہا نہیں ہوں۔ مجھے کائنات کی سب سے طاقتور ہستی کی تائید حاصل ہے۔ میری قوت ارادی، ایمان کی قوت کے ساتھ مل کر دوآتشہ ہوگئی تھی۔

ستون کے اور میرے درمیان ایک غیر مرئی رابطہ قائم ہونے لگا۔ میری آنکھوں سے پھوٹنے والی شعاعیں، ستون سے خارج ہونے والی لہروں کو چیر کر آگے بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ مقناطیسی لہروں کے تار و پود بکھرنے لگے تھے۔

پھر میری شعاعیں ستون کے گرد قائم مقناطیسی ہالے سے ٹکرائیں اور اس میں جذب ہونے لگیں۔ یہ شفاف ہالہ آہستہ آہستہ کثیف ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ہی ستون کے گھومنے کی رفتار میں کمی آنے لگی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے دُھرے کی راہ میں کنکر پتھر پھنس رہے ہوں اور وہ ان سے ٹکراتا ہوا گھوم رہا۔

ہالہ کثیف سے کثیف تر ہوتا گیا۔ رفتار آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی۔ پھر 'ٹھک' کی آواز سے ہالہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا اور اس کے ساتھ ہی گھومتا ہوا وہ ستون تھم گیا۔

میں جھپٹ کے آگے بڑھا اور پوری رفتار سے اس ستون سے ٹکرا گیا۔ میرا جسم اس میں داخل ہوتا چلا گیا۔ میں اس ستون میں یوں گھس گیا جیسے روشنی کی کرن تیر کی طرح اندھیرے کے سینے میں گھس جاتی ہے۔

یکا یک ماحول بدل گیا۔ میں نے اپنے آپ کو ایک الگ ہی دنیا میں پایا۔ میرے سر پر تاریک آسمان تھا اور قدموں تلے پختہ فرش۔ میرے اردگرد ایک عظیم الشان کھنڈر پھیلا ہوا تھا۔ وسیع و عریض ایوان، بلند و بالا دیواریں اور ستون۔ دیواروں میں اوپر سے نیچے تک گہرے گہرے طاقچے تھے اور ان طاقچوں میں مٹی کی سربند ہانڈیاں چنی ہوئی تھیں۔

مجھے ایک وحشیانہ چنگھاڑ سنائی دیا اور پھر میرے عقب میں کسی کے قدموں کی دھمک گونجی۔ میں تیزی سے پلٹا، میرا ہاتھ چلا اور مجھ پر جھپٹتا ہوا سربیان اچھل کر پیٹھ کے

بل گرا۔ اسی وقت میری گردن کسی کے شکنجے میں آ گئی۔ میرے گھومتے ہی عقب سے کسی نے میری گردن میں بازو ڈال دیا تھا۔ سرییان اٹھ رہا تھا۔ میں نے گردن میں ہاتھ ڈالنے کے پیٹ میں کہنی سے ضرب لگائی۔ اس کی گرفت ایک لمحے کے لئے ڈھیلی پڑی اور میں نے ذرا سا آگے کو جھک کر ہاتھ اٹھا کر اس کے سر کے بالوں پر ڈال دیئے۔ ایک ہی جھٹکے میں، میں نے اسے سامنے لا کر اٹھتے ہوئے سرییان پر پھینک دیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے میں الجھ کر پھر ڈھیر ہو گئے۔

اب میرے سامنے دو ہم شکل تھے۔ تیسرا کہاں تھا؟

تیسرا آسمان سے مجھ پر ٹوٹا تھا۔ یوں جیسے چیل مرغی کے چوزے پر جھپٹتی ہے۔ مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ بوجھل پتھر کی طرح مجھ پر آ پڑا اور میں زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس نے سنبھل کر میرے سینے پر سوار ہونے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے ہی میں نے اس کی شہ رگ پر ہاتھ ڈال دیا۔ اس کے حلق سے خراٹا سا نکلا اور میں نے اسے ایک دفعہ جھنجھوڑ کر اس کے دونوں ساتھیوں پر پھینک دیا۔ ایک دفعہ پھر وہی کہانی دہرائی گئی۔ وہ تینوں ایک دفعہ پھر ڈھیر ہو گئے۔

میں نے آگے بڑھ کر ان پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اپنی جگہ کھڑا محتاط نگاہوں سے ان کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ ہانپتے ہوئے وہ اٹھے اور خم ٹھونک کر میرے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

''یہاں پہنچ کر تو نے اپنی موت کو دعوت دی ہے۔'' ایک غرایا۔ ''اب تجھے کوئی بچا نہیں سکتا۔''

میں نے ایک دفعہ پھر اردگرد نگاہ دوڑائی۔ طاقچوں میں چنی ہوئی مٹی کی سربند ہانڈیوں کو دیکھا۔ یہ کون سی جگہ تھی؟

سوچنے کا وقت نہ تھا۔ ان کی طرف سے حملہ ہونے والا تھا، اور میں نہیں جانتا تھا کہ یہ حملہ کس شکل میں ہوگا۔ میں نے اپنی قوتوں کو یکجا کرنا شروع کر دیا۔

''یہاں کوئی سحر کارگر نہیں ہوگا، سپاہی۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''یہاں کھلا مقابلہ ہوتا ہے۔'' دوسرے نے کہا۔

''یہاں جیتنے کے لئے اپنے زور بازو پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔'' تیسرے نے کہا۔

''میرے بازوؤں کا زور تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔'' میں نے کہا۔ ''کیا اب بھی تم مجھ پر فتح پانے کی توقع رکھتے ہو؟''

''تب ہم اکیلے اکیلے آئے تھے۔'' پہلے نے کہا۔ ''اب ہم اکٹھے آئیں گے۔''

''آ جاؤ۔'' میں نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

میرا خیال تھا کہ وہ مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مجھ پر حملہ کرنے کے بجائے وہ پلٹ کر بھاگے اور کھنڈر کے مختلف گوشوں میں گم ہو گئے۔ میں حیران کھڑا انہیں دیکھتا رہ گیا۔ یہ انہوں نے کیا حرکت کی تھی؟

میں نے ایک دفعہ پھر اپنے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ نہ جانے اس ستونی دروازے سے گزر کر میں کون سی دنیا میں آ نکلا تھا۔ سحر کی یہ دنیا عجائب وغرائب کا پرپیچ گورکھ دھندہ تھی۔ میرے ذہن میں یہی آواز گونجی تھی کہ مجھے آگے بڑھ کر اس ستون سے ٹکرا جانا چاہئے۔ میں، نے دل کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ اپنی دانست میں، میں اس کے ٹکڑے کر دینے کو حملہ آور ہوا تھا لیکن نتیجہ میری توقع کے برعکس نکلا تھا۔

بہرحال کچھ بھی تھا۔ ان شیطانوں سے میرا یہاں ٹکراؤ اس بات کی دلیل تھا کہ میں اپنے راستے سے بھٹکا نہیں، بالکل صحیح جگہ پہنچا ہوں................ لیکن یہ جگہ تھی کون سی؟

''یہ وہی جگہ ہے جس تک پہنچنے کے لئے تم نے اس سفر کا آغاز کیا تھا۔'' لیشی کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''مطلب؟'' یہ لفظ میری زبان سے نہیں نکلا تھا، صرف سوچ تک محدود رہا تھا کیونکہ لیشی بھی میری سوچ میں ہی تھی۔

''یہ وہ جگہ ہے جہاں روحوں کو رکھا گیا ہے۔ آج سے چند صدیاں پہلے یہ جگہ ایک ہندو جاگیردار کا محل ہوا کرتی تھی۔ امتداد زمانہ نے اسے کھنڈر بنا دیا لیکن عام دنیا کا کوئی فرد اب بھی ادھر کا رخ نہیں کرتا۔ جانتے ہو وہ جاگیردار کون تھا؟''

''کون تھا؟''

"جس سے تم اب تک مقابلہ کرتے آئے ہو۔"

"سربیان؟"

"مونٹی قبیلے کے لئے وہ سربیان ہے۔ ذی آنا والوں کے لئے وہ زوالا اور فولاس ہے۔ تمہارے لئے وہ کچھ بھی نہیں۔"

"اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے کئی روپ ہیں۔"

"ہاں، یہ بات درست ہے۔"

"لیکن میرے سامنے وہ صرف انہی تین شکلوں میں آیا ہے۔"

"وہ تمہارے سامنے صرف اس شکل میں آ سکتا ہے، جس سے تم واقف ہو۔ ذی آنا والے زوالا اور فولاس سے واقف تھے، ان کے سامنے وہ سربیان کے روپ میں نہیں آ سکتا۔ مونٹی قبیلے کے لوگ سربیان سے واقف ہیں، ان کے سامنے وہ زوالا اور فولاس نہیں بن سکتا۔ تم چونکہ تینوں شکلوں سے واقف ہو، اس لئے تمہارے سامنے تینوں موجود ہیں۔"

"اس کی موت کس روپ میں ہوگی؟"

"اس کے اصلی روپ میں۔"

"لیکن وہ روپ تو میرے سامنے کبھی آیا ہی نہیں۔"

"آ جائے گا، آ جائے گا۔ پریشان کیوں ہوتے ہو؟"

"روحیں کہاں قید ہیں؟"

"تمہارے سامنے۔ مٹی کی ان ہانڈیوں کو دیکھ رہے ہو۔ روحیں انہی میں بند ہیں۔"

میں نے ایک حیران نگاہ ان ہانڈیوں پر ڈالی پھر کہا۔ "تو کیا میں ان ہانڈیوں کو توڑ کر انہیں آزاد کر دوں؟"

"کیسے توڑو گے؟" ہنسی کی کھنکھناہٹ سنائی دی۔ "ہزاروں ہانڈیاں ہیں۔ توڑتے توڑتے کتنا وقت گزر جائے، کچھ اندازہ ہے تمہیں؟"

"میں اپنی مخفی قوت کو بروئے کار لا کر ...."

"اگر کوئی مخفی قوت یہاں کام دے سکتی تو کیا تمہارے خیال میں وہ تینوں تم پر اپنے

سحر نہ آزماتے۔ انہوں نے تم سے عام انسانوں کی طرح لڑنے کی کوشش کی ہے، تم پر اپنے بازوؤں کی قوت کے بل پر غالب آنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ یہاں پر کوئی سحر نہیں چلایا جا سکتا۔"

"لیکن کیوں؟"

"ان روحوں کی وجہ سے۔ مٹی کی ہانڈیوں میں بند یہ روحیں سو رہی ہیں، اور یہ اس وقت تک سوتی رہیں گی جب تک کہ کوئی بیرونی اثر ان کی نیند ختم نہ کر دے۔ کسی بھی طرح کا جادوئی عمل ان کی نیند ختم کر سکتا ہے۔ تب انہیں ان ہانڈیوں میں قید رکھنا ممکن نہ رہے گا۔ یہ تمام بندشیں توڑ کر اپنے ابدی مستقر کی طرف روانہ ہو جائیں گی۔"

"جو لوگ انہیں قید کر سکتے ہیں، کیا وہ انہیں روک نہیں سکتے؟"

"روک سکتے ہیں لیکن صرف دھوکے سے۔ اتنی قوت ان میں نہیں کہ زبردستی ان روحوں کو اپنا پابند بنائے رکھیں۔ انہیں دھوکے سے شکار کیا گیا ہے اور جب تک یہ دھوکا باقی رہے گا، یہ روحیں یہیں رہیں گی۔"

"اس دھوکے کو ختم کیسے کیا جا سکتا ہے؟"

"ساری باتیں کیا میرے بتانے کے لئے ہیں؟" وہ پھر ہنسی۔ "کچھ اپنے ذہن سے بھی سوچ لیا کرو۔"

"اچھا ٹھیک ہے، اتنا تو بتا دو کہ یہ تینوں گئے کہاں؟"

"کہیں نہیں گئے، یہیں ہیں۔ ابھی سامنے آ جائیں گے۔ بہر حال یہ تینوں مل کر بھی تم پر غالب نہیں آ سکتے۔ اگر مقابلہ صرف سحر کا ہوتا تو ذی آنا میں تمہیں ان عملیات سے ہرگز نہ گزارا جاتا۔ وہ مخصوص غذائیں کبھی نہ کھلائی جاتیں۔ تمہاری وہ فولادی قوت اب بھی موثر ہے۔ وہ جب بھی سامنے آئیں گے، شکست کھائیں گے۔"

"انہیں شکست دینے کے بعد میں واپس کیسے جاؤں گا؟"

"اس کے اصلی روپ کی موت واقع ہوتے ہی راستہ خود بخود کھل جائے گا۔"

"کھل جائے گا۔ لیکن کس طرف کو؟"

"وہ تم خود دیکھ لینا لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔"

"وہ کیا؟"

"اس کی موت اور روحوں کی آزادی کا عمل ایک ساتھ ہونا چاہئے ورنہ اب تک کی ساری جدوجہد بیکار جائے گی۔"

"وہ کیسے؟"

"اس کی موت سے پہلے روحیں آزاد ہوئیں تو انہیں فرار ہونے کا موقع مل جائے گا، اور اس کی موت کے بعد روحوں کو آزاد کرانا ناممکن ہو جائے گا۔ خیال رکھنا۔"

"میری یہاں آمد کا ایک مقصد اور بھی ہے۔"

"ہاں، میں جانتی ہوں۔ نقشے کے اس آدھے حصے کا حصول۔"

"وہ کیسے ہوگا؟"

"اس کے مرتے ہی وہ حصہ تمہیں مل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تو پھر خدا حافظ۔"

وہ چلی گئی اور میرا دل چاہا کہ سر پکڑ کر یہیں بیٹھ جاؤں۔ عجیب مخمصے میں ڈال گئی تھی وہ مجھے۔ ابھی تک مجھے یہی علم نہ تھا کہ یہ روحیں آزاد کیسے ہوں گی۔ پہلی مصیبت یہی تھی۔ اس کے بعد یہ بھی خیال رکھنا تھا کہ ان کی موت اور روحوں کی آزادی کا عمل ایک ساتھ وقوع پذیر ہوں۔ یہ دوسری مصیبت تھی اور مجھے ان دونوں سے ایک ساتھ نپٹنا تھا۔ آخر یہ کیسے ہوگا؟

پھر وہی خیال میرے ذہن میں چمکا۔ راست اقدام.......... لیکن اس مرتبہ دوسرے انداز میں۔ ہاں.......... اس مسئلے کا یہی حل ہو سکتا تھا۔

میں ان کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ جس طرح اچانک غائب ہوئے تھے، اسی طرح سامنے آ گئے۔ اس مرتبہ انہیں دیکھ کر مجھے علم ہو گیا کہ وہ کس لئے بھاگے تھے۔ میری طرف سے لگنے والے ابتدائی جھٹکوں نے ان کے حواس کسی قدر ٹھکانے کر دیئے تھے۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ دست بدست لڑائی میں وہ مجھ پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ وہ مجھ پر قابو پانے کا

خاطرہ خواہ انتظام کرنے کے لئے گئے تھے۔

ان کے ہاتھوں میں ہتھیار تھے۔ ایک نے گرز سنبھال رکھا تھا، دوسرے کے پاس تلوار تھی اور تیسرے نے ایک خاردار ڈنڈا اٹھا رکھا تھا۔ نہ جانے وہ یہ چیزیں کہاں سے لے کر آئے تھے۔ بہر حال لیشی نے مجھے جو کچھ بتایا تھا، اس کے بعد اس جگہ ایسی اشیاء کا ہونا کوئی تعجب خیز بات نہ تھی.......... اور شاید وہ جانتے نہیں تھے کہ میرے فولادی جسم پر ان کے ہتھیار بیکار ثابت ہوں گے۔

انہوں نے مجھ پر حملہ کیا، اور میرے ہاتھ حرکت میں آ گئے۔ ان کے واروں کا مجھ پر کیا خاک اثر ہوتا، البتہ میرے حملوں نے انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ میرا ہاتھ جسے پڑتا، جہاں پڑتا، تباہی مچا دیتا۔ بمشکل ایک منٹ گزرا ہوگا کہ فیصلہ ہو گیا۔

ایک کی ٹھوڑی تلے میرا گھونسہ اس قوت سے پڑا تھا کہ ٹھوڑی کے ساتھ ساتھ گردن کا منکا بھی برابر ہو گیا۔ دوسرے کا چہرہ میرے ہاتھ کے شکنجے میں آ گیا۔ شکنجہ بند ہوا تو کھوپڑی سمیت چہرے کی ساری ہڈیاں چرمرا گئیں۔ تیسرے کے گھٹنے کی چپنی پر میری ٹھوکر پڑی۔ وہ ٹانگ تڑوا کر گرا تو میں نے آگے بڑھ کر بایاں ہاتھ اس کے کندھے پر جمایا، دایاں ٹھوڑی پر رکھا اور ایک ہی جھٹکے میں سر دھڑ سے جدا ہو گیا۔

کہانی ختم ہو گئی۔ زوالا، فولاس، سربیان...... تینوں ختم ہو چکے تھے۔ لیشی نے کہا تھا کہ ان کے مرتے ہی نقشے کا بقیہ آدھا حصہ مل جائے گا۔ میں نے اس کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں، لیکن ناکامی ہوئی۔ میں تھوڑا سا پریشان ہوا لیکن پھر مجھے لیشی کی دوسری بات یاد آ گئی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس خبیث روح کی موت اس کے اصلی روپ میں ہوگی۔ میں نے اس کے صرف تین عکس ختم کئے تھے۔ اس کا اصلی روپ ابھی میرے سامنے نہیں آیا تھا۔

اس کھنڈر کا حقیقی آسیب ابھی زندہ تھا!

عین اسی وقت گھوڑوں کی ٹاپیں اور ان کی وحشیانہ ہنہناہٹ سنائی دی۔ میں چونک کر پلٹا۔ کھنڈر کا مرکزی دروازہ پہلی بار میری نگاہوں کے سامنے آیا۔ آہنی کیلوں سے جڑا، یہ بھاری بھرکم، بلند و بالا چوبی دروازہ نہ جانے کتنے عرصے بعد کھل رہا تھا۔ آہستہ

آہستہ!

دروازہ کھل گیا۔ چار گھوڑے ایک عظیم الشان رتھ کو کھینچتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

ان گھوڑوں کی باگیں ایک قوی الجثہ شخص کے ہاتھ میں تھیں۔ اس کے جسم پر قدیم ہندو جنگجوؤں کا لباس تھا اور گھٹے ہوئے سر پر لمبی سی چوٹی سانپ کی دم کی طرح لہرا رہی تھی۔ اس کے گلے میں تلوار حمائل تھی، سامنے تیروں سے بھرا ترکش نصب تھا اور ہاتھ میں طلائی کمان تھی۔

اصلی روپ میرے سامنے آ گیا تھا۔

رتھ مجھ سے قریباً بیس گز کے فاصلے پر عین میرے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور اس سارے کھیل کو رچانے والا گھوڑوں کی باگیں سنبھالے کینہ توز نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔

"میرے بازو کاٹ دیئے تو نے۔" وہ پھنکارا۔

"تجھے بھی کاٹ پھینکوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"اس سے پہلے میں تیرا سینہ چیر دوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے تیزی سے ترکش میں سے تیر نکال کر کمان میں جوڑ لیا۔

میں تن کر کھڑا ہو گیا۔ آئندہ کا لائحہ عمل میرے ذہن میں بالکل واضح تھا۔ صرف ایک ہی طریقہ تھا جس سے اس کی موت اور روحوں کی آزادی ایک ساتھ وقوع پذیر ہو سکتے تھے۔

کمان کا چلہ انتہائی حد تک کھنچا اور پھر اس کی انگلی اور انگوٹھے کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ تیر کمان سے نکلا اور سنسناتا ہوا میری طرف بڑھا۔ میری آنکھیں دہکیں اور میرے ارتکاز کی قوت تیر پر مرکوز ہوئی اور وہ بیچ راستے میں تیر معلق ہو کر رہ گیا۔

اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہوئے۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ میں اس جگہ پر اپنی مخفی قوت کو بروئے کار لاؤں گا............ لیکن میں پہلے ہی سب کچھ سوچ چکا تھا۔ اس مسئلے کا یہی ایک حل تھا۔

جس جگہ میری قوت اور اس کے تیر کا ٹکراؤ ہوا تھا، وہاں سے شرارے سے پھوٹ رہے تھے، ان کا حلقہ دم بدم وسیع ہوتا جا رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ یہ شرارے پھیلتے ہوئے ہانڈیوں تک پہنچ جاتے، تیر واپس پلٹا اور جس تیزی سے میری طرف آیا تھا، اس سے دس گنا تیزی سے چلانے والے کی طرف پلٹا۔ اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ اس کا اپنا چلایا ہوا تیر اس کے دل میں ترازو ہو گیا۔

اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی اور اسی وقت شرارے ہانڈیوں تک پہنچ گئے۔ ہانڈیاں ایک ایک کر کے ٹوٹنے لگیں۔ ایک قیامت خیز شور بپا ہو گیا۔ جانے کب سے خوابیدہ روحیں ہڑبڑا کر بیدار ہو رہی تھیں۔ پورا کھنڈر ان کے اثر تلے لرز رہا تھا۔ جھٹکے اتنے شدید تھے کہ اس کی دیواروں میں دراڑیں پیدا ہونے لگی تھیں۔

ادھر ہانڈیاں ٹوٹ رہی تھیں، ادھر انہیں بند کرنے والا دم توڑ رہا تھا۔

اس کے منہ سے آخری ہچکی نکلی اور اس کا جسم پگھل کر بہنے لگا۔ اسی وقت مجھے اس کے جسم کے سیال میں بھیگتا ہوا چرمی کاغذ وہ ٹکڑا نظر آ گیا، جس کی تلاش میں ڈبل باس اور ان کے ساتھی مارے مارے پھر رہے تھے۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے اٹھا لیا اور ادھر ادھر دیکھا۔ اب مجھے واپسی کے راستے کی تلاش تھی۔ کھنڈر کی بوسیدہ دیواریں زمین بوس ہوتی جا رہی تھیں۔ اب میرا یہاں ٹھہرنا ممکن نہ تھا۔

روحیں غول در غول چکراتی پھر رہی تھیں۔ شاید وہ سمجھ نہ پا رہی تھیں کہ وہ اب تک کہاں تھیں اور اب انہیں کہاں جانا ہے۔ ان کے شفاف اجسام کی سرسراہٹیں اور سنسناہٹیں گولیوں کے زناٹوں کی طرح سنائی دے رہی تھیں۔ ہر جگہ ان کا یوں ہجوم در ہجوم تھا جیسے متلاطم سمندر میں موج کے اوپر موج چڑھی چلی آ رہی ہو۔

اور پھر ان موجوں کے درمیان ایک روشن حلقہ نمودار ہوا۔ روحیں تیزی سے اس میں داخل ہونے لگیں۔ انہیں ابدی مستقر کی طرف واپسی کا راستہ مل گیا تھا............ لیکن میری واپسی کا راستہ کہاں تھا؟

میں بوکھلائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اچانک میرے قدموں تلے زمین شق ہو گئی اور میں نے خود کو ایک عمیق خلا میں گرتے ہوئے پایا۔ میرا جسم گولی کی

رفتار سے گرتا چلا جارہا تھا۔ نیچے............اور نیچے...........اور نیچے!

میرا سر بری طرح چکرا رہا تھا، اندھیرے بار بار ذہن پر یلغار کر رہے تھے، آنکھیں مندتی چلی جارہی تھیں۔ نجانے کب تک میں اس کیفیت کا مقابلہ کرتا رہا۔ آخر تھک کر اور جھنجھلا کر میں نے کوشش ترک کر دی...........اور پھر میرا ذہن اندھیروں میں ڈوب گیا۔

❁ >>> ❁ >>> ❁

اس کے بعد کیا ہوا، مجھے کچھ یاد نہیں صرف اتنا یاد ہے کہ جب مجھے ہوش میں آیا تو میں اپنے ساتھیوں کے درمیان موجود تھا۔ وہ سب میرے اردگرد جمع تھے، ان کے چہروں پر تشویش تھی۔ میرا سر لیشی کی گود میں تھا اور وہ چہرے پر مسکراہٹ لئے میرے بال سنوار رہی تھی۔ میرے ساتھیوں کی تشویش کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی۔ انہوں نے آج تک لیشی کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

اس کے بعد کی کہانی زیادہ طویل نہیں۔

ڈبل باس کا نقشہ پورا ہوگیا، انہیں خزانہ تلاش کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ قدیم نوادرات پر مشتمل یہ خزانہ واقعی اتنی قدر و قیمت کا حامل تھا کہ اتنے حصوں میں تقسیم ہوکر بھی سب لوگوں کو سات پشتوں کی دولت دے گیا۔ سب لوگ اپنا اپنا حصہ لے کر اپنے وطنوں کی طرف روانہ ہوگئے تھے۔ میں نے کسی قسم کا حصہ لینے سے انکار کر دیا تھا لیکن انہوں نے اتنا اصرار کیا کہ آخر میں انکار کرنا میرے لئے ممکن نہ رہا تھا۔

مونٹی قبیلے کے لوگ ہمارے رویئے اور ہماری باتوں سے اتنے متاثر ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنی دوسروں سے کوئی رابطہ نہ رکھنے کی روایت کو ترک کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ مجھے امید ہے کہ بیرونی دنیا سے مربوط ہونے اور نت نئے رسوم وعقائد سے واقف ہونے کے بعد ان کے ذہن اتنے روشن ہو جائیں گے کہ وہ صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔ میں نے ان میں اپنے دین کی تبلیغ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ لوگ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار نہ تھے، میری کوشش قطعی بے فائدہ رہتی۔

ذی آنا پر منڈلانے والی نحوست کے سائے دور ہو گئے تھے۔ پرشیانہ، روتھن اور زیراس کو ان کے جسم واپس مل گئے تھے۔ ثی وش نے اپنے وعدے کے طور پر پرشیانہ کو

میری ملکیت میں دینے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اتنی سختی سے انکار کر دیا کہ اسے دوبارہ کہنے کی ہمت نہ پڑی۔ میرا انکار اس بنیاد پر تھا کہ پرشیانہ ایک انسان ہے، کوئی گائے بھینس نہیں کہ کسی کی بھی ملکیت میں دے دی جائے۔ اگر وہ میری ممنون تھی تو اس کے اظہار کے اور بھی بہت سے طریقے تھے۔ یہ نہیں کہ احسان مند ہو کر وہ ہمیشہ کیلئے میری غلامی میں آ جاتی۔ اسے اپنی زندگی کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جانا چاہئے تھا۔

اور یہ میں نے اچھا ہی کیا تھا۔ پرشیانہ اپنے جیون ساتھی کے طور پر زیراس کو بہت پہلے منتخب کر چکی تھی۔ روتھن اس بات سے اچھی طرح واقف تھا۔ میری غلامی میں آ کر وہ جسمانی طور پر تو میری ہو جاتی لیکن اس کی روح ہمیشہ کے لئے مر جاتی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے یہ ظلم کرنے سے محفوظ رکھا۔

چیستانہ کی دعائیں قبول ہو گئی تھیں، وہ معبد سے باہر نکل آئی تھی۔ چند دن بعد ایک پرشکوہ تقریب میں ان دونوں جوڑوں کی شادی کر دی گئی۔ شادی میں شرکت کے بعد میں وہاں سے نکل آیا تھا۔ ظاہر ہے، میں ہمیشہ تو وہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ مجھے اپنی دنیا واپس پہنچنا تھا۔

میں اپنی دنیا واپس پہنچ گیا۔ نہ جانے کن کن دنیاؤں کا سفر کر کے اور نہ جانے کتنی کہانیاں لئے۔ ایک فرق البتہ نمایاں تھا۔ جب میں اس سفر پر نکلا تھا تو تنہا تھا۔ لیکن واپس تنہا نہیں آیا تھا۔ لیشی بھی میرے ساتھ تھی۔

مسٹر الکانڈر اب میرے سسر ہیں۔ ان کے اور لیشی کی ذات کے تمام اسرار مجھ پر عیاں ہو چکے ہیں۔ جس مشن کی تکمیل کے لئے کمانڈو کے طور پر مجھے چنا گیا تھا، اس کے پس پردہ منصوبہ سازی اور حکمت عملی تیار کرنے کا کام انہیں سونپا گیا تھا اور انہوں نے یہ فرض بڑی خوبی سے نبھایا تھا۔

زندگی بڑی خوشگوار گزر رہی ہے۔ میں کہانیاں اب بھی لکھتا ہوں لیکن پہلے کے مقابلے میں اس فرق کے ساتھ پہلے میں کہانیاں سوچا کرتا تھا۔ اب مجھے سوچنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

❀ ››› ❀ ››› ❀